

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تحریر

مصنف (سالمی کنول)



”خواہش... تمنا... آرزو... ارمان... یا کون سا نام تمہیں دلوں؟

کس سے تمہیں خطاب کروں اسے جان...“

غیر سنے انگوٹھے اور درمیانی انگلی میں وہ چمکتا ہوا سکہ گھلایا... اٹھالا

”پھر دوسرے ہاتھ کی تنجیل پھیلائی، اور بڑی امیدوں اور مسکراتی اور بھلتی ہوئی
انگوٹوں کے ساتھ ٹاس کرنے کے لئے اس پر چھت گرادیا۔

کارڈوں میں اندھیرا تھا۔ وہ اسی طرح بائیں ہاتھ کی پھیل چھل پر سکہ
اور دایاں ہاتھ اس پر آٹا جھائے باہر روشنی میں نکل آیا۔

برآمدے میں بھی روشنی کم تھی لیکن ٹاس کرتے ہوئے آنکھوں میں
جو امید کی جوت آتھائی تھی اس نے اس بجٹے کو روشن و متور کر دیا تھا۔
اسے سب کچھ دکھائی دینے لگا۔

”وہ آئے گی ناں۔؟“ حسرت بھرا سوال لئے اس نے سکے کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا...؟ پھر وہی حرکت؟“

گلش ہمیشہ کسی ہونی کی طرح وارد ہوا کرتی تھی۔ جانے ایک دم ہی؛

کس طرف سے نکل آئی تھی۔ کسی کمرے سے صحن میں سے دہری ڈیوڑھی
سے، یا پھر وہیں موجود تھی۔

یہ ایک سامنے آتے ہوئے اس نے خیر کے ہاتھوں پر ہاتھ دے مارا۔



سلمیٰ کنول

”پھر بتاؤ۔ یہ کیا حرکت ہے۔“
 ”بس۔! عید نے اسے مٹانے کے لئے خود ہی وہاں سے مل جانا بہتر سمجھا۔۔۔“
 مگر۔ وہ اس کے قدم اٹھانے سے پہلے ہی اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔
 ”دیکھو، عمیر! میں تمہاری راز دار، غمگین۔۔۔“
 ”جان شار، خدمت نگار، رگیزار، راز دار۔۔۔“
 ”یہ کیا کہنے جا رہے ہو۔۔۔؟“
 ”یہی کہہ رہی ہوں۔ مارے محبت، مارے شفقت اور مارے مسرت و فرحت و رفت کے۔۔۔“
 ”ہنری کے جذبول کا مذاق نہیں اڑا یا کرتے عمیر!“
 ”بڑا مٹاتے ہوئے رہ کا ہوا راستہ گشت نے چھوڑ دیا۔“
 ”دیکھو گل! بھائیوں کے محبت بھرے مذاق کا بُرا نہیں منایا کرتے۔“
 ”نگ دلی کی نشانی ہے یہ۔ اس سے بد مزاجی بھی عیاں ہوتی ہے اور۔۔۔“
 ”اور ڈالے جاؤ عیب جتنے ڈال سکتے ہو۔۔۔؟“
 ”تو یہ، تو یہ! میں عیب کیوں ڈالوں گا۔ میں تو بلکہ اس بات کا معترف ہوں کہ انہیں تو بھائیوں کے لئے جان بھی دے سکتی ہیں۔ اور تم ایسی کہیں تو۔۔۔“
 ”جاؤ! جاؤ۔ تمہارا انداز پھر طنز پر ہونے لگا ہے۔۔۔“

اور۔۔۔ سیکہ بیٹھے کر گیا۔
 اس نے ابھی دیکھا بھی نہ تھا۔ اور اس ظالم نے کیسے اس کے دل کا تاج مل کر کر چکنا چھر کر دیا تھا۔
 ”اوہ۔! عید نے بڑے دکھ سے اس کی طرف نظر اٹھائی۔
 ”یہ تم سے کیا کیا۔۔۔؟“
 ”یہ تو تم روزانہ اس وقت تیار ہو کر، سچ بن کر، کہیں جانے سے پہلے یہ مٹا س کیوں کرتے ہو؟“
 گشت نے اسے سر سے پاؤں تک منہ فیض نظروں سے دیکھتے ہوئے اک تجسس کے ساتھ پوچھا۔
 عمیر کے تازہ دُھے ہوئے چہرے پر مسکراہٹوں اور سیکہ بیٹھے کر ملنے کے دکھ کا امتزاج بڑا انوکھا بین سپیش کر رہا تھا۔
 ”ویسے اب بچے لگ رہے ہو۔“
 اس ٹوپ میں وہ بہن کو بھاگیا تھا شاید۔ تعریف مٹی تو عمیر کے چہرے پر سے دکھ کا سایہ ہٹ گیا۔ اب وہاں صرف نکھار تھا۔ اور اس کی ہمیشہ والی وجاہت اور مصوویت۔
 ”جانے دو یار! سارا ٹوڈ خراب کر دیا۔“
 ”کیا۔۔۔؟ وہ قدرے بلند آواز میں چلائی۔
 ”مجھے دیکھ کر تمہارا ٹوڈ خراب ہو گیا۔؟“
 ”نہیں نہیں۔“ وہ مسکرائے لگا۔

”انکار کرو...“ میری آنکھوں میں شوخی چلی...

”کر دوں...؟“

”ہاں... تمہاری جدائی میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہوگی...“

”میرا انکار بھی تکلیف دہ ہوگا عمو جان!“ وہ سنجیدہ ہو گئی۔

”اور نہ صرف تکلیف دہ، بلکہ... عزت گئی... ذات پتے بڑ گئی۔“

”منہ کالا ہو گیا... کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے... یہ سب

کچھ سننا پڑے گا۔“

گلشن کی سنجیدگی پر پھر گئی وگلازار بکھل گئے

”منظور ہے یہ سب تو انکار کر دیتی ہوں... ابھی... جاؤں...؟“

”اچی سے کہہ دوں...؟“

”او... نہ نہ...“ میرے بھاگنے کے لئے قدم اٹھاتی گلشن کو جلدی

سے کندھوں سے تھام لیا...

”عمو! گلشن...“ اچی دونوں کو پکار رہی تھیں۔ پچھلے کمرے میں سے

... جانے کب سے... وہ اپنی اسی باتوں میں لگے ہوئے تھے۔

”کہاں ہو دونوں...؟ دیکھو کیا وقت ہو گیا...؟“

”ارے...!“ ماں کی آواز کان میں اترتی تو میرے صرف جوتے

اٹھا بلکہ بڑی طرح گڑ بڑا بھی گیا...

”یہ تم... بڑی منحوس ہو...؟ مارے غصے کے اس نے گلشن کو پرے

دھکیلا...

”منظر یہ نہ ہو تو اور کیا ہو...“ غیر ایک دم سے ہی ہلک اٹھا۔

”کیا کیا تم نے میرے لئے کبھی بھی...؟“

”کیا مطلب...؟“

”میں ہمیشہ زبان کلامی سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ عملی ثبوت کبھی دیا ہے؟“

”کیا مطلب...؟“

”کیا جاں نثاری کی تم نے میرے لئے...؟“

”ہائے تو میں کچھ بچے گردن کاٹ کر تمہارے ہاتھ میں دیدوں

کیا...؟“

”جب کبھی ایسا وقت آئے گا، تو بھاگ کھڑی ہو گی تم اس سے

دھوکوں سمیت... اور ہم بھائی لوگ پھر بھی اعتراف کئے جائیں گے...

سب کے سب احمق بن چکے ہیں...“

”ہنسی نہیں بھانگا کرتیں جناب عمیر صاحب! بھائی بھانگا کرتے

ہیں...“

”چیز تو یہاں بات اُلٹی ہو گئی... تم ہار گئیں...“

”کیسے...؟“

”دونوں بھائی نہ میرا حقد اور عمیر احمد کے ہونے ہیں اور تم بھاگ

کھڑی ہوئی ہو...“

گلشن اک خوب صورت سی، شرمیلی سی ہنسی ہنس پڑی۔

”اپنی مرضی سے تو ہمیں بھاگ... تم سب کی مرضی نے بھنگا یا...“

”مجھے دیر کرادی... چڑیل...! پچھل پیری...! کیا کسی اور گھر میں تم پیدا نہیں ہو سکتی تھیں...؟“

”نہیں...! اور اگر ہو جاتی تو تمہیں بھی وہیں پیدا ہونا پڑتا...؟“

”کیوں...؟“

”اس لئے کہ تمہارے مقدر میں، اس بیماری سی ہیں کا بھائی بنا لکھا گیا تھا...! دوزخ ازل سے ہی...“

”آہ...! اور ہوئی کو کوئی مٹا نہیں سکتا...! واہ ری تقدیر کہاں آکر جیت گیا...!“

”صحن کی پر پی دیوار کے ساتھ، صحن دوازے کے قریب، اُس نے سکوتر کھڑا کیا ہوا تھا، تاکہ فوری ضرورت فوراً نکل بھاگے۔“

”عمو! کہاں جا رہے ہو...؟“ اتنی اسے پکارتے ہوئے برآمدے میں نکل آئیں۔

”میں جہاں روز جاتا ہوں۔“

”گفتن نے چوٹ کی...؟“ یہ نہیں کہیں کو بچے کی گواہی...؟

”ختم ہو چکا...؟ وہ سکوتر پر بیٹھ کر اسے کلیں لگانے لگا۔“

”عمو سنو...! ایک ضروری بات...“

”آکر سنو گا۔“

”پر جا کہاں رہے ہو...؟“

”آکر تباؤں لگا...! اس نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائی۔

گلشن بھاگ کر سکوتر کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا ہینڈل تھام لیا۔

”بھائی جان کا خط آیا ہے؟“

”واپس آکر پڑھو گے...“

”غیر سکوتر کو اشارت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔“

”کمال کے انسان ہوا، اتنے دنوں بعد خط آیا ہے اور تمہیں ذرا بھی تجسس، بے قراری...“

”بے چینی... بے کلی...! اضطراب...! مقراض...!“

”ایس، ایس، ایس! یہ کیا بولے جا رہے ہو... تمہارا دماغ تو نہیں چل نکلا...؟“

”تمہاری مدد کر رہا تھا جلدی جلدی۔ تم اسی طرح کے ہنسیاں، ہمدلیت اور ہم معنی الفاظ بولنے کی کوشش کیا کرتی ہو نا، میں نے کہا جلدی سے تمہارا جملہ پورا ہو جائے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے...“

”اور سٹے ہوئے...! گفتن نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ پھر مسکرا کر پیار سے بھائی کی طرف دیکھا۔“

”دیکھو عمو...“

”عمو! شو کوئی نہیں...! سیدھا سیدھا میرا نام لیا کرو۔ محمد عمو کا بھائی۔ ہاں...“

”اس نے ہینڈل سے ہاتھ ہٹا کر گلشن کی خوب صورت سروائی کو پھوٹی جھنجھوڑ ڈالی۔

”تم میری زندگی کی واحد چائی ہو... تم ایک جذبہ ہو... ایک نبت ہو...
اک اُمید ہو... اک حقیقت ہو اور اک محور ہو۔ جس کے گرد میں گردش کر
رہا ہوں...“

”یہ کیا کہہ رہے ہو...؟“ گلشن بھراس کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔

”تم یہیں کھڑی ہو...؟ جاکو یہاں سے...“

”کس کی گردش کا ذکر کر رہے تھے...؟“

”تمہارے ستاروں کی...“

”خدا نہ کرے کہ میرے ستارے گردش میں ہوں؟“

”خدا نہ کرے، کیونکہ... خدا نے کون کہا اور فیکٹوں ہوگی۔ دہ دہ

ماہ تک تم اپنے ستاروں سمیت یہاں سے غائب...“

”بس۔ شروع ہو جاتے ہو۔ جب دیکھو یہی موضوع...“ وہ شرابی،

”رانی جی! نکاح کرانے کے وقت یوں شرابا، لہذا تھا۔ اس وقت تو

بڑے فوری طور سے سر ہلایا تھا... دیکھیں کے یا شاید گواہ شدہ کے ہاتھ سے

چھین کر قلم، جلدی دستخط دے مارے تھے۔ کہ کہیں کام نامکمل نہ...“

”کے جاؤ... کہے جاؤ...“

گلشن صحن پارکر کے واپس برآمدے میں جا بیٹھی۔

”ٹھوکر دو کو... بھائی کا خط پڑھ لے...“

”ماں نے شکایتی یا فریادی انداز میں اس سے کہا...“

”نہیں رنگ رہا اچھی جی! پر...“

”نہیں مدم نہیں... نام ہنگامے سے اس کے اصلی معنی بھی بگڑ جاتے
ہیں اور اگر معنی بگڑ جائیں تو ساری زندگی بگڑ جاتی ہے۔ مجھے گناہ ہے
تم نے میری زندگی بگاڑ...“

”خدا نہ کرے...؟“

”خدا نہ کرے کیا ہوا۔ خدا نے کر دیا...“

اس نے بھینچ کر گلشن کے ہاتھ ہینڈل پر سے ہٹائے۔

”یہ دیکھو اشارت نہیں ہو رہا... تم نے نام بگاڑا ہے تا تو یہ بھی بگڑیگی۔

یہ بگڑا تو کچھ میری زندگی بگڑ گئی...“

”اب سارے قصور میرے ہو گئے...؟“

گلشن مٹھ جاکر برسرے چل دی۔

”یہ شو کہاں جا رہا ہے...؟“ اتنی برآمدے میں کھڑی پوچھے جا

رہی تھیں۔

”مجھے کیا پتہ...؟ گلشن بگڑے ہوئے لمحے میں بولی۔

”روزانہ ہی اس وقت غائب ہو جاتا ہے...“

”لگا دی نا نظر، بار بار روزانہ کہہ کر... اب اشارت ہی نہیں ہو رہا

کجخت... اور ادھر...“

کسی خیال، کسی سوچ کے زیر اثر غیر مسکرایا۔ پھر زیر لب بڑبڑایا۔

”وہ انتظار میں ہوگی... پر نہیں۔ پہلی بات مجھے جانتی تھی نہیں... کہ

میں کون ہوں... البتہ... میں نہیں جانتا ہوں۔“

وہ زور سے تہقہہ لگا کر منہ دی۔

”اب جائے گا بھی نہیں... سکوتر شارٹ ہی نہیں ہو رہا...“

”تمہاری زبان کا لی ہے... تم خود کالی دیوی جو...“

غیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے بڑبڑایا۔

سکوتر کا غصہ آنکھوں ہی آنکھوں سے گلشن پر نکالنے کی کوشش کی۔

”پر تمہاری بات بھی نہیں پوری ہوئے دوں لگا کالی دیوی؟“

اس نے سکوتر کو دفعتاً تھکڑے لگا لئے۔

”کیسے نہیں جانتے گا تم! اس کی تو مانگیں، میں؟“

غیر نے سکوتر دیوار کے ساتھ دسے مارا۔

”لو... میں چلا... دیکھو... تمہارے سامنے...“

ادردہ گلشن کو منہ چڑاتا ہوا تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

جانتے جانتے دھڑا اہستے پیچھے دواڑہ بند کیا۔

”ارے تو ڈرائیو ہے کیا...؟“

پرہیز کی بات کا جواب دینے والا تو جا چکا تھا۔

”عجیب ہے یہ لڑکا...“

شکایت کے ساتھ ماں کے لمبے میں غصہ تھا، پر ماتا بھرا غصہ غصے

اور محبت سے بالاب بھرا پیانا چھلک رہا تھا... نظریں دروازے پر

گڑی تھیں۔

”نہ ہر بات دیکھتے ہے، نہ دھوپ، نہ آندھی، نہ طوفان۔ بس یہ

دقت ہوا نہیں...“

”اور علمو شارٹ ہوا نہیں...“

گلشن کے ہونٹوں سے بھی پیار پھیلنے لگا۔

”عمو... غیر احمد کا غلی... کہن ہے نام مت بگاڑو... اس نے زندگی میں

سنو برا بھی کیا ہے...“

”پتہ نہیں اس نے زندگی میں کیا کرنا ہے...؟“

ماں نے حسرت سے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔

”پروردگار! تو بھی اس کا کچھ کر...“

”ااری بھلی لوگ! جو کزن ہے یا خدانے کرنا ہے، وہ تو کر دیا ہے...“

کاغلی صاحب کا فیسے ہوئے کمرے سے نکل آئے۔

”آجی! یہ بھی بھلا کچھ کرنا ہوا۔ اردو ادب میں ایم اے کر کے ٹیچر

کیا ہوا ہے...“

گلشن ماں کے پاس آکر بڑبڑانے لگی۔

”دردن کا ایک آدھ کھانا کھد چھوڑنا ہے۔ میں ادیب بنوں گا... میں

ادیب بنوں گا... کسی بڑے چھوٹے کا ادب کرنا آتا نہیں اور ادیب صاحب

ادیب نہیں گئے۔ ہونہر...“

کاغلی صاحب برآمدے میں کچی کریسوں میں سے ایک پر بیٹھ کر کہنے لگے۔

”بڑوں کا ادب کرنے سے کوئی ادیب بن جاتا نا، تو دنیا کا سب سے

بڑا ادیب... اچھا تو بتا کون ہوتا...؟“

وہ بیٹی کی طرف پیار بھری نظروں سے ٹکٹے لگے ...

”میں ... اباجی! میں ...“

گلشن لاڈ سے باپ کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر بٹسنے اور قبوٹنے لگی۔

”ہیں نا، اباجی ...“

”تو تو میری بچڑی سب کچھ ہے ... ادیب بھی، ادب بھی، فنکار بھی

اور میرا شاہکار بھی ...“

انہوں نے گلے میں حائل بیٹی کے دونوں بازو تھام لئے۔

”چڑھ جائے گا تو سر میرا اس کو ... کچھ اور ...“

ماں نے بظاہر باپ بیٹی کے لاڈ پیار کو ٹیکھی نظروں سے دیکھا، لیکن

آنکھوں سے جو جذبے مترشح تھے وہ کوئی اور چھٹی کھا رہے تھے۔

”نہیں جہاں آسا بیگم! سر پر کیا چڑھانا ہے، دو تین مہینوں کی جہاں

ہے ہماری بیٹی ...“

”تو پھر اس لئے کہتی ہوں نا، پیار اور نہ بڑھاؤ۔ جلد ہو گئی تو

تکلیف بھی زیادہ ہو گی!“

جہاں آدا نے اپنی آنکھوں کی نمی کو باپ بیٹی سے چھپانے کی خاطر

سُرخ پرستی طرف موڑ لیا۔

”لو بھلا اس کی سنو ... پیار اور نہ بڑھاؤ ... تکلیف زیادہ ہو گی ...“

کالپی صاحب بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹی سے غائب ہوئے ...

اشداز کچھ خود کلا پی سا بھی تھا ...

”ارے پہلے کوئی کم ہے ... کبھی حد نہ پائی ہے جواب ...“

”نہ میرا خط پڑھا ...؟“

اس موضوع سے تکلیف ہو رہی تھی۔ سب کو ہی شاید۔ لہذا اسے

بدل دینے میں ہی جہاں آدا نے عاقبت کبھی ... اپنی ... سب کی ...

”مجھے کسی نے دیا کب ...؟“ کالپی صاحب چونکے۔

”بتایا بھی نہیں ... چل گئی پچھلے اخطا کر مجھے سنا ...“

انہوں نے اک بے چینی کے ساتھ بیٹی کے بازو گلے سے منکالے۔

”جا شاہاں! فوراً ...“ گلے کو اتنے سال ہو گئے پر دل کا اب بھی وہی عالم

ہے ... اک دم ہی تیشا بھو جاتا ہے ... ارے جانا ...“

”انداز کہیں نکلا ہے ... میں آپ کو زبانی سنا دیتی ہوں ...“

رو رو کر ٹوکا، دل اور سست ہوتی جا رہی ہے۔

”سوٹی ہو جائے گی، اور پھر وہ کیا ہوتا ہے ...“

”اٹھا اٹھا ...“ گلشن نے خود ہی مسکرا کر بتایا۔

”ہاں ... وہ کجخت ماری شروع ہو جائے گی ... اور پھر عین شادی دے

دن پر ٹوکھا سامنا اور دھواں دھواں رنگت سے پھرتے گی ... ہماری بے عزتی

کر اسے کو ...“

”لوگ کہیں گے، بیوی کو کھلا بیاہا نہیں ... کجخوس کی ...“

کالپی صاحب بڑے پیار سے بیٹی کو ٹکٹے رہے۔

”تو اور کیا ...؟“

آخر میں کھانے کے وقت جیب سے براہم ہو گا۔

جہاں آرا نے ہفتے ہوئے بیٹی کی بات مکمل کر دی۔
”تو اس کا مطلب ہے... کافلی صاحب بھی ہنسنے لگے۔

”ہمیں خط نہیں ملے گا۔“

”جداؤ بیٹی! تم چائے بناؤ، میں خط اور چشمہ وغیرہ سب کچھ لے
آئی ہوں۔“

جہاں آرا خود اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آپ کو جہاں آرا بیگم! زبانی یاد نہیں ہو کیا...؟ آپ تو ماں ہیں۔“
”زبانی کیا یاد ہو جا ہے...“

اک طویل سا ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے وہ اٹھیں اٹھیں واپس پڑ گئیں۔
”دہی پرانے بھانے، وہی ہمیشہ والی عذرا داریاں۔ سیکڑوں خط
اسی تم کے آپجکے ہیں...“

ٹکڑے کے مارے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے भर رہی ہیں۔

”اب تو خط کا لفافہ دیکھ کر ہی معنوں سنا سکتی ہوں...“

”وہ تو مجھے بھی پتہ ہے... خواہ مخواہ اسی بات اتنی لمبی کی...“

کافلی صاحب نے آنکھوں کے گوشوں سے غم کو دیکھا۔

”جہاں آرا بیگم! تمہارا زبیر احمد تمہارے ہاتھوں سے گیا۔ میں نہیں

کہتا تھا نا، امریکہ منت بھیجو... نظروں سے اوجھل نہ کرو وہ ہیں دل سے

دور کرو دے گا۔ یہ تم کا نہ مانیں...“

”اگر ہم نے اپنا خون جگر تک چلا دیا... ہیں نا... یہی تمہارا منشا ہے نا
جہاں آرا بیگم...“

باپ نے بیٹی کو بڑے دلدار سے آنکھ ماری... جہاں آرا دیکھ رہی تھیں۔
ویسے انداز سے پہلے ہی سمجھ گئی تھیں۔

”بس آپ کو تو بیٹی کے ساتھ مل کر مجھے باتیں بنانے اور میرا مذاق
اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ آنا چاہیئے...“

انہیں موقع ہاتھ آیا، وہ طیش میں آگئیں اور گلشن نے فضا کو نا سازگار
پایا تو ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ابا جی! چائے نہیں گے...“

چائے کافلی صاحب کا ویک پوائنٹ تھا۔ اور بیٹی ان کی ہنسی نہ سہی۔

”لو... نیکی اور پوچھ پوچھ... وہ یکدم مسرور ہو اٹھے...“

”بس پھر ایک منٹ میں بنا کر لائی...“

گلشن چٹکی بجاتے ہوئے کچن کی طرف جا گئی۔

”اور وہ خط... کافلی صاحب کو پھر بیٹے کی یاد آئی۔“

”ارے دہچھے ہی دیتی جاؤ...“

”پھر آپ ساتھ چشمہ مانگیں گے... گلشن نے جاتے جاتے رک کر جواب دیا۔

”بولیغنا آپ کہیں رک کر بیٹل گئے ہوں گے۔ پھر میں وہ سارے گھر

میں تلاش کر دوں گی... مگر نہیں ملے گا۔“

”اور تلاش تلاش میں ہی چائے کا دھت بھی نکل جائے گا۔ پھر

”پھر رات ہی رات میں جانے کیا فیصلہ کر لیا۔ اگلے دن سب میں میچ ڈینگیں مار رہے تھے کہ یہ پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے، میں اپنے ذمیر کو باہر سے انجینئرنگ کمرائوں گا۔۔۔ اور یہ کمرائوں گا۔۔۔ اور وہ۔۔۔“

”ارے بھی لوگ! بولے ہی جا رہی ہے۔ اتنا تو سوچ۔۔۔ اولاد کو اونچا اٹھانے کی، کون والدین، میں جنہیں خواہش نہ ہو گی۔۔۔“

ہجران کی آواز میں شکست کی کہ جہاں سنے گئیں۔ فون ہوتے ہوئے وہ بولے بولے مدد پر تھی گئی۔

”پر مقدریوں ہمارے دے سکتا ہے۔۔۔ یہ مجھے کب معلوم تھا۔۔۔ کب معلوم تھا۔۔۔؟“

”اسے دیکھو۔۔۔ دو تین سال بعد ڈگری لے کر گھر آگئی۔۔۔ اور اب ماں باپ کی آنکھوں اور کھجے کی ٹھنڈک بنا ان کے پاس دس بس رہا ہے۔۔۔“

جہاں آ کر اسے بچے میں حسرتیں لوٹ رہی تھیں۔

”ڈگری بھی اتنی بڑی پر ملگ گیا ہے۔۔۔ پیسہ بھی۔۔۔ شہرت بھی۔۔۔ عزت بھی۔۔۔ اور ہمارا مقتدر ہی کمکت نکلا۔۔۔ سات آٹھ سال ہو گئے باہر گئے۔ واپس آنے کا نام ہی نہیں ملے رہا۔“

”بیاباہ رچا بیٹھا ہو گا وہاں۔۔۔“

کاظمی صاحب نے غصے دل کے پہلا دے کے لئے تباہ نکلیا۔ پر جہاں آ کر پہننے کی بجائے مزید ہلک کر اٹھیں۔

”تم ہمیشہ محسوس بات ہی مڑے نکلتا۔“

”ہاں۔۔۔ سارا تصور میرا ہے۔۔۔“

آنکھوں کے بالاب بھرے پیمانے چھلک پڑے۔

”وہ وقت بھول گئے جب اس کے اخراجات کے لئے خوشی خوشی ملاں بیچ آئے تھے۔۔۔ مجھ سے پوچھے بغیر ہی۔۔۔“

”ارے بھاگوان! وہ تو بچے کی خواہش تھی۔۔۔“

”بچے سے زیادہ باپ کی تھی۔۔۔ جانتی ہوں سب۔۔۔“

جہاں آ کر ترخ آٹھیں۔ پیشانی پر بے شمار سٹومپ بڑ گئیں۔

”اب الزام میرے میرے اوپر دھرنے سے فائدہ۔۔۔؟“

جہاں آ کر گرمی میں آگئی تھیں۔ بولے چلی گئیں۔

”میں وہ رات اب تک نہیں بھولی، جب بڑی آپا کا بیٹھا پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے گیا تھا۔۔۔ تو۔۔۔ ساری رات ہماری ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں اور کروٹیں بدلنے کی آوازیں میں ہی سنتی رہی تھی۔۔۔“

”تمہارا دم ہے سب۔۔۔“ کاظمی صاحب نے ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں گلشن تو نہیں سن رہی تھی۔۔۔؟ اولاد کے لئے سارے والدین کمزور ہو ہی جاتے ہیں۔

پر ریوں۔۔۔ سر عام۔۔۔ جہاں آ کر ان کی کمزوریاں اُچھلنا تو نہیں چاہئیں تھیں۔۔۔

”آپنوں نے شکوہ بھری نظر سے بیگم کو دیکھا، مگر وہ جوش میں بولے ہی جا رہی تھیں۔۔۔ بنا شوہر کی نظر بچا لے۔“

گئی تو دو سال کے لئے ہی جائے گی نا... پھر تو لوٹ کر نہیں آنا ہے۔
انہیں لوگوں میں...

”پھر الگ گھر لے لیں گے... جہاں آنا لا پرواہی سے لیں۔
”خدا باش بھی خدا باش... آج تم بیٹی کے لئے ایسا سوچتی ہو، کل
تمہاری بہو کے لئے اس کی ماں ایسا سوچے گی...“

”پھر ویسی ہی باتیں۔ عینوں بھری، پھوٹوں بھری۔ بھلانے والی۔
خدا نہ کہے میرا بیٹا مجھ سے غافل ہو...“

وہ ایک دم سے ہی چڑھ گئیں... بیکار کاظمی صاحب، ان کے شوہر
کو کہہ بھی، کبھی ان کے نہیں بنے تھے، ہمیشہ ان کے خلاف ہی دندلوں
کی حمایت میں ہی بولتے تھے۔

ساری زندگی ان سے جگہ رہا... نظروں میں نہ کوئے لئے وہ انہیں
گھوڑے لگیں۔

”اٹا بڑا گھبراہٹ، ایسا وسیع و عریض آنگن ہے۔ پوتے پوتیاں
یہاں نہ کھیں گے تو پھر اور کون یہاں کی بہا رہے گا...؟“

”اسی طرح سب کے بیٹے ہوتے ہیں جہاں آنا ہیگم! اور گھر
آنگن ہوتے ہیں اور سب ایسے ہی خواب دیکھتے ہیں پوتوں پوتیوں کے
اولاد کو اچھے سبق دیا کرو؟“

”آبا جی! اب جانے دیں۔ چھوٹی سی بات کو آپ دونوں نے اتنا
بڑا کر دیا! گھش شرمندہ شرمندہ سی بول آگئی۔

”ارے بیاہ کرنا منحوس ہے...؟“

”خاک مٹی ڈالو چٹی چمڑی والیوں پر... وہاں بیاہ کرنا منحوس ہی ہوتا
ہے... نہ مذہب ایک، نہ دین سہن، نہ بھتی نہیں ہے وہاں کی شادی...؟
”آبا جی! اتنی جی! اب بکثرت غم کریں، اور چائے پریش... دیکھیں
کتنی مڑے دار ہے...“

گھش شرمندہ میں پالیاں لئے آگئی۔ ماں اور باپ دونوں کے ہاتھ ہیں
ایک ایک پیالی دینے کے بعد اس نے باپ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے
ہوئے شرمندہ گھٹنوں پر رکھ لیا۔

”میں نظر نہیں آ رہی...؟ جہاں آنا ہے اس کی اس حرکت پر اسے
گھوڑا...“

”جاہلوں، گنواؤں کی طرح گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ گئی ہے۔ سسرال
والوں میں سے کسی نے اس حالت میں دیکھ لیا تو...؟“

”نہ بد وقت سسرال والوں سے لڑکی کو ڈرایا کرو۔ ان کا خوف
دل میں بیٹھ گیا تو ان کے ساتھ نبھاہ کیسے کرے گی...؟“

”اُس نے تو باہر ہی چلے جانا ہے... جہاں آنا ہے اطمینان بھرا
جواب دیا...“

”ہاں جیسے زندگی ہی باہر گزار دینی ہے۔
کاظمی صاحب نے سر کو جھٹکا دیا۔
”صرف تین سال کا معاہدہ ہے جس میں سے ایک گز بچکا ہے۔“

مانہ نخر سے اٹھائے تھے... جو منہ سے نکلتا، پورا کیا جاتا...

اس کی ہر خواہش، ہر آرزو، ہر تمنا کو ماں باپ اپنا ارمان بنالیتے۔
اچھے سے اچھے سکول کالج میں تعلیم دلوائی... اچھے سے اچھا پہنایا...
اپنی لیسٹ سے بڑھ کر... اپنی ہمت، توفیق سے زیادہ...

امریکہ جا کر انجینئرنگ کی ڈگری لینا، گو سب سے پہلی اس کی
تمنا تھی... پر... ماں باپ کے لئے اولاد سب سے زیادہ قیمتی ہوتی
ہے۔ اور اس کے لئے والدین ہنگے سے ہنگا سودا کر ڈالتے ہیں۔

جائداد، ملک اولاد کے لئے ہی بنائی جاتی ہے... اکٹھی کی
جاتی ہے... اور اسی جائداد سے اگر اولاد کا مستقبل بن جائے، ستور
جائے، تو یہ سب سے زیادہ مشہور مند سودا ہوتا ہے۔

کانٹنی صاحب کو ریٹائر ہوئے پر جو رقم ملی تھی، اس سے اک مکان
بنایا تھا... بڑا خوب صورت... بڑا وسیع و عریض...
دوبیس تھے۔ دونوں کے لئے ایک ایک، وراثت کے لئے نہ لڑائی،
نہ جھگڑا...

ایک میں خود رہائش پذیر تھے، دوسرا کرانے پر اٹھا دیا تھا۔
لوگ ابھی کرانے کے لائق نہیں ہوئے تھے۔ آمدن کا کوئی آسرا نہ تھا۔
وہ بن گیا...

بڑا اچھا گزارہ ہو رہا تھا۔ اسی دوران امریکہ جانے کی زیر سر
خواہش، اور بیٹے کو امریکہ بھیجنے کی باپ کی تمنا، دونوں اکٹھی ہو گئیں تو

”ٹرسے میز پر رکھنے کی بات تھی نا۔ بیٹے میں رکھ دیجی ہوں۔ اب تو
ٹھیک ہے نا اتنی جی...“

گنگش نے پیالی ہاتھ میں پکڑ کر ٹرسے میز پر رکھ دی۔
”دروغہ لگئی بیٹی...“

”جیسے آتا جی! ایسا ہو سکتا ہے کبھی...“

”اچھا تو بھیر... اب تنہا... بھائی کا خط پڑھ لیا نا...“

کانٹنی صاحب نے حلق میں سے تہقہہ لگایا تھا، لیکن اس قہقہے کی آواز
آنسوؤں میں ڈھکی ہوئی تھی، ڈبل بائی ہوئی، بھرائی ہوئی...

جہاں آرا اور گنگش کے دلوں پر وہ آنسو ٹپک پڑے جو ان کی آنکھیں
بہا نہیں سکتی تھیں اور وہ حلق میں آکر ٹھہر گئے تھے۔ جانتی تھیں بہت
پار تھا زیر سر سے... سب سے بڑی اولاد تھا اور بڑا ہی جگہ کرنا پڑا
تھا اسے باہر بھیجنے کے لئے...

پر... نتیجہ کیا نکلا... دکھ... آنسو... ٹوٹ ٹھوٹ... اندر بھی
برابری اور باہر بھی میرانی...

ان کے چہرے کی طرف دونوں کی نظریں اٹھ گئیں... مٹی جیسا رنگ
ہو رہا تھا، پھیکا پھیکا اور بے نور سا... اور آنکھوں میں سے جیسے کسی
نئے زندگی کی چوڑی تھی، پوری کی پوری ہی... خالی خالی نظروں سے
گھڑے جا رہے تھے۔

زیر پہلی اولاد تھا... کیا کیا نہ کیا تھا اس کے لئے۔ دنیا جہاں کے

خیالوں میں کھوئے بیٹھے کاظمی صاحب اک دم چونکے... چائے کا
آخری گھونٹ، جو ٹھنڈا بیج ہو چکا تھا، جلدی سے بھر کر پیالی گلشن کی
طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

”ایک اکیلی بہن ہے... پیار بھی بہت کیا کرتا تھا... شاید اس
کی رخصتی پیر آجی جائے... اسی بہانے ہماری بھی آنکھیں ٹھنڈی ہو
جائیں... تو آج جیسے گا ان میں...“
”کھوں گی... ضرور دیکھوں گی...“ جہاں آرا بڑے جوش اور جذبے
سے بولیں...

”منت کروں گی... بہن کی عزت کا واسطہ دوں گی...“
”اماں کا واسطہ نہ دے بیٹھا۔ اولاد کے شہرہ بالکل بے معنی ہوتا ہے۔“
ظفر بی بی ہنسی وہ ہنس دیشے اور پھر بڑی دیر کھانتے رہے...
پہنتے رہے... کھانتے رہے...“

”آج پانی دوں...؟“ گلشن نے نرود سے انہیں دیکھا...
بڑی عجیب سی ان کی کیفیت ہو رہی تھی۔
”مگر چائے کے بعد ٹھنڈا پانی...؟“
”آپ کو کھانسی جو آ رہی ہے...“

”چائے ہی کی ایک پیالی اور دسے دو۔ پہلی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔“
”مقدر ہی ٹھنڈا ہے... جہاں آرا نے ڈکوبھری آہ کھینی۔
”کیوں امی جی! مقدر کیوں ٹھنڈا ہے؟ ایسی مایوسی کی باتیں نہ

پورا نہ کرنا ناگزیر ہو گیا۔
تب... وہ مکان بیچ دیا گیا۔ اس کی قیمت میں نہیر نوا امریکہ سدھار
گیا، البتہ باپ کو یہ ادا کرنا پیشی کر انہوں نے گھر کا خرچ چلانے کے لئے
ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کر لی۔

”جہاں آرا! بیٹا ٹر ہوئے کے بعد دوسرے لوگوں کی طرح میں کوئی
کاروبار یا ملازمت وغیرہ نہیں کروں گا... بہت تھک گیا ہوں۔ لہذا میرے
بیٹے کا میں گئے اور میں آرام کروں گا... پوتے کھلاؤں گا... بہوؤں کا
سودا سلف لایا کروں گا...“

کاظمی صاحب ہمیشہ ہی کہا کرتے تھے۔ مگر خواہشات کی تکمیل کے
باتھوں بے بس ہوئے تو وہی کرنے لگے، جو کبھی نہ چاہا تھا۔

پیشی مکان کی صورت میں ڈھلی، اور مکان زیریں کے لئے امریکہ کے
اضلاع کی شکل میں۔ کاظمی صاحب خالی دامن اور خالی ہاتھ لئے زندگی
کی شاہراہ پر بے پیر ہوا تھا۔ جہاں سے چلے تھے۔

مگر... پھر بھی مسرور تھے۔ مطمئن تھے۔ زیریں کی امریکہ جا کر انجینئرنگ
کی اعلیٰ ڈگری لینے کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔

اس کی خواہش تکمیل کو پہنچنے والی تھی اور ماں باپ اس کی صورت دیکھنے کی
خواہش دل میں بسا کر زندگی کا اکہل چل بگن گن کر گزارنے لگے تھے۔ گوارے
جاسے تھے۔

”جہاں آرا! تم نے گلشن کی شادی کا زیریں کو کھاتھا...؟“

مل گیا ہے... ہیں اور کیا چاہیے...؟
 "ہاں... جائے اپنے گھر... ہمارے بیٹوں کی اولادوں سے یہ منگن
 بچے لگا..."

"ہاں... بیٹوں کی اولادوں سے... بچے لگا... پھر بہار ہوگا...
 پُر رونق ہوگا..."

کاظمی صاحب بڑ بڑانے ہوئے اٹھ کر کمرے کی طرف چل دیئے۔
 جہاں آرا کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھے۔ جیسے کہ پیچھا رہے تھے۔
 جہاں آرا نے بھی نظر میں اٹھا کر انہیں نہیں دیکھا۔ انہیں رخسار پر
 پہنے والے ان کے آنسو کاظمی صاحب دیکھ کر پریشان ہو جائیں...
 ذرا صبر، حوصلہ، ہمت، طبیعت میں نہیں تھا۔ جہاں آرا اپنے آپ
 ہی کو کوسنے لگیں...

"بے صبر زمانے بھر کی... بے حوصلہ اور بے ہمت سارے جہان کی...
 انجانے میں بڑ بڑا ہٹ بند ہو گئی، تو سیٹھا کر جلدی سے گھومیں
 کہیں گمشدہ سن تو نہیں رہی تھی...
 مگر... وہ وہاں نہیں تھی..."

اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے وہ پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں...
 آجکل شوقی، سلائی، ہر وقت ہاتھ میں رہتی تھی۔ گمشدہ کا جہیز دیا گیا تھا۔
 وہ جلدی جلدی ہاتھ چلائے گئیں... بسوں پر مدعاؤں کی مالا تھی...
 ساتھ وہ پروئے گئیں...

کیا کریں...؟
 "زیر سر کی یاد آتی ہے تو...؟
 باقی جلد وہ آنسوؤں کے ساتھ حلق سے نیچے آمارے گئیں۔ گلشن
 ترس اور ہمدردی بھری نظروں سے ہاں کو دیکھتے ہوئے باپ کے لئے
 چائے کی دوسری پیالی بنانے چلی گئی۔

"دھیاریاں لے آنا...؟
 کاظمی صاحب نے بھی بیٹی ہی کی نظر سے بیگم کو دیکھا۔
 "جیسے آنسوؤں سے اندر کے جلتے والا ٹھنڈے نہیں ہوں گے؟
 مگر چائے سے ہو جائیں گے...؟ جہاں آرا نے بھری بھری
 آنکھوں کے ساتھ اک زخمی سی مسکراہٹ بھی بسوں پر سجائی۔
 "شکر کرو... اللہ نے یہ گڑباد ہی ہوئی ہے... خدمت بھی کرتی ہے،
 تسلیاں بھی دیتی ہے اور ہمارا درد بھی دل میں لئے پھرتی ہے... نعمتیں
 کا اک خزانہ ہے پورے کا پورا..."

"ہاں... سچ کہتے ہیں... ہر وقت شکر کرتی رہتی ہوں... پر یہ بھی اب
 ... تھوڑا وقت ہی..."
 اب دوسری اولاد کے درد میں آنسوؤں کران کے حلق میں یوں اٹک
 گئے کہ وہ جلد بھی پورا نہ کر سکیں۔
 "ارے آنسوؤں صحت کر جہاں آرا... اس کی جدائی تو قربت کی صوغات
 جیسی ہوگی... بیٹی تو بادشاہ نے بھی گھر میں نہیں رکھی... صحیح عمر میں اچھا کر

رہی تھی...

مگر... گلشن کے جذلوں میں بڑی گرمی تھی... بڑا جوش تھا اور بڑی صداقت تھی... بہن تھی بھائی کی... بھائی بھی عمو دیا...

زمیر کی خواہشیں اور مانگیں تو دن کے ساتھ شروع ہوتی تھیں اور رات گئے تک ایک کوئی نہ کوئی ناکمل مکمل یا ادھوری رہ ہی جایا کرتی تھی۔

اور اک عمو تھا... کبھی کچھ نہیں مانگا... کبھی کوئی خواہش نہیں کی... موٹا چھوٹا پہنا دیا... وہ بہن یا... بھائی بڑا تھا... اس کے چھوٹے موٹے

دائے کپڑے ہمیشہ اس کے جھٹے میں آتے۔ وہ چپکے سے بہن لیتا، اُترن ہی۔ نیا کبھی بھی نصیب میں نہ ہوتا... اس کی زبان پر پھر بھی شکوہ آتا۔

نہ کوئی شکایت پیدا ہوتی۔

میر نہیں ملا اور وہ نہیں ملا... یہ کیوں ملا اور وہ کیوں نہیں ملا... صابر شاہ کر ساعیر ہر حال میں خوش رہتا۔ زمیر بڑا مددگار کر ساعیر

بہن بن گیا، عمیر پاکستان کے ہی درمیانے درجے کے کالج میں بڑی تعلیمت سے پڑھتا رہا۔

اس کے سامنے زمیر کی لیاقت اور قابلیت کے چرچے ہونے اور اس کی نالائقی کی باتیں... وہ تب بھی چپکے سے سنتا اور سکڑا دیتا... جواب میں کچھ نہ کہتا...

نہ صفائی پیش کرتا... نہ اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق بیان کرتا اور نہ پڑے ساتھ ہمیشہ سے ہونے والی بے انصافی کی کوئی شکایت...



سیکھ کوئی روئے کی بات ہے...؟

”تو اودھنے کی ہے...؟ شرم سے پانی پانی ہو رہی ہوں...“

”آخر شرم کس بات کی...؟“

”آپ کو تو پتہ ہے امی جی! میں نے اسی لئے اسے بلایا تھا... عمو

ایک نظر اسے دیکھ تو لیتا... اس نے تو مجھے لفظ ہی نہیں کرائی...“

وہ اور زور زور سے روئے لگی۔

”بڑے بھائی سے ساسی امیدیں توڑ کر اس پر لگائی تھیں... یہ بھی

دھوکا دے گیا... اب میں کس کو اپنا کہوں...؟“

”دونوں تیرے ہیں... دونوں...“

”غلط... بالکل غلط... میرا کوئی نہیں ہے... دونوں میں سے ایک بھی

نہیں... اور یہ عمو تو بالکل ہی مایوس کر گیا...“

”سوئے ہی جاسے گی... اب بس کڑیاں...“

”کیسے بس کروں... کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہوئی... اباجی! آپ

جائیں... ایسا ہوا چاہیے تھا...؟“

سادا دن گلبرگاش نے گھر کو سجایا سنوارا تھا... بہت دنوں کے کام

کرنے والی چٹھی پر لگئی ہوئی تھی... اس لئے گھر کی حالت خاصی ابتر ہو

اور کتنے ارمانوں کے ساتھ اس نے یہ سب کچھ کیا تھا...

پھر... اسے رونا نہ آتا تو اور کیا ہوتا... جب اس کے آنکھ کات ہو تو جناب میر صاحب ہمیشہ کی طرح بن سونہر کر، اپنے چمکیلے چمکیلے رنگ کو اور چمکا کر، نکھار کر، دلیر، دلدار بن کر، پتیلی پر ٹاس کرتا ہوا نکلا چلا گیا تھا...

وہ آوازیں ہی دیتی رہ گئی، پیچھے پیچھے بھاگی... اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی... منت سماجت کی... التجا میں کیس... واسطے ڈالے...

مگر... وہ رکا ہی نہیں... جانے کس بات کی اسے جلدی پڑی ہوئی تھی... زندگی کی کون سی اہم گاڑی چھوٹی جا رہی تھی، جو اس نے یہ اتنا ضروری فنکشن چھوڑ دیا تھا... پیرداہ ہی نہیں کی تھی...

وہ چلا گیا تو... اس کی سہیلی اپنی کرن کو لے کر آگئی... ڈکھ کا ایک اور نمبر لگا... دل کے آ پار ہو گیا...

آج تو وہ اس دن سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی... گہریوں کی یامیوں جیسی اس کی منہری منہری رنگت، اس کی صورت میں بڑا لونا کھاپن سا پیدا کر رہی تھی...

مدم دم لہجے میں اس کا باتیں کرنے کا انداز تو بالکل ہی گلشن کو زیروں پر برسر کر گیا۔

اس کے گلانی گلانی لبوں پر بھلا دھیمادھیمہ جیسا جستم اور لمبی لمبی کان کالی

اپنے کمرے میں گھسا، کہا نیاں مکھڑا رہتا یا پھر گلشن سے گپ شپ ہوجاتی۔ اس کے علاوہ وہ کہاں جاتا تھا، اس کے شب و روز کے مشاغل کیا تھے؟ نہ کسی کو کچھ معلوم تھا، اور نہ کبھی کسی نے اپنا منت سے پوچھا ہی تھا...

اپنی سہیلی کے ہاں گلشن نے اس کی ایک کرن کو دیکھا تو اسے وہ بے حد پسند آگئی... دل میں ارمان چلا... رخصت ہو کر جانے سے پہلے اگر نہ میر یا میریں سے کسی کی شادی وغیرہ ہو جائے تو وہ بھی اس خوشی میں شریک ہو سکتی تھی...

آٹھ سال سے زیرام بکیر بیٹھا ہوا تھا... سے دسے کر عیر ہی نظر آ رہا تھا... بڑا یقین تھا کہ وہ بہن کی بات نہیں مانگے گا... بچپن سے اس کے مزاج اور طبیعت کی اٹھان ہی ایسی تھی...

پوری توقعات کے ساتھ اور دل کی چلتی آرزوؤں کے ساتھ اس نے دونوں کو انوائٹ کر ڈالا۔

بڑی محنت کی تھی، اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے، اتنا کام اس نے کبھی نہیں کیا تھا، جتنا اسے آج کے دن کے لئے کرنا پڑ گیا تھا۔

گھر بھر کی صفائی، ترتیب و آرائش اور سجادوں کے علاوہ چائے کی ساری لوازمات اس نے خود گھر میں تیار کی تھیں۔

سات ڈشیں بنائی تھیں۔ اپنے سارے کمالات صرف کر ڈالے تھے... اس عمدہ کی خاطر... کسی طرح روکی کو دیکھ لیتا... پسند کر لیتا... اور پھر...

گلشن کے جلد سے پہلے پہلے کوئی بات نہ بولتی تھی... کتنی سہرت تھی اسے...

’ہنسے ابا جی! آپ ایسا کہہ رہے ہیں... بتائیے نا... جملہ کیوں
روسنے کی بات نہیں ہے...؟“

”ہے تو... پر میں کہہ رہا تھا، تمہارے لئے نہیں...“
اس نے گہرا کر بڑی بڑی آنکھیں کاغذی صاحب کے چہرے پر گاڑ
دیں... ان کی اس بات پر بڑا اچھٹا ہوا تھا...
”میرے لئے نہیں تو پھر کس کے لئے...؟“

”جو نہیں آیا...“
”بڑا کمینہ ہے عمو... کتنی تاکیدیں کی تھیں...“
آنسو تھے کہ تھننے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ سادہ بھادوں کی
بھڑکی کی طرح پکے چنے آرہے تھے...
”میں نے کہا نا...“ باپ نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”اس کے اپنے نصیب بڑے... تو نہ رو...“
”ابا جی! اس سے ابھی لڑکی نہیں ملنی اسے... نہیں مل سکتی...
کبھی بھی...“

”تو پھر وہی روتے نا... تو کیوں اپنے آپ کو ہلکان کر رہی ہے...“
”در اصل میں چاہتی تھی... میں چاہتی تھی...“
ہچکچوٹے کھاتے ہوئے ہچکچوٹے درمیان اس نے ماں کے کان
میں کچھ ہونے سے کہہ دیا...
”اصل میں یہ میرا مشتاق تھا...“

پتوں کے سنہری رخساروں پر گرے ہوئے بے بسے سائے، اسے کسی اور
ہی دنیا کی مخلوق بنائے دے رہے تھے۔

اس کا اٹھنے بیٹھنے کا انداز، اس کے مزاج کا بھاؤ اور چھٹی آنکھوں
مگر دھیرے دھیرے اٹھانے کی دل موہ لینے والی ادا...
بہت کچھ تھا اس کے پاس... سب کچھ تھا اس کے پاس... اور
... ایسی ہی کوئی انوکھی اور نرالی سی لڑکی کو اس نے بھائی بنانے
کے شعلی سوچ رکھا تھا...
”مگر...“

غیر مرکا نہیں اور پھر... واپس بھی نہیں آیا... ہر ہفتہ پر
گلشن بڑک کر دروازے کی طرف دیکھتی...
اس وقت نہیں مرکا تھا تو امید تھی اپنا ضروری کام کر کے وہ
گلشن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے جلد لوٹ آئے گا۔

مگر... وہ نہیں آیا... گلشن کی بے تاب نظریں بار بار اٹھتی رہیں اور
نا کام لوٹتی رہیں اور... آخر میں ناکامی اس کی غموں میں بڑ گئی...
زیادہ دیر تک وہ نہیں ٹھہر سکتی تھیں... مگر سے اجازت نہیں تھی۔
تنبہ وہ واپس چلی گئیں...

اور... گلشن بیٹھ کر اپنے نصیبوں کو رد نہ لگی...
”ابا جی! میرے ساتھ آج یہ ظلم ہوا ہے اور کرنے والا عمو ہے...“
ساری بات باپ کو سنانے کے بعد وہ پھر نار و قطار رو دی...
”پھر یہ روتے کی بھی تو بات نہیں...“

”جی آبا جی... وہ گردن جھکانے واپس اندر لنگھتی...
 لمبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی... آنسو رضاؤں پر لالی کا میک اپ
 کر کے اب معدوم ہو چکے تھے۔ خوب صورت سنی ناک کی ٹوک شروع ہو
 رہی تھی... اس منٹ میں، وہ آن کر باپ کے پاس کھڑی ہو گئی...
 ”ساری عمر اس گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھا کر ہیں کیوں سزا دے
 رہی ہو... ہیں بھی بنا ڈنا...“
 وہ بڑے پیار سے بیٹی کے چہرے کو دیکھنے لگے...
 ”پیر آبا جی! میرا جی کوئی حق ہے ان پر... میں پیر اور کس کے
 آگے فریاد کروں... کس سے کہوں...“
 ”ہاں... تو بھی ہم سے کہہ... ہمارے آگے فریاد کر... اور ہم،
 ہم بڑے حق داسے پہلے ہی بیٹھے منہ دیکھ رہے ہیں...“
 کاظمی صاحبہ ان کی سہلچے میں بڑ بڑانے لگی۔
 ”بڑا غضب کر کے سارے کے سارے وہ سات ستمسار اہل
 جا کر بیٹھا ہوا ہے اور ایک یہ ہے، چھوٹا... ادھر آیا... ادھر گیا...
 بول بھر کر، پہلی کے چاند کی طرح شکل دکھائی دیتی ہے، دوسرے
 لمحے غائب...“
 اسے کیمدم ہی باپ پر بڑا ترس آ گیا... دونوں بیٹوں کے ہاتھوں
 کیسے مجبور دے بس ہو رہے تھے...
 ”تو آپ کوئی رعب شعیب ڈالیں نا ان پر... اب دیکھیں کشا اچھا تر ہے...“

جہاں آرا بیگم گلشن کی بات سن کر تھپتھپے لگانے لگیں۔
 ”سستی بیٹی کی بات... اصل روزنا کس بات کا ہے...“
 ”سناؤ... ماں اور بیٹی ہی کی تو مشتاق رہتا ہوں ہر وقت... اولاد
 فریاد سے تو ملاقات ہی کبھی کبھار ہوتی ہے...“
 ”روزنا اس بات کا ہے کہ...“
 ”اُمی جی! چلیز...“ گلشن نے ماں کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا...
 ”ارے باپ کو نہیں بتائے گی تو بات کیسے بنے گی...“
 ”اچھا کچھ میرے سامنے نہیں... میں ادھر چلی جاتی ہوں لاڈلج
 میں... آپ میرے پیچھے بتا دیں...“
 گلشن آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی...
 ”کہتی ہے... اس کے جانے کے بعد جہاں آرا شوہر کو بتانے لگیں۔
 ”میرے یہاں ہوتے ہوئے کسی چائی کی شادی کروں... میرے ہونک
 تو بہت دکھ ہو گا... اتنا... کہ پھر ساری زندگی اس گھر میں قدم نہیں
 رکھوں گی...“
 ”لو... ہمارا کیا قصور... ہماری کیا خطا؟ ہمیں دھمکیاں دیتی
 ہے بیٹج...“
 کاظمی صاحبہ ہنسنے لگی... بیٹی کے لئے آنکھوں میں ڈھیر دھیر
 پیرا اتر آیا...
 ”گلشن! میری گل بیٹی... ارے ادھر تو آ...“

”لوہی بڑی پیاری ہے... بڑی بھئی ہوئی ہے...“
گھٹن سے پھر لوہی کی مدد سرائی کی۔
”ہاں... مجھے بھی پسند آئی ہے... کہیں عمو مان جلتے تو نہ...“
جہاں آرا کی آنکھیں اک آس کے ساتھ چمکیں...
”تو بس، چپٹ پٹ...“

”کمالی ہے...“ کاظمی صاحب نے جہاں آرا کی آنکھ کی چمک کو تعجب
اور افسوس سے دیکھا...
”نکھٹو بیٹے کے پتلے سُنبھی ہوئی لوہی کو باندھ دو گی، جہاں آرا بیگم!
ذرا انصاف کی بات کرو... اپنی لوہی کا برہمنے ڈھیر ساری کمالی والا
تلاش کیا اور...“
”آجی! آخر عمو نے ایک دن نوکری کرنی تو ہے نا... پھر اس کی
شادی بھی ہوگی...“

”یہ... بات درست کی نا... پہلے عمو کی نوکری... پھر شادی...
نوکری سے پہلے شادی سرگز نہیں...“
کاظمی صاحب نے منصفانہ فیصلہ سنا دیا...
”لیکن منگنی تو ہو سکتی ہے نا...؟“
گھٹن نے امید کی دُور کا آخری سرا تھا... بڑی امید کے ساتھ...
دکس کی منگنی ہو رہی ہے...؟“ قدموں کی بجاری بھاری چاپ کے
ساتھ عبرا حمد کاظمی اندر داخل ہوا...

باپ بھی دُکھی ہو رہا تھا... وہ جی ان کے ہاتھوں کو بھی ہو گئی تھی...
ایک ہی کشتی کے سوار تھے دونوں... ایک جیسا ہی درد تھا دونوں کا...
اسے اب پیسے سے بھی زیادہ رونا آ گیا... اپنا بھی... ادرا باپ
کی لاچاری کا بھی...
”چمو... پھر بارش شروع ہو گئی... کچھ دیر ہو جائے گا بازاروں میں۔“

اور پھر ساری بیٹی کی بارات...
”ہائے! آپ بھی مجھے خالق کرنے لگے آجی!...“
وہ اور غمزہ ہو گئی... سارے اعتبار اور خود سے چھٹ گئے...
”اوسے اوسے میرا بیٹا! میں تجھے خالق تو نہیں کر رہا... اوسے تیرا
دل پہلانے کی کوشش کر رہا ہوں...“
کاظمی صاحب نے بیٹی کو گیسے سے لگاتے ہوئے مدد طلب نظروں
سے چوٹی کر دیکھا۔

”آپ اس کی بات ذرا سنجیدگی سے نہیں نا... وہ بھی ٹھیک کہہ
رہی ہے...“
نظروں ہی نظروں میں مدد کی ہمیک اُنہوں نے مانگی تھی، اور
جہاں آرا نے مدد کی بھی تو بیٹی کی۔ اس کی حمایت میں بولتے لگیں...
”آپ کی نرمی اور بے جالا ڈیپار نے یہ دن دکھایا ہے۔ ایک
بھی ہاتھ میں نہیں رہا... دُور والا تویر سے بیٹھا ہے۔ نظروں سے
اوجھل، یہ جو پاس ہے، یہی کچھ کہنے میں ہوتا...“

”وہ اتنی تباہی... کاظمی صاحب نے جواب دیا۔

”تو ابھی! لائلہ بیٹوں کی منگنی بڑا کرنا معاشرے کا سب سے

بڑا جرم ہے...“

”جرم کا بچہ...“ کاظمی صاحب کو غصہ آگیا، اپنی لائلہ کا،

کس قدر دشمنی سے اعتراض کر رہا تھا...

وہ بھی باپ کے سامنے۔ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ... کیسی

ناخلف اولاد تھی...“

”تو بندے کا پتر نہیں بنے گا اور میں نصیحتیں کرے گا... یہ اچکل

کی اولاد دیکھو...“

”ارے گتا ہے یہ ہوائیں فضا میں سب مخالف ہیں آج...“

عجیزاک اک کی شکل دیکھتے ہوئے چپ چاپ، کان لیٹ کر کمرے

سے نکلنے لگا تو ماں نے آواز دے کر بلایا...

”تم نے کل سے آج کوئی وعدہ کیا تھا...“

”جی... جی... جی ہاں...“ وہ ہلکایا۔ کاظمی صاحب بھی مامنے

تھے... اور ماں کی یہ باز پرس... سہم سا گیا۔

”پھر پورا کیوں نہیں کیا...؟“

”وہ... وہ... ایک دھمکے کے لئے اس نے سوچا...“

کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا... اور اصل بات بنا نہیں سکتا تھا...

”ہاں... کیا...؟“

”وہ اتنی تباہی...“ کاظمی صاحب نے جواب دیا۔

”تو ابھی! لائلہ بیٹوں کی منگنی بڑا کرنا معاشرے کا سب سے

بڑا جرم ہے...“

”جرم کا بچہ...“ کاظمی صاحب کو غصہ آگیا، اپنی لائلہ کا،

کس قدر دشمنی سے اعتراض کر رہا تھا...

وہ بھی باپ کے سامنے۔ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ... کیسی

ناخلف اولاد تھی...“

”تو بندے کا پتر نہیں بنے گا اور میں نصیحتیں کرے گا... یہ اچکل

کی اولاد دیکھو...“

”ارے گتا ہے یہ ہوائیں فضا میں سب مخالف ہیں آج...“

عجیزاک اک کی شکل دیکھتے ہوئے چپ چاپ، کان لیٹ کر کمرے

سے نکلنے لگا تو ماں نے آواز دے کر بلایا...

”تم نے کل سے آج کوئی وعدہ کیا تھا...“

”جی... جی... جی ہاں...“ وہ ہلکایا۔ کاظمی صاحب بھی مامنے

تھے... اور ماں کی یہ باز پرس... سہم سا گیا۔

”پھر پورا کیوں نہیں کیا...؟“

”وہ... وہ... ایک دھمکے کے لئے اس نے سوچا...“

کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا... اور اصل بات بنا نہیں سکتا تھا...

”ہاں... کیا...؟“

”وہ اتنی تباہی...“ کاظمی صاحب نے جواب دیا۔

”تو ابھی! لائلہ بیٹوں کی منگنی بڑا کرنا معاشرے کا سب سے

بڑا جرم ہے...“

”جرم کا بچہ...“ کاظمی صاحب کو غصہ آگیا، اپنی لائلہ کا،

کس قدر دشمنی سے اعتراض کر رہا تھا...

وہ بھی باپ کے سامنے۔ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ... کیسی

ناخلف اولاد تھی...“

”تو بندے کا پتر نہیں بنے گا اور میں نصیحتیں کرے گا... یہ اچکل

کی اولاد دیکھو...“

”ارے گتا ہے یہ ہوائیں فضا میں سب مخالف ہیں آج...“

عجیزاک اک کی شکل دیکھتے ہوئے چپ چاپ، کان لیٹ کر کمرے

سے نکلنے لگا تو ماں نے آواز دے کر بلایا...

”تم نے کل سے آج کوئی وعدہ کیا تھا...“

”جی... جی... جی ہاں...“ وہ ہلکایا۔ کاظمی صاحب بھی مامنے

تھے... اور ماں کی یہ باز پرس... سہم سا گیا۔

”پھر پورا کیوں نہیں کیا...؟“

”وہ... وہ... ایک دھمکے کے لئے اس نے سوچا...“

کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا... اور اصل بات بنا نہیں سکتا تھا...

”ہاں... کیا...؟“

”وہ اتنی تباہی...“ کاظمی صاحب نے جواب دیا۔

”تو ابھی! لائلہ بیٹوں کی منگنی بڑا کرنا معاشرے کا سب سے

بڑا جرم ہے...“

”جرم کا بچہ...“ کاظمی صاحب کو غصہ آگیا، اپنی لائلہ کا،

کس قدر دشمنی سے اعتراض کر رہا تھا...

وہ بھی باپ کے سامنے۔ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ... کیسی

ناخلف اولاد تھی...“

”تو بندے کا پتر نہیں بنے گا اور میں نصیحتیں کرے گا... یہ اچکل

کی اولاد دیکھو...“

”ارے گتا ہے یہ ہوائیں فضا میں سب مخالف ہیں آج...“

عجیزاک اک کی شکل دیکھتے ہوئے چپ چاپ، کان لیٹ کر کمرے

سے نکلنے لگا تو ماں نے آواز دے کر بلایا...

”تم نے کل سے آج کوئی وعدہ کیا تھا...“

”جی... جی... جی ہاں...“ وہ ہلکایا۔ کاظمی صاحب بھی مامنے

تھے... اور ماں کی یہ باز پرس... سہم سا گیا۔

”پھر پورا کیوں نہیں کیا...؟“

”وہ... وہ... ایک دھمکے کے لئے اس نے سوچا...“

کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا... اور اصل بات بنا نہیں سکتا تھا...

”ہاں... کیا...؟“

”اسے زہر نہ کہو عمو! وہ تو امرت ہے۔ ایک نظر بھی دیکھ لیتے نا تو معلوم ہو جاتا خوب صورتی اور مصو صبت کسے کہتے ہیں...؟“

”پھر تمہیں بھی خوب صورتی اور مصو صبت کا پتہ نہیں... دیکھو! گا وقت آنے پر...“ وہ ہولے سے بڑبڑایا...

”کیا...؟“

”کچھ نہیں... کچھ نہیں...“ طیر گرد بڑا گیا... بجوردی میں یہ کیا کہہ بیٹھا تھا...

”منو گکش رانی...“ وہ جلدی سے، اسی کی کمری کے بازو پر بیٹھ کر اسی سے سرگوشی کرنے لگا...

”مجھ نکٹھو کو اتنی خوب صورت، اتنی مصو صبت لڑکی کے پتے نہ اندھ... ورنہ بعد میں تجھے ہی شرمندگی اٹھانا پڑے گی...“

”ابا جی کہہ رہے تھے نا کہ نکٹھو پر چھوڑو... اور خدا کے نئے اب بندہ بن جاؤ...“

”ٹھیک ہے۔ تمہارا کہنا سرائے نکٹھوں پر... بن جاؤں گا بندہ... پر... گل بیگم! بندہ بھی تو بنتے بیٹے ہی بنوں گا... کچھ وقت تو گئے گا ہی...“

”اچھا بتاؤ تمہیں کتنا دقت درکار ہوگا بندہ بننے میں...؟“

”کرے کم بھی گئے تو چار چھ مہینے تو لگیں گے ہی...“

عیرنے جان بوجھ کر اتنی مدت بتائی کہ گکش کی رخصتی کا وقت درمیان میں آجائے... وہ اس کی شرارت کچھ کئی تھی...

”تو فوری کرو بیٹا جان! کیوں نہیں کرتے... تمہاری ماں بھی ٹھیک کہتی ہے... بیٹی رخصت ہو جائے تو پھر گھر کی رونق بہو سے بنتی ہے...“

”جانی جان کو بوا ایسے...!...“

”میرا تانہ کہنا تھا، کاظمی صاحب آتش زہر پا ہوا ٹھے۔ اندر چوڑت کر...“

”جی جی، وہ باہر بھی پکس دیتے مگی...“

”ست جہادی شہرگ پر انگوٹھا رکھ دیا کرو... پہلے ہی جدائی کے مارے سانس لینا مشکل ہو رہا ہے...“

”آپ اس بے چارے کو کیوں ڈانٹتے گئے...؟“

”جہاں آرا کے دل میں ماں کی امتنا چلی... کیسے مسکین سی صورت بن گئی تھی...“

”وہ... وہ... بس کچھ نہیں... کبھی کبھی وماغ خراب ہو جاتا ہے...“

”کاظمی صاحب نے جیسے اپنی زیادتی کا اعتراف کر لیا۔ خاموشی اختیار کرتے ہوئے اخبار چہرے کے آگے پھیل کر بیٹھ گئے...“

”مجھے نہیں پتہ... جانی جان کو بوا ایسے! عمو کو نہایت...“

”گکش شہر کے انداز میں بڑبڑائی...“

”میں تو بس اسے اپنی بھابھی بنانا چاہتی ہوں...“

”اُسے کسے...؟“

”جہاں جہاں سے اُن آئی تھی...“

”یعنی کہ جس کا پھیلنا! بوا سارا زہر سے...“

”سچ عمو! وہ لڑکی بڑی پیاری ہے۔“

”تو ٹھیک ہے۔ جوڑی ایک جیسی ہونی چاہیے نا۔ بچے یقین ہے،
بھائی جان! میں امریکہ کی آب و ہوا کھانسی کے مزید خوب صورت ہو چکے ہوں گے۔
ان دونوں کی صحیح جوڑی بنے گی۔“

”وہ میسوں جیسی گوری جیٹی نہیں ہے۔ بس سنہری سنہری سی ہے۔“
کندن جیسی... سونے جیسی... عمو! کاشی تم دیکھ لیتے نا۔“

”سنہری سنہری... واہ واہ... پھر تو بھائی جان کے لئے اور بھی مناسب
زوجہ... وہاں کی جیٹی چڑی، پیکے ٹیلوں جیسی دیکھ دیکھ کر دل اور بھر گیا
ہو گا... سنہری رنگت... بیرونی مالک میں چمے ٹیں کہتے ہیں... اک
خوب صورت چمنچ ہو گا ان کے لئے... پکوں پر ٹھامیں گے۔“
جہاں آرا پاس ہی بیٹھیں کرو شیا میں رہی تھیں... کان بہن بھائی کی
باتوں پر گئے تھے۔

”عمو! تم بڑے ذہنیات ہو... کیسے بیماری کے ہر سوال کا جواب
کھڑا کر دیتے جا رہے ہو... کبھی دوسروں کے جذبات کا بھی خیال کر
لیا کرو۔“

”اس میں تمہارے کے جذبات کیسے آن داخل ہوئے...؟“

”تمہیں بھی اتنا بھی پتہ نہیں... بھئی! تم کس سنگدل کے آستانے پر ماتھا چھوڑنے
کی کوشش کر رہی ہو۔“

”اُتی جی دیکھیں یہ نا ڈل ہے۔ آپ بڑے بڑے ڈیناگ بول کر اسے

میرے خلاف کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

”میں نے کسی کے خلاف کیا کرنا ہے... اس کے ارمان اور حسرتیں خود
ہی خود چار رہی ہیں... گھٹنا پھیر مٹی دودھ رہی ہے... پر تم تو بھر ہی سنگدل...
”کمال ہے... آپ بھی اتنی جی! اسی کی ہنسا ہو گئیں... میری بھوری
بھی تو نہیں۔“

”رکھو اپنی بھوریاں اپنے پاس... کاظمی صاحب کسی کام کے لئے پھر
کمرے میں آئے تھے۔“

”ادھر! میری بیٹی میرے پاس... سب اپنی اپنی بھوریاں بتائے
جائیں گے... مگر تو انہیں پھوڑ اور میری بات سن... میں نے اس مسئلے کا
اک دوسرا حل ڈھونڈ لیا ہے۔“

”سچ آبا جی...؟“ وہ پک کر باپ کے پاس جا کھڑی ہوئی...
”کیا...؟ جلدی نہ تائیے...“ بڑی امید سے پوچھا۔

”فی الحال تو...“ انہوں نے مٹی کی یازد میں سے کرپیلو کے ساتھ
لگا لیا۔

”صبر ہی کر لے... اور ان دونوں سے کوئی توقع نہ رکھ، کوئی امید نہ
باندھ... پھر دیکھ لینا تمہارا کدھ کم ہو جائے گا... اور تم ٹکٹی ٹکٹی خوش خوش
اس گھر سے...“

”اؤں... نہیں انہیں۔“

وہ روتے روتے پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

نڑائی جھگڑا کر نہنے میں بھی برابر کے اگلیاں کونے دینے میں بھی برابر کے اور... پیار کرنے، ایک دوسرے کے لئے جان نثار کرنے میں بھی برابر کے...

"کیا بات ہے گل... اتم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہیں...؟"
"تمہیں کیا... بس چلے جاؤ یہاں سے..."
"مدم نہیں کھاؤ گی تو میں بھی فاتحے سے رہوں گا، خواہ نیوک کے رست میری جان لگی جاسے..."
"نکل جاسے..."

"تھیک ہے... تو پھر میں جی بھی بیٹھا ہوں..."
"وہ اس کے پاؤں کی طرف بیٹھ پر بیٹھ گیا..."
"اپنے کمرے میں جا کر بیٹھو مرو..." ان جیسو کو چہرہ ستودہ...
"بیٹھ گئی..."

"یوں تو میری بات مانی نہیں جاتی..."
"تمہاری بات... اری پگلی، دیوانی مالوں گلو..."
"پر کتب...؟ جب میں نہیں ہوں گی۔ دفعہ بوجھاؤں گی اس کو سے..."
"پھر نادمہ کیا...؟ تباہ تو کیا نادمہ ہو گا تجھے..."
"شب شاید تجھے فائدہ ہو جائے..." وہ معلوم ہی صورت بنا کر سنجیدگی سے بولا...
"تمہیں فائدہ...؟ کیا مطلب..."

"آپاں میں آخر میں بیٹوں ہی کے بنے..." بیٹیاں تو پیدا ہونے ہی اس کے سر سے مر رہی ہیں..."
"اپنے کمرے میں جا کر چٹک برائے دھڑے منہ لیٹ کر دیر بڑی دیر اپنے آپ کو بدعاشی دیتی رہی... اور مدتی رہی..."
"کی سنے کا وقت ہوا جہاں آما نے ہی کھانا لگا یا، اسے آواز ہی دیتی رہی... مگر اسے مدنے سے فرصت ملتی تو اس کو کوئی جواب دیتی کھانا کھاتی..."

میز پر اسے نہ دیکھ کر غیر کا دل بھی ٹوٹ اٹھا۔ ائی اور آتا تو پتہ نہیں کھانا کھا رہے تھے یا نالوں سے نہیں رہے تھے۔ اس سے نالوں کے ساتھ جی بھلا گیا...

دونوں بہن بھائی میں اکثر لڑائی جھگڑا بہت ہوتا تھا، آپس میں ایک دوسرے سے نہیں بنتی تھی تو ایسا بھی بے تحاشا تھا۔ ایک دوسرے کے خیر آپس میں بھی نہیں کھتے تھے۔ ایک نالہ خلق سے بھی نہیں آتا رہ سکتے تھے...

"دونوں کی عمر میں صرف ایک سال کا تو فرق تھا۔ اور یہ ایک سال دونوں نے ہی نہیں نہ مانا تھا۔ بڑوں لگتے تھے دونوں..."

محبوبت سے احادیات سے، پیار سے ٹھکڑوں سے، ہر طرح سے ہر انداز سے دونوں ایک جیسے، ایک جیسے لگتے تھے۔ نہ وہ اس کو بڑا سمجھ کر دیر لے لیتی اور نہ وہ چھوٹی کے نام سے غلط...

”دیکھو گلی! جہاں جذبے کھیل رہے ہوں وہاں بڑی باتیں نہیں لگائی کرتے۔“
 ”موا! پر میں تمہاری بہن ہوں۔۔۔ لکھے پوچھنے، جسنے کا حق ہے۔۔۔“
 ”وہ دُور کا۔۔۔ پورے کا پورا دوں گا۔۔۔ لیکن ابھی وقت نہیں آیا۔
 اور اب۔۔۔ عین اس کے متعلق مزید کوئی سوال نہ کرنا۔۔۔ ساتھ بیٹھے بیٹھے
 دونوں کھانے والے کمرے میں داخل ہو گئے۔۔۔“

”سکھوں۔۔۔؟“
 ”بٹے کھانے کی باتیں جو تھے کھانے کو مل جائیں گے۔۔۔“
 غیر ماں اور باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میز پر جا بیٹھا۔۔۔
 قدموں کی باپ پر دونوں نے باری باری سر اٹھایا۔ عین اس وقت گھنٹوں
 کو دیکھ کر زبان سے کچھ نہیں بولے بس مطمئن انداز میں کھانا کھانے لگے۔۔۔
 اور۔۔۔ اب وہ لڑکوں سے کھیل نہیں رہے تھے بلکہ ان کا قلع قمع کر
 رہے تھے۔۔۔ ان کا قتل عام کر رہے تھے۔۔۔ ان کا پورے فتنے و شوق
 سے صفایا کئے جا رہے تھے۔۔۔
 عین اس وقت گھنٹوں پورے خلوص اور لگن سے ان کا ساتھ دینے لگے۔۔۔

شب بڑھنے کے لئے آج ویٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

”میرے حسن و وفا کی دلیری! آج بے وفائی تو نہیں کرو گی؟“
 وہ بڑبڑاتا ہوا، گلگلتا ہوا کمرے سے نکلا۔۔۔

”ایک لڑکی ہے گلی۔۔۔“
 ”کیا۔۔۔؟“ گھنٹوں ایک دم رونا دھونا بھول اچک کر اس کے قریب ہو گئی۔
 ”ہاں۔۔۔ لیکن ابھی میں اس کے متعلق تمہیں بتا کچھ نہیں سکوں گا۔۔۔“
 ”راز۔۔۔؟“
 ”نہیں۔۔۔ تم سے کوئی راز داری نہیں۔۔۔ البتہ صاف کر دو میری وجہ
 سے تم پریشان ہوئیں۔۔۔؟“
 ”تو پہلے ہی کہہ دیتے۔۔۔“
 ”بیوقوفی کی۔۔۔ بدلہ مل گیا۔۔۔“
 ”کیا ہوا۔۔۔؟“
 ”آج وہ بھی دکھائی نہیں دی۔۔۔ بڑا بھروسہ رہا ہوں۔۔۔“
 گھنٹوں نے ہمدردی سے اس کے انسر وہ چہرے کو دیکھا۔
 ”اُدھر سے بھوک بھی بہت لگی ہے اور تمہارا ساتھ دینے کو ناتوا بھی
 کرنا ہو گا۔۔۔“

”ارے نہیں نہیں۔۔۔ میں کھانا کھاؤں گی۔۔۔ جیو اٹھو۔ بیوقوف کہیں کا۔
 ساتھ پریشانی، ساتھ فاقہ۔۔۔ جیو آؤ اُمی بھی بھلا رہی تھیں۔۔۔ آج بھی کچھ
 نہیں کھاؤں گے۔۔۔ لکھے پتہ ہے۔۔۔“

پلنگ سے نیچے اُتر کر اس نے عین کا بازو تھام لیا۔۔۔
 ”لکھے! اس کے متعلق اتنا بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ ہے کیسی۔۔۔؟ میری
 پہلی کہ کرن سے زیادہ خوبصورت یا۔۔۔؟“

غصہ بہت آیا...

”جیب تک تم اس گھر میں ہو بیٹا میری کوئی حسرت پوری ہو سکتی ہے...“
 وہ غریب... اسے آنکھیں دکھائیں، مارنے کے لئے ٹمکتا ہانا، مگر دوسرے
 لمحے کچھ سوچ کر تانا ہوا کہ وہ ایسے پہلو میں گر آیا اور جھبک کر گرا ہوا سیکڑ لٹا
 کرنے لگا...

”پتہ نہیں آج کل تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ چلنے کے ذقنہ اندھوں والا چہرہ
 کیوں پھنک رہی ہو...“

”میری تو آنکھیں کھلی تھیں... تم ہی کسی سے آنکھ پھولی کا کھیل کھیل رہے تھے؟“
 ”آنکھ پھولی کا کھیل کوئی اکیلا کھیل سکتا ہے...“

”تو بات کروں آتی سے... کہو تو براہ راست آتا ہی ہے ہی کہہ دوں...“
 وہ ہنسنے لگا آنکھ پھولی آسانی سے...

”پھر وہی موضوع چھیڑنے لگی ہونا... اور اب...“

”وہی موضوع نہیں جواب! گلش نے جلدی سے اس کی تعریف کر دی...“
 ”میں تو خوشخبری بے کمر آئی تھی کہ بچپن میں جس کے سنگ آنکھ پھولی کھیلنے
 رہے تھے، اسے ہی پیش کر دوں...“

”آنکھیں مٹا کر، نظریں چٹائی گلش زیر لب مسکانے لگی... اور اس کے
 ساتھ ہی کہہ سکتا تلاش کرنے لگی...“

”وہ کون...؟ کون کئی...؟ میں کس کے ساتھ بچپن میں آنکھ پھولی کھیل
 کرتا تھا...؟“

”میں نے اپنے سارے جذبے تمہارے نام کر دیئے ہیں، کیا تم میرے دل
 کے خالی کاسے میں اکہ نذر کی بھیک بھی نہیں ڈال سکتیں...؟“
 ساتھ ساتھ جیب میں سے ریکٹ تلاش کر رہا تھا۔

”منفیس ہوں... ناوار ہوں... مغلوں کا خیال ہوں... عزیز الہبت
 ہوں... پیار کا گواہ ہوں...“

ابھی ابھی منہ دھویا تھا... عادت تھی خوب رگڑ رگڑ کر خشک کرنے کی...
 جانے یہ اس محل کا تھوڑا سا اندر سے جذبوں کا رد عمل...

چہرہ دھبہ رہا تھا... کسی انجانی خوشی سے رنگ رنگ ہو رہا تھا... جذبات
 کی ہلکا سا ہلکا رہا تھا... اور انتہائی شوق اور امید کی قوس و قزح اک چمک
 اک وجہ بہت پیدا کئے دے رہی تھی...

”مل گیا... مل گیا...“

جیب میں سے ہاتھ نکالا... وہی ریکٹ چمک رہا تھا... جلدی سے اسے
 اٹھالا... دوسرے ہاتھ کی پتھریں پیر گرایا...

”آنکھیں بند تھیں اور ان کے چہرے پھر وہی رہے تھے... کھلے کو بیابان
 تھے... تجھ سے مضطرب تھا...“

”آکھ لگی یا نہیں...؟ بیلی! میرے جذبوں کی لاج...“

اور... گلش ساری کی ساری اس سے آن ہٹ کر آئی... ریکٹ دھبہ جاگرا...
 پھر کتنے بند پوٹے اس آٹا خانہ کا دوسرے ایک دم دھبہ ہو گئے...

پتہ نہیں وہ دانستہ مٹا کر تھی یا انجانے میں ایسا ہو گیا تھا... پریکٹر کو

”اے ہے... پیسے تو جیسے بڑی بندھی ہے۔ تم جیسی بے لگام لڑکی اس پورے کرۂ ارض پر نہ ہوگی...“

”اس وقت خوشی کے موڑ میں ہوں... تمہاری کسی بات کا برا نہیں مناول لگی... سنا لو دو چار اور...“

اس جواب پر عید جلد کے حیرتوں میں ڈوبا اسے دیکھتا رہا کیسں پھر جلد ہی سنبھل گیا... گلشن کے اس جواب سے زیادہ تعجب تیز وہ امریکہ دالے کی آمد کی خبر تھی۔

”کیسں گل! یہ پتھر کیسے عزم ہو گیا آخر...؟“

”اتنے بڑے پُروردہ پُراثر، پُر معنی...“

”پُر حسرت! پُر ارمان، پُر کلم، پُر اثر، پُر ثواب...“

”ہائیں ہائیں... یہ کیا کہے...“

”میں نے سوچا میں ہی جلدی جلدی تمہاری مدد کر کے تمہاری بات مکمل کردوں... ہمیشہ کی طرح...“

”معلوم ہمیشہ...“

”ہاں میں ہمیشہ...“ اور وہ اس کی مزید سننے، یا مزید کچھ کہنے اس کے سر پر دو تین دھولیں جاتے ہوئے دل کے پاس بھاگتا چلا گیا...

”میں اس خبر کی تصدیق کرانے آیا ہوں جو گل سے مجھے ملی ہے... وہ خوشی کے مارے بے قابو ہو رہا تھا...“

”اس نے بتایا ہے بھائی جان آرہے ہیں...؟“

عید بے تابی سے پرچنے لگا۔

”سوچو...؟“ گلشن مسکراتی چلی گئی۔

”کہہ دل گیا تھا... اسے جلدی سے جیب میں ٹھونسنے ہوئے عید نے پھر بے قراری سے گویا ہار مان لی...“

”چلو سر پڑھی...“

”بھئی تھوڑا سا سوچو تو...“

”مجھ میں اتنا صبر نہیں ہے... میں کہہ چوہا یاد گیا...“

”ذہیر احمد کاظمی صاحب تشریف لارہے ہیں...“

”کی...؟ بھائی جان پاکستان آرہے ہیں...؟“

”پچھلے تعجب کے مارے کو کھلا با... پھر دو فوراً مسرت سے چلا سا پڑا...“

”مذاق تو نہیں کر رہیں...؟ سچ کہہ رہی ہوں نا گل...؟“

”ہاں... بالکل سچ... سو فیصد سچ...“

”کب...؟“

اس سوال نے اس کو بوکھلا دیا... پہلے شرمائی، پھر تعزیریں جھکا کر شرمیلے سے چلے میں پوئی۔

”مذہبیت تک اس گھر میں جو فکشن ہونے والا ہے، اس موقع پر...“

”تو سیدھی طرح کہو نا تیری شادی پر آمیں گے...“

عید نے اس کے سر پر اک دھول جانی۔

”زبان ضرور کھلوانا ہے... خود ہی سمجھ جاؤ نا...“

”تمہارے والد دورہ آج مجھے پڑ گیا ہے... وہ مکرانی...“
 ”پر تم نے قافیہ ردعت ٹھیک نہیں رکھا... سب کچھ غلط کر گئی ہو...“
 ”وہ اس خبر کا اثر تھا...“
 ”تو پھر غبرو... ابھی پاگل خانے بھیجنے کا اختتام کرتا ہوں... اتنی سے باقی خط سن لوں...“

عمر مال سے مخی طلب ہو گیا...

”اتنی جی اور کیا لکھا ہے بھائی جان نے... کہتے سوسہ میاں رہیں گے؟“
 ”اتنی سے کیا پوچھتے ہو... آؤ میں تمہیں بتاتی ہوں ان کا سہا پرگرام...“
 ”عمر کو بازو سے کھینچ کر اس نے کرسی پر بٹھا دیا... خود اس کے پاس نیچے بیٹھ کر بڑے جوش اور جذبے سے بولنے لگی...“
 ”میزی دھا پوری ہوئی ہے کردہ آرہے ہیں۔ اس لئے ان کے سارے پروگرام میں بناؤں گی...“
 ”جوش جذبات سے اس نے عمر کے دونوں گھٹنے تمام کر ایک دوسرے کے ساتھ دوسرے ملکا دیئے...“

”سنو غوا! تم نے اس دن کفران نعمت کیا تھا نا...“
 ”کچھ گیا، کچھ گیا...“ عمر اس کے انداز سے غلط فہم ہوتے ہوئے مکرانی...
 ”شکر ہے اب تمہیں شکر ان نعمت کرنے والا مل گیا... اب اس کو کفران نعمت نہ کرنے دینا... تب مزہ ہے...“
 ”وہ کہیں گے ہی نہیں... اس لئے کہ وہ پہلے بھی میری ہر بات

”خط تو اسی قسم کا آیا ہے۔ پر پتہ نہیں یہ باہر چلے جانے والے عدسے پر سے بھی کیا کہتے ہیں یا صرف شرعاً کے لئے، پہلانے کے لئے...“
 ”نہی دلاسے کے لئے، چھلانے کے لئے... درغلائے کے لئے...“
 ”ڈرانے دھکانے کے لئے...“

”ہائیں ہائیں! یہ کیا کہے جا رہا ہے... دماغ میں کوئی غلطی تو نہیں واقع ہو گیا...“

”ویسے خبر تو خبر تو ایسی ہی ہے... پر اس وقت آپ گلشن جیسی گفتگو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں نا... میں تو اس کی بھی اسی طرح مدد کیا کرتا ہوں...“

”خوشی میں مجھے پتہ ہی نہیں چلا کیا کیا کہہ گئی ہوں...“
 ”حال میرا بھی کچھ یہی ہے...“
 ”وہ ماں کے گلے سے لپٹ گیا...“

”آٹھ سال بعد ان کی شکل دیکھوں گا، کیسے ہو گئے ہوں گے... بہت خوب صورت نا...؟ بہت سمارٹ... بہت ہینڈسم...“
 ”بہت بیوٹی فیل... بہت پریٹی... بہت وجیہ... بہت ہانکے پھیلے...“

”گلشن! کچھ دیکھ چلی آئی تھی... اسی کے انداز میں بولنے لگی...“
 ”بہت ٹیکل و چینل... بہت گڑ گنگ... بہت...“
 ”ہیں ہیں... دماغ تو درست ہے تمہارا...“

”بات مذاق میں نہ اڑاؤ غمو! بس ایک ہفتہ مجھے دینا پھر تھمہ پیش کر دوں گی۔۔۔“

”یہ بات ہے...؟ تو پھر... میرا اگلا اعلان سنو...“
 عمیرہ اٹھ کر راقی کے تخت کے ایک کونے پر کھڑے ہوتے ہوئے ہاتھ اوپر کر کے با آواز بلند ہونے لگا۔۔۔

”سینے حاضرین و ماضیات! میں بعد شوق... بعد خلوص... بعد صداقت اعلان کرتا ہوں کہ مسماۃ گلشن آرا کا طہی انگے سے لگے ماہ ہونے والے ایک نئے پیروگرام کے سارے مرموں سے صحیح سلامت گزر گئیں تو انعام کی حقدار قرار دی جائیں گی... نہ صرف خالی خولی قرار بلکہ منکد مسمیٰ عمیرہ احمد کا طہی بقلہم خود، یا بدست خود اس کو انعام پیش کروں گا۔۔۔“

جہاں آرا خوشی و مسرت سے ہنس رہی تھیں... بھائی کی محبت میں بھائی کی دیوانگی بھری حرکات و سبک دیکھ کر نہال نہال ہو رہی تھیں... گلشن نے ٹوہرے کے لئے کچھ سوچا۔ پھر یکایک اٹھ کر عمیرہ کے پاس جا کھڑی ہوئی... اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں...۔۔۔

”اچھا... وعدہ کرتے ہو نہ کہ انعام دوں گے...؟“

”دیکھا... بالکل دیکھا...؟“

”نہ مانگا...؟“

عمیرہ نے چونک کر اس کی آنکھوں کی اور ہچکے کی سفیدگی بڑھی...۔۔۔

مانا کرتے تھے لہذا اب بھی مانیں گے... تمہارے جیسے نہیں ہیں میرے بھائی جان... ویسے غمو! جہاں آرا بخیرگی سے بولیں۔۔۔

”اگلے تو صرف اس لڑکی کی خاطر ضد کر رہی ہے لیکن میں دوسرے انداز میں سوچتی ہوں... نہ میری اگر شادی کر دیں گے تو پھر وہ واپس نہیں جائے گا۔۔۔“

”اے اتی جی! آپ کی سوچ بھی بڑی مناسب ہے۔۔۔“

مذاق و مذاق چھوڑو، وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ گلشنوں پر سے گلشن کے ہاتھ پر سے ہٹا کر ہاں کے پاس جا بیٹھا۔۔۔

”پکا پکا پروگرام بنالیں... ان کے آنے سے پہلے پہلے... ایسا پکا کہ پھر وہ انکار کر ہی نہ سکیں... آج ہی کہ میں منالیں...“
 گلشن بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آئی۔۔۔

”غمو! میں کروں گی سب کچھ... تمہیں معلوم ہے نا آج میری بات بڑی مانستہ میں...“

”اوسے یا گل! شادی بھائی جان کی ہونی ہے، آج ہی کی نہیں۔۔۔ اصل شدہ بھائی جان کے مانستہ کا ہے۔۔۔“

”پھر آج ہی پہلے ٹائیں گے تو پھر اگلا مرحلہ بھائی جان کا ہو گا نا۔۔۔“

”اس پروگرام کے کتنے مرحلے ہوں گے، پروڈیو سر صاحب...؟“
 بے حد سنجیدہ چہرہ بنائے بیٹھی گلشن کا سر عمیرہ نے تھپتھپایا... جیسے دھنگ دی جائے۔۔۔

”بہادر بنو بیٹے! بہادر... سچی بات اگر زبان سے نکال دی ہے تو اس پر قائم رہو... اور جہاں آسا نیگم! آپ ذرا اپنے کردار پر نظر ثانی کیجئے... کیوں پچھنے میری گواہی پر خوشی کا اظہار کیا...“
 ”مگلی اگلی! اٹھو اب، بھاگیں یہاں سے... جنگ جاری ہونے والی ہے...“
 ”غیر نے ہیں کو اشارہ کیا...“
 ”اندھوں...“ اس نے گڑبھ اچکائے... ”مجھے کسی جنگ دنگ کا خوف نہیں... جو بزدل ہے وہ میدان چھوڑ دے...“
 ”ارے بیٹی! کوئی چائے والے کا پروگرام نہیں ہے؟ پانچ بج گئے...“

”اوہ... پانچ بج گئے...“ غیر نے اک تلوپ کے ساتھ کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر مضطرب سا ہو کر بے تحاشا بھاگا...
 ”مجھے لگتا ہے اس لڑکے کے دماغ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے...“
 جہاں آرا کے مستوی غصے نے، اصلی کاروبار دھار لیا...
 ”دیکھو... کیا ہوا...“
 ”روزانہ اسی وقت یہ پاگل پن کا دورہ لے پڑتا ہے...“
 ”گلشن مکرانی...“ ”ہی نا، اتنی جی...!“
 ”وہاں تو...“
 ”ارے جی ہوا کیسے؟“
 ”آپ نہیں ٹوٹ کر رہے...؟ چلا جاتا ہے کہیں... دیوانوں کی طرح

مستی پٹائے... پھر مکرادیا...“
 ”ہاں اُنہ مانگا... پر کس دن...؟“
 ”جس دن اپنی منتخب کردہ لڑکی کو بھائی جان کی دہن بنا کر تھارے سانس لاکھڑا کر دیا، پس اس کے بعد...“
 ”تو پھر...“
 ”تم بھی کیا یاد کر دو گی کہ کسی حاتم خاں سے بلا پڑا تھا...“
 ”دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر وعدہ پکے کیا...“
 ”نظروں ہی نظروں میں بھی... اشاروں ہی اشاروں میں بھی...“
 ”اتنی! آپ بھی گواہ رہیے گا...“
 ”کس بات کی گواہی...؟“
 ”کافی صاحب، اولاد اور بیوی کو ڈھونڈتے ہوئے کمرے میں آگئے...“
 ”بیٹا جی! پوری دواؤں... ہم حاضر ہیں...“
 ”جہاں آرا اور گلشن کی طرف، باری باری دیکھ کر سکرائے...“
 ”یہ عورتوں کی آدمی کیا کرتی ہے...؟“
 ”ہاں آبا جی! آپ کی گواہی ٹھیک ہے... سب سے زیادہ سچی...“
 ”صادق اور درست...“
 ”اور مال تو تمہاری جیسے بے ایمان ہے، دروغ گو ہے...“
 ”جہاں آرا بھی اس وقت موڑ میں تھیں، مہینوں غصہ طاری کر لیا...“
 ”غیر جانتا تھا، پھر بھی سہم کر مال سے ڈر کر جھوٹ موٹ کپکپانے لگا...“
 ”نہیں اتنی جی! نہیں... خدا نخواستہ ایسی بات تو نہیں...“

”تمہی... جہاں آراکیم، اہل میں تمہارے کردار کی اس خامی کی طرف میرا اشارہ تھا... اولاد میں انصاف والا رویہ روارکنا چاہیے...“
 ”معاف کیجئے گا کاظمی صاحب!“ جہاں آراکیم اسی غصہ سے انداز میں گویا ہوئیں...

”یہ خامی تو آپ میں بھی ہے... ساری عمر بہت فرق رکھا دونوں لوگوں میں... پر یہ آج کیوں اس کی طرف ذرا ہی ہوسنے لگی...“
 تعجب خیز اور مہمی خیز نظروں سے انہوں نے شوہر کو گھورا... کبھی عینک کے اوپر سے، کبھی اندر سے... پھر جیسے کچھ سمجھ گئی تھیں...
 ”اچھا... یہ نسبت علی نہیں تعجب معادیرہ ہے۔ یعنی کہ میری مخالفت کرنا مقصود تھی... عید کی محبت سیر تھی...“
 ”اتنی جی! چھوڑیئے نا بکث... یہ بتا کے آپ جی پائے نہیں گی...“
 میں آبا جی کے لئے جانا ہے جا رہی ہوں...“

”مناں کا باتیں سن سن کر جی جلاسنے سے بہتر ہے...“
 ”مگر گرم چائے سے جلا لیا جائے...“ کاظمی صاحب نے بیوی کا جلد مکمل کر کے خوشگوار سے ہلچے میں ہنسا شروع کر دیا...
 ”دوبلے گلی میٹھا! گرم گرم چائے کے ساتھ تھوڑی سی میٹھا آج ہوئی چاہیے تھی... جہاں آراکیم کا بیٹا اتنے سالوں بعد آ رہا ہے... منہ میٹھا نہیں کر آئیں گی...“
 ”کیوں نہیں... وہ تو میں نے منگو کر رکھی بھی ہوئی ہے... اور ہر

گھر سے باہر بھاگتا ہے...“
 ”دیر نہیں پوچھی...“
 ”کچھ بار...“
 ”نہیں جتنا...“
 ”نہیں...“ جہاں آراکیم نے اسی غصے کے عالم میں دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ نکل کر جا چکا تھا... پھر گلشن کی طرف نکلے گئیں... جیسے اس کے پاگل پن کے دور سے میں وہ بھی شامل تھی... ایسا ہی دیکھنے کا مشکوک انداز تھا...
 گلشن نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں تلے دبائے لگی...
 ”کوئی ٹیوشن دینے کو لی ہوگی...“ کاظمی صاحب نے تیز لگایا۔
 ”مجھ لے موسے خرچ چلانے کے لئے...“
 ”ہونہ! یہ تعبیر ہے... جو ایم اسے اگے بڑھ ہی نہیں سکا...“
 ”ذہیر نہیں کہ امریکہ میں ڈگری لی اور میں ہزار تنخواہ لے رہا ہے...“
 ”لاکھوں میں لاکھ میرا بیٹا...“
 ”میں ہزار میں سے تمہیں کیا بھیجتا ہے بلکہ! جو اتنی زبردست وکالت ہو رہی ہے...“
 ”جانی جان آنے والے ہیں آبا جی! آج ہی ان کا خط آیا ہے...“
 ”گلشن نے جلدی سے انہیں بھی خوشخبری سنائی...“
 ”ہوں...“ کاظمی صاحب نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا...

ایک کے معاملات دوسرے کو ہمیشہ اپنے معلوم ہوتے... دکھوں اور
نکلیوں کی اس طرح سانچہ تھی کہ آنسوؤں کے ساتھ آنسو اور مسکراہٹوں
کے ساتھ مسکراہٹیں لٹا دینوں کا شیوہ بن چکا تھا...

ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ جو ادعلیٰ کو کوئی دکھ پہنچے اور عیبر
اس کا درد محسوس نہ کیا ہو۔ اور عیبر کو کوئی تکلیف ہوئی ہو تو جو اس نے
اس کا مدد کرنے کی کوشش نہ کی ہو...

جو ادعلیٰ اکیلا دکان میں بیٹھا ہوا تھا... اس وقت کا ہک کوئی موجود
نہیں تھا... فارغ ذہن اور فارغ وقت کو بڑے ذوق و شوق سے استعمال
کر رہا تھا...

اس طرح کہ... بازار میں تو اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے، البتہ
سڑک پر بڑی چہل تھی... قہما قہم کے لوگ گزر رہے تھے... آنے والے
دکانیں تھیں... خریداری کر رہے تھے...

عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے... شام کے قریب تو یہاں اک میلہ
کا سامان ہوتا تھا... جگمگ کرتی دکانیں اور جگمگ کرتے لوگ...
دکانیں چلتی دکتی چیزوں سے جگمگ کرتی تھیں اور لوگ چلتی دکتی
مسکراہٹوں سے...

فارغ وقت کا اس سے اچھا استعمال اور کیا ہوتا... وہ آنے والے
دے لوگوں کو گھسنے لگا... لوگوں سے اس کی مراد انہی تھیں سے تھی، باتوں کو
تو وہ لوگوں میں شمار ہی نہیں کرتا تھا...

کیسی بھولی... عمو کو کھانا یا دہی نہیں دہی... اور گلشن اگلے میں بھی تقسیم
کر فی ہے... آٹھ سال بعد... پورے آٹھ سال بعد زبیر آ رہا ہے...
وہ ابھی خط آیا ہے... عرف اعلیٰ کے کر...

کاظمی صاحب پھر بیٹھے... اسی طرح مہنی خیز انداز میں بیگم کو دیکھا...
"اتنے سے ہی مٹھائی تقسیم کرنے لگیں... کیا بہت بھر و سب سے اس پر
وہ یقیناً آجائے گا...؟"

"نیک نگوں ہوگا تو نیک گھڑی بھی انشاء اللہ آ جائے گی...
ضرور آ جائے گی..."

جہاں آ رہا اس کی محبتوں میں پورے وجود کے ساتھ ڈوب گئیں...



ایک طرف سڑک تھی... ایک طرف تلک بازار... اور گھر پر وہ دکان
تھی... فیاری کی... جن کا مالک جو ادعلیٰ تھا... اور جو ادعلیٰ عیبر احمد
کاظمی کا بڑا گہرا دوست تھا... بچپن کا دوست...!!

سولہ سترہ سال کی دوستی کوئی معمول بات نہ تھی، نہ بھٹی بات...
وہ نواب ایسی مفہوم چٹان کی طرح بن چکی تھی، جس کے ساتھ کو میں
بکر میں تو خود پاش پاش ہو جائیں... مگر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں...
عیبر اور جو اد تقریباً ایک جان دو غالب بن چکے تھے اس لئے

”وہ گزر گئی، کیا...؟“ سکوتر ایک طرف کھڑا کر کے لاک لگاتے ہوئے اس نے پوچھا...
 ”کہاں سے...؟ جان سے...؟“
 ”کیا کہا...؟ جان سے...؟“ عبیر نے کھانسی کرتے ہوئے جواب کی طرف بڑھا...

”میں نہیں نہ جان سے گزار دوں گا...“
 ”میں تمہارا دوست ہوں یار!“
 ”اس کا بھی کچھ ایسا ہی رشتہ بنا ہے...“
 سنجیدہ سی صورت بنا کر وہ جواب کو ذرا برے دھچکتے ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا...

”کس چین نہیں... نہ گھر میں اور نہ...“
 ”یہاں...“ جواب نے جلدی سے طیر کا جملہ مکمل کر دیا...
 ”ہیر یار! یہ تم کب تک اس طرح غمنوں بنے پھرتے رہو گے...؟“
 ”غمنوں والا معاملہ نہیں...“

”پھر...؟“ یہ سبے قرار بیاں... یہ سبے تابیاں... یہ پچھ کو میٹر دو زانہ کا سفر... یہ اسے صرف اک نگاہ دیکھنے کے لئے کئی کئی گھنٹوں کا انتظار... اس نے عبیر کی آنکھوں میں سنی طلب نظروں سے جھانکا...
 ”ان سب کو کیا نام دیتے ہو...؟“
 ”نام...؟ نام...؟“ عبیر سوچوں میں کھو گیا... دیر نہ ہو کر وہ چہرے پر

”اسے...“

”بائیں... بائیں... بائیں...“

”اسے بائیں صاحب...“

”تیس... تیس...“

”چوبیس... چوبیس... وہ چوبیس... چوبیس...“

”یار! یہ کیا کوا اس ہے...؟“

”اوہ...“ جواب نے چونک کر رخ موڑا...

عبیر اس کی دکان کے ساتھ سکوتر لگاتے کھڑا تھا... ایک پاؤں پٹیل پر تھا اور دوسرا نیچے فرش پر...

”یہ کیا کر رہے ہو... یہ پچیس چوبیس کیا بلا ہے...؟“

”بلا نہیں... طبعی صورت بلائیں...“ جواب نے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ

”مسکرا دیا...“

”گاہکوں سے فارغ تھا اس وقت... اس لئے خواتین شماری کر رہا تھا“

”خواتین شماری ہی کیوں...؟“

”یار! میری عمر ہے اور دیکھو بھی... باقی کوئی غفلت ہے...؟“

”پھر کیا ہے...؟“

”چھان ڈرو...“

”اوہ...“ عبیر نے اک حلقہ پید کا سا قبضہ لگایا اور سکوتر بازہ کی طرف

موڑ دیا...

”بیڑے کو باندھنے کے اب منصوبے بنائے جا رہے ہیں...“
 ”جو پاس ہے اسے باندھ نہیں سکے اور ہزاروں میل دور والے کو
 باندھیں گے... اس سال کا سب سے زیادہ مزیدار لطف...“
 ”نہیں یا راجہ! لطف نہیں ہے... بھائی جان آ رہے ہیں...“
 ”سچ...؟ یقین نہیں آتا...“
 ”انہوں نے کھا تو ہے... گلشن کی شادی کے موقع پر...“
 ”غیر اسے تفصیل بتانے لگا... ایک دوسرے کے گھریلو حالات سے
 دونوں واقف بھی تھے اور پوری اپنائیت سے دلچسپی بھی یا کرتے تھے...“
 ”اور اتنی کا خیال ہے جو بھئی بھائی جان آئیں تو ہی ان کی
 شادی کر دیں...؟“
 ”دباں کی گوری جی عورتیں چھوڑ کر وہ یہاں کی سادھی سونہی کوئی
 پسند کر لیں گے...“
 ”اتنی کہتی ہیں، ہاتھ پاؤں جوڑ کر، جہم دینے کا واسطہ دے کر اور
 دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دینے دے کر میں راضی کر لوں گی...“
 ”ایسا نہ ہو کسی دباؤ تلے آکر وہ شادی کو تو لیں اور پھر...“
 ”جو ادھر خیال انداز میں سنجیدگی سے بولا...“
 ”اگر کچھ ہو جائیں اور نہ ہی یہاں بے چاری...“
 ”نہیں... اکثر ماں باپ کو اولاد چھوڑ جاتی ہے... اتنی کا خیال ہے،
 عورت سے بندھ جائیں گے، وہ پاؤں کی بیڑی بن جایا کرتی ہے...“

بہت سارے رنگ بکھرے تھے... اور ہر رنگ مختلف جذبے اور لطف
 نام کا ترجمان تھا...
 ”جو ادھر بڑھنے کی کوشش کرنے لگا...“
 ”میرے پاس بڑھنے والی عینک نہیں ہے... اپنی زبان سے ہی
 بول دو...“
 ”وہ شرارت سے چپکا...“
 ”کیا...؟“
 ”یہ جو کچھ چہرے پر کھڑکھا ہے... ییل کی زبان میں... شیریں کی
 زبان میں... سستی کی زبان میں، اور میر اور سوچی کی زبان میں... اتنی
 زبانون سے تو میں واقف بھی نہیں...“
 ”غیر ہنسنے لگا...“ کوشش کرو...“
 ”مجھے ابھی تجربہ نہیں... مجھ کو اس مکتب کا ابھی کوئی درس نہیں آیا...“
 ”اتنے مواقع ملتے ہیں سارا دن... ایک آئی... ایک گئی...“
 ”اس وقت صرف گاہک کی نظر میرے پاس ہوتی ہے... دکان پر
 آتے وقت جذبوں کا چہرہ ماں آتا کر دیکھ لیتی ہے... اپنے پاس... تیزی
 ماں جیسی نہیں... دونوں بیڑوں کو ہی کھلا چھوڑ رکھا ہے... بے لگے...“
 ”دونوں ہنسنے لگے... اتنے زور زور سے کہ گزرنے والے گزرتے ہوئے
 گزریں سوڑ سوڑ کر نہ گئے...“
 ”ویسے...؟ ذرا ہنسی تھی تو غیر تھوڑا سا سنجیدہ ہوا...“

نظر کو کبھی دیکھ ہی نہیں سکا تھا...

اس سٹے... کہ وہ اس کے لئے اتنی عزیمت، اتنی مقدس اور اتنی منبرک تھی کہ اس کی نظر سے نظر ملانے کی اس میں حرات نہ تھی۔

اسے یوں لگتا تھا کہ جیسے نظر کا بھی داغ لگ جاسکے گا اور وہ اسے کسی صورت میں داخلہ نہیں کرنا چاہتا تھا...

یوں... اس طرح... اسے آج تک اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے بھی اسے کبھی دیکھا تھا، یا وہ بھی اسے جانتی تھی... اس کے وجود سے، اس کی ہستی سے، شناسا تھی...

وہ تو بس اپنے ہی جذباتوں کے ہاتھوں لٹ، ہٹ چکا تھا... اور یہ لٹنا، مٹنا اسے بڑا عزیز تھا...

غیر کے قدموں سے لیٹ کر اس کی نظر جب اوپر اٹھا شروع ہوئی تو اس عمل کے دوران اس کی رفتار قدرے سست ہو جاتی... پھر... جب تک غیر ہوش میں آتا، وہ معمول کے سے چھوٹے چھوٹے... تیز تیز، قدم اٹھاتی بازار کا چند گراں حاصل کر کے موڑ مڑ جاتی...

جانے اس کی ہستی میں ایسی کونسی کشش تھی کہ غیر پانچ کو میٹر کا حاصل کر کے روزانہ یہاں، اس کی ایک جھلک دیکھنے آیا کرتا تھا... پورے چہ ماہ ہو گئے تھے اسے اس دشت کی خاک چھانستے... کچھ دکھونچ لگا سکا تھا، کچھ نہ پاسکا تھا، سوائے ان جذباتوں کے جو ہر نظر، ہر جھلک کے بعد شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے تھے...

اسے مرد نہیں چھوڑ سکتا، نہ اس سے بھاگ سکتا ہے...

”ہو سکتا ہے...“ غیر یقینی انداز میں غیر کو بچنے کے بعد جوابے نظریں جھپکالیں... اس معاملے میں مزید اس نے کچھ نہیں کہا...

”ارے... ارے... وہ... یہی آگئی...“

غیر نے اک دم گڑبڑا کر جواب کا بازو تھام لیا... جواب نے موس کیا، اس کا ہاتھ تھر تھرا کر رہ گیا تھا... وہ جلدی سے سڑک کی طرف ہٹنے لگا۔ بڑی گجھا گئی تھی... بڑی آمدورفت تھی... سبید چادر اوڑھے، سر جھپکاتے، لوگوں کے دھکوں پہ بچتی بچاتی وہ موٹر ٹرک اس تنگ بازار میں داخل ہو گئی...

غیر اک جھلکے سے اٹھ کر بازار میں کھٹنے والے دکان کے دروازے میں جا کھڑا ہوا...

بین انہی لمحے اس نے ذرا سا چہرہ اٹھایا۔ غیر کے قدموں سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ اوپر اٹھی... اور... تھوڑی سی اور اوپر...

غیر کا دل دھوک دھوک کر حلق میں آن لگا... سارے وجود پر اک بکلی سی طاری ہو گئی...

پھر اس کے بعد... اسے معلوم نہیں ہوا... وہ اس کی اٹھتی ہوئی نظر کہاں تک پہنچی تھی... غیر کے چہرے تک... یا... یا... پہلے ہی اس نے پھیر لی تھی...

تمام عمر چاہتوں اور خواہشات کے باوجود، غیر اس کی اٹھتی ہوئی

وہ اس کی آہٹ کو پہچانتا تھا... وہ اس کی خوشبو سے مانوس تھا...
وہ اس کی چوڑیوں کی چسکا رستے واقف تھا... وہ اس کے بیٹے سٹائے
بیکس کی، بلا صورت یا درجہ دیکھے، غناخت کر سکتا تھا...
انہیں بند کر کے... سانس روک کر... اس کے لئے اس کے جذبے
انٹے حساس، اتنے پوکس، اتنے ہوشیار تھے کہ اس کے پاس سے جو ہوا
گزر کر آتی تھی، یہ اس کو بھی پہچان لیتا تھا...
"بیلی آگئی..."

اس کے تن کا تداں گداں پکار رہا دیتا... کانوں میں شہنائیوں کی
آواز گونج اٹھتی... تنھوں میں خوشبوؤں کے ریٹے کے ریٹے گھٹنے گھٹنے...
اندرا، باہر اک شور، اک ہنگامہ بپا ہوا اٹھتا... وہ سارے کا سارا ہلکے
لگ جاتا...

"یاد آ رہے ہیں اس کے نام کا کیسے علم ہوا..."
کئی بار جو ادب نے اس کے ہونٹوں کی تھر تھراہٹ دیکھی، سنی اور
محسوس کی تھی... تب اک دن پوچھ ہی لیا...
"بیلی... بڑا پیارا نام ہے..."

عمیر پہلے چونکا... پھر... پوچھنے والا جوا د تھا... اس سے کیا پروہ اری...
بڑے خوبصورت، بڑے دلا دیزا انداز میں مکر اویا...
"یہ نام تو میرے نے اسے دیا ہے..."

بے حد معلوم لگ رہا تھا اس وقت... جوا کو دوست کا یہ روپ،

یہ انداز بھگیا... مکر اہٹ میں کھلے دل سے اس کا ساتھ دے کر پوچھنے لگا...
"تم نے...؟" ساتھ ہی اس کی مکر اہٹ پر حیرت غالب آگئی...
"اور اس کا اصلی نام...؟"
"بھلا مجھے نہیں معلوم..."

اس کا ذکر ہوتا تو عمیر کے چہرے پر سارے جہان کی خوبصورتیاں اور
رفائیں سمٹ آئیں... رنگین... چمکیں... روشن و منور...!!
"میں نے تو تمہارے ہونٹوں کی تھر تھراہٹ میں ہمیشہ ہی نام گو بہتا
مناسب ہے اور یہی اصلی گناہ ہے..."

"ویسے مجھے بھی اصلی ہی گناہ ہے..." سارے جذبے اک گہری سی
مکر اہٹ میں گئے...
"وہ کیسے...؟"

"منوی کا نام سے... تمہیں معلوم ہے نا پنجابی زبان میں دوست کو
بیٹی کہتے ہیں... اور اُسے تن من سے، دل و جان سے، دین و ایمان
سے میں نے اپنا دوست مان لیا ہوا ہے...؟
"یعنی کہ... تمہارا پتا کٹ گیا..."

"احق... تمہارا پتا کٹ سکتا ہے...؟ تم دونوں کا مقام علیحدہ
مٹھدہ، اپنی اپنی جگہ پر ہے... اور سدا تا نام و دامن رہے گا...؟
"یہ جو تم نے اس کے ساتھ دوستی والا ناظر بنایا ہے، اسے کیا
معلوم ہے...؟"

در اصل میں اس کا سی۔ ایس۔ پی افسر بننے والا ارمان نہیں ٹھوٹک رہا تھا... بڑی تکلیف تھی...

”ڈیجیٹل مارنے سے نادمہ...؟ جو کچھ ہوں... وہی دنیا کو بتا رہے“
جو اد نے حماقت بھرا جواب دیا... ”مگر یہ جواب عمیر کو پسند نہیں آیا تھا... اس کی خاطر... اس کی خواہشات کے حوالے سے..“

”شکر خور سے کو خدا شکر دیتا ہے..“

ادروہ خود جا کر بورڈ لکھوا لایا... سفید پالش والے تختے پر بڑے بڑے سیاہ حروف تھے...

جو اد جنرل سٹور...

جو اد اسے دیکھ کر بڑی دیر قہقہے لگاتا رہا...

”جو اد جنرل سٹور...“

”جو اد جنرل سٹور...“

بار بار پڑھتا تھا... اور اندر اکا دکا بڑی ہوئی جنیروں کو دیکھتا تھا... پھر قہقہے لگاتا تھا...

”میرا مذاق اُڑا رہے ہو یا دکان کا...؟“

عمیر نے خار کھا کسم بوجھا...

”اپنا...“ جو اد نے آنکھوں میں آجانے والی نمی صاف کی...

پتہ نہیں زیادہ ہنسنے سے یہ آئی تھی یا... کیا تھا...؟ کیا تھا...؟

خدا اسے بھی معلوم نہیں ہو سکا...

”ایک دن یقیناً ہو جائے گا... میرے جذباتوں میں شدت بھی ہے، صداقت بھی ہے اور کشش بھی... دیکھ لینا...“

عمیر نے کچھ ایسے جذب کے سے عالم میں کہا کہ بھر... واقعی نوادر میں کا فرق ہی نہ رہا... نہ اس کی اپنی نظر میں اور نہ جو اد کی نظر میں... وہ بغیر کسی رشتے، ناطے یا تعلق کے ہی اسے عمیر کی سمجھنے لگا...

اس کے دل کا مال چہرے سے جان جایا کرتا تھا...

دونوں ایک دوسرے کے بعض شناس، راز شناس، اشارہ شناس اور نگاہ شناس تھے...

مکول سے کالج تک اس کٹھے رہے تھے۔ مگر بچپن کے دنوں کے بعد جو اد کے گھر طویل حالات نے اسے مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ دی... وہ سی ایس پی افسر بننا چاہتا تھا، مگر بن نہ سکا...

مقدور کے ہاتھوں بڑی طرح مار کھا گیا بے چارہ... اور اس مات نے اس کے حالات ضرور بدلی دیئے لیکن اس کا مزاج اور طبیعت اور اخلاق نہ بدلا...

اس کے علاوہ صبر، شکر اور حماقت نے ہولے ہولے اپنا رنگ دکھانا اور جانا شروع کر دیا۔ دکان چلنے لگی...

”یہ بنیادی دکان کیا ہوا... بورڈ پر جو اد جنرل اسٹور لکھواؤ...“

عمیر کو اپنے دوست کی دل دہی اور ساتھ ساتھ سر بلندی مقصود تھی...

تجی... خواہ مخواہ ہی اعتراض کر ڈالا...

”اڑاڑی بڑے شوق سے لیکن اتنا دیکھ لو، اس بورڈ نے ارد گرد کی دکانوں اور دکانداروں سے اس دکان کا درجہ ذرا بلند کر دیا ہے... اب گاہک زیادہ آنے لگے ہیں...“

اور یہ خدا ہی پہنچ جاتا تھا کہ بورڈ کی وجہ سے گاہک زیادہ آنے لگے تھے یا جواد کے حسنی اخلاق اور دیانتداری کی وجہ سے... زیادہ گاہک آتے تھے، زیادہ سامان دکان میں ڈالتا پڑا... تب دکان چھوٹی ہو گئی... جس طرح زیادہ چیز مل جائے تو دامن تنگ ہو جاتا ہے... یہی حال دکان کا ہو گیا...

تنب... اسی کے سائز کی اس کے ساتھ والی اور دکانیں جواد کو مراستے پر لینا پڑ گئیں...

”میں نے کہا تھا نا خدا برکت ڈالے گا...“

غیر جواد کی ترقی سے بے انتہا خوش تھا... دوسری دونوں دکانیں بھی سامان سے بھری گئیں تو...

غیر نیا بورڈ بنوا لایا... بڑے ارمانوں کے ساتھ...

جواد پلازا...

اور اس بورڈ کو دیکھ کر جواد کو کتنی منصف تک مان شاپ فیسے لگتا رہا...

”پاکلی ہو گیا ہے...“ میرے اس کی پرواہ ہی نہیں کی...

جواد جہل شور والا بورڈ و تار کر جواد پلازا والا لگا دیا...

”گھر بیٹ میں فرق پڑ جاتا ہے... سینڈرڈ بڑا ہو جاتا ہے... الحق

تم نہیں جانتے... دنیا میں نام کی جے جے کار ہے... سینڈرڈ اور گریڈ کی واہ واہ ہے... اب دیکھنا... اس بورڈ کا کمال... گاہکی اور بڑھ گئی... دو ملازم بھی رکھنا پڑے...

”میکون جواد علی صاحب...“

”رمان گیا عمیر احمد کا قلمی صاحب...“

دوست تھا... زمان سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی... لیکن دل

تقدیر کر کاٹتا تھا...

جب تک بلی کو دیکھا نہیں تھا، پایا نہیں تھا، جذلوں سے نہ بھڑ نہیں ہوئی تھی وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام میں بہت دلچسپی لیا کرتا تھا...

خریدیں بہت تھا... باتیں میں بڑی خوب صورت کرتا تھا... طنز و

مزاح کی - عقل و شعور کی - دانش دماغ کی... دلہاری و جان نثار کی -

پرواہ تو بلی کے خیالوں نے اس کی ساری چوکڑی بھلا دی تھی... زیادہ

خاموشی اور سوچوں میں کھویا ہوا ہی رہتا... جواد پلازا میں بھی دلچسپی کم

ہو گئی تھی مگر حاضری ضرور دیتا تھا...

”نہیں کچھ علم ہے جواد! یہ جلی روزانہ ایک ہی وقت پر یہاں سے

کیوں گزرتی ہے...“

”نہیں... میں تو بس اتنا جانتا ہوں... یہ اک لڑکی، جو میرے بار کی...“

”ادھوں... بلا سوچے کچھ نہ کہہ دینا... عورت کا تقدس و اقدار ہو جاتا ہے۔“

”ابہ انسا بھی نہ بن...“

”میرے بچوں کے دوست ہو کر بھی مجھے کچھ نہیں سکے...؟“

”غیر سنے لڑکی کی انداز میں کہا تو... جواد چپ سنا ہو گیا... چند لمحے خاموش رہا، پھر پھر رہا نہیں گیا...“

”پھر...؟ تفصیل نہیں بتاؤ گے...؟“

”میں نے کہا میری بجائے اس کا رشتہ بھائی جان سے کیوں نہیں ملے کر دیا جاتا...“

”یاد رکھو جیسے اسے...“

”پھر وہی بات...“ تب اس وقت علم مسکرایا...

”گھٹن بھی اسی بات پر قہر لگا بیٹھی تھی... وہ بھی یہی پوچھتی تھی...“

”یہی کیسی ہے...؟“

”ہاں...“

”تمہی مجھے شرط لگانا پڑی... بھائی جان کی شادی کے بعد ہی اس کی رونمائی ہو گی...“

”ہو سکتا ہے گھٹن نے جولو کی پسند کی ہے وہ اس سے زیادہ خواہش کرے...“

”ہو ہی نہیں سکتا...“

”دیکھو ہو نہیں سکتا...؟“

”بھئی میری آنکھ سے دیکھو نا... مجھے تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ حسین

لڑکی دکھائی دیتی ہے...“

بڑی نازک ہوتی ہے عورت کی عزت...“

”غیر نے اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کاٹ دی...“

”میں کچھ بھی نہیں جانتا...“

”اس کا موڑ دیکھتے ہوئے جواد نے دوسرے انداز میں مکمل کر دی...“

”دیکھا جانا چاہتے ہو کچھ...؟“

”ہاں... میں سے وعدہ کر لیا ہے...“

”وہ کیا وعدہ...؟“

”کہ اسے نہ صرف دکھاؤں گا بلکہ اس سے ملواؤں گا بھی...“

”شرط لگا ڈالی ہے...؟“ جواد نے گھبرا کر پوچھا...

”شرط ہی کچھ...“

”کوئی مدت بھی رکھی...“

”ہاں... بھائی جان کی شادی کے بعد...“

”اور یہ واقعہ کب اور کیوں پیش آیا...؟“

”اس کی سہیلی کی کوئی کزن وزن ہے۔ وہ اس نے دیکھ لی ہے...“

”پھر گھر بھی اسے بلوایا... بے تحاشا پسند آئی... تمہی یہ سب ہو گیا...“

”کیسی ہے...؟“ جواد نے دلچسپی سے پوچھا...

”یہی کے بعد مجھے کسی میں کوئی دلچسپی کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی...“

”نہ ہی میں نے پوچھا ہے...“ جواد غور سے ہنستے ہوئے...“

”دعا کا کچھ لگتا...“ جواد نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

اس کا بہت خیال رکھا کرے گی... اس سے بہت محبت کیا کرے گی اور اس کی خاطر تواضع میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گی... تب وہ اپنی پند کی چیزیں اس سے پکوا کر کھایا کرے گا... جو اد کو اپنے اچھے مزیدار، مزیدار اور منفرد سے پکوان اور کھائے کھانے کا بڑا شوق تھا... ہمیشہ سے ہی... لیکن وہ کبھی بھی پورا نہ ہو سکا... اس کی اپنی دو بہنیں کب کا میاہ کر اس کے گھر سے ہی نہیں، شہر سے، ایک ملک سے بھی سدھار چکی تھیں... مال بوڑھی تھی... تمام قسم کے کھانے نہیں بنا سکتی تھی... پھر اس کی حسرتیں کون پوری کرتا... یوں ہی... خیار کی دکان پلازا اب بنی تھی... پہلے تو نان نفقہ کا ہی ٹکڑہ رہتا... اس نے باپ تو دیکھا ہی نہ تھا... جیسے کب اسے یتیم کر گیا تھا... اور جو یتیم ہو جائے تو اس کے مندر میں ساتھ مفلس بھی لکھی جاتی ہے... پھر اس کی مفلس دیانت داری نے جلد ہی کاٹ دی... اور جب وہ نئے نئے، قسم قسم کے اور لذیذ لذیذ کھانے، کھانے کے قابل ہوا، تو گھر میں کوئی دیکھنے والا ہی نہ تھا... ہو مٹوں، خاندانوں کے کھانوں کا کب ایسا مزہ ہوتا ہے جو ماں، بہن اور بھائی وغیرہ کے ہاتھوں کا ہوتا ہے... بہنیں رخصت ہو گئیں، ماں کے بڑے چاہنے والے آرزوؤں اور خواہشات کا

تو پھر ایسے کہنا... پھر... اس کے شوق جاننا اور پھر اس سے اتنے تعلقات بڑھا کر گٹھن کے سامنے لے جا کر کھلا کر دیا جائے... بہت مشکل... تقریباً ناممکن... جیوں... ”وہ بڑی بچیدہ لڑکی ہے، کسی اجنبی دکاندار سے اتنی بڑی تکلفی کبھی نہیں بڑھائے گی کہ گھر تک پہنچ جائے... اس نے تو آج تک ہم سے کچھ فریاد بھی نہیں...“ جو اد کے انداز میں ٹکڑہ بھر گیا... ”میری دکان میں کیا نہیں ہے؟ اور اسے بھلا ان سیکڑوں چیزوں میں سے کبھی کسی کی بھی ضرورت نہ پڑی ہوگی...“ ”شرماتی ہے یار...!“ عمیر نے فوراً اس کی طرف سے صفائی پیش کر دی... ”اچھا... تم کہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے...“ جو اد نے عمیر کی جان نثاری میں فوراً حالی بھری... ”کل ہی اس کے حالات و کوائف معلوم کرنے کی کوشش کروں گا...“ جب عمیر نے دل کے ناٹے اس سے باندھ لئے تھے، تو پھر اس کے لئے بھی عمیر کب رہ گئی تھی... عمیر کی بیٹی تھی تو اس کی بیباکی... ”بڑا میٹھا، بڑا بیدار راستہ ہے... خوبصورتیوں والا، محبتوں والا،“ خاطر دل اور تواضعوں والا... ”اسے پورا یقین تھا جب عمیر کا گھر ایسے نکلا تو اس کی بیوی باجی کے ناٹے

”پھر گھر میں آجائے گی تو کہا کر میں نے آیا کروں گا اور روٹی وہ
پکا دیا کرے گی... یوں اچھی خاصی گرہتی چل پڑے گی...“
”تینوں سے مل کر...؟“
”ہاں تو...“ اور دونوں بقیہ لگانے لگے...
”خجور تو معقول ہے...“
”پکا وعدہ ہے نا... کما فی دو گئے نا... کہیں بد میں مگر جانو...“
”اوسے جان مانگو... اس سے بھی نہ گھروں... یہ تو بڑی چھوٹی بات ہے...“
جواد علی نے بڑے جذبے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا... وہ تھا ہی
ایسا... رشقی کی کچی مار کھایا ہوا... صحتوں کا ٹوٹا ہوا... غیر کے لئے تو ہر
دقت جان ہتھیلی پر لے پھرتا...
اپنا کوئی بھائی نہیں تھا... غیر کی دوستی نے بھائی کی کمی پوری کر دی...
وہ ذرا سا بھی کام کہہ دیتا... جواد کا خلوص اور محنت ناگن کو بھی لگن
بنا ڈالتا...
”تم نے کہا تھا، معلوم کروں وہ یہاں کیوں آتی ہے؟“
”نہ ہو گیا معلوم...؟“
غیر نے استہارہ دے کر بیانی سے پوچھا... جواد کو اس کے انداز پر
ہنسی کے ساتھ ساتھ پیار بھی آ گیا...
”ہو گیا...“
”کیا...؟“

گلا گھونٹ دیا... اب تو ساری توقعات اس نے بجا بھی واسے رختے کے ساتھ وابستہ
کر لی تھیں...
”بہنیں چلی گئی ہیں... اب خالہ ایکلی ہوتی ہوں گی... جواد! اب تم
شادی کر لو...“
ایک دوسرے کے ڈکھٹکھٹک کے متعلق پورے مخلص سے سوچا کرتے
تھے... اور مشورے دیا کرتے تھے... ایسے نازک موقع پر غیر نے جواد کو
مشورہ دینا ضروری سمجھا...
”دونوں ایک ساتھ کریں گے...“
”نہیں یار! تیرا تو بلازہ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے... آنے والی
اچھی تو شمال زندگی گزارے گی۔ اور ادھر تو اپنے مان نفعے کا بھی کوئی
بندوبست نہیں...؟“
”نصف نصف، دونوں کا کام بنا ہوا ہے...؟ جواد شوقی سے سکر دیا۔
”آؤ دونوں مل کر فی الحال ایک شادی کر لیں...“
”کیا مطلب...؟“
”تم نے لڑکی تلاش کر لی ہے... میرا کاروبار ہے... یعنی آمدن...“
”سہرا کے بندے کا...؟“
غیر نے چونک کر، سسپنڈا کر، اور گھبرا کر پوچھا...
”سہرا تو میرے یار! تجھے ہی بندے کا... فرجہ ورجہ میں کروں گا...
جواد نے غیر کی بلی کا قدس ٹھکانہ رکھتے ہوئے بڑی شرافت سے کہا...

”وہ یہاں ٹیوٹوس کے لئے آئی ہے۔“

”ٹیوٹوس کے لئے...؟“

عمر کو منہ بکھ نہیں آئے۔

”پرطحتی ہے...؟“ وضاحت طلب نظریں جو ادھلی کے چہرے پر جمیں۔

جی چاہ رہا تھا ایک دم ہی سب کچھ اُگل دے، جو کچھ اس نے معلوم

کیا تھا... پر جو ادھ بڑا کجس نکلا... بڑی تنگدلی سے ٹیوٹوس کے کو ایک ایک

ذوالہ دولٹ کا دے رہا تھا۔

”پرٹھنے والی لڑکیاں اتنی سنجیدہ ہوتی ہیں...؟“

جو ادھ نے سوال پر سوال داغ دیا... ”عمر بھینچلا۔“

”اب مجھے کیا پتہ پرٹھنے والی غیر سنجیدہ ہوتی ہیں...“

”میرے پاس اٹھتے بیٹھتے ہو، تجربے کی باتیں سیکھ کر۔“

”دالو کا...“ ”تکتا تانتے تانتے“ ”عمر بڑا تھ گیا اور زبان

بھی تھم گئی۔“

”مجھے صحیح بات بتا یا۔ اچھے نالی کے مارے اُلجھن سی ہونے لگتی ہے۔“

”دبی تو کہہ رہا تھا کہ پرٹھنے والی لڑکیاں کھانڈی شوش اور میل

ہرتی ہیں... اور پرٹھانے والی سنجیدہ...“

”کسی ضرورت کے تحت ہی یہ کام اختیار کیا ہو گا نا... اور جب کم عمری

میں ضرورتیں پڑ جائیں تو سمجھو... زندگی کا سفر آسان نہیں... مشکل ہی

ہو گا...“

”بچ بچ بچ...“ ”میرے اندر جیسے اسی کے دکھ سارے کے سارے اُتر گئے۔“

بڑی دیر وہ ڈنڈا بیٹھا رہا اور کچھ سوچتا رہا... پھر سر اٹھایا... جو ادھ

کے پاس کوئی گا بک آن کھڑا ہوا تھا... وہ اس سے سودا کرنے میں مصروف تھا۔

عمر اس راستے کو کھینچے لگا جہاں سے وہ گزرتی تھی... سمتی مشائی...

”خند چادر اوڑھے ہوئے... اس کا مقدس سلبیکر اس کی نظروں میں تھم

سایا...“

پھر وہ اُٹھا... جو ادھ ابھی تک مصروف تھا... پورا آنکھوں سے اسے دیکھتے

ہوئے دکان سے باہر نکل کر اس راستے پر ہو گیا جہاں سے پہل کر بازار کا حاصل

لے کر کے وہ موڑ مڑا کرتی تھی...

”موڑ مڑا کر دیکھا... سامنے ایک چھوٹی سی گلی... مگر قدرے بے آباد...“

یا پھر پُر سکون اور خاموش...

”کتنی ہی دیر وہ اس موڑ پر کھڑا کھڑا رہا... کوئی گھر میں جاتی تھی...

”بچے بازار کے فرش کو اسی انداز میں گھورتا رہا جیسے وہاں اس کے نقش قدم موجود

ہونے کی توقع تھی...“

لیکن نہیں... پتہ نہیں کن کن قدموں نے انہیں پامال کر ڈالا تھا...

اس کے لئے نشان تک نہیں چھوڑے تھے... مایوسی سے ہولے ہولے قدم اٹھاتا

عمر واپس چلا آیا...

جو ادھ گا بک سے خارج ہو چکا تھا... اسے یوں سر جھکانے آئندہ کچھ

ہنسنے لگا...

”پھر یہ تو بہادری نہ ہوتی اور نہ ہی مردانگی... اور وہ عورت ہو کر...“
 ”دیکھو دیکھو... طعنہ نہ دینا...“ غیر محفل سا ہو کر منہ پڑا۔ پھر اپنے
 کھینچا سر پر ہر پردہ ڈالنے کے لئے تیزی سے ہٹنے لگا۔
 ”ایک کام نہیں کرتی ناں... وہ کر رہی ہوتی تو پھر کوئی اور نہ کرتی۔“
 ”کون سا...؟“
 ”عشقی... جس نے مجھے کما کر دیا ہوا ہے...“
 آخر غیر نے سہائی کا اعتراف کر لیا... ساتھ ہی اندر میں بھی جھجک گئیں...
 اُسے پانا چاہتا ہے تو یار! تو بھی کام والا بن جا... کسی بے کار کو
 کون اپنی لڑکی دے گا، وہ بھی کام والی لڑکی...“
 جو ادسنے پورے خلوص سے اس کا شرارت پسند کیا...
 ”میرا اپنا جی چاہتا ہے اسے جلد از جلد بھابھی بنا کر لے آؤں...“
 ”پر کام والا کیسے بن جاؤں...؟ لڑکھائی کوئی نہیں ملتی... تیرے سامنے
 کتنی درخواستیں دی ہیں... گھر والوں سے چوری چوری...“
 ”کیوں ان سے چوری کرتے ہو... ماں کی دعا میں لینے کی خاطر انہیں
 مطلع کر دیا کرو... میری یہ ساری برکت ماں کی دعاؤں سے ہی ہے...“
 ”وہ جو کالی کوئی ہمارے گھر میں رہتی ہے نا... چڑیل! وہ میرا مذاق
 اڑاتی ہے... پھر مجھے لگتا ہے میں بہت نا لائق ہوں...“
 ”میں بھی ایسے ہی کہا کرتا تھا... اسی طرح سوچا کرتا تھا... اور اب
 میری بہنیں چلی گئی ہیں تو گھر اُچارا، بیابان ہو گیا ہے۔ مجھے ان کی باتیں یاد

”موڑ کر دے میرے مکان میں جاتی ہے... یہی جانا چاہیے تھا نا...“
 غیر چپک اٹھا... غضب کا قیامتھا کینٹ کا... پھر خوش رہی ہو گی۔
 اس کا سڑاخ لگ رہا تھا...
 ”ہاں...“ جلدی سے مکان کے اندر گھس کر مزید معلومات حاصل
 کرنے کے لئے پوچھنے لگا...
 ”بڑھائی کس کو ہے...؟“
 ”دوبلیوں کو...“
 ”یار! حیرت کر رکھتا ہے ہوشے ہوشے سے بولا...
 ”یہ بات کچھ جی کو نہیں لگی...“
 ”کون سی؟“
 ”یٹوشن پڑھانے والی...“
 ”کیوں...؟“
 ”وہ کام کرے اور ہم...“
 ”ہم کیا...؟ یہ جیسے ادھر سے چھوڑنا مجھے اچھا نہیں لگتا...“
 ”جھک کیا ادھر سے چھوڑنا ہے، شرم آگئی ہے۔ وہ عورت ہو کر کاتی ہے
 اور میں... کیسا مرد ہوں...؟“
 ”تو تم بھی کچھ کرو نا...“
 ”کیا کروں...؟ اسی کی سوچوں نے دماغ کو کچھ ایسی گرفت میں لے لیا
 کہ کچھ اور سوچنا ہی نہیں دیتا...“

کہانی کا مجموعہ ہے جا کر یوں یہی بھابی کی گو د میں ڈالوں گا... پھر دیکھیں گے
کیسے کوئی میرے بار کو نوکی دیشے سے اٹکا کر کرتا ہے... اپنی کمانی والی نوکی...
”تم تو ایسے ہی جذباتی ہو رہے ہو جو اد...“
غیر سننے لگا... پھر یک لخت وہ سنجیدہ ہو گیا...
”وہ تو ہم کی بات ہے... وقت گتے لگے گا... فی الحال تو کسی طرح اس کے
ساتھ تعارف حاصل کرنا ہو گا۔ گھنٹ کی خندا اور شرط بھی پوری کرتی ہے...
پھر تو وہ بھی رخصت ہو جائے گی... پھر کسی کی ضد پوری...“
ایک دم ہی اس کے گتے میں کچھ انگٹ سا گیا تھا... باقی بات بھی نہ کی
جاسکی... جلدی سے مکان سے باہر نکل گیا...
”ارے بات تو پوری کرو...“
جو اد اس کے پیچھے پیکا... گزرتا... جتنہ نہیں کیا ہوا تھا اس سے... یکدم سکھوڑ
ٹارٹ کیا اور تیزی سے اس کے سامنے سے نکال لے گیا...
جو اد آواز میں ہی دبتا رہ گیا... کوئی کام کی بات نہ سنا چاہ رہا تھا اور...
آج تو ابھی یہی ہیں تہیں گزری تھی... پھر وہ کیوں چلا گیا تھا...؟“
کیوں...؟ کیوں...؟ کیوں...؟
وہ اس کے پیچھے پیکا... اسے آوازیں دیں... مگر اس نے مڑ کر بھی نہیں
دیکھا...
جو اد علی سر ہٹا کر... دلی پروا نہ کرنا... چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا
دائیں آ گیا...

آئی ہیں... وہ مذاق نہیں اڑاتی تھیں... محبت کرتی تھیں... ایسی میٹھی،
ایسی سہانی...
جو اد کی آنکھوں میں فی سی آگئی اور بچے پر رقت طاری ہو گئی...
غیر سننے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے جلدی سے موضوع بدل
دیا...
”تو پھر بناؤ نا... کام کیا کروں... خود کو کیسے اس کے قابل بناؤں...؟“
”جو کہانیاں گتے بہتے ہو، ان کا ایک مجموعہ ہی چھپوا ڈالو...“
”یہ ان مجموعوں وغیرہ سے بیٹ نہیں بھر کرتا...“
”پھر شہرت تو مل جاتی ہے...“
”یہ بڑا المیہ بیان ہے... فی الحال مجھے کوئی چھوٹا سا کم وقت میں پورا
ہونے والا بتاؤ...“
غیر کے چہرے پر پھر مایوسی پھیل گئی...
”دیشے اس کے لئے سیدھی چاہئے... وہ میں کہاں سے لائوں گا...؟“
”چیرہ کیوں... کسی پبلشر سے بات کریں گے...“
”سنئے گتے والے کو کون جانتا ہے...؟“
”میں چاہوں گا اپنے بار کو...“
جو اد نے سینے پر ہاتھ مارا۔ بڑے جذبے کے ساتھ...
”میں... جتنا پیسہ گے گا، لگاؤں گا! انشاء اللہ...“ پھر یہ خوبصورت



اندرونیسی ہو کر باہر سے بھی انسان نارمل دکھائی نہیں دیتا... بچکلا چکلا اور کھرا کھرا سا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا... بھول پر ہمیشہ مسکراہٹیں رواں رہتی تھیں، پر اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوست تھے جیسے کبھی زندگی میں کھلے ہی نہ تھے...

رات گئے وہ اس ٹیلی کے ساتھ گھر میں ٹوٹا تھا... جہاں آرا برآمدے میں ہی مل گئیں... اسی کا انتظار کر رہی تھیں شاید... لیکن بظاہر انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا...

اندھ کرے سے ڈھونڈ کی آواز آرہی تھی... وہ خود بھی نارمل نہیں تھا... اور یہ سب کچھ تو اپنے سے بھی زیادہ انداز میں لگا...

سکوتر ہمیشہ کی طرح اس کی جگہ پر ٹکسانے کی بجائے اس نے تقریباً پینک سا دیا... ویلار کے ساتھ مکرایا... خاص صلی ہند آواز پیدا ہوئی...

"تو ڈال اسے... ایسے نہیں ڈالتا تو کوئی ہتھوڑا پکڑے..."

ماں کی بات جواب دینے والی نہ تھی... سمجھی چپ چاپ صرف دھیمی سی آواز میں، بہت دھیمی، جو اس کے اندر ہی گونج کر رہ گئی تھی... سلام کیا اور پاس سے گزر کر کارڈ پر دھیمی داخل ہو گیا...

"معمو... اے معو..." ماں کی آواز میں اک ٹوائٹ راک کڑواک تھی...

"جی... یہ... یہ..."

ہمیں سی، مترنم سی، مدغم سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی...

جواد نے جلدی نے سراٹھایا... "اوہ..."

وہ بڑی طرح گڑبڑا گیا... عیر کی جلی اس کے سامنے کھڑی تھی...

سفید چادر اوڑھے ہوئے... نظریں جھکائے ہوئے... مہندس سی...

پاکیزہ سی... خوبصورت سی...

نہیں نہیں... صرف سی نہیں... وہ بہت منفرد تھی... سب سے منفرد...

جواد علی اسے ہر پور نظروں سے دیکھتا چاہتا تھا، پر دیکھ نہ سکا... اس

کے تھکس، پاکیزگی اور خوبصورتی پر نگاہ ہی نہیں لگتی تھی...

وہ ایک تلم چلنے... ساتھ ہی اس نے ارد گرد اور دکان کے اندر نظر

دوڑائی اور پھر... معمول کی طرح جھکا...

"یہ بیچو..." جواد نے دکان میں موجود سب سے خوبصورت فلم کال کر

اس کے حضور پیش کر دیا...

اس نے فلم پکڑا اور جواد کے ہاتھ پر اس کی قیمت دھروی... اور... مولر

تیز تر قدم اٹھائی بازار کا موٹر موٹ گئی...

جواد اس کی قیمت نہیں لینا چاہتا تھا... بجا بھی پہلی بار دکان پر آئی تھی...

اسے کچھ دینا... مگر اس نے تو کہنے، کہنے، بوسے کا موقع ہی نہیں دیا... وہ

بھونچکا سا کھڑا رہ گیا...

گورنمنٹ اور نیم جان سی ہی تھی مگر اب... اس کے لبوں پر مسکراہٹ موجود تھی...

کونسی خوشی ہی کی بات تھی نا جو یوں دھما دھم ڈھونک چکی رہی تھی اور اس قدر پُر جوش اور مسرت جس سے انداز میں ہلک ہلک کر گانے گانے جا رہے تھے...

اپنی جان کے گم گم اور پریشانیوں کو اپنے اندر سمیٹ کر اپنے گھر کے دوسرے افراد کے جذباتوں اور خوشیوں کو غائب کرنا چاہتے تھے... یہی سوچ تھی جس نے تیسرے دھماکا دھماکا چہرے پر رنگ بھی بھلا دیئے... چپکے چپکے ہی سہی... وہ کچھ تو کامیاب ہو ہی گیا تھا...

”جی اتنی جی...“
”اب تم راتوں کو بھی دیر سے آنے لگے... یہ کسر رہ گئی تھی...“
”خفگی، غصہ، ڈانٹ، سب کچھ ماں کی آواز میں تھا...“
”میں جو اس کے پاس تھا... کسی غلط جگہ پر نہیں تھا...“
اس نے ماں کے غصے یا نا مانگی کا بڑا نہیں منایا... مسکراتا ہی رہا...
گھر میں ڈھونک کی آواز کسی خوشی کا ہی سیما تھی...

”پتہ نہیں کیوں ذرا دیر ہو جائے تو آپ ہمیشہ یہی تیغ نکالتی ہیں... میرے لئے کبھی اچھی سوچ بھی...“
”بس بس... اچھی سوچ... اک بیکار اور بکھے انسان نے اچھا کرا بھی کیا ہے...“

تھکے تھکے، ٹوٹے ٹوٹے، پکھرے پکھرے وجود کو لہر لہر کے لئے ڈنگ کر اس نے میٹھے کی کڑی شمن کی...

سہرے دایا مان جوانیاں...
سہرے دایا مان جوانیاں...
گلشن کی آواز گو سب سے نمایاں تھی، لیکن کچھ اور آوازیں بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں...

تیرے سہرے قول بل بیاں...
جذبات سے پُر... جھٹوتوں سے تھر تھراتی... غلوں سے کھنکھتی اور نہتوں کی گری کا پھدی گرج بھٹی سے اظہار کرتی یہ آواز... اس کی بہن کی آواز... اس سے جدا ہو جانے والی بہن کی آواز...

اپنی پوری حقیقتوں کے ساتھ اس کی سماعت سے ٹکرائی...
اسے جوش آ گیا... یہ اس کے گھر میں آج ڈھونک کیوں کی رہی تھی...؟
اپنے اندر کے ماتم ہی ایسا ڈوبا ہوا تھا... اس کی آواز میں اس قدر گم تھا کہ کسی اور طرف دھیان دیا ہی نہیں... اور کان میں کوئی دوسری آواز اتنی قریب رواہ ہی نہیں کی...

”سب سے بات ہے غیر... بڑی بات ہے... صرف اپنے لئے جینے والا انسان خود غرض اور کمینہ ہوتا ہے... تو تو ایسا کبھی نہ تھا...“
اپنے آپ کو بھگتے ہوئے، نفوس کرتے ہوئے غیر فدا پہلا... واپس برآمدے میں آیا...

”نہیں...“

”کیوں...؟“ ماں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا...

ماں کی نظر بڑی گہری ہوتی ہے... جو کچھ اس نے چھپا یا تھا وہ انہیں دکھائی دے گیا تھا...

”کچھ پریشان سے لگ رہے ہو...“

”نہیں... نہیں تو...؟“ گریڈ نے لگا تھا لیکن ہنسنے لگا...

بھلاتی آواز مستحکم ہو گئی تو ماں بھی بہل گئی...

تب جلدی سے اس نے اگلا سوال کر ڈالا-

”یر ایک دم ہو کیسے گیا...؟ صبح تک تو کوئی سان گن نہ تھا...“

”مقدر کی بات ہے... خود ہیں ایجنٹ یقین نہیں آ رہا...“

”گھٹن کے ساتھ کون کون ہے...؟“

”یہ تقریبی صاحب کی لڑکیاں... صغیرہ آپا کی بیٹی، اور ادھر احسان

صاحب ہیں نا... ان کی ہوتی...“

”یعنی کہ روٹی خروٹی سب موجود ہیں...؟“

”گھرائی ہوئی ہے... اس کے سامنے شوق نہ کہنا...“

”ویسے اتنی ہی! روٹی کے وزن سے اس کی ہن کو خروٹی ہی ہونا چاہیے

تھا نا...“

”جی ہاں... چپ کر اس وقت...“

”یہ حوا گیا ہے...؟“ اسی لمحے گلشن باہر نکل آئی...

حمید ڈھولک کس خوشی میں پڑی جا رہی ہے بیجاری...؟

مومنوع اور ماں کا موڈ بدلنے کی خاطر اس نے جلدی سے اک شرفی

کے ساتھ ان کی توجہ اس طرف منڈول کرادی...

گلشن کے نیچے سے خوشی چمک کر فوراً باہر نکل آئی...

جہاں آ رہے اختیار مسکرانے لگیں...

”کیا تمہیں نہیں معلوم زبیر کا رشتہ طے ہو گیا ہے... پر تمہیں گھریا گھر

والوں کے ساتھ کوئی دلچسپی ہو تو ساری معلومات...“

”یہ کب ہوا اتنی جی...“ ماں کی ڈانٹ کو وہ ترو تروالے کی طرح ہنسنے

لگ رہی...

”آج ہی... شام کو... نہیں تو ساری سپیلیں کو اکٹھا کئے بیٹھی ہے...

کتنی ہے وقت تھوڑا ہے...“

”اور اس تھوڑے وقت کو بھی پورا کیش کر لے... یہ وہی ہے پوری

کی پوری...“

”پر تم کہاں تھے... اس گھر کے ڈھکھل اور سکھوں میں تمہارا بھی حصہ ہے...؟

”پورا پورا انوں کا... چھوڑتا تو نہیں...“

”تمہارا باپ تمہارا انتظار کرتے کرتے سویا ہے...؟“

”بتایا ہوا کہ پاس تھا... اس کا کوئی مشہ تھا... بھی دیر ہو گئی...“

اپنے مشے کو جواز کا کہہ دیا تو کون سا جھوٹ بولا... فرق کیا تھا دونوں میں...

”لکھا نا لکھا ہے نا...؟ چلو اور جی خانے میں...“

”بڑا سکون... میں جیب داخل ہوا تو ڈھولک کی دھم دھم میں سکون
 ہی کی تو بارش ہو رہی تھی...“
 ”بڑے ہلکے... کیسا خون سفید ہے... بھائی کی خوشی کے ٹھٹھنے دے
 رہا ہے...“ عمو! جب تیری باری آئے گی، میں نہیں ہوں گی تو تب نہیں...“
 ”میرا باری... میری باری...“
 ”غیر نے اک دم سر جھکا یا...“
 ”میرا باری کبھی نہیں آئے گی... کبھی نہیں...“
 وہ ہوسے ہوسے بڑبڑاتا ہوا موڑ کر کارپٹہ ودر میں گھس گیا...
 ”عمو سونو... گگش تیکھے پکی...“
 ”میں ذرا کپڑے بدل لوں...“
 وہ جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا...
 گگش حیران حیران سی ماں کے پاس آن کھڑی ہوئی...
 ”یہ ایک دم اسے ہوا کیا ہے...؟“
 ”جب آیا تھا تو اسی وقت پریشان لگ رہا تھا...“
 ”آپ نے پوچھا نہیں...؟“
 ”پوچھا تھا...“
 ”کیا بتایا...؟“
 ”جو اس کے پاس تھا اور اس کا کوئی مسئلہ تھا...“
 ”جہاں آ رہی کچھ متفکر سی ہو گئی تھیں...“

آدم سے ڈھولک کی آواز اب بھی آ رہی تھی...
 ”اتنی گرما گرمی سے حلق چٹا کر رہی ہیں، کچھ دیا ملا یا بھی انہیں...؟“
 ”غیر کی بات پر گگش کو غصہ آ گیا...“
 ”ہماری خوشی دوبا لاکر آئی ہیں اور تم ایسی واپس باتیں کر
 رہے ہو... کہاں تھے اب تک...؟“
 ”جہاں تھا... اتنی کے قدموں میں...“
 ”جہاں آ رہا ہے... گگش اور گرم ہو گئی...“
 ”دیکھو ماں اور بہن میں یہ فرق ہوتا ہے... اتنی نے آنے ہی کھانے کا
 پوچھا... دیر سے آنے کی وجہ اور غیر شہرت پر بھی اور تم... زبان کی تلوار
 استعمال کر رہی ہو... مزاج کی گرمی سے میرا تن من جھلس رہی ہو...“
 ”وہ... وہ... عمو تم بڑے حالاک ہو...“
 ”گگش غصہ سی ہو گئی...“
 ”کیسے اپنے سارے تصور میرے سر ڈال دیئے۔ بڑے بد تمیز ہو...“
 ”بچا بچی غصہ مٹانے کے لئے اس نے جلدی سے موضوع کن بدل ڈالا...“
 ”میں بھائی جان کا سہرا لگا رہی تھی... سنا تم نے...“
 ”بھائی جان کا...؟ بچے تو لگا دو بچی والے کا گارہی ہو... آواز میں
 ایسے ہی سرٹکے، محبت کے رپا رکے...“
 ”اتنی جی! دیکھئے کیا بکواس کہنے جا رہا ہے... تم تو عمو باہر ہی رہا
 کمرہ تو اچھا ہے... مگر میں سکون آیا رہتا ہے...“

رہے تھے... ناشتے کا انتظار تھا...
 "اے بھئی! اب تو چور ہوں کچھ عیال بھی بھاگنے لگیں... کہاں
 ہیں ہمیں ناشتہ کرنے والے..."
 تقریباً سارا اخبار پڑھنے کے بعد کاظمی صاحب نے اپنی بھوک کی
 شدت کا اظہار کیا...
 جہاں آرائان کی آواز سن کر کمرے سے نکل آئیں...
 "سو رہی تھیں..."
 "اُن کل تیندیں کہاں... اکٹھے دو دو کام سر پر آگئے..."
 "گشش... عمو..."
 ان کی آواز پر گشش تو اُسی وقت اُنکھیں ملتی ہوئی نکل آئی لیکن طبع
 غائب ہی رہا... وہ شاید ابھی تک سو رہا تھا...
 "اگل بیٹے! نماز نہیں پڑھی..."
 کاظمی صاحب نے خفقت بھری نگاہ بیٹی پر ڈالی...
 "بڑھ کر سوئی تھی آبا جی..."
 "میں عشاء کی نماز کا نہیں پوچھ رہا... فجر کی نماز کی بات کر رہا ہوں..."
 گشش نے پھر اک جمائی لی... "آبا جی! فجر کی نماز کا ہی تیار رہی ہوں..."
 جب اذان ہوئی ہے نا تو اس وقت ہم نے ڈھونک اٹھائی ہے... پھر
 نماز پڑھ کر سوئی تھی..."
 "یعنی کہ پوری رات ہی جاگتی رہیں..."

"رات کافی ہو گئی ہے... اب یہ ڈھونک پٹیا بند کرو بہت دن
 پڑے ہیں اس دھما جو کڑی کے لئے..."
 "اب بھی پرنا راض ہونے لگیں..."
 گشش بسوری... جلدی سے ماں کے دیک پوائنٹ پر انگلی دھڑکا
 کرتی تھی۔ اس کے آنسو نہاں دیکھ سکتی تھی اور دبا پ...
 اکوٹی ادلا دہڑے نصیب والی ہوتی ہے لڑکی ہو یا لڑکا...
 دونوں بیانیوں کی ایک اکیلی بہن تھی... ہمیشہ اپنا آپ منوا
 یعنی تھی...
 "جب نظر نہیں آؤں گی نا تو..."
 "اب چپ کرناں..."
 جہاں آرائان کی اپنی آنکھوں میں آنسو جھلک جھلک کرنے لگے...
 "اور جا سہیلیوں کے پاس... جا... بنے تک ساری رات جاگنا
 خود بھی اور ان کو بھی جگائے رکھنا..."
 وہ اٹھ کھڑی ہوئیں... "میں سوئے جا رہی ہوں... صبح تھک کے
 اٹھتا ہے..."



بچہ کا دن تھا اس لئے سب گھر میں ہی تھے... کاظمی صاحب نماز سے
 نارغ ہو کر صبح کی بجی سیر کرنے کے بعد کب کے اگر میز پر بیٹھے اخبار پڑھ

اچھے نوکے رہے تھے لیکن پوری رات جاگتے رہنے کی چٹلی بھی تو کھ رہے تھے...

”کیا ہوا...؟ تم رات بالکل نہیں سوئے...؟“

”کانہلی صاحب کے سوال پر عمیر گڑبڑا سا گیا... سوائے مذاق دینے کے لئے یا شرارت کے لئے... اس نے جھوٹ کبھی نہیں بولا تھا... اور پھر پاپ کے سامنے تو نذرانہ پکڑ کے بہت کم بات کرتا تھا۔“

”جی... جی... وہ... یقیناً نہیں آئی تھی...“

”کتنی بار کہا ہے کبھی کبھی سر میں تیل ڈلوایا کرو، خشکی دور ہو جاتی ہے۔ پران آجکل کے لڑکے لڑکیوں کے فیض...“

”نہیں امی جی... یہ بات نہیں...“

”تو پھر کوئی اور پریشانی ہوگی، سرخوردار...!“

”ہاں، اباجی! آپ نے ٹھیک کہا... ممو کو پریشانی ہوگی کہ بھائی جان کا رشتہ بھی طے ہوگا... اور اس کا کچھ بھی نہیں بنا...“

”میں ابھی جانتا ہی نہیں چاہتا... تم اپنی اور بھائی جان کی لڑناؤ...“

”لڑناؤ تو لی... جہاں آرا مسکرائیں...“

”کل اس وقت ہمیں سان و گمان بھی لڑنا کہ زبیر کا رشتہ وہ لوگ منظور کر لیں گئے...“

”میرا خیال ہے کوئی اور بات ہوگی...“

”ہاں، البتہ جہیز کے لئے ہم نے کہا تھا کہ لڑکے لڑکی نے امریکہ چلے

”پوری... وہ فخر و مسرت سے بولے۔“

”نکستی ایسی راتیں آجائیں گی... دو چار پانچ، دس اور... پھر... پھر یا قسمت یا نصیب، جانے زندگی...“

”اس سے آگے کی بات نہ کیا کرو... میرا دل ڈوبنے لگتا ہے... اور بل ناشتہ بنا... تمہارے آبا بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں...“

گفتنی ناشتہ بنانے چلی گئی اور جہاں آرا عمیر کو جگانے... کانہلی صاحب پیر اخبار میں مشغول ہو گئے... پہلے ضروری ضروری خبروں پڑھ لیا کرتے تھے...

پھر اس سے کم ضروری... وقت پھر بھی بچ جاتے تو پھر چوری چکاری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں اور کتنے قتل ہرے اور کتنے اغوا... اس کے بعد بھی وقت ہوتا تو پھر اشتہارات کی باری آ جاتی...

جیسی کا سامان گھریہ ہوتے تھے... نماز جمعہ پڑھ کر پھر بیٹھتے، تو فی دی کے برآمد گرام لگنے میں ابھی کچھ وقت رہ جاتا تھا... تب وہ اخباریں سے فلموں کے اشتہارات پڑھنا شروع کر دیتے...

ان کا بیچھی کا دن اس طرح گزرا کرتا تھا... مگر آج ناشتے کی میز پر ہی کتنا وقت گزرا گیا... کچھ گفتنی ناشتہ بنانے میں دیر کر دی... کچھ ٹیڑھ کرے

سے دیر سے نکلا...

حالانکہ رات گفتنی دیر سے نہیں سوتا تھا... پھر بھی ناشتے کی میز پر آیا تو بڑا مست اور کاہل سا ہو رہا تھا... اس کی روشن اور نہ چہن آنکھوں

میں لال لال ڈورے تھے...

”ہم بیسے دبی کوٹنے لگے تھے تہہ دار رشتہ...“
”اتنی جی! لگن کو کھادیں، ایسی بات اشارے کنائے ہے بھی نہ کرے...“

”انصاف کی دُور سے اسے کرنی بھی نہیں چاہیے...“
کاظمی صاحب کھٹکا کر لوٹے...

”اتنی صفات والی لڑکی اور بے کار لڑکا...“

”آبا جی، آپ تو ہمیشہ مجھے ذلیل ہی کرتے رہتے ہیں...“
عیشہ جیٹا مان لیا...

”ابھی رشتہ نہ کرنے کے لئے متنبیہ کر رہا تھا... میں سچا کھرا پڑا ہوں
دیا تو اب دوسری طرف ہو گیا ہے...“

”آپ بھی اس طرح کی بات تو نہ کریں... طنز کے علاوہ بھی بیٹے سے کہیں...“

”ویسے اتنی جی! معاملہ ذرا الجھا ہی ہوا تھا نا...“

”الجھا سا الجھا... رشتہ تو لینے چل دیئے۔ پر میں معلوم ہی نہیں تھا کہ زیر و پاں کون سی نوکری کرتا ہے۔ کس انداز میں بتاتا رہا ہے؟“

”آپ سنے بلا منڈ والی دی...“

”عمو... بلا منڈ تو انہوں نے ڈالی...“

گلشن خوش ہو کر اپنا کارنامہ ستانے لگی...

”ہم ان کے گھر گئے۔ رشتے کی بات کی۔ بتایا کہ زیر و پاں امریکہ

جاتا ہے اس لئے کسی ختم کا تکلف نہ کریں... شاید یہی وجہ ہو۔ جھٹ مان گئے۔“

”چیز کا مسئلہ بھی تو! جکل سب سے بڑی لعنت بنا ہوا ہے...“

”اور یہ لعنت ہم لوگ خود ہی بڑے شوق سے قبول کرتے ہیں...“

”ہاں... پر شکر ہے ہمارے ہاں قناعت ہے اور اس لعنت

کے لئے کسی کا دل ابھی تک چمکا نہیں...“

”رشتہ تو طے کر آئی ہو بڑی بی! لیکن یہ بھی سوچا ہے کہ اگر

جھٹی جان راضی نہ ہوئے تو...؟“

”تو...“ وہ جمو کی طرف دیکھ کر مسکرا دی...

”تمہاری لاٹری نکل آئے گی...“

”کیا مطلب...؟“

”ہم نہیں پیش کر دیں گے... سچ عمو! ایسی لڑکی میرا رخ لے کر

بھی ڈھونڈو گئے نا تو ساری دنیا میں نہیں ملے گی...“

”نہ نہ... ایسی بات پھر نہ کہنا...“

عمو ایک دم مضطرب ہو کر، بے کُن سا ہو کر، ناشتہ اسی طرح چھوڑ

اٹھ کھڑا ہوا...

”جھٹی جان کے نام کی ہے... انہیں ہی مبارک ہو...“

جہاں آرا کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا... انہوں نے اس کا

یاد تو تمام کر دیا...“

”ناشتہ تو کرو، یہ کیوں چھوڑ دیا...؟“

ہی نا... اس لئے...

”غیر جیسے بیوت ہوں گے تو لوکیوں کے رشتوں میں مشکل پیش آئے گی ہی نا...“

عمو فحل ساہوکر رہ گیا... چہرے پر پھیکے پھیکے سے رنگ پھیل گئے۔
”کیوں بروقت اس کو ختم نہ کرتے رہتے ہیں...“ جہاں آرا نے
غیر کے چہرے کے پھیکے رنگ دیکھے... مانتا تو پی... کیسے ایک دم خاموش
ہو گیا تھا...

”جہاں آرا دکھی ہو کر کہتا ہوں... میں اس ٹکریں...“

”ابا جی! آپ اپنی جوانی کا قصہ بعد میں بتا دیجئے گا... پہلے میری
بات سنیں...“

”سنا میری بیارانی...؟“ گکشن کے لئے تو وہ ایک دم موم ہو
جاتے تھے...

”موسیٰ عمو ٹھیک کہہ رہا ہے... اگر بھائی جان نہ مانے تو...؟
مجھے تو سچ مگر بڑ گیا ہے...“

”اس وقت بھی لوکی، تمہیں جلدی پڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے
جب ان ہی لینا تھا تو زہیر کے آٹے پر بات ہو جاتی...“

”اس وقت تو یہ نہیں معلوم تھا... میں تو سمجھتی تھی پتہ نہیں کتنے چکر
لگانا پڑیں گے...؟“

”شاید شادی کے بعد ہی رشتہ منکھور ہو...“

ہیں میں... وہیں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی اور اب وہیں نوکری کر رہے ہیں۔
میرے بات کرتے کرتے وہ باپ کی طرف متوجہ ہو گئی...

”ابا جی! میں اور انا تو حیرت زدہ رہ گئیں۔ جب انہوں نے
کوئی دوسری بات، کوئی دوسرا سوال کیا، میں نہیں... ذرا نوکری کے
معلق پوچھا، نہ تعلیم کے معلق، اور نہ شکل و صورت کے معلق پوچھا...
تصویر تک کا سلائیہ نہیں کیا...“

”تو پھر کیا کیا...؟ میرا دم اُلجھنے لگے...؟“ غیر نے بے تابی سے پوچھا۔
”ہاں کدوی... فوراً...“

”ایک منٹ نہیں لگایا...؟ جہاں آرا بھی حیران ہو رہی تھیں...
بعد میں روکا کاٹنگ کیا شکل آئے۔ انہوں نے تردد ہی نہیں کیا...؟
دبا نکل نہیں...“

”بڑی حیرت کی بات ہے...؟“

”حیرت سی حیرت...“

”لوکی میں کوئی کمی کجی تو نہیں...؟“

”کمال کرتے ہو عمو! میں اس کے حسن و اخلاق کے لئے مری جا رہی
ہوں، اس کی تعلیم بھی معقول ہے، ہنرمند بھی اچھی خاصی ہے... میں تو کہتی
ہوں ایسا رشتہ مٹا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے...“

”پھر وجہ کیا ہے...؟“

”میرا خیال ہے لوکیوں کے اچھے رشتے آجکل مشکل سے مل رہے

آؤں گا کہیں سے۔۔۔

”سچ بچ کا نہ لانا۔۔۔ گھنٹن کا نیب سی گئی۔۔۔

”تم ہو بھی بڑے بھول جھکڑے۔۔۔ اور کچھ جذباتی بھی۔۔۔ میرے ساتھ ہی کبھی ٹنگنا ہو جائے اور۔۔۔ نہ نہ۔۔۔“

غیر سننے لگا۔۔۔ ”اتنی روک۔۔۔!“

”تھیک کہہ رہی ہے۔۔۔“ کاظمی صاحبہ نے غیر کو گھوڑ کر دیکھا۔۔۔

”آجی! بیکار ہوں۔۔۔ ناخلف ہوں۔۔۔ کچھ سچ پر بھی ہو گیا تو۔۔۔

سارے لکھی ہو جائیں گے نا۔۔۔“

”دیکو اس نہیں کرو۔۔۔“ کاظمی صاحبہ ایک دم فستے میں آگئے۔۔۔

”والدین کے جذبول کو آزمائش کی بھیڑ میں ڈالتے ہوئے شرم

نہیں آتی۔۔۔“

”بیکار ہوں۔۔۔ ناخلف ہوں۔۔۔ سارے لکھی ہو جائیں گے۔۔۔“

وہ اسی کے پیچھے میں بڑبڑاتے۔۔۔

”ہم نے تمہیں جہنم دیا ہے۔۔۔ پرورش کیا ہے۔۔۔ تسلیم دلائی ہے۔۔۔

ایسی بات کرنے کا تمہیں حق ہی کیا ہے۔۔۔ اپنی ملکیت کے لئے جو مرضی ہو چو

کرو، کہو۔۔۔ ہماری ملکیت کی طرف تمہیں آنکھ اٹھا کر دیکھنے یا ایسی بات

کرنے کی آخر ہمت کیسے ہوئی۔۔۔“

کاظمی صاحبہ کے ہونٹوں سے ٹیش کے مارے جو کف اڑ رہا تھا آنکھوں

میں جو شعلے لپک رہے تھے وہ ان جذبول کے ترجمان تھے، جو ان کے دل میں

”کون سی شادی کے بعد۔۔۔“ گھنٹن نے چونک کر غیر کی طرف دیکھا۔۔۔

”بھائی جان کی شادی کے بعد۔۔۔“

”شادی پیسے اور رشتہ بدمیں منظور ہو گا۔۔۔“

جہاں آ کر تو جہاں آرا کاظمی صاحبہ بھی غیر کے اس مذاق پر ہنسنے لگی۔۔۔

”بہت خوب! ویسے بیگم! آجکل کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے۔۔۔ رشتے

ایک دوسرے سے چھینے چھینے جا رہے ہیں۔۔۔“

”پر آجی! کچھ تو بھائی جان کا ٹکڑا ہوا ہے۔۔۔“

”ٹکڑا کیا بات ہے۔۔۔ اتنی! آپ بھائی جان کو کہیں کر انہیں

دودھ نہیں پینیں گی۔۔۔ اور گھنٹن! تم اپنا دوپٹا اتار کر ان کے تدریوں

میں ڈال دینا۔۔۔“

ساتھ ہی غیر نے بینر پر سے ایک روٹال اٹھا کر بپ کے پاؤں میں

رکھ دیا۔۔۔

”میلوں۔۔۔ ساتھ کہنا۔۔۔ یہ میری عزت آپ کے پاؤں میں پڑی ہے۔۔۔

چاہے تو اسے روند دیں اور چاہیں تو بچالیں۔۔۔ اور آجی! آپ حلق

کرنے کی دھمکی دے دیں۔۔۔ اور ساری زندگی صورت نہ دیکھنے کی قسم کھا

لیں۔۔۔ بیشک جھوٹی جھوٹی۔۔۔“

سب ہنستے جھے اور غیر انہیں سر کیسے عمل طور پر رہتا مارا۔۔۔

”اور ملو! تم کیا کرو گے۔۔۔“ اپنا رول تم نے بتایا ہی نہیں۔۔۔“

”میں۔۔۔؟ میں۔۔۔؟ میں جان دے دینے کی دھمکی دوں گا۔۔۔ زہرے

ادلا دیکے لئے تھے۔۔

غیر جیسا بھی تھا... بکھا، بیکار، آوارہ، وہ اسے ڈانٹتے ڈپٹتے رہتے تھے ہر وقت... لیکن... ادلا دیکے، اس کی محبت جو اندر تھی، وہ تو موجود تھی... اسی طرح، جس طرح ہر تخلیق کرنے والے کے دل میں اپنی تخلیق کے لئے ہوتی ہے...

سکھڑے کے کیا چارے ہو... باپ سے معافی مانگو...

جہاں آ رہا ہے اسے گھوڑا...

”ایا جی! معاف کر دیں... میں تو جانی جان کے لئے سب کچھ کہہ رہا تھا... ان کی وجہ سے ہمارے خاندان کا نام روشن ہے... ہمارے گھر کی عزت بڑھتی ہے ان کا نام لے کر... وہ ہم سب کا فخر ہیں...“



میرے نظریا ہر جگہ، ہر انٹی ٹیوٹ، ہر پرائیویٹ کمپنی یا فرم اور ہر قسم کی نیگرو میں نوکری کی درخواست دے رکھی تھی...

آج کل تو سارا دن اور کوئی کام ہی نہیں تھا جیسے... جو ادکے دکان پر دو اخبار آتے تھے... اپنے گھر میں ایک آتا تھا... کچھ دوستوں سے کہہ رکھا تھا، ان سے معلومات حاصل ہو جاتیں...

یوں جتنی آسمانیاں نکلتیں، خالی جگہیں علم میں آتیں، چھوٹی، بڑی،

معمولی، اعلیٰ، کھر کی کی، افسری کی، سب کے لئے درخواستیں دیتے جاتا۔ کوئی ہاتھ آ جائے، اس بے کاری کی زندگی سے چھٹکارا ملے... روز روز کی ڈانٹ، پشکار اور بھٹن سے نجات حاصل ہو...

بڑا دکھی ہو گیا تھا اس زندگی سے... اور اب تو... ضرورت بھی پڑ گئی تھی... آخر ضرورت... وہ بڑا برداشت والا تھا... کھکھ، علم بڑے حوصلے اور صبر سے برداشت کر لیا کرتا تھا۔ مگر یہ جو ضرورت تھی... اس کو ٹال نہیں سکتا تھا... اس کو اتنا تو زندگی ملتی نظر آتی تھی...

جہ جہوں کی مار بڑی بڑی ہوتی ہے... اس کے گئے زخم مندمل نہیں ہوتے، زندگی مندمل ہو جاتی ہے... اور وہ آج کل جہ جہوں ہی کی مار کھا رہا تھا... کوئی اچھی سی جاب اس مار کے زخموں کا مرہم بن سکتی تھی مگر...

مقدر کا دامن ہاتھ نہیں آ رہا تھا... چسلی چسلی جاتا... کھلیں بھی آ رہی تھیں، پر کہیں بھی کام نہیں مل رہا تھا... کہیں تجربے کی کمی کے ہاتھوں مات کھا جاتا تو کہیں ڈگری اس جاب کی بڑا بڑی نہ کرتی...

نکرو اور پریشانی سے دن بدن وزن کم ہو رہا تھا... جھوک آڑ پکلی تھی... چہرے پر ہر وقت کھینچنے والی مسکراہٹیں کا نور تھیں... ”یہ تم اسٹے ویلے کیوں ہو رہے ہو...؟“

اسے خود کو تو اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا... جو ادکے اپنی نے ہی ایک دن تروڑے پوچھا تو اسے احساس ہوا...

”بتانا... کیا مجھ سے بھی چھپانے کا... اسے میں بخود ہی کی طرح نہیں کہتی ہوں...“

”غیر بولکھلا گیا...“ ”عالم ہی! یہ خدیطان ایسے ہی شرارت کر رہا ہے... سب خیریت ہے...“

”چائے کے لئے پریشان ہے... صبح سے نہیں پی...“ جو ادنے بخود ہی اس کی بولکھلا ہٹ سیٹ لی...“

”غیر نے الینا کا سامن لیا... انہی محبت کرنے والی ہستی کے سامنے اب کیا جھوٹ بولتہ...“

”لو... صرف چائے کی بات ہے... میں تریاں...“ ”دو منٹ میں چائے پلائی ہوں...“

”جو اد کی اتنی چائے بنانے کے لئے کچن میں گئیں تو غیر نے مٹکاٹاں لیا...“ ”تو میں مذاق کرنے کے لئے وقت، ویسے کا بھی پتہ نہیں چلتا...“

”جو اد کیا بھی...“ ”جو اد نے ہنسنے ہوئے اس کا تانا بوا کر اٹھا کھایا...“

”ہم نے کیا کہا...“

”گھر میں تو خیریت ہے... اور کہاں خیریت نہیں ہے بچو! اب مجھے بتا...“

”مجھے کیا پتہ...“ ”معصوم سامنے ہوتے جو اد نے نظریں جھکا لیں...“

”پھر اس وقت یہ آنکھیں اتنے پیرا سارا سارا میں کیوں گھما رہا تھا...“

”ویسے دہلا ہونے کی بات تو ہے... نہیں ہے...“

”جہنم قدر وہ جو اد کا عزیز دوست تھا، اسی سبب سے جو اد کی ماں اس سے پیار کیا کرتی تھی... جس سے پیار ہوا اسی کی ہر پارہی چیز سے پیار ہوتا ہے...“

”جو اد اک اکیلا ہی نواب اس کی زندگی کا سکھ اور خوشی تھا... غیر آجاتا تو اپنی آنکھوں کے نور کی خوشی اور چمک ہی کو دیکھتی دیکھتی اس پر بھی مجتبیٰ چھاد کر رہنے لگتی... جذبیوں کی ہرالی میں کھٹے لگتی... بکے لگتی...“

”گھر میں تو سب خیریت ہے نا...“ ”اس کے بالوں میں پیاسے ہاتھ پھیرا...“

”گھر میں تو ہے... پر...“ ”غیر کے جواب دینے سے پہلے جو اد شروع اور چلتی آنکھوں سے غیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول اٹھا...“

”پھر... بات ادھوری چھوڑتے ہوئے نظریں جھکا لیں... غیر کبھی گھبراہٹ...“

”وہ بیل کی بات کر رہا تھا، آجکل دکھائی نہیں دے رہی تھی اور عیسوید فکر مند تھا... جذباتی گھاؤ بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں... ہستی کو آٹ پلٹ کر رکھ رکھ دیتے ہیں...“

”اور کیا کہہ رہا ہے غیر بیٹہ...“

”جو اد نے بات پوری نہیں کی تو وہ تجسس بھری نظروں سے غیر کے منکر اور پڑ مردہ سے چہرے کو کھینچنے لگیں...“

”ہائے! کیسا دھواں دھواں سا ہو رہا...“

”در در بھی چھوٹوں کی طرح ہر وقت کھلا رہا کرتا تھا... بڑی ہمدردی سے اس کی قسمت کو جھپٹتا یا...“

”کون سی...؟“ عمیرا نجان بن گئی...
 ”اتنے دن ہو گئے وہ نظر نہیں آئی...“
 ”کون...؟“ اس نے چہرے پر آنکھی کی نقاب اوڑھے رکھی...
 ”ہی...“ جو اسے لکھنویوں سے اسے دیکھا... اپنی بیل بھاہی...
 غیر کا ثنا ہو اُس کا نیچے گر گیا... اور... چہرے پر اک دلفریب سی
 مسکراہٹ پھیل اُٹھی... لیکن... دوسرے ہی لمحے اسی مسکراہٹ کو پرے
 دھکیل کر افسردگی و اُن آنکھی... وہ اس اور نہ بھید سا چہرہ سے
 کھڑکی میں جا کھڑا ہوا...
 چہرے چپکے سے احوال سے نظریں پکا کر سبب میں سے سبز نکالا، چند لمحے
 اس کی چٹیلی و احوال سے سطح کو گھومتا رہا... مشکوک آنکھوں میں عجیب سی ہمت
 جھلک کر، اسی پر انگلیاں بھیرتا رہا... جیسے وہ سکتہ نہیں تھا کسی کے لب و زنا
 تھے، کتنی ہی دیر کسی تصور میں کھویا رہا...
 جو اس کے پیچھے کب آن کھڑا ہوا تھا... اسے علم ہی نہیں ہوا۔ اس
 قدر ڈوبا ہوا تھا... پھر کیا کب جائے کیا خیال آیا۔ ایک دم اسے شام کرنے
 کے لئے اُتھال ڈالا۔ دوسرے ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی نیچے پھیلائی... مگر...
 ہتھیلی خالی ہی رہ گئی... درمیان میں سے وہ جکتہ جو اسے کچھ کر لیا...
 عمیر نے جلدی سے گھوم کر غور نہت بھری نظروں سے اسے دیکھا...
 ”یہ خوابوں، خیالوں کی دنیا میں بسنا چھوڑ دو...“ جو اس نے اسے نصیحت کی۔
 ”میرے یار! میرے پیارے! میرے عزیز! کب تک اس کی آس میں



”بکڑا چھاتہ رہو گے... اسے حاصل کرنے کے لئے عملی طور پر کچھ کرو...“
 ”تمہارے سامنے، سب کچھ ہی ٹوکر رہا ہوں...“
 ”تیرے چہرے پر برائیوں کی سی تاریک سی سائے پھیل گئے...“ پیر... اگر
 ”مقدور ہی خواب ہو تو...“
 ”یہ تمہیں اردو کا ایم۔ اے کرنے کا کس نے مشورہ دیا تھا...“ جو اسے
 سا ہوسے ہوئے بولا...
 ”اُن مکئی کر لیتے... انگلش کا کر لیتے... ایم۔ بی۔ اے وغیرہ کر لیتے...“
 اس کے لئے دل میں دروہی تھا... دیکھی بھی ہو رہا تھا... مضطرب بھی تھا...
 جھنجھلاہی رہا تھا... لیکن بے بسی سب پر غالب تھی... ہر جوبے پر...
 ”تباؤ نا... سی۔ ایس۔ ایس کر لیتے... اتنے ذہین ہو۔ یہ اردو دیکھ
 ہی رہ گیا تھا...“
 ”بھی شوق تھا... اپنی قوی زبان پر پوری طرح عبور حاصل کرنے کا...“
 احمد ساتھ ہی کہا نیاں وغیرہ گلے کا...
 ”اور یہ کبھی نہ سوچا کہ بیٹھ کا تنور کہاں سے نہیں تپا کرتا...“
 چاہیے اس کا ایدھن مہیا کرنے کے لئے... بیس بیس جلاں پسینہ... کوئی پیشہ
 دلانے والی ڈگری لیتے...
 ”بچتا ہے کے عمل سے میں پیٹھ ہی مل جل کر گزر رہا ہوں...“
 مزید سا کھنکھاتا...
 ”غیر کھڑکی میں سے پٹ کر واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھا...“

”اب میں تمہاری توقعات سے کر دیں گا... چپ ہی نہ کر کے بڑھگونی کر دیتے ہو... کہتے ہیں کام شروع...“
”یہ بڑی بوڑھیوں والی مثالیں مجھے نہ دیا کرو...“ عیسے نے جو لوگوں بات کاٹ دی...
”اور تم میری بات نہ کرنا کرو...“ جو اپنے غصے سے اسے گھورا...

”بس کلی تم اپنی ساری کہانیاں لے آنا...“
”لیکن آنا وقت ہمارے پاس نہیں ہے یا...“
”معاذہ ہی ہو جائے... وہی پیش کر دیں گے...“ اچن! کچھ نہ کچھ تو روکی والوں کو دکھانا ہی ہو گا۔
”کیا اس کے بغیر...“

جو اد کی اتنی جا شے آئیں تو دونوں کی گفتگو منقطع ہو گئی... ایک دوسرے کو دیکھتے رہے... آنکھوں ہی آنکھوں میں بات چیت ہوتی رہی، سوال و جواب کرتے رہے اور چائے پیتے رہے۔

جبھی کا دن تھا، کچھ آرام کرنا تھا... کچھ ضروری صلاح مشورے کرنا تھے... زبیر کے پاکستان آسنے میں چند دن رہ گئے تھے... اس کا رشتہ طے کیسے شادی کی تیاریاں شروع تھیں...

دن مصروفیات میں گزر جاتا... رات کو گفتگو کی سہیلیاں آجاتیں۔ پھر اکٹھی ہو کر ڈھونڈ لے بیٹھتیں... کچھ دعائی کے گیت نغماتوں میں اداسیاں بکھیرتے... کچھ سہرے خوشیوں کے ترانے اور شہنائیوں کی گونج ہی کرکھڑکتے...

”کوئی تقریری نصیحت کرو میرے یار! جو میری بڑی کو بنا دے...“
”پھر وہ خواستوں کے جوابات کا انتظار کرو...“
”وہ تو کر رہا ہوں...“

”اور ساتھ ڈبے ہوئے جا رہے ہو... وقت کی ٹنگی کا غم بھی کھاتے ہو۔“
”یہ روگ رکھا ہے جان کو...“

”یہ روگ تو اب جیتنے ہی ساتھ چھوڑنے والا نہیں...“
”کیا مطلب...؟“

”تیل کا شیاں چھوڑ دینا کوئی آسان کام ہے؟ پیرا یقین ہے... جی نہیں سکوں گا اس کے بغیر...“

عیسے کے چہرے پر بھی سنجیدگی دیکھ کر جو اد بے حد افسردہ ہو گیا۔ بڑی دیر خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر تدریسے نرمی سے بولا...

”کل اپنی ساری کہانیاں اکٹھی کر کے لانا...“
”انہیں کیا کرو گے...؟“

”اگے تلخی میرے تہم کے ساتھ عیسے نے اپنا ہی مذاق اڑایا...“
”اب تو چوڑے بھی گیس سے چلتے ہیں...“

”پھر وہی مایوسی کی باتیں...“ جو اد کی نظروں میں ہمدردی اتر آئی...
”ارے بندہ خدا کسی بدشعسے میں گئے... دولت بید پاس نہیں ہے“

”تو نام ہی ہو...“
”گناہ ہے اپنے نصیب میں نام بھی نہیں...“

ذہیر کا تو رشتہ ہے کیسے بہن بہرے کا رہی تھی، ساتھ ساتھ عیسے کے بہرے بھی گائے جاتے... سب مل کر خود ہی شاعری کرتیں... بیک ٹمک بند ہی ہوتی۔ ہنستیں، کھنکھاتیں... مسرتوں جیسے ارمانوں کی جھوڑ ہوتی... صاحب تیار کیا کروں... گلشن نے تو میرا سہل بھی گاؤں شروع کر دیا ہے... ”تو کونے دو... نہا بد کوئی اچھی سی...“

”نہیں نہیں... میرا بہرا عرفی ملی کے لئے کھایا جا سکتا ہے...“
”تو پھر اس کا ایک ہی حل ہے... تمہارا کچھ جلد از جلد بن جائے... کوئی ٹھوٹی ہی نوکری کر لو...“
”لیکن ٹھوٹی موٹی نوکری سے کیا اس قابل بن جاؤں گا...؟“
”تجھی تو کہاؤں گا جو عہد چھوڑا ہے چنڈر دے رہا ہوں... قربانے یہ بھی تو نہیں کیا کہ کبھی کبھار کوئی کہانی کسی ڈائجسٹ یا سینگزین میں چھپواتے رہتے...“
”اس سے کیا بن جاتا تھا...؟“

”نام... پٹنام کی خاطر کبہ رہا ہوں... جس کہانی کا کہ کوئی کہانی ہٹ ہو جائے تو کبہ، وہ جی ہٹ ہو گیا... پھر میرا چھتہ اچھے اور بڑے کھے گھرانے میں اس کا رشتہ ملے ہو سکتا ہے...“

”تو پھر ٹھیک ہے... بس کل نادوں گے... کچھ کیا پتہ تھا کہ یہ دل بھی آئے گا جب یہ کہانیاں میرے لئے نہ لگ کر مبرا کریں گی، جن میں میں نے صرف دل کی آگ اٹھائی ہوئی ہے۔“

”او... یہی تو اکثر کرنے والی بات ہوتی ہے... بس ایک بار زمانے کے دونوں کو ٹھکی میں سے لو...“

”مجھے زمانے کے ہر مکہ دونوں کی ضرورت نہیں ہے جو او! کچھ بس ایک دل چاہئے... بھلی کا...“

”اور بابا... ایک ہی دل دیں گے... زمانے کے دونوں کی تو مثال دی تھی صرف...“

”جو داد اس کا نادانی پر تہمتے لگائے گا... پھر بیک ایک اس کے تہمتوں کو بیک لگ گئی۔ لگاڑی جیسے بیک لگتے ہی اک بھٹکے کے ساتھ ایک دم لگے۔ اسی طرح اس کے تہمتے بھی ختم گئے...“

”تب جو داد نے چوک کر عیسے کو سر سے پاؤں تک دیکھا... صورت فہر ابد جیسی اور حالت... واہی سی ہی تھی... کئی سال پہلے ایک مہین اور جیکٹ پہنے ہوئے تھا...“

”جب اس کے گھر جاؤ گے تو کیا اسی جیسے میں جاؤ گے...؟“

”دیکھو میرے کھلبے کو کیا ہے...؟“ عیسے نے تنک کر پوچھا...

”بہت اچھا ہے... بہت اچھا...؟“ جو داد نے پھر طنز بھری نظروں اس کے سر پر پڑائیں...

”یہ جگہ جگہ سے بے لگ دروپ ہو جانے والی عین، اور یہ ناموم کتنے سال کی پرانی قیس... گھٹا ہے جب سے پیدا ہوئے ہو یہی باس ہیں رکھا ہے...“

جواد تعجب لگانے لگا...

”میری عزیزی کا مذاق مت اڑاؤ جواد! تم میرے دست ہو۔“

عزیز بخیر ہو گیا تھا... جواد کے تعجبے ختم گئے...

”قسم خدا کی مذاق نہیں اڑا رہا... تمہاری ہنسی بکھارنے سنوارنے کا

من ہے... تم میرے دوست مجھو... اس نے قناعت سے کہا۔ چہرے

پر خلوص و صداقت پھیل رہا تھا...

”پر میری مجبوری کچھ...“

”یاندہ! ایسا بھی کیا ہو گیا... اپنے کھانے پیٹے گھرانے سے تعلق

رکھتے ہو...“

”کھانا پیتا گھرانہ ہے نا... پر خود تو میکار ہوں... ویسے گھرانے پر

بھی آجکل کچھ مجبوریوں کے بادل منڈلا رہے ہیں...“

عزیز نے اپنی چند مجبوریاں اسے مختصراً بتائیں...

”تمہیں تو پتہ ہی ہے آبا جی ریٹائرمنٹ کے بعد دال ملازمت کر

رہے ہیں۔ کوئی بہت زیادہ تنخواہ نہیں۔ پھر گلشن کی شادی سر رہی ہے۔

ادراپ بجائی جان بھی آ رہے ہیں کچھ تیار کیا تو ان کے لئے بھی ہوں گی۔

سب خرچے واسلے کام... اس صورت میں...

عزیز سوچوں میں کھو کر، ڈب کر ابھر کر پھر گیا ہوا...

”میں اپنا کوئی خرچ ان پر ڈھال دوں... مزید بوجھ... بجائے ان کا

ہاتھ بٹانے کے... نہیں نہیں... فی الحال میں اپنے نئے کپڑے خیر...

نہیں بڑا سکتا...“

”تو تم...“ جواد نے انتہائی فکر مندی سے ایک بار پھر اسے سر سے

پاؤں تک دیکھا...

”میں تجھے میں اس کے گھر جاؤ گے... پہلی بار ہی...“

”تم میری اعلیت کو چھپانا کیوں چاہتے ہو...؟“

عزیز نے نیکی نظروں سے جواد کو گھورا... ”میں کیوں بھی... یہ فائدہ ہے۔

اسے خراش دیتے ہیں... کسی کو دھوکہ دینا میرے اصولوں کے خلاف ہے...“

”کیا وہی تیا ہی کے جا رہے ہو... میں تمہاری اعلیت چھپا کر کچھ

کرو دھوکہ نہیں دینا چاہتا... خدا نہ کرے... اللہ کے بندے میں بھی اک

دیا تعداد انسان ہوں...“

تو یہ سب جو کہہ رہے ہو...“

”کچھ دیکھو... بدھو... میں تمہیں خبروں کر کے پیش کرنا چاہتا

ہوں تاکہ تمہارا کوئی پوائنٹ کٹے نہیں... تم خود اپنا کمر لے جاؤ... میں

تمہاری محبت کا مایہ دیکھنا چاہتا ہوں... اور یاد! شیخ سعدی نے بھی تو

لباس کی دعوت کھلائی تھی... حقیقتوں سے نظروں نہیں چرائی جاسکتیں...“

”بھیر تم ہی بتاؤ کیا کروں...؟“ عزیز نے سہمی سے بولا...

جواد کے دلائل سے قائل بھی ہو گیا تھا۔ یہ نظروں میں اور چہرے

پر بوجھوری اور لاچار سی پھیل کھڑی تھی اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا

جاسکتا تھا...

میرے چہرے پر خلوص و صداقت کا نور سا جھل گیا۔
 ”ہاں تو میری زندگی کی میٹری چارچ ہوتی ہے۔“
 ”واہ رے میرے عاشق... رانچھا، مہینوال، بجنوں... دونوں ہنسنے لگے۔“

”پھر کوئی اور ترکیب سوچو۔“

”ہاں...“ ایک دم جو ادا چلا۔ ”مجھے یاد آیا۔۔۔ وہ ہماری دکان کے پاس جو قریشی صاحب ہیں نا۔۔۔ غور سٹور والے۔۔۔“
 ”ہاں ہاں... وہ گورے سے رنگ کے... شریف سے۔“

”ان کا نام بھی شریف ہے۔۔۔ شریف قریشی... جو ادھنا۔“

”دو چار دن پہلے انہوں نے اپنے دو بچوں کے لئے جوشن کا کہا تھا۔“

جواد کی آنکھیں چلیں۔۔۔ ”اس ساری لاشن میں میں ہی زیادہ تعلیم یافتہ ہوں۔۔۔ ورنہ اکثر کانا خاں جو ہوتے ہیں ان کی تعلیم کم ہی ہوتی ہے۔“

”ہاں ہاں مجھے پتہ ہے۔ تعلیم زیادہ حاصل کر کے انسان کا داروغہ خراب ہو جاتا ہے۔“

”میرے پتہ ہے۔ وہ چہرہ کا نداری نہیں کرتا۔ عہدہ، کمرہ کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔۔۔ میری طرح۔۔۔ اور پھر بے شک یہ حال ہو جائے۔۔۔“

”جیسا۔۔۔ یہ ہمارے معاشرے کی ایک بہت بڑی غالی ہے۔“

عمر نے اپنے آپ کو ہی طنز کیا۔۔۔

”حالت۔۔۔ یہ تو قافی۔ ورنہ بیٹ ہی بھڑا ہے نا۔۔۔ یہ اقتدار کا لالچ

ذیل و خواہ کرنا ہے انسان کو۔“

”کچھ تو کرنا ہوگا۔“ جواد سر کو کھلانا لگا۔۔۔ وہ میرے لئے کچھ بھی بہت

کچھ سکتا تھا، پڑوں کا ایک جوڑا تو کیا دس نوا دیتا۔۔۔

وہ اس کا عزیز ترین دوست تھا۔۔۔ اس کے لئے کچھ کرنے کو جواد

کے پاس دل بھی تھا۔۔۔ بہت بڑا۔۔۔ ظرف اور حوصلہ بھی رکھتا تھا۔۔۔ پڑ۔۔۔

مشکل یہ تھی کہ غیر بڑا خود دار تھا۔۔۔

اندردہ اس کی خودداری کو مجبور نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ اس کی خودداری

اسے اپنی دوستی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔۔۔ خوددار لوگوں کو، یا اصول لوگوں

کو پسند کرتا تھا۔۔۔

”کیا کروں۔۔۔“ غیر ملندہ آواز میں جیسے سوچ رہا تھا۔۔۔

”جیب خرچ جو ملتا ہے وہ سارا درخواستوں اور پھینٹنے کے پڑوں

پر خرچ ہو جاتا ہے۔۔۔ پہلے کبھی امی سے فالتو لیا کرتا تھا، اب حوصلہ

نہیں پڑتا۔۔۔“

”ایسے کر دیو گے گا ایک مہینہ مناؤ۔“ جواد نے تجویز پیش کی۔۔۔

”وہ کیسے۔۔۔“

”جواد پلازہ اسپر روزانہ نہ آبا کرو۔۔۔ چھ کلومیٹر آنا اور چھ جانا

کھربارہ کلومیٹر روزانہ کا پڑوں کا خرچ بچ جائے گا۔۔۔“

”یہ والی بکٹ نامنظور۔“ غیر نہ بربل مسکرایا۔۔۔

”کیوں۔۔۔“ اچھی خاصی ہو جائے گی یار۔۔۔“

”پلازہ پر آنا میں کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا کسی صورت نہیں۔“

”تو برا متفخار!“ جو ادنیٰ جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگائے۔۔۔
 ”میرے میں کب کہہ رہا ہوں۔۔۔ میں تو بس زمانے کے ساتھ چلنے کی بات
 کر رہا ہوں اور وہ ہم شرع و سنت کے راستوں پر چل کر بھی کر سکتے ہیں۔
 ہمارا قرآن چودہ سو سال پہلے کا بھی تھا اور آج کا بھی ہے۔۔۔
 ”اب تم مجھے دینیات پڑھا رہے ہو۔۔۔“ عیبر نے کہا۔۔۔
 ”اوہ ہاں۔۔۔ جو اد چونکا اور پھر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پہ
 ہاتھ مار کر قہقہے لگانے لگے۔۔۔
 ”کھانا نے آؤں جو اد۔۔۔“ چکن میں سے اتنی نے پوچھا تو دونوں کی
 ہنسی تھی۔۔۔
 ”ہاں اتنی! الے آئیے۔۔۔“
 ”نہیں نہیں۔۔۔“ عیبر اک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔
 ”میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔۔۔ بالکل بھوک نہیں ہے۔۔۔“
 ”تمہاری بیوی تو اس دشمن جان نے آڑا رکھی ہے۔۔۔ ہلنے دینے
 دنوں سے غائب کہیں ہے۔۔۔“
 ”کسی سے معلوم کرو نا۔۔۔“ عیبر مذبذوب سے مجبور غرضادانہ لہجے میں
 کہنے لگا۔۔۔
 ”جتنی جلد ہو سکے۔۔۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ۔۔۔“
 اور وہ بات پوری کئے بغیر نکلا چلا گیا۔۔۔
 ”یہ کیسے جزلے اس کے پروردگار نے اس کے من میں اتار دیئے تھے۔

”مجھ پر وہ زمانے کی باتوں کو۔۔۔ ہمیں اس وقت صرف اپنے متعلق سوچنا
 ہے۔۔۔ ہاں تو مجھ سے ترمیمی صاحب نے کسی ٹیوٹر کے لئے کہا تھا۔۔۔
 ایف۔ اے اور میٹرک کے دو بیچوں کے لئے۔۔۔ شرط بس صرف ایک
 ہی ہے یعنی ہمارا اور غرض ہمارا۔۔۔ جس منہ مانگی دیں گے۔۔۔ وہ ٹیوشن
 تم کو دو۔۔۔“
 ”وہ ٹیوشن میں کروں۔۔۔“ عیبر سوچنے لگا۔۔۔
 ”ہاں۔۔۔ جب تک کوئی نفل جاب نہیں ملتی کیا حرج ہے۔۔۔ پہلی ہی
 تنخواہ پر کپڑے بنا لینا۔۔۔ ذرا شان اور کھانڈ سے جائیں گے یہی بھائی
 کو پروردگار کرنے۔۔۔ اس کی بھی عزت بڑھے گی۔۔۔“
 ”تم ٹھیک ہے۔۔۔ وہ ٹیوشن تو میں ضرور کروں گا۔۔۔ باقی رہی شان
 اور عزت کی بات تو۔۔۔ کیا وہ انسان کے حسن اخلاق سے نہیں ہوتی۔
 ہمارے بچے کرم کی حدیث ہے۔۔۔“
 ”دیکھو۔۔۔ میں سب جانتا ہوں۔۔۔ سب مسئلے مسائل کو مانتا ہوں۔
 پر تم سے ایک التجا کروں گا۔۔۔ یہ تم ہر وقت مجھے دینیات نہ پڑھانے
 رہا کرو۔۔۔“
 ”پھر کو کتنا سہی دوں۔۔۔“
 ”اس وقت ہمیں زمانے کے ساتھ چلنا ہے۔۔۔“
 ”تو کیا اپنے پیغبروں اور اسلاف کی باتیں اور فرمان نظر انداز
 کر دیں۔۔۔“

اس کے لئے وہ کرنا ہوگا۔۔۔

پہلے یہ خیال تھا کہ گمش کی شادی کے لئے گھر کی آرامش و زیارت نہیں باہر رہے ہی ہو جائے گی اور اندر صرف درد و ازل کو کیوں پروردگار
دوخت ہوگا۔ اور لوگوں پر سفیدی وغیرہ۔۔۔

”چک اٹھے نکا استے سے ہی۔۔۔ ایک دن کی تو شادی ہے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔“ کاظمی صاحب نے بھی بیگم کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

”ذرا سوچ مجھ کو کہ یہی خرچ کرنا چاہیئے۔۔۔ قرض بڑی جگہ ہے۔۔۔“
”دکھنا کیا ہے۔۔۔؟“

”ابھی تو نوبت نہیں آئی۔۔۔“

”شکر ہے پروردگار۔۔۔“ بس وہ قرض کی لعنت سے بچائے ہی

رکھے۔۔۔ میں دوسرے اخراجات میں بھی کفایت کو ملحوظ رکھوں گی۔۔۔“

گماب۔۔۔ زیر آرا تھا۔۔۔ آٹھ سال بعد۔۔۔

”تو یہ اجدائی کا کتنا طویل عرصہ گزر رہا ہے۔۔۔“ جاں آگڑے

وقت کو یاد کر کے لہز اٹھیں۔۔۔

”ہاں۔۔۔“ کاظمی صاحب نے بھی وہ وقت یاد کیا۔۔۔

”جیسے آٹھ سالوں کا اک اک لمحہ کانٹوں پر چل کر گزر رہا ہے۔۔۔“

”نہم ہیں۔۔۔ چھلنی ہے سینہ۔۔۔“

”سوچتی ہوں کیسا ہو گیا ہوگا۔۔۔؟“

”وہ پہلے ہی لڑائیوں میں لگتا تھا۔۔۔“

بے گل و بے فرا کرینے والے۔۔۔ ہر وقت مضطرب رکھنے والے۔۔۔

کسی طور پر نہیں آتا تھا۔۔۔ ہر پہل، ہر لمحہ اسی کی سوچیں دماغ
میں گھٹی رہتی تھیں۔۔۔

جس طرح سینے کے اندر دل دھڑک رہا تھا اسی طرح ہر لمحہ وہ
دھڑکتی محسوس ہوتی رہتی تھی۔۔۔

”گوں میں خون کی طرح دوڑتی رہتی تھی۔۔۔“

”جسم میں گویا روع کی سی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔۔۔“

”روح اب تو زندگی ہوتی ہے۔ اور نہ ہو تو انسان مڑوہ ہو جاتا ہے۔“

اور اپنے ہم کو زندہ رکھنے کے لئے اسے یں ملنا چاہیئے تھی۔۔۔ کہاں

پہن گئی تھی۔۔۔؟ کہاں کھو گئی تھی۔۔۔؟

اسے تلاش کرنا ضروری تھا۔۔۔ بے حد ضروری۔۔۔ کہ غیر کی بجائے

میں تھی۔۔۔



زیر کے آنے میں صرف دو ہفتے باقی رہ گئے تھے اور گمش کی شادی

میں ایک ماہ۔۔۔!!

بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔۔۔ شروع شادی سے ہوئی تھیں۔۔۔

مگر اب زیادہ نام زیر کے آنے کا ہی لیا جاتا۔۔۔ اس کے لئے یہ کرنا ہوگا۔

جائے... واپس جائے ہی نہیں...

جہاں آرا کے چہرے پر سرخیاں سی پھیل اٹھیں۔ دن کا نور چھپانے لگا۔

”کیا ہو سکتا ہے ایسا...؟“

”دیکھ دیجئے ہیں...“ کاظمی صاحب کے چہرے پر لمبی پد رات بند بے بکھرا۔

”واپس نہ ہی جائے تو اچھا ہے... میرے بڑے چاہے کی مضبوط لاش تو

رہی ہے...“

”تو مضبوطی سے تھام لو...“

اینٹیں، سمنٹ، رویت، راج، مزدور، سب کچھ آگیا... تیشی شروع

ہو گئیں...

پہرے فیش کے ہاتھ روم کوشے فیض کا بونا تھا... اس کا سلطان آنے لگا۔

”ہائے! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اتنے خرچ کیوں کئے جا رہے ہیں...؟“

یہ سب دیکھ دیکھ کر گھٹن ایک دم چلا اٹھی... حالانکہ اس نے پہلے ہی

والدین کو مطلع کر دیا تھا... اسی وقت جب اس کی شادی کی تاریخ مقرر

ہوئی تو...

”میں نے کہہ دیا ہے میرے لئے چادر سے پاؤں باہر نکالنے کی بات

کوئی ضرورت نہیں...“

ماں باپ کی منہ چڑھی نے کھلم کھلا اظہار خیال کر دیا تھا...

”جتنی چادر سے اتنے ہی پاؤں پھیلایئے...“

آجکل ایک لڑکی کے رستے بسنے کے لئے دو چیزیں ہیں سے کسی ایک کا

”ہاں... میری اولاد میں سب سے زیادہ خوب رو...“

”دیاقت، قابلیت میں بھی اولیٰ نمبر...“

”مولا کریم اسے نظر پر سے بچائے... میں سوچ رہی تھی...“

”ہاں ہاں کہو... چپ کیوں ہو گئیں...“ کاظمی صاحب بڑی دلچسپی سے

اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے...

”نمبر امریکہ جیسے صاف ستھرے ملک سے آ رہا ہے... اور مہینہ بھر

رہے گا بھی... اسی گھر میں...“

”اتنو... کیا مطلب...؟“

”کوئی غل غلط ڈھنگ کا نہیں ہے... کمروں اور برآمدوں کے

فرش جو ہیں، ان کے پشتر اکھڑے ہوئے ہیں... کیا کہنے گا وہ...“

”ہاں گھر کی حالت تو خاصی خستہ ہو رہی ہے...“

”مصل خاں کے اسے بڑی تنگی ہوگی... وہ عادی ہوگا وہ کیا اسے

کہتے ہیں... ہاں... ہاتھ شب... ہاتھ شب میں غسل کرنے کا...“

”اور سارے دانش میں بھی صاف ستھرے نہیں ہیں...“

”مکمل انکم ایک ہی ہاتھ روم درست ہو جاتا...“

”ہاں... کہہ تو تم جھیک رہی ہو... ماں باپ کے پاس سکھ نہ پایا تو... اسے

امریکہ ہی بھج گئے جگہ... جلدی واپس جگانے کی کرے گا...“

”پھر...؟“ جہاں آرا ترقی سے بولیں... ”کہہ کرنا چاہیئے... میرا تو جی

چاہتا ہے اسے اتنی سہولتیں اور آسائشیں یہاں دیں کہ... وہ امریکہ کو بھول

ہونا اشد ضروری ہے... جہاں آداتے سندھی نظروں سے بیچنی کو دیکھا...

”کوئی دو...؟“

”دولت اور محسن... اور ہمارے ہاں خیر سے دونوں ہی کی کمی ہے...“

”آپ بھی کہنا چاہتی ہیں تاکہ میں کالی کوٹھ اور معمولی شکل و صورت کی

لوڈ کی ہوں... دوسرے میرے آبا جی کے پاس اتنا دھن دولت نہیں ہے کہ

مجھے ڈیجریل ڈیجریل دے سکیں...“

جہاں آ کر اسے جو بات کی تھی، اس کے معنی گلشن ابھی طرح کہتی تھی... اس کی

رنگت خاصی سادہ تھی اور اسے صدمہ تھا، دونوں بھائیوں سے صورت میں

کا کافی مات کھاتی تھی...

آئینہ بھی روز دیکھتی تھی... کوئی خوش بھی یا غلط فہمی نہ تھی... صلی ہر قسم کی

حقیقت کو تسلیم کرتا تھا۔ لیکن جب ماں کے منہ سے سنا تو...

”دیکھ تو نہیں ہوا۔ اس لئے کہ وہ سچائیوں کو ماننے والی لوڈ کی تھی... پر

اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ بات کھل کر کر دے... انسان کو ہر قسم کی سادہ سادگی

سے گھرا پائیے...

”پیراں دونوں کیوں کی مجھے پردہ نہیں ہے اتنی جی...! یہ جواب مجھ

پر کی تمام ہی میں شکر ہے پردہ لوگ کا اخلاقی نہیں ہے... اس لئے آپ بالکل

نکھر نہ کریں...“

اس نے پورے اطمینان اور تسلی سے ماں کو جواب دیا...

”میں اپنے اخلاق، اپنی سیدھے مندی اور عقلمندی سے اپنا گھر آپ کو

بسا کر دکھاؤں گی... میرے لئے آپ کو قسم ہے کہ نہ کیجئے گا...“

اور یہ بات اس نے زبانِ دہانی نہیں کہی تھی۔ آٹھ گئی اپنی اس بات پر

تب اس نے اپنا جینز اپنی مرضی سے بنوایا... کوئی فضول خرچی نہیں

ہوئے دی... ہر طرح سادگی اور کھپیتا کو ملحوظ رکھا۔ اسے معلوم تھا شادی

کے فوراً بعد اس نے ملک سے باہر چلے جانا تھا...

”میرے لئے کوئی فرنیچر، کوئی کراکری، بجلی کی یہ مختلف قسم کی ضروریات

زمین کی انرجی، فریج، برقی، سی ایئر کنڈیشنر وغیرہ کچھ نہیں... بالکل کچھ

نہیں ہونا چاہیئے...“

”تو تو ہماری بیٹی ہے... تو یہاں سے خالی ہاتھ بھی چلی گئی تو تو نے

میں کچھ نہیں کہنا... برسے میں پھر بھی مثبت اور دانا دیتی ہے۔ نگہ تیرے

سسرال واسے... وہ کیا کہیں گے... اسے جو گئے نہ تھے... اس کے

علاوہ دنیا واسے کیا کہیں گے... ایک لڑکی اور اس کی بھوپک نہ سہے...

”سسرال والوں کو اور دنیا والوں کو میں جواب دے لوں گی...“

خود دوں گی... بس آپ ہنسنے کریں...“

فریج بیکڑے کا مسئلہ جھڑا تو تب اس نے صاف کہہ دیا... ”میرے

لئے کوئی بھی زیور مست ضروری ہے گا...“

”کیوں...؟“

”نہ مجھے پہننا پسند ہے اور نہ شوق ہی ہے، دوسروں کو دھانے

اور نمائش کا...“

پر باب... یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا... اس کی کئی کئی کتابت اس طرح
فتویٰ قریح کے سیلاب میں کیوں بہہ رہی تھی...
میکوں اتنی جی... کیا ضرورت تھی اس وقت یہ سب کچھ کرنے کی...؟
تمہارا بڑا بھائی آٹھ سال بعد واپس آ رہا ہے... اپنے گھر... اسے
یہاں آسام دے آؤ اسٹیشن نہ ملا تو کیا قدر رہے گی اپنے گھر کی... اُسے تو بھر
امریکہ ہی بھلا لگے نا...

وہ چپ کی چپ رہ گئی... اپنے معاملے میں ہر قسم کی لڑائی لڑ سکتی
تھی... لیکن... یہ والدین کے جذبات کا معاملہ تھا... ان کے متعلق کچھ بھی
کہنا حد ادب سے نکلنے والی بات تھی...

البتہ عیرسنے دے دے والے الفاظ میں سہی، انصاف کی بات کی ضرور...
اس وقت گھٹن کے لئے خرچ کرنا بھرا فرض بنتا ہے... مگر یہ...
یہ سب جو ہو رہا ہے... اتنی جی! یہ اس وقت مناسب نہیں...

لیکن جذبات کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ جہاں آسان ہے ہی کیا کمر بڑے
بھائی کی خاطر خرچ ہو رہا تھا، چھوٹے کو اچھا نہیں لگا... انسان ہی تھا نا!
بے شک بھائی سے بڑی محبت کرتا تھا، پر حاسد جذبے آکر کئے دل میں...
آج کل ذرا باب نے اس کی طرف سے ہاتھ کھینچا ہوا تھا نا... ادھر خرچ
ہوتا اچھا نہیں لگا... دل میں ایک بھینٹ سی گرہ لے کر خاموش ہو گئیں...
کوئی جواب نہیں دیا... عیر بھی اولاد تھا، اس کی بات نہیں آجاتی...
ورنہ باب پگڑا اٹھتا...

”اور جو میں نے اپنے والدین سے لئے لکھا ہوا ہے...“
”وہ جانتیوں کی ہریوں میں ڈال دیں۔ ناک محفوظ ہو جائے گی...“
کیڑے سادہ سادہ تھوڑے سے بنوائے... وہ تو پہننے کی اک ضرورت
تھی... اس کے بغیر گزارہ نہ تھا... ویسے جو چیزیں وہ میوں جوتے سے بننے
تھے ان کا بھی حشر اس نے دیکھا ہوا تھا، زیادہ تر کمبوں میں ہی بند رہتے تھے۔
اور خصوصاً عروسی جوڑا تو آٹھ دس ہزار کا بنتا تھا اور پہنا ایک دن
جاتا تھا۔ وہ بھی صرف چند گھنٹوں کے لئے... پھر اس کے بعد ہینے کے لئے کچھ
میں بند ہو جاتا تھا...

کیوں آٹھ دس ہزار کا یوں زیر بار کرتی ماں باپ کو... ان کے مالی حالات
کا اچھی طرح علم تھا اور پورا پورا احساس بھی... یوں سب کچھ بہت سیرج کچھ کر
اس نے بنوایا...

آڑھیں لی کر اس نے ملک سے باہر چلے جانا تھا اور وہاں یہاں کی
نسبت ہر چیز اچھی ملتی تھی... اس کے علاوہ بنوایتی تو ساتھ لے جانا بھی
مکن نہ تھا۔ ایک دن کی نو رو نمائش اور چھوٹی شان اور عزت کی خاطر
یا گیا سامان میں نہ جانا تھا...
کمرے بھر کر چھوڑ جاتی... دیکھ کے چاٹنے کے لئے... کیڑا لگنے کے لئے
خستہ و خراب ہونے کے لئے...

یوں... باب کی سفید پوشی کا بھرم بھی رہ سکتا تھا اور اس کی اپنی اُنا
اور خود داری بھی قائم رہ جاتی...

اور۔۔۔ زبیر کے لئے کچھ بھی خرچ کرنا، ماں باپ، دونوں کو کبھی بھی کوٹھا نہیں تھا۔۔۔ اس کے لئے تو خود پک کر بھی وہ کچھ کر ڈالتے تو انہیں عروس نہیں ہوتا تھا۔۔۔ کبھی بھی۔۔۔

ادرا بھی تو وہ صرف ترقی نہ رہے تھے۔۔۔ اس آس میں، کہ ان کا لائق نائق اور خاندان کا نام روشن کرنے والا بنایا آ رہا تھا۔۔۔ اس کے لئے جو کچھ بھی خرچ ہو رہا تھا انہیں یقین تھا، وہ وصول ہو جاتا تھا۔ بعد ناسخ کے۔۔۔ جانے کیوں یہ یقین تھا۔۔۔ حالانکہ پہلا خرچ کیا ہوا، آج تک وصول نہیں ہوا تھا۔۔۔ اک کوڑی نہیں۔۔۔ وہ وہاں بہت کماتا تھا۔۔۔ لاکھوں میں کھینٹا تھا۔۔۔ لاکھوں میں کھینٹتے تھے ماں باپ کی بچہ لڑیوں سے بھی کھینٹا ہی چلا گیا۔۔۔ مگر ان کے جذبے اتنے شدید تھے۔۔۔ کچھ عروس نہیں ہوا۔۔۔ اور۔۔۔ ایک بار پھر اسی آس کو دل میں لئے اور اسی محبت کی بھوری کے تحت خرچ کر رہے تھے اور کرنے پہلے گئے۔۔۔

کسی سے پانچ ہزار پکڑا۔۔۔ کسی سے دس ہزار۔۔۔ کسی سے دو ہزار۔۔۔ کچھ چیزیں سینٹ، اینٹیں، ریت وغیرہ ادا ہارے لیں۔۔۔ زندگی کے اتنے سالوں نے اور مزاج کی شرافت اور انکساری نے بڑی واقفیت پیدا کر دی ہوئی تھی۔۔۔

”باقی سب مکمل ہو گیا۔۔۔ بس صرف مائیں گئے والی ہیں۔۔۔“

”کوئی فیضی سی ادھر تو بصورت سی گویا لگا کاظمی صاحب! میرا بچہ

نئی طرح کا ہاتھ روم بناتا تھا کہ اسے بطور ڈرائنگ روم استعمال کرنے کو بھی چاہتا تھا۔۔۔

صاف ستھرا، شیشے، آئینے، دلائیتی بین، ہلکے، ٹوٹیاں چمکدار۔۔۔ سفید ہاتھ شب۔۔۔ لٹم۔۔۔ چکن اچھکیلا۔۔۔ تولیہ سیٹرنسے فیشن کا۔۔۔ اتنی خوبصورت راڈ تھی کہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔

”امریکہ کو یاد رکھے یا بھول جلتے۔۔۔ میں تو کہتا ہوں ہمیں یاد رکھے۔ ہمیں نہ بھولے۔۔۔“

”وہ کب بھولا ہے۔۔۔ بس کبھی کبھی خط لکھتے ہیں کاہلی کر جاتا ہے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ چھ چھ بیٹے۔۔۔ کاہلی کی مدت بھی ذرا قلیل کر دے۔۔۔“

جانے کاظمی صاحب نے اس کو طنز کیا تھا یا خود کو، یا جہاں آ کر کو۔۔۔ ان کے بونی پر اک طنز یہ سی مسکراہٹ بھی تھی۔۔۔ جہاں آ رانے جلدی سے نظر پھیر لی۔۔۔

”میں یہ کہہ رہا تھا۔۔۔ کاظمی صاحب متکبر سے بڑے۔۔۔“

”پر حجب سے ترقی نہ لیا۔۔۔ اب اور انتظام نہیں ہو رہا۔۔۔“

”کہیں سے بھی نہیں ہو رہا۔۔۔“ جہاں آ رہی پریشان اور متفکر ہو گئیں۔۔۔

”نہیں۔۔۔“ اور ساتھ ہی کاظمی صاحب کی نظر سر جھکائے پٹھے کھانا کھانے غیر پر جارہی۔۔۔

”یہ اگر کھنڈیا آ دارہ نہ ہوتا تو آج میرا ساتھ تو دیتا۔۔۔“

”میں آ جا جی۔۔۔“ غیر نے چونک کر نظر اٹھائی۔۔۔ ویسے تو ایسے ایسے

میٹھا ستارہ... بہت کچھ کہا انہوں نے... باپ تھے جعفر دینے والے...
بڑا عزت و احترام تھا دل میں... پر اندر آشوب، ہوبن کر ٹپ ٹپ
گرتے رہے...

اک دہی تو اس کا ہمدرد و غمگن تھا... ساری بات اس کو بتا دی...
کہ کس طرح گلشن نے چیزیں کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا، والدین کے
حالات دیکھتے ہوئے اور کس طرح والدین زبیر کے آنے کے سلسلے میں
خبر چھ کر رہے تھے...

”یہ تو مرا میرے انصافی ہے...“

”ماں باپ کے جذبات ہیں، ان کو بے انصافی بھی نہیں کہا جاسکتا...“
”تم نہیں مانگتے... میں تو کہوں گا...“

”نہیں جو ادب حقیقت ہے، انہیں بھائی جان سے محبت ہی بہت ہے...“
”تو محبت اور طرح پوری کرے... اتنی خوب صورت تیاریاں کرنے کی
کیا ضرورت ہے...“

جی طرح کے گھر میں تم لوگ رہتے ہو، وہ بھی نہ ایں خزا...“
”نہیں جو ادب! یہ آبا جی اور ساقی جی کی خواہش ہے... ان کا خیال ہے
یہاں آرام و آسائش ملے گا تو شاید وہ یہیں رہ جائیں...“
”یہ ان کا خام خیال ہے... دیکھ لینا اس شخص سے انہیں حاصل
و معلول کچھ نہیں ہوتا...“

”مجھے سے کیا جو رہا ہے...“ غیر نے کدکھ سے کہا..

فرے اسی کے لئے ہوتے تھے... پر راج بھلے کیوں کچھ سا بڑ گیا...
”ہاں تم... ذرا بے زندگی میں کسی کام... کبھی بھی...“
جبنا کھا یا تھا، اس کے بعد شرمندگی کے مارے اس کو لالہ نہ اٹھایا
گیا... چند لمبے اسی طرح جھکے جھکے سر سے بیٹھا کچھ سوچا رہا۔ پھر اٹھ کر
باہر نکل گیا...

”ماں آج! اسے کھانا تو کھا لینے دیتے... گلشن ٹرپ اٹھی...
”لو... میں نے اس کے ہاتھ سے ذرا لہجہ لیا ہے کیا...؟“
”عمو بہت حساس ہے... وہ دبلے دبلے سے کچھ میں بولی...
”حساس ہوتا تو آج نہ اس کا اپنا یہ حال ہوتا، نہ ہمارا...“
”ہر وقت اس کو کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں... کسی دن نہ کسی اور
طرف کر لیا تو ہم شکل دیکھنے کو ترس جائیں گے...“
”تو چلا جائے... ہم کون اس کے بغیر مر جائیں گے... اب جی تو
مر کر کہہ جینے کی کوشش کر رہے ہیں نا... ہماری گاڑی نے اسی طرح
چلن ہے، اسی طرح چلے گی...“

”مجبور ہے بے چارہ...“
گلشن کے دل میں اس کے لئے بے شمار مہم درمیان جمع ہو رہی تھیں۔
”ہاں مجبور ہے... ہم نے کسی جوان اور محنت مند مرد کو کمانے سے
مجبور ہوتے نہیں دیکھا...“

کاظمی صاحب بولتے رہے، اخیر برآمدے میں، ہاتھوں میں سر تھامے

”بہت کچھ...“

”بہت کچھ...؟“ وہ کر دی سی ہنسی ہنسا...

”میں نے انہیں آج تک کیا کما کر دیا...؟“ کچھ ہنسی جواد کی حماقت پر آئی... جواس کی خاطر ایسا سوچتا تھا...

”کما کر نہیں دیا تو اپنا آپ تو انہیں دیا ہوا ہے...“

”اپنا آپ...؟“

”ہاں... تم ان کی آنکھوں کے سامنے ہو... ان کے جذبوں کی

تکمیل ہوتی ہے... تمہاری طرف سے جذباتی کا کوئی دھکم نہیں... جوان

اولاد اور وہ بھی بیٹا، اس کے پاس موجود ہونے کا بڑا سہارا ہوتا

ہے، مان ہوتا ہے... اسے جاؤ... وہ تو اتنے چوکھا بھی نہیں ہے...“

”نہ نہ... ایسے نہ کہو...“ پراس کا دل جواد کی کہی گئی ہر بات

تعلیم کو رہا تھا...

گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتا تھا... گلشن جیب تک کالج جاتی رہی

وہ اسے سکول پر چھوڑ کے آتا تھا اور پھر لے کر بھی وہی آتا تھا... بجلی،

گیس اور پانی وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی اسی کے ذمہ تھی... بجلی خراب

ہوگئی... فریج یا ٹی وی خراب ہو گیا۔ مرمت کرانے کا وہی انتظام

کرتا تھا...

اور تو اور اٹھتے ہیں کسی کو ضرورت پڑ جاتی تو وہ بھاگا جاتا...

بس ماں کے حکم دینے کی دیر ہوتی... وہ فوراً تعمیل کرتا... اس انداز

میں وہ سارے نکلے میں بڑا مانا جاتا تھا...

”کوئی بھی کام ہو، کالمنی صاحب کا بیٹا کبھی انکار نہیں کرتا...“

”نیک باپ کی اولاد ہے... نیک ہی ہوگا...“

”بگڑا کام سوارانا، جو تو غیر کو مٹا لو...“

غیر سب کچھ جانتا ہی تھا... ماں باپ کے لئے اپنے وجود کی افادیت

اور دوسروں کے لئے اپنے ہونے کا فائدہ... پھر بھی... پوڑھے والدین کو

کما کر نہ دیا، ضرورت کے وقت پیسے دیئے سے کام نہ آیا تو کس کام کا...؟

”بس... اگر کچھ انتظام کر سکتے ہو تو کر دو جواد... نہ جانی جان کے متعلق

کچھ کہو، نہ اتنی جی اردا باجی کے متعلق... مجبور ہیں سب...“

”سب مجبور ہیں... بس اک تو ظلم اور زیادتی کرنے والا ہے...“

جواد ہمدردی بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے جا رہا تھا۔

”انہیں اس وقت بڑی ضرورت ہے... اور پھر ادھر کام پڑا

رہا تو... گلشن کی بھی توشاوی کے دن سر پہ آگئے... چند دن تک پہلن

آنا شروع ہو جائیں گے...“

”تم دس ہزار کہہ رہے ہو...؟ جواد سوچ سوچ کر بولا۔

”اور تمہارے سامنے ابھی کل ہی مال منگوا رہا ہے... کچھ نقد... کچھ

ادھار...“

”تو پھر...؟“ عجیب سی مالوری غیر کے چہرے پر پھیل رہی تھی...

”پھر کیا...؟ تمہاری خاطر تو پچاسی پر بھی چڑھ سکتا ہے...“

زہیر بھائی تھا... اور جواد دوست...

وہ خون کا رشتہ تھا... اور یہ... دل کا رشتہ...

کوئی تادیبہ مضبوط ہوتا ہے اور کوئی تادیبہ معزینہ...

عمر ہی سوچا رہا... کتنی ہی دیر... جواد کی سرت سے بھر پور آواز

کان میں اتری تو اس کی طرف توجہ دی...

”کیا کہا...؟“

”میرا بھائی صاحب، امیر بھی کافی بی ادب دل والے بھی... وہ نہیں کہہ

بیشک دے دیں گے... اور پانچ ہزار تک میں کر دوں گا...“

جواد نے اس کا شانہ چھتھا کر تسلی دی...

”بس اب اپنی صورت، ٹھیک کر لو... کہہ سے دیکھی نہیں جا رہی...“

عمر انتہائی مشکور نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا...

”تم فرشتہ ہو یا رہا...؟“

”ارے ہاں...“ اس کی کتنے بغیر جواد اک دم ہی اچھل کر کہنے لگا۔

”ایک بات تو ہمیں بتانا یاد رہی نہیں رہی...“

”وہ کیا...؟“

”آج وہ آئی تھی... تمہاری بیٹی، میری بھابھی...“

”آج آئی تھی...؟“ عمر جراتی دیر سے بڑا افسردہ، غمزہ

اور پریشان سا بیٹھا تھا... جیسے اس میں جھیکا ہوا... جواد کی سنتے ہی

ایک دم کھل اٹھا...

”میری گزشتہ گئی یا تو کی تھی...؟“

”گزر گئی کیا ہوا... یہاں آئی تھی... اپنے بلازا پر شاہنگ کرنے...“

”ہیں...؟“ سچ سچ...؟“ عمر صرف کھل اٹھا بلکہ ہنس اٹھا...

”اوسے ہوئے، میں کہاں مگر گیا تھا اس وقت...؟“

وہ جذبوں میں مرشاد بڑبڑایا... پھر... آرزوؤں اور مانگوں سے

بھری بھری نظروں سے جواد کو دیکھا...

”کیا وقت تھا اس وقت...؟“

”دو پہر ہو رہی تھی... کبھی ایک یا دو کا وقت ہوگا... پردت

دیکھنے کا کہے ہوئے تھا...“

”اد... ہوش میں رہ کر بات کر...“

”بھابھی کے ناطے کہہ رہا ہوں... سچ سچ مجھے کچھ سوچا ہی نہیں...“

”اس سے اس کا ایڈریس تو پوچھا ہوگا...؟“

”وہی تو کہہ رہا ہوں... تم ٹھیک کہا کرتے تھے... اس سے بات کرنے

کے لئے بہت چاہیئے... جگر اور حوصلہ چاہیئے...“

”آخر ہوا کیا...؟“ کچھ بتاؤ بھی تو...“ عمر نے انتہائی بیقراری سے پوچھا...

جواد کچھ خفیف خفیف سا بلا ضرورت ہی سر کو کھلانے لگا...

”پتہ نہیں مجھے بھی کیا ہو گیا تھا... وہ سانسے آئی تو ہاتھ پاؤں پھول

گئے، زبان تالو سے چپک گئی... ہوش و حواس عین ذرا سا تھوڑے گئے...“

”اوسے ہوئے... کچھ آگے بھی تو کہو...“

بال پوائنٹ پر سے قیمتی ہو گئے ہیں...
 ایک آس بندھی تھی... وہ بھی ٹوٹ گئی۔ غیر چسپاؤسی کے اندھیروں
 میں بیٹھنے لگا...

”اوسے جایاں! اب باتیں نہ بنا... اتنے دنوں بعد نظر آئی...
 کھوئی کھوئی سی سیل میں اور... پھر کھر گئی... تمہاری وجہ سے... تم نے
 اس کے گھر کا ایڈریس بھی نہ پوچھا...“

”تبیانا... پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن نہیں پوچھ سکا...“

”جان ڈالی بھی اور نکال بھی لی... اپنے دوست ہو...“

عمر سے ڈکھلا اور انوس سے اک آہ بھری... نکایت آئینہ نظروں سے
 جو اد کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا...

”اگر دہا ہوں ہر بازی۔ گتا ہے جلی کو بھی ہار جائوں گا... اور پھر
 وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا...“

”یہ کس قسم کی بکواس کر رہے ہو...“

جو اد کی نظروں میں رجم تھا اور لبوں پر فحشت بھری ڈانٹ...

”گشتی کچھ اپنی لگتی ہے۔ وہ چند دنوں بعد چلی جائے گی... غیر ہو
 جائے گی اپنے لئے...“ غیر کھویا کھویا بڑ بڑاتا رہا...

”ابا جی اور انی جی بھائی جان کے سب کچھ گئے ہیں... تب وہ میرے

والد ہو کر بھی میرے لئے جیسے غیر ہو جاتے ہیں... آخر میں اک بیل رہ جاتی

ہے جسے اپنا سمجھا کرتا تھا... بہت اپنا... مگر وہ بھی کھوئی جا رہی ہے...“

”تمہارے کہنے کے مطابق اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ دوسرا سحر زدہ ما
 ہو جاتا ہے۔ میں بس نظریں جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہی رہ گیا...
 گو نگوں کی طرح...“

”او! پر کرنے کیا آئی تھی...؟“

”چہر نہیں...“

”پتہ نہیں... لیکن ایسی تم کہہ رہے شایگ کرنے...“

”وہ تو اک بہانہ ہی تھا شاید...“

”کیا مطلب...؟“ غیر چرچا...

”تھوڑی دیر کھڑی چیزوں کو دیکھتی رہی... اندر گرد دیکھتی رہی...“

گردوں بڑھا بڑھا کر دکان کے اندر جھانکتی رہی...“

”پھر...؟ آگے بھی بناؤ...“ اس نے بے صبری سے پوچھا...

”کیا خریدا...؟“

”دلیسا ہی ایک بال پوائنٹ... جیسا اس دن خریدا تھا... وہ بھی

بہت سوچ سوچ کر...“

”خریدا...؟ مطلب یہ کہ تم نے قیمت لے لی...؟“

”کچھ بولنے، چاہنے کی ہمت نہ رکھتے ہوئے بھی بہت انکار کیا... مگر وہ

کاؤنٹر پر ڈال کر چلی گئی...“

”بس...؟“ غیر مایوسی سے بولا...

”بس... اور اب عمیر! مجھے لگتا ہے ایک دم ہی میری دکان کے سامنے

اسے ہوش آیا...

دس ہزار کی گڑی، لال لال توٹوں والی، اس کے سامنے پڑی تھی۔
خوفی سے بے اختیار ہوا اٹھا...

وہ کسی کے کام آ سکتا تھا... کسی کے لئے کچھ کر سکتا تھا... اس نے
وہ گڑی اٹھام لی...

"یہ کیسے... دس ہزار روپیہ..."

غیر سنے ماں باپ کے سامنے رقم ڈالی، تو دونوں مشکوک مشکوک
نظروں سے اسے دیکھنے لگے...

"سچ بتاؤ... کہاں سے اتنی بڑی رقم آئی..."

"آئی ہے... قرض لیا ہے..."

اسے یقین تھا وہ یہ قرض جلد اتارے گا... اپنی کمائی ہوئی کمائی سے...

کچھ ٹیوشن سے اور جلد ہی کوئی باقاعدہ جاب ملے گی امید تھی... چند
نہواریوں میں ہی اس نے فارغ ہو جاتا تھا... بہت یقین تھا، بہت
پُر امید تھا...

"قرض اور کوئی نہیں دے گا..." "کانفی صاحب زور زور سے
بسنے لگے..."

"تم جیسے کھٹو اور آوارہ کو... اسے سچ بتا دو..."

مردہ یکایک سنجیدہ ہو گئے...

"کیا کسی سے فراڈ کیا ہے؟"

غیر دکان سے نکل کر، سکوٹر سٹارٹ کرنے لگا...

"پھر... رقم کی بات کروں؟" جو اس نے موضوع بدل کر اس کا
خیال بدلتا چلا...

ڈکھ ہی ڈکھ تھے اس کے چہرے پر... اور چوڑا دودھ بڑا عزیز تھا۔
اسے غم میں نہیں دیکھ سکتا تھا، اندر کچھ ٹوٹنے لگتا تھا...

"ہاں ضرور... اور غیر کے سکوٹر نے رفتار بچا لی..."

اگلے ہی دن جواد نے گھر آ کر اسے دس ہزار کی رقم اٹھادی...
"کوئی اور حد ست...؟"

اور غیر جواب میں شکر یہ بھی ادا نہ کر سکا... ایسے الفاظ اس کے پاس
تھے ہی نہیں جن سے جواد کے پیر غلوں میں جلیوں کو نہ پٹا... کوئی حد مقرر کرتا...

جھولتا رہا دپ دپتا...

اس کی دوستی، اس کا خلوص تو اوپر، اوپر آسمان کو چھو رہا تھا...

اور وہ خود اپنے... بہت پیچھے... زمین پر کھڑا تھا، کبھی اس کے لئے کچھ

کیا ہی نہیں تھا... جیتی جاگتی لاش سدا بھردی کے کفن میں ہی پٹی رہی...

اسے کاش! وہ بھی کسی قابل ہوتا، کسی کے کام آ سکتا... کسی پر احسان
کر سکتا...

نہ کچھ کہہ سکا... نہ بول سکا... گنگ سا ہر کہیں رہ گیا...

"آج درہم کو آنا... ایک پیچھے... شاید ملاقاتیں ہو جائیں..."

جواد ہنستا ہوا، اسے تاکیدیں کرتا ہوا، نکل کر چلا گیا تو تب

آنے والا تھا...

”دو چار سو تو بیچ میں سے دکھ دیتے... پورے کا پورا اس ہزار ہی پکڑا دینے کی کیا ضرورت تھی...“

جواد نے ساقی سے ڈانٹنے لگا... ”اپنے کپڑے بناتے، سارے... شلوار قمیص والے تمہارے سوٹ پرانے اور خستہ ہو چکے ہیں... تمہارے ساتھ کہیں جاتا ہوں تو مجھے خرم آتی ہے...“

”اُمّید نہ جانا کہیں...“ جواد کے غلوں کو سمجھتے، ہلستے ہوئے بھی غیر بگڑا گیا...

دراصل وہ اپنے آپ سے ہی بگڑا تھا... نشانہ وہ بن گیا... اکثر ہی بن جایا کرتا تھا... غلوں والے اور محبت کرنے والے کا یہی حال ہوتا ہے... ”اب آئے گی بیٹی بیابانی تو پتہ پوچھ لوں گا...“

جواد بڑی نرمی اور عاجزی سے اپنے بگڑے بگڑے دوست کو منانے لگا...

”اب کی بارہا سہا کی طرف نظر اٹھاؤں گا، یہ نہیں کہ بات کرنے کی بہت کچھ بیٹھوں... کچھ کچھ نظروں سے ہی جلدی جلدی سارے سوال کر دوں گا...“

جواد قہقہے کرتا رہا، قہقہے دیتا رہا، مگر عجب کے چہرے پر پھیلے غم کے بادل جھٹھ رہے تھے... وہ غیر مروتہ سا، کھویا کھویا سا بیٹھا رہا... اندر ہی اندر سوچے جا رہا تھا، اور... اپنے اور بڑے جانی کے متعلق...

عبر کا دل جل کر رکھ ہو گیا... ان کے لئے یہ رقم حاصل کر کے جتنی خوشی ہوئی تھی، ان کی باتیں سن کر اتنا ہی رنج اور افسوس ہوا... ”بے ایمانی بھلی چھوٹی نہیں... حرام کے رستے ہی جاتی ہے...“ ”جانتا ہوں سب کچھ... اور یہ بھی کہ آپ کو غلط یا ناجائز کوئی کبھی نہیں کھلاؤں گا... کیونکہ آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کو رزقِ حلال ہی کھلایا ہے...“

مزید کچھ کہے یا بحث میں پڑے بنا وہ جلتا کڑھٹا دل لے کر وہاں سے ہٹ گیا...

وہ ہر ایک کے لئے، سب کے لئے اور خصوصاً والدین کے لئے تو بہت کچھ کرنا چاہتا تھا... مگر جائے کیوں...؟ اس کی سچائی کو باطل کروانا جاتا تھا...

اس کے جذباتوں کو بے جذبہ انسان کے جذبے کیوں سمجھا جاتا تھا... پتہ نہیں کیوں...؟ پتہ نہیں کیا کی تھی اس میں...

زہیر کے ہاتھ دم کی خوبصورتیاں اور زیادہ ہو گئیں... سارا کچھ مکمل ہونے کے بعد کچھ رقم بچ گئی تو اس سے، اس کے گھر کے لئے نیا فرنیچر بن گیا...

نئے فرنیچر کے نیچے شگافیں اچھا نہیں لگتا تھا، سنتا سہی، اگر تالیں بھی لاکر بچھا دیا گیا...

پوری تیاریاں ہو رہی تھیں، جیسے کسی دوسرے ملک کا صدر یا وزیر اعظم...

غیر زخمی زخمی سوچوں کے ساتھ اٹھا اور چپ چاپ سکوترے نکل
کھڑا ہوا...



”عمو! عمو! عمو! تو... دیکھو کتنا دن چڑھ آیا...“

گلشن علیہ کو بھنچھوڑ رہی تھی... اس نے آنکھیں کھولیں، سامنے گلشن
نظر آئی۔ دن چڑھنے کا جو اس نے پینام دیا تھا اس کا یقین نہیں آیا۔
لگ رہا تھا ابھی تو آنکھیں میچی تھیں...
”اب اٹھ بھی پڑو...“

عمر اس کی بات کی تصدیق جاننے کے لئے گردن موڑ کر کھڑکی کی
طرف چڑھے دن کو چڑھی چڑھی آنکھوں سے دیکھنے لگا...
”دارے، وہ تو سچ کہہ رہی تھی...“

”یہ تمہاری آنکھوں کو کیا بول رہے... کیسی شرم ہو رہی ہیں... ناشی نشی
بھی...“ گلشن شرمی سے مسکرائی...

”کہیں کوئی نشہ دھڑ تو نہیں کرنے لگے... میرے دن کے بڑے کیسی
ہو رہے ہیں...“

”بہت مای ہے تا اپنے پاس...“ علیہ نے طنز سے اپنے وجود کی
حرف دیکھا...

مقابلہ کر رہا تھا... پہلے کبھی نہیں کیا تھا... بچائے کیوں آج دل اس پر چلا
جارا تھا...

آج تک اس نے، اس گھر میں دیا کچھ نہیں تھا پر پھر بھی بھاری تھا
سب پر... سب سے زیادہ وزن دار تھا... سب سے زیادہ قیمت والا تھا...
مقدور ہی کی بات تھی... صرف مقدور کی... ہاں... بھی تو تقدیر کے سکندر نہیں
ہوتے... کسی کسی خاندان میں کوئی کوئی ہوتا ہے... زیر حیا...
پروردگار اسے سلامت رکھے، اور حریقان دے، اور شادمانیوں سے
نوازے...

اس نے غور سے دل سے لہائی کو دما دی... اس کی اپنی بھی تو لہائی
کے نام سے بڑی عزت تھی... وہ شکور تھا اس کا کہ اس نے عزیزوں اور نام
تورے دیا تھا...

بلے شک روپیہ، پیسہ نہیں دیا تھا... مان اور فخر تو اس کے دم سے
ملا ہی تھا... یہ بھی بڑی بات تھی...

باپ مر چندی سے اس کا نام لیتا تھا... خاندان، برادری میں بیٹتا تو اسے
”سیر سیر“ کے نام پر اچھی جگہ ملتی، اچھا مقام ملتا، اچھی حیثیت دی جاتی...
اور وہ... وہ خود... غیر کا سرزند امت سے ٹھک گیا... گھر والوں کو بھی
اس کا نام لینے ہوتے شرمندگی محسوس ہوتی تھی اور جہاد سے بھی آج بھی کہتا تھا...
اس کی بھلائی ہی کی خاطر سی... مگر کہا تو تھا... کچھ تو محسوس کیا ہو گا...
جو ایسے الفاظ ہر نفل سے پھسل پڑے...

پنج ہی کی غمانی کرتی ہیں۔
گفتن نے گہرا کمر نظروں چڑھ لیں... پھر تھوڑی دیر بعد کچھ سوچ کر
غیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہولے سے بولی...
”دوسروں کی تمہارے متعلق جو رائے ہے، اس کو نظر انداز
کر کے کہو تو... تمہارے پاس بہت کچھ ہے... بہت کچھ...“
”اگ تم اور اک جواد... مجھے ہمیشہ اس مطالب پر مت دینا میں
جیسے کہنے کھڑا کر دیتے ہو۔ بار بار ہوں تو ظفر مندی کے پھولوں سے
نہکتا ہوا، کوئی نہ کوئی بار میرے گلے میں ڈال کر مجھے اس دنیا کو گلے سے
لگائے پر مجبور کر دیتے ہو...“
”واہ واہ... اچھی گفتگو کر رہی ہو... گفتن نے مالی کجائی...
”اگر دو کے ایم۔ اسے کا فائدہ ہو رہا ہے... خاطر خواہ...“
”میرا مذاق اڑاتی ہو...؟“
”تم کھیل صبح صبح اتنے سیٹھ سیٹھ جھلے بولی رہے ہو...؟“
پھر وہ خود ہی یکایک چڑکی... ”ارے یہ تمہارا موڈ... لگتا ہے
رات کو پھر اتنا جی سے مذاکرات ہو گئے... میں...؟“
”ہاں...“ سچ سا، طنز یہ ساقیتم جویر کے ہر تڑپ پر پھیل گیا...
”جوان بیٹا ہوں... جہنم دیا... پروردی کیا... پڑھا یا لکھا یا... پھر بھی
بوجھ بنا رہوں تو... سچ مچ تفت ہے تا میری زندگی پر... اور پھر... اُوارہ
لفٹ، بدعاش بھی کہلاؤں گا نا...“

”اس پیٹ کو رونی سے تو نہیں بھر سکتا، نشوں سے بھروں گا...“
”تھیں فاتح کب آیا... نان سنس... ہر وقت ایسی دل جلانے والی
باتیں مت کہتے رہو گوار...“
”گل کر! میری عزیز ترین بہن! جس طرح مدھی مجھے ملتی ہے نا،
اس سے فاتح کہیں بہتر ہے... بہت بہتر...“
”نہ نہ... یہ جی ناشکرا بن رہے... میں نہیں بہت بند دیکھنا
چاہتی ہوں... ان جھوٹے چھوٹے گلے شکوہوں سے پاک...“
”ہاں انسان نہیں ہوں میں...؟“
”کیوں نہیں... بہت گریٹ انسان۔ اس گھر میں سب سے گریٹ...“
”سب سے گریٹ... وہ نور سے سنس پڑا... ایسی کاٹ وار
ہنسی تھی کہ گفتن کتنی ہی دیر سہٹائی ہوئی سی اس اس کے چہرے
کو کھینچ رہی...“
”یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے... کسی یادیں کر رہے ہو...؟“
”باتیں ہی تو کر سکتا ہوں صرف...“
”نہیں ابھی بس آنکھوں میں بھر کر ہنسی... اسے جھکانے کے لئے
آنکھوں کو اندر اندر سے ملتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...“
”اور میرے پاس بے ہی کیا... کچھ ہے...؟ ایمان سے تنا...؟“
”میرے گوار ہی جیسے کی خاطر گفتن کی آنکھوں میں دیکھا... آنکھیں
جو ہمیشہ سچ بولتی ہیں... زبان جھوٹ بھی بولی رہی ہو۔ وہ تب بھی

”مقرر نے بارودی گلی! میں بھی باہر چلا گیا ہوتا تو کوئی پریشانی نہ...“
 ”ہائے نہ... تم باہر جانے کا نام مت لو... تم چلے جاتے تو میں اسکی
 اس گھر کی دیواروں سے ٹکرا کر مر جاتی... یہ تو بہت اچھلے تم نہیں گئے“
 وہ اپنی ہی سوچوں میں کھویا ہوا تھا... نگہ کش کی آنٹی بیسی کبھی ہی نہیں۔
 بولے چلا گیا...

”باہر چلے جانے والوں پر ہزاروں لاکھوں خرچ ہو جاتے ہیں...“
 مکان بک جاتے ہیں... بوڑھے باپ کو پنشن کے بعد بھی نوکری کرنا پڑتی
 ہے... بوڑھی بیٹیاں مشقت کی جیسی ہیں پس کر ستر نہ بنتی رہتی ہیں...“
 ”مارے ارے یہ کیا بولے جا رہے ہو...“

”پھر ان لاکھوں خرچ کئے گئے کا بدلہ بھی کوئی نہیں ملتا... نہ دھن
 دولت، نہ جہتیں، نہ سہارے، نہ جوائی کی بیساکھیاں، وہ مضبوط بیساکھیاں
 جو بڑھاپے کو قوت بخشی سہارا دیتی ہیں... کچھ بھی نہیں... کچھ بھی نہیں...
 اور پھر بھی... پھر بھی...“

غیر نے اٹھوں میں سر قہام لیا... نگہ کش کھ گئی تھی... کچھ رہی تھی
 ساری بات... اس کے دکھ سے آگاہ بھی ہو گئی تھی... پر مجبور تھی
 بے حد...

”چھوڑ دنا اس قہمے کو...“
 ”کیسے چھوڑ دوں...؟“ ذہانت کی روشنی سے برہم چلنے والی اپنی
 بیگنی تھکی آنکھوں کی تھیلیوں سے منسلک کر وہ پھر بڑبڑانے لگا...

نگہ کش نے بڑی ہمدردی سے اس کے دھندلائے ہوئے چہرے کو دیکھا...
 ”تم بھی عمو! کوئی جاب کیوں نہیں کر لیتے... آج بھی ابھی تک کر رہے ہیں...
 اس عمر میں بھی...“

غیر نے نگہ کش کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا... بس سامنے میز پر
 ان ڈھیروں کاغذات کو دیکھ کر خاموشی سے نظریں جکالیں۔ ان کاغذات
 میں زیادہ ان درخواستوں کی تقصیر تھیں، جو مختلف دفاتر کمپنیوں اور
 فیکریوں وغیرہ میں جاب کے لئے اس نے دے رکھی تھیں۔

دندانہ نا... کہانیاں کھنے میں وقت ضائع کرتے رہتے ہو، وہی
 وقت نوکری وغیرہ میں...“

”نوکری الگ ہے گلی... اور کہانیاں تو صرف میرے اندر کی آگ
 ہیں، جن سے محض کاغذ جلاتا رہتا ہوں... روح جلنے سے بچ جاتی
 ہے اس طرح...“

”کوئی پریشانی...؟“
 چنگس بدلتا نہیں، لکائے میٹھے بھائی کے بالوں میں وہ تسلی دیتے کے
 انداز میں ہاتھ پھیرنے لگی...

”نئی تازہ...؟ کیا بچے نہیں بناؤ گے...؟“
 ”نئی یا بڑائی... جب علم کھا نہ ہو ٹھہراؤ...“
 سو دیکھو دیکھو... میرے ساتھ یہ شاعروں، ادیبوں کے انداز میں
 گفتگو نہ کرو... بھائی والی زبان سے کرو...“

وہ پھر بھی خاندان کا نام روشن کرنے والے اور ہیں... نری بدنامی...
نری رسوائی...

”عقل کی باتیں کرو، کس نے تمہیں یہ سب کہا ہے...؟“
گلکش نے اپنے دوپٹے سے بخانی کی آنکھیں صاف کیں... ممکن نہیں تھا
ورنہ اس کی آنکھوں کی یہ نجی اپنی آنکھوں میں بھرتی... اس کے دل کا یہ
درد اپنے دل میں سیٹھ لیتی...

”اور اگر کہا گیا ہے تو تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہا ہوگا... تم بھی تو
آوارہ پھرنا چھوڑ دو اور نوکری کر لو...“

”تم بھی یہی کہہ رہی ہو گلی! کہ آوارہ پھرنا چھوڑ دو...“
عمر نے شاکی نظروں سے بہن کو دیکھا... تو یہ پتے بھی ہوا میں گئے۔
”وہ... وہ... میرا مطلب ہے...“ گلکش بڑی طرح بوکھلا گئی...
اس نے تو رواروی میں کہہ دیا تھا... پر یہ کیا ہو گیا...؟ وہ تو عمو کے
دیکھ درد سیٹھنے کو تیار تھی اور بے خیالی میں وہی اس کا دل دکھا گئی...
اپنے آپ کو دل ہی دل میں فخر میں کرتے ہوئے اس نے عمیر کو بہت ساری
تلیاں دے ڈالیں... بہت ساری اس کی تفریقیں کر ڈالیں... زیرک طرف
سے جو اس کے دل میں، ماں باپ کے سلوک کی وجہ سے گہر میں پڑ رہی تھیں
انہیں کھرنے کے لئے بہت ساری اچھی اچھی باتیں کر ڈالیں...

وہ قائل ہوا یا نہیں... لیکن اتنا اسے اندازہ ہو گیا کہ جس اذیت
اور کرب میں وہ کچھ دیر بیٹے مبتلا تھا اب اس میں بہت کمزوری واقع ہو گئی تھی...

”مقرر کی بات ہے... جس پر ہزاروں لاکھوں خرچ نہیں ہوئے، جو
خود مدد خود کے کی طرح بڑھ چھوڑ گیا... اسے دو وقت کی روٹی دینا پڑتی
ہے تو سو سو بار گنا کر دی جاتی ہے... وہ آوارہ بھی ہے، وہ لنگتا بھی ہے“
”اب پس بھی کر دے...“ گلکش بے انتہا دکھ بونے لگی...
”نہیں پس کیا جاتا... بہت بڑے بڑے زخم، میں اندر... تمہیں
پتہ ہے آج تک بخانی جان پر کتنی خرچ ہو رہی ہے اور بدلے میں انہوں
نے کیا دیا ہے...؟“

”ہاں... یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو... اسی لئے میں نے بھی جینر میں کچھ
نہیں لیا... ہمارے مالی حالات کچھ اچھے نہیں ہیں...“

”یہ بھی مجھے دکھ ہے گلی! کہ تم اس گھر سے تقریباً بخانی لائق جا رہی
ہو، اور جس کا دامن اس گھر سے ہمیشہ بھرا ہے اور مزید ساری کی خاطر پھر
مقررہ ہو رہے ہیں۔ وہ پھر کچھ صلہ نہیں دے گا... دیکھ لینا...“
”چلو اٹھو... چھوڑ دو...“

”وہ پھر بھی اچھے ہیں... خاندان کی ناک... گھر کی عزت... اتنا ہی ممکن
کہ عزت کہا کرتے تھے... وہ دوسری عزت: بیچ کر بھی گھر کی عزت میں... میں
نے کچھ نہیں بڑایا... کچھ طلب نہیں کیا... میں پھر بھی آج بھی کو چاٹ گیا...
تمنا کر دیا انہیں...“

”تمہیں نہیں...“

”یہ بیچ ہے گلی... بیچ ہے... وہ پتہ نہیں وہاں لیا کرتے ہوں گے اور

”چلو آؤ، ششہ کر رہی...“

”باقی سہ ماہ کر لیا...؟“

”اتنا جی تو کب کے دفتر گئے... اتنی نے ان کے ساتھ ہی کر لیا تھا... میں بس روزانہ کی طرح انتظار کر رہی ہوں...“

”چلو دربارہ دن اور تکلیف اٹھا لو...“

”کیسی تکلیف...؟“

”ہی... انتظار کی...“ غیر مکر لیا... بارش کے بعد جیسے دھوپ نکل گئی...“

”یسا ہی اس کا چہرہ ہو رہا تھا... ہوا معصوم سا، دلاؤینہ سا...“

”پھر اپنے ان کے ساتھ مہبتوں اور خوشیوں کی چھاؤں میں...“

”ہائے کین چپ کرنا...“ وہ پارے سے انداز میں فرمادی...“

”کوئی کتاب ہے یہ نکل غولعبرت نہیں...؟“ عمیر نے سوچا... اسے تو ہمیشہ

وہ بڑی اچھی لگا کرتی تھی... دنیا بھر کی لوگوں سے زیادہ...“

”کیا سوچنے لگے... اسے اٹھو بھی نا...“ چہرے دوڑنے لگے، میں بیٹھیں...“

”پھر ناشتے کی بجائے ایک عدد پانی ہلچل کر دیا...“

”عمیر کی بات پر دونوں ہی ہنسنے لگے... گلشن اس کا بازو تھام کر لے چلی...“

”راش ہین کے سامنے اسے لے جا کر کھڑا کر دیا...“

”لگی کر دو... منہ دھوؤ...“

”تم چلی جاؤ گی، تو میں پھر ناشتہ کرنا ہی مجبور ہوں گا...“

”خواہ مخواہ ہی...“ وہ منہ ہاتھ دھو بیٹھا اور گلشن نے تویہ اسے پکڑا دیا...“

”تمہارا انتظام کر کے جاؤں گی، انشاء اللہ...“

”کیا اپنے جیسا اک روپوٹ بنا کے دے جاؤ گی...؟“ سوال کر کے عمیر سے

خود ہی اس کا جواب بھی دے ڈالا...“

”پھر مگر رانی! اس میں بہن دالے محبت اور خلوص دالے جذبے کیسے

بھروسہ کی...؟“

”اس سے بھی زیادہ شدید اور مخلص ہڈیوں والا روپوٹ دے کر مادیگی

عمیر...! دیکھ لینا...“

”ارے! آؤ کوٹنا...؟“

”وہی... جس کا تم اس دن ذکر کر رہے تھے۔ تمہاری آنکھوں سے میں

نے وہ سب کچھ پڑھ لیا تھا جو اس کے لئے تمہارے دل میں ہے...“

”شریہ...“ عمیر نے لوگوں کی ایسی شریلی ادا کے ساتھ سر ہٹکا لیا...“

”متم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا نا کہ اسے مجھ سے ملو گے... بس... پھر روز

بات پکڑی... سارے کام ختم کر کے جاؤں گی دونوں بھائیوں کے...“

”ہاں دالے کا تو کرو... وہ مقدر کا کندہ ہے... اور مجھے فی الحال ہل جاؤ...“

”کچن میں ہی چھوٹی میز پر نہ بیٹھا تھا اور گلشن جلدی جلدی اپنے اور اس

کے لئے انڈے فراٹی کر رہی تھی... مصروفیت میں اس نے نہ عمیر کی بات سنی،

اور نہ اس کے جیسے پر جیسے وہ برقی کے مائے دیکھے، جو اس وقت وہ

عموس کر رہا تھا...“

”کیا کہہ رہے تھے...؟“ انڈے اور کوس لاکر سامنے بیٹھے ہرے وہ بولی...“

انکی اکلی نہیں رہ جائیں گی... بیگم عبیر کا غمی ان کے پاس ہوں گی... اس چھوٹے تخت پر ان کے ماہنے ہاتھ...

اس نے یکا یک آنکھیں کھولیں... "اے اللہ کے بندے کچھ تم بھی کہنا میں ہی بولے جا رہی ہوں... خوشی کی بات ہو تو رہی ہو تو ساتھ دیا کرتے ہیں... گلشن کی نظر میں اس کے ناشتے پر جا پڑیں..."

"اے اللہ سے ایسا کہ کیا..." وہ اندرے کی صورت دیکھ کر چلا پڑی... "کیا ہوا..."

"یہ اندھا اس قدر کالاکوں کو رہا ہے؟ کیا میں نے ایسا بتایا ہے..." "تم نے تو ٹھیک ہی بنا دیا تھا..."

"بھیر..." وہ پیٹ اٹھا کر غور سے سمجھنے لگی... "یہ تو کالی مرچیں چھڑکی ہوئی ہیں..."

"ادھ ہاں..." بے خیالی میں چھوٹ گیا... میرے اندر کے زخموں پر لوگ چھڑکے رہتے ہیں... میں نے اندر سے ہر چھڑک دیں کہ وہ کھجور اس کی صورت کیا بنتی ہے..."

"اچھ لپٹا آئی صورت..." گلشن نے اسے ٹانٹ دیا... "چھوٹو یہ..." اور بٹھا دیا ہوں..."

"نہیں رہنے دو... دل نہیں چاہ رہا..."

"ابھی تو بڑے حقوق سے ناشتہ کرنے بیٹھے تھے..."

"بس... کھجور ایک دم ہی غائب ہو گئی..."

"نہیں فی الحال بھول جائی... کیوں...؟ تمہیں کیوں بھول جاؤں...؟ کیا تم نے اُسے بھٹکا دیا ہے..."

کب تک عجیب سا سوال کرتی تھی یہ عقلمند لڑکی... عبیر بھلا کبھی اسے بھٹکا سکتا تھا... وہ چند دنوں سے نہیں گزری تو اس پر سے قیامت گزر گئی تھی... سو سو جنوں کو رہا تھا اس کا ایڈریس معلوم کرنے کے لئے...

"چسپ ہو گئے ہونا... جو بات نہیں کر سکتے اس کا دعویٰ نہیں کیا کرتے... اسے بتا دینا... تیاری وغیرہ کیسے... بھائی جان کی شادی کے بعد اگلے ہی ہفتے اسے ہم گھر لے آئیں گے... ایسے ہی نہیں... شادی کر کے لائیں گے..."

گلشن بولتی گئی... وہ سر جھکا کر دوسروں کو اُلٹا پلٹا رہا، کبھی چمچ سے اندرے کو چھڑنے لگ جاتا...

"میری خدا بتا جی اور اتنی جی دونوں مان لیا کرتے ہیں... جیہڑی کسی سوتالی ہے... اسی طرح تمہاری شادی والی بھی متواؤں گی..."

وہ کھا کچھ نہیں رہا تھا... سوچوں میں کھویا تھا... غصہ بڑی تیزی سے میرے بدنک اٹھاتا... بے خیالی میں اندر سے ہر چھڑک دیتا... چکر کالی مرچ کی شیشی بھوتا وہ چھڑک دیتا...

"ہائے دو بھائی... کتنا مزہ آئے گا... دو دو ٹھنیں پاری پاری..."

وہ جذبوں میں ڈوبی... آنکھیں میچے بولتی چلی جا رہی تھی...

"اس گھر میں رونق نہیں ہی رونق نہیں ہوں گی... جبر بٹائی جان والی چلی گئی تو"

”ناشتہ گھر پہی ہوں خود بھی، اور اس دردِ دل کو بھی کرا رہی ہوں...“
سیر آجکل تم رات کو تنہی دیر سے کیوں آنے لگے ہو...؟
شاید پیٹے ہی، اس کے متعلق سوچتی آرہی تھیں... خود براہِ راست
اس سے مخاطب ہو گئیں...

”پہلے کوئی کمرہ لگتی تھی آوارہ گردی میں، جواب یوں اُدھی اُدھی سات
باہر گزار کر پوری کرنا ہے...“

غیر تہ جھکا ہوا سر اٹھایا... ماں کے چہرے پر غصہ و جلال پورے جوہں
پر تھا...

جب سے زبیر کے آنے کی اطلاع آئی تھی وہ زیادہ تر اس سے ملاوٹ
ہی رہتی تھیں... باجیب موقع ملتا، ڈانٹنے لگتیں۔

”آوارہ گردی کرتا ہوں...؟“ اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا...
”تو اود گیا... تم سے کچھ اور توقع بھی تو نہیں...“

اس کے سامنے والی کمرہ پر بیٹھے ہوئے جہاں آرائے طویل سا
سانس لیا...

”شکر ہے پھر دودھ گارنے نام رکھنے کو عزتیں دینے کو، بڑا دیدیا۔
ورنہ اس نے تو ڈبلونے میں کوئی کمرہ چھوڑی تھی...“

غیر معمولی کمرہ تلاش کر رہ گیا۔ جتنے ڈکھ اس وقت اندر اتارے تھے
منہ بند کر کے ان کا زہرا اندر ہی سمیٹ لیا... کوئی جواب نہیں دیا...

گلشن نے دسرانڈا بنادیا تھا، تو سسٹک دیکھ لے... سب کچھ بھڑا

بیلی کی یاد کا جھلکا بڑا شدید تھا... تن میں ٹھکستہ ہو کر رہ گیا... اور وہ اپنے
کھنڈر کو اپنے ہی کندھوں پر اٹھائے باہر نکل گیا... گلشن کو ازیں دیتی رہ گئی...
سکوٹر کے پاس پہنچا تو گھر کو یاد آیا، چالی اندر ناشتے کی میز پر ہی
بھول آیا تھا۔ وہ اسی وقت واپس چالی لینے گیا... دیکھا گلشن اسی طرح
ناشتہ سلانے رکھے بیٹھی تھی...

جسپ چاپ... کچھ سوچتی ہوئی... کچھ چائے کی پیالی میں متلافی نظروں
سے نکلتی ہوئی...

قدموں کی چاپ پر اس نے نظریں اٹھائیں... ”شکر ہے تم آگئے...“
”میں چالی لینے آیا ہوں...“

”لے جانا... پر... پر ناشتہ میرے ساتھ ختم کر کے جاؤ...“
”جی نہیں چاہتا...“

”سوچ لو... میرے آخری چند ناشتے ہیں اس گھر میں...“
گلشن کی اس غبت جبری و محض پر اسے ہنسی آگئی... ایک ہلکی سی
بیار جبری چپٹ اس کے سر پر لگانے ہوئے وہ بیٹھ گیا...

بیلی کا بدلہ اچھو وہ اپنی جان ۱۱ پہنے دل سے لینا چاہتا تھا۔ فائدہ کر کے
تو وہ اپنے ہی ساتھ کسی اور انداز سے لے... اس کا ناشتہ گلشن کو کیوں بنائے...

گلشن خوشی خوشی اٹھ کر اس کے لئے دوبارہ ناشتہ، اک گریٹر گم ناشتہ
بنانے لگی...

اسی لمحے آہستہ ہوئی... اور جہاں آرا اندر آگئیں... ”یہ کیوں ہو رہا ہے؟“

گمشدہ نے انتہائی ڈکھ سے ماں کی طرف دیکھا...
ماں تھیں، ان سے باز پرس تو نہ کر سکتی تھی... پر انصاف کی بات تو کہہ
سکتی تھی...

”آپ کو اسے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا...“
”میں سن کر اسے کہہ دیا جو وہ آپ سے ہی باہر ہو گیا۔ ایک تو
نکھڑا، اور پھر اسے اس کا عذر دیکھا ہے؟ اسے تو بوڑھے باپ پر بھی
تیرس نہیں آتا...“

”کیا ترس کر سے آتا جی پر...؟“
”تو کمری کر کے ان کا ہاتھ بٹاسے... یوں آوارہ و لنگھا نہ پھرتے،
آدھی آدھی رات تک...“

”تو کمری کر سے نہ کرے الگ مسئلہ ہے... سہی ہاتھ بٹانے کی بات تو
ابھی دو دن پہلے ہی تو دس ہزار کی رقم...“

”اچھا...“ جہاں آرائے وہیں اس کی بات کاٹ دی...
”تو دس ہزار سر پرناچ رہا ہے... زندگی میں پہلی بار اگر کچھ
لا دیا تو اس کا مطلب ہے ہم بڑے بھلے پر کھانے کے قابل ہی نہیں ہیں۔
اس کی غلط سلط حرکات پر اس کو منع بھی نہ کر س...“

گمشدہ کی طرف داری پر وہ مزید جلال میں آگئیں... ”ماں باپ ہونے
کا حق ہی گنوا بیٹھے ہیں... اکہ دس ہزار روپیہ کی خاطر... لاکھوں خرچ کر
دیئے ہوں گے زندگی میں اس پر...“

حق میں انکے ہونے آنسوؤں کو پیتے ہوئے پھراٹ کر کھڑا ہو گیا...
”ہائے اتنی جی بڑھو وقت اسے بیکاری کے طعنے اس اعانہ میں دیتی
رہا کریں...“

”اس پتھر پر کوئی اثر بھی ہو... کوئی کار کر سکے دکھائے...؟“
اب اس میں انہیں کچھ عیب بھی نہ پادہ نظر آنے لگے تھے... اور
تھائیں بھی... ڈیر آ رہا تھا... ان کا ہونہار اور لائق بیٹا... امریکی ڈگریوں
والا... لاکھوں کی کمائیوں والا...

”یہ کار سے رات کو گیارہ بجے گھر آنا... بتاؤ...؟“
بہت دنوں سے وہ مشن رہا تھا... مہرہ نہ تھا... پر آج بجائے کیا ہوا۔
سارے حوصلے ساتھ چھوڑ گئے...

”ہاں... میں بہت بڑا ہوں... نالائقی ہوں... نکھڑا ہوں... مفت کی
روٹیاں توڑتا ہوں... دنیا کا ہر عیب مجھ میں ہے...“

”عقل! عقل! جوش کی بات کر... کیوں گرم ہو رہے ہو...؟“
گمشدہ نے سوچ بجا ہو کر اسے کہنے لگا... پھر ان کی طرف
نرے موٹا اگرا بھی کہہ نہیں تھا کہ غیر پیر لول اٹھا...
”میں اس ناشتے کا بھو حقدار نہیں... میں دن حق بھو لگا، آکر
کر دیں گا...“

میز پر بڑا سادی لیٹیں، اوجھڑا رہا، دیکھا کہ غیر کپ سے نکل گیا...
”بیکیا کی آپ نے اسی جی...“

غیر سب کچھ سن رہا تھا... مبر جو صد جواب دے گیا... دھپ دھپ پاؤں مارتا واپس اندر آیا... گل کہہ رہی تھی... "آئی جی! عمو بھی ایک دن کچھ بن کے دکھا دے گا... آپ اس کے لئے دعا کریں۔ وہ بنیادی طور پر ایک اچھا انسان ہے آپ اسے دقت تو دیں..."

"گل! تم بری طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش نہ کرو۔" پھر وہ ماں کی طرف گھوما، آنکھوں میں ناراضگی کے علاوہ کچھ عجیب سی سبے بسی اور بچاگئی تھی۔ کچھ غصہ بھی تھا...

جران خون تھا... گرم لہی ہوتا تھا... جوش میں بھی آنا تھا... یوں مختلف قسم کے بہت سارے جذبات و احساسات آپس میں گڈمڈ ہو کر کسی گڑھی ہوئی تصویر کے رنگوں کی طرح اس کے چہرے پر پھیلے تھے۔ بد رنگ ہو کر...

"آئی جی! میں لنگھا ہوں... آوارہ ہوں... نالائقی ہوں آپ سب کے لئے باعثِ بے عزتی ہوں... ذلت و رسوائی ہوں... پھر کچھ کیوں کہیں باہر نہیں بھیج دیا... وہاں کر دیتیں... نکال دیتیں گھر سے... اس ملک سے..." "تو تو کہیں بھیجے جانے کے بھی تامل نہیں تھا... جو اس تامل تھا اسے بھیج دیا..."

ماں کے اس لعنِ طعن کی بہ سہ ڈیر سارے آنسو غیر کی آنکھوں میں آگئے... دل بھی بالبابِ عبد آیا... آنسو بیٹے آسان ہوتے ہیں لیکن بھرا ہوا دل خالی نہ کرتا تو کب ہو جاتا تھا... اور... یہ خوشی کا موقع تھا... اندر کا

وہ غصے کے جوش میں لال شہنہ ہو تیں برسے جلی گئیں... "بس دس ہزار لادیتے تو سر پر چڑھ گئی... زیر کر دیکھا ہے... لاکھوں کمار ہا ہے... اور یہ... اٹھا تا ہے وہ بکثرت مارا سکوتر اور نکل جاتا ہے آوارہ گردی کرنے... ماں ہوں... یہ راہ روی پر تو کون بھی نہیں... منہ سے آواز بھی نہیں نکالتا...

بس دس ہزار ہونٹوں پر چپکا کر بیٹھ جاؤں...
"آئی جی! گلشن نے نرمی سے، جلیبی سے، انہیں ٹنڈا کرنے کا کوشش کی۔
"آپ پریشان نہ ہوں... عمو کہیں آوارگی نہیں کریں... کہاں نیاں ڈھونڈتا ہے... پھر لکھا ہے... بہت اچھا لکھا ہے..."

"فک ڈھونڈتا ہے، لکھتا آؤر ہمارے سروں میں ڈالتا ہے..."
غیر باہر سے ہی تھا... کہیں چلا نہیں گیا تھا۔ جانے کے قابل ہی نہیں رہ گیا تھا۔ اس حالت میں جانا تو ایکسٹنٹ ہی ہوتا تھا...

اور... بھائی آ رہا تھا... خوشی کا موقع تھا۔ رنگ میں جنگ ڈال کر سب کو بے مزہ کر دینا، دوسروں ہی کا خیال کرتے ہوئے کیا ہیں تھا...
ورنہ... اس کا تو دل چاہ رہا تھا، کوئی اتنا بڑا ایکسٹنٹ ہو جائے کہ پھر... اس کا کالامز کوئی اس گھر میں دیکھے ہی نہیں... اس کا کتا ادھیکار وجود پھر اسی گھر میں داخل ہی نہ ہو...

"ہر وقت یہی دعب... کہانیاں لکھا ہے... کہانیاں لکھا ہے... کچھ کرنے والے چپ چاپ کر کے دکھا دیا کرتے ہیں... یوں غور نہیں کیا کرتے۔
برسے کو دیکھا ہے کسی اعزاز سے تعظیم حاصل کی... اور غیر اعلیٰ سے اعلیٰ عزت..."

انتہائی دکھ سے کہا...

”رات بھی میرے آیا... کھانا کھالے بغیر سو گیا... پتہ نہیں آیا
نے کیا کہا تھا... اور اب... ناشتہ بھی اسی طرح چھوڑ کر آگیا...“
”مومنہ! اتنا احساس ہے تو کچھ کرتا کیوں نہیں... زیر کی تو بالکل
خند ہے... وہ آسمان اور یہ زمین...“

”ایسے تو نہ کہیے!“

”چل تو چپ کر... اور اپنے کام سے کام رکھا کر... تمہاری انہی بے جا
طرحیاریوں نے اسے بالکل ہی چوٹ کر چھوڑا ہے...“
”آپ بھی تو بے انصافی کرتی ہیں...“ اس نے ڈرتے ڈرتے پیچ
بات کہہ دی...

”ہم والدین ہی اسے سمجھائیں گے نہیں تو اور کون سمجھائے گا...؟ اس
کے دشمن نہیں ہیں کہ وہ بے ہمارا بھرتا رہے اور ہم روکیں تو کیس نہیں...“
جہاں آقا دوسرے نرم پڑ کر بولیں... اولاد تو وہ بھی تھا...

”میں چاہتی ہوں بڑے جھاتی کے آسنے سے پہلے پہلے نہ بندھن مائے...
بہن جھاتی ایک دوسرے کا غور ہوتے ہیں... اسے تو یہ خوشی حاصل ہے
کہ بڑا جھاتی قابل ہے... امریکہ سے اعلیٰ ڈگری لے کر آیا ہے... بہت
دولت پیسے والا ہے...“

زیر کا ذکر کرتے ہوئے جہاں آرا کی آنکھوں میں اک چمک سی
اُتر آئی...

بارود پھٹ جاتا تو بربادی واقع ہو جاتی... اور بربادی دکھ دیتی ہے،
خوشی نہیں...

”یہ بات نہیں... اس نے غبار نکال دینے میں ہی سب کی حافیت
سمجھی...“

”اس سے آپ کو محبت تھی... اس پر خرچ کیا... میرے لئے آپ خرچ
نہیں کر سکتے تھے... صرف من طعن ہی میرا مفتر ہے...“

”اولاد ایک جیسی ہوتی ہے عمو...! گلشن نے پھر اس کی دلکاری کی۔
”ماں باپ کی نظر میں ایک سی... تم ایسا منت کہو...“

”پھر کیا کہوں...؟ یہ سب کیا ہے...؟ کاغذ! میں خود ہی غل کرنا
اور کہیں چلا جاتا... امریکہ نہ سہی... دہلی وغیرہ ہی... اور روز کی لفظوں

سے بچ جاتا... پھر تو گل! کچھ نہ بھی دیتا تب بھی میری قدر ہوتی... عزت
ہوتی... اک مقام ہوتا... آجکل کے زمانے میں ماں باپ بھی مطلب کے ہیں...“

”دیکھو دیکھو... اس روکے کی زبان کسی چل رہی ہے...؟“
”کتنے داغ چھاپاؤں اندر...؟ کتنے زخموں کی چھین بواشت کروں...؟“

”کتنے...؟“
اور وہ آنکھوں میں آئے دھندلے کرب کے خون رنگ آنسو چھانے

کی خاطر گھر سے ہی نکل گیا...
”اُئی! عمو کے ساتھ آپ کا رویت کچھ ٹھیک نہیں ہوتا...“

میرے کہ جانے کے بعد گلشن نے اس کا ناشتہ اسی طرح پڑا دیکھ کر

طریقہ سلیقہ تیار ہی ہے... ٹھیک ہے... اب محبت بھی کر کے دیکھ لیں گے...
پھر جو چاند چڑھے گا، وہ بھی زمانہ دیکھے گا...
اور گلشن کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ اٹھی...



ماں کے سامنے ادب بولا تھا... بڑی کمزور کی تھی... بہت بدتمیزی کی تھی...
"یہ تو نے کیا کیا عمیر..." وہ پچھتاؤں میں گھرا ہوا تھا اور اس کے اندر
کچھ ٹوٹ پھوٹ رہا تھا...

"اپنی جنت اپنے ہی ہاتھوں مسمار کرنے کی شان لی... شیطاں نے
تہا سے دل میں کیوں ٹیسرا کر لیا عمیر..."
وہ اپنے آپ کا محاسبہ کرنے لگا...

زندگی کی ناکامیوں نے شاید اسے بے تاب کر دیا تھا... جہت و نفع کا
غیر تھا اندر... جسے ہو رہا تھا... آخر اختیار میں ہی نہ رہا...
اندر جو قور قور پھوڑ ہو رہی تھی، بڑی تکلیف دہ تھی... کسی کس جین نہیں
تھا... قرار نہیں تھا...

جس کی خاطر ماں سے دنا جھگڑا کیا تھا، دل کو ٹھٹھلا... وہ نہیں سمجھتا
تھا... وہی جین کی محبت، جوانی کی محبت... دل کے بہت بڑے گوشے
پر قبضہ جاسے بیٹھی مسکرا رہی تھی...

"اور وہ... وہ یہاں آئے گا تو اسے کوئی خوشی حاصل ہوگی... یہاں
کے چلن دیکھ کر کیا دیکھی نہ ہوگا..."

پورا جی جی! کوئی طریقہ بھی بتا رہے کھانے کا... اس طرح تو عمو کے
دل میں بھائی جان کی محبت کی بجائے نفرت پیدا ہوگی... آپ بوں ہر ہر
بات میں ان سے متقابلہ کر سکیں گی تو اسے ان سے چڑھو جاسے گی...
گلشن کی بات شاید ان کے دل کو گئی تھی... کچھ چپ سی ہو گئیں...
"آپ ڈانٹنے ڈپٹنے کی بجائے پیار سے عمو کو سمجھائیں... ناراض نہ ہونے
کی بجائے محبت کریں... اس کا دل ہاتھ میں لیں..."

"پتہ نہیں تم کسی باتیں کرتی ہو۔ ہمارے زمانے میں تو یہی مثال
دی جاتی تھی کہ کھلائے سوسنے کا نزالہ اور دیکھے شیر کی نظر... یہی اصول
ہونا چاہیئے..."

پر اب جہاں آرا کی آواز میں وہ رعب، وہ دہر اور وہ جوش
نہ تھا...

"آجکل کی جو جوان نسل ہے نا... اس کی نفسیات بدل چکی ہے آتی جی!
پہلے والے اصول اور قواعد اس نسل پر پورے نہیں اُترتے... آپ ذرا
اپنے رویے میں چمک پیدا کریں..."

جہاں آرا کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ جاتے جاتے ان کی
مدھم مدھم ہر ہر اہٹ گلشن کی سماعت سے ٹکرائی...

"لو دیکھو ذرا... یہ زمانہ بھی آنا تھا۔ اولاد میں بچہ کی پرورش کا

شرارت سے میرے جھولی پھیلا دی... ذال دواس میں... بہت ترے
نوسے ہیں... بہت تھو کے ہیں...
”حصہ کیا...؟ سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہاری ہی خوشی سے بے امتیاز اور
ہم نے کوڑھیں لگ کی خلاف ورزی کر رکھی ہے...“
”کیا...؟ غیر اور خوشی...“

”ہاں... میرا اور خوشی ہی نہیں، خوش بختی... تم تک کے بہت
بڑے فن کار، ادیب بنتے جا رہے ہو...“
”کیا مطلب...؟“ سکوڑ باز اس کی طرف کھڑا کر کے غیر بددی سے
دکان میں گھس گیا...

”یہ کیا بک رہے ہو...؟“ اس کو کندھوں سے کپڑا کر غیر نے تھوڑا لالہ
”دیکھو مجھ سے مذاق کوئی نہ کرنا... میں پہلے ہی اک شکست خوردہ
انسان ہوں اور اس اندر کی شکست و ریخت نے آج مجھ سے میری ماں
کی بے ادبی کرا دی...“

”پرانیوں میں ایسا ہو جایا کرتا ہے... خدا امان کرے گا...“
جو ادب اس کے چہرے کے سب کچھ بڑھایا تھا...
”ادب... مذاق نہیں ہے... اک پلٹھرے میری بات ہو گئی ہے۔
تمہاری کہانیاں اسے بہت پسند آتی ہیں...“

”جھوٹ...؟“ غیر کو جیسے یقین نہیں آیا... نصیب ایسا یا در تو کبھی
نہیں ہوا تھا...

زیر سے اسے کوئی عناد، کوئی دشمنی نہ تھی... پھر...؟ چہرہ ماں کے
سائے کیوں گرم ہوا تھا...؟
اس سے مقابلہ بھی کیا تھا ناماں نے... غیر ہی کی بہتری کی خاطر...
کیوں وہ اس قدر طیش میں آ گیا...؟

بچپناؤں کا عمل اسے زیر و زبر کے دسے راقا۔ نہ زیر سے دشمنی
تھی اور نہ ماں کی بے ادبی کرنے کا کوئی ارادہ... پھر...؟
”ہاں...“ اسے احساس ہوا... یہ اس کی اپنی زندگی کی ناکامیوں،
نامرادیوں اور بد بختیوں کی الجھن تھی، الجھنلہٹ تھی، ہوا اس طرح ظاہر ہوئی۔
”بہت بڑا ہوا... بہت غلط کیا تم نے میر...؟“

اسی دہخا اور پریشانی میں سڑکوں، بازاروں کے خواہ خواہ ہی چکر
لگاتے لگاتے جلنے کیسے وہ جواد کی دکان پر جا پہنچا... اولاد کوئی نہیں تھا۔
اس وقت ہوش آیا جب جواد نے اسے دیکھ کر خوشی کا نوحہ بند کیا۔
”بہت اچھا ہوا تم آ گئے... میں اس وقت تمہیں ہی یاد کر رہا تھا...“

خوشی کے مارے جواد کی آواز پھٹ رہی تھی... آنکھوں میں سارے
شہر کی روشنیاں اُترتی ہوئی تھیں...
”ارے بچی کی کوڑھیں لگ رہی ہیں آجکل... کپڑے بھاڑ گئے...“
اسے خوش دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چٹک دیکھ کر غیر اپنی ساری
پریشانیوں بھول گیا...

”کیا مل گیا ہے یا میرے...! ان خوشیوں میں کچھ حصہ دوستوں کا تو ہو گا...؟“

تو یہ ہے کہ میں اسی سے بہت خوش ہوں۔ کوئی بیشتر چاہئے بڑا حتیٰ تو ہوا۔
 ہیں تو نام چاہیئے، نام کی اتنی ضرورت نہیں۔“
 بھرے پیٹ دالے کو کب بھوکے کی جھوک کا اندازہ یا احساس ہوتا ہے۔
 ”اے... صرف نام چاہیئے...“ عیبر کے لبوں پر اک طنز پر سی ہنسی چھلکی۔
 مات دل ماں اور باپ سے اسے جو کچھ مننے کو ملتا تھا... وہ... وہ
 تو نام کی بات تھی۔ نام کی بات تو انہوں نے کہیں کی ہی نہیں تھی...
 نام صرف نہ بیر کا چلتا تھا... ایک ہی گھر میں دو قسم کے بیکٹے... جانے
 کیوں... مختلف تالوں...
 ”کیا سوچ رہے ہو...؟“
 ”وہ...“ عیبر چونکا... مسکرایا...
 ”یس سوچ رہا تھا... دام چھوڑ کر نام کے پیچھے جائیں۔ اور ایسا
 نہ ہو نام کاتے کاتے بزم نام چو جائیں... گندے اتلوں اور ٹٹاٹوں سے
 ہی سر کی تواضع نہ ہونے لگے...“ اس جھلک ڈرا نصیب پر سے پرے رہتا ہے نا۔
 دوستی نہیں کر رہا...
 بات کرتے کرتے عیبر خود ہی کمی سوچ کے تھمت اچھل سا پڑا...
 ”ارے بتاؤ! بھائی جان کے نام سے نہ یہ مجموعہ بھپا دوں...“ اچھل اٹکا
 نصیب بھلایا دے...
 ”پھر بلی کے گھر بھی انہیں بھیج دینا...“ جو اسے اس کی حاجت پر دانت
 کچکا تے ہوئے طنز کیا۔

”بھرت کیوں بالکل سچ...“
 ”مگر وہ تک بند ہی تھی ساری کی ساری... اس قابل کب تھا کچھ...“
 ”اب تم کس نفس کو چھوڑو بار! اک فن شناس نے مستقبل کے بڑے
 فن کار کو پہچان لیا ہے...“
 ”ارے جیس...“ مجھ میں کچھ نہیں ہے... کچھ بھی تو نہیں جواد...“
 ”بیر کی آنکھیں خوشی سے، جوش جذبات سے جھلک سی گئیں...
 جواد اس کا کندھا تھپتھپانے لگا... ”ریلیکس۔ ریلیکس میرے بار...!“
 پھر اس نے چائے کی اک پیالی عیبر کے سامنے رکھ دی...
 ”یہ پیو... ذہن کو آسودہ کرو اور پھر تم سے بات کرتا ہوں...“
 ”یہ چتا ہوں... ساتھ ساتھ تم بات کرو... ذہن خود بخود آسودہ
 ہو جائے گا...“
 ”اب تم نارمل ہو... ہاں تو بات یہ ہے کہ تمہارا کہانیوں کا مجموعہ
 چھپے گا اور بڑی دھوم دھام سے چھپے گا... اور شان و شوکت سے
 چھپے گا... پر...“
 وہ کچھ چٹپ سا ہو گیا تو عیبر مضطرب ہوا تھا...
 ”پہ کیا ہوا...؟“ ترسا ترسا کر دے رہے ہو۔ وہ بھی اتنی کجی سے۔
 ”معاذ شہید کچھ کم ہو... لیکن بار! پہلی کاوش ہے... اس کے بعد
 جو کچھ چھپاؤ گے بہت کچھ دے جائے گا...“
 جواد ساتھ ساتھ اسے تسلیاں بھی دیتے جا رہا تھا... ”ویسے یہی بات

”ماٹو کا... پتہ بھی ہے کچھ، یہ سارے پاپڑ کس لئے بیٹے جا رہے ہیں؟“

”سب پتہ ہے۔ پر اپنے مقدر کی بھی شناخت ہے اپنی طرح۔“

”بھی بھی... مرد ہو کر ایسی باتیں...؟“

”کیا کروں پھر... ہر طرف مایوسی کا شہ نہ دیکھنا پڑتا ہے...؟“

”اب سارے بدل رہے ہیں...؟“

”تہا سے منہ میں لکھی شکر...“

”تو پھر تم بھی شہر میں ٹھاکر دو... آجکل میں ہی ساری گڑبیاں سنور

جا رہیں گی... کئی صابروں سے پردہ مستحضر ہو جانے ہیں۔ آج تم ساتھ ہوتے تو

آج ہی یہ کام مکمل ہو جاتا...“

”اس صابروں کے بعد...؟“ غیر کے چہرے پر اب بھی مایوسی کی

تاریکی تھی... جو اد نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا...

”یہ کیلک کا اک رمانتہ سوچا ہے...“

”غیر چونک اٹھا...“ کونسا...؟“

”جی گھر وہ بچیوں کو بڑھاتی ہے... وہاں ماں کو بھیجوں گا...“

”پھر کیا ہو گا...؟“

”اس کا اتہ بہ معلوم کیا جائے گا...“

”فنا لہ جان کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ اپنے مقدر کی غلو کریں مجھے

خود ہی کھانے دو...؟“

”تو پھر خود جا کر اس کا پتہ پوچھ گئے...؟ آپ بھی ذیل ہو گئے اور

اسے بھی بے عزت کر دئے...؟“

”یہ کیا کہہ رہے ہو...؟“

”صاف ظاہر ہے جب کسی جوان لڑکی کے متعلق جوان لڑکے پوچھیں گے

تو غلط سلسلہ ہی جوڑیں اُبھرے گی... یہی لکھا بھی ہے چاری ہزار نام ہو جائے گی۔“

”یار اتم کا ننداری سر کر کے خاصے عقلمند ہو چکے ہو...؟“

”غیر ایک دم ہی جو اد سے متاثر ہو گیا...“

”میں دکانداری کرنے سے پہلے ہی عقلمند تھا... تجھی تو ایک دکان سے

پورا پلازہ بن گیا...“

”جو اد نے سینہ تان کر شہی ماری... میرے زور سے اک ٹکٹا اس کے پیٹ

پر چڑو دیا...“

”یہ پلازا ساری کی ساری تہا ری عقل نہیں ہے اس میں میری ہی قوتی

کی شامل ہے...؟“

”تم تھوڑے سے ہی عقلمند ہوتے تو پھر اور چاہئے کیا تھا... آج تہا

حالات ایسے نہ ہوتے۔؟“

”جو اد نے میرے کان پر مار کر ہلایا...“

”اد کا ٹکٹا کے اتو با عقلمندی کیلنا ہے تو کھائی سے کیلکو... جو دنیا کا عقلمند

انسان ہے... ماں باپ، بہن بھائی، سب سے نامندہ میں ہر قسم کا اٹھا جاتا ہے

اور بچے سے نکال بھی کچھ نہیں... کس طرح ساری جائیداد اس نے ہضم کر لی

اور پھر بھی...؟“

اور وہ سکوڑ شارت کر کے چلتا بنا... جو ادا سے دیکھتا ہی رہ گیا...



وہ صبح بے شمار خوشیاں اور مسرتیں کے کراؤ تھی...
بلنگاتی ہوئی، نئے ترانے نکالتی ہوئی، دلوں میں آجائے پھیلاتی ہوئی،
آس اور امیدوں کی کرنیں روشن کرتی ہوئی... -

موسم کو ٹھنڈا تھا لیکن دلوں کی بہار موسمِ بہار کی طرح فضا اور ساحل کو
پُر بہار بنائے دے رہی تھی...

یوں رنگ، نور اور بہک نے سب کچھ مل کر ساری کائنات کو محروم
کر دیا تھا...

اور یہ محروم کائنات سے اتر کر ان چاروں کے چہروں پر پھیلا بکھرا
ہوا تھا...

ناخستہ کی میز سیڑھی عبور کر اس خوشگوار اور اُستغنی بھری صبح کی نوید
ملی تھی...

"ابھی دو گھنٹوں تک جھان جان آسنے واسے ہیں... نو بجے کے پیس سے..."
گلشن نے حکمتی آنکھوں اور پھر پھڑا تے ہونٹوں کے ساتھ اطلاع دی تھی...

"صبح چار بجے ٹینگر ام آیا تھا... ہم اسی وقت سے جاگ رہے ہیں..."
گلشن نے ناشترہ لگاتے ہوئے تفصیلی اطلاعات فراہم کیں۔ اک اک ہشک

"نہیں نہیں... انہوں نے ایسے نہیں کیا...؟"
"پتہ کرو... آج مجھے بھی دل کا غبار نکال لینے دو..."

جواد نے غیر کو خاموش کرادیا، اور خود جوش میں بولنے لگا۔
"دیکھا وہ نہیں جانتا تھا کہ باپ کی جائیداد میں تم تینوں بہن بھائی معدوم

تھے... پھر اس نے امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کیوں کی...؟"
"وہ آبائی کی اپنی..."

"میں نے کہا نا تم خاموش رہو... جواد نے غیر کی بات کاٹ دی۔
"ویسے تمہارے آبائی کی ہی سہی... مان لیا ایک منٹ کم... پر اسے

تو سارے حق حقوق کا علم تھا... باپ نے محبت میں آکر نہ سچ دی اور وہ
بکوا کر، پتہ بھر کر رخصت ہو گیا... پھر آٹھ سال تک مُردہ کی بجائے نہیں دیکھا۔

اسے نہیں پتہ تھا اب باپ کسے کے قابل ہی نہیں...؟"
"سنا میرے خون کو مت گراؤ، کھولاؤ... میں نے ہیشہ جنتوں کو

ترجیح دی ہے... ہر چیز پر... دولت، جائیداد پر بھی..."
"تجھی یہ حال ہے... پتہ بھی خالی اور..."

"دل بھی خالی... جیب بھی خالی... ہاتھ بھی خالی... ماہر ہی مار کھائی
ہے ہر طرف سے... جندہ لوں کی بھی، جمیٹوں کی بھی... لیکن..."

غیر کے چہرے پر اک ملکوتی سا تبسم تھا...
"میں پھر بھی خوش ہوں... بہت خوش... میرا بھائی آٹھ سال بعد

آ رہا ہے..."

”اب ایسا ویسا کوئی غلط قدم نہ خیال اس کے مستحق دلی میں نہ لے آئیے گا۔
یقیناً کوئی مصلحت ہوگی...“
”ہو سکتا ہے کوئی گاڑی وغیرہ لائے ہوں... بائی شپ... اور اس کی
حفاظت کراچی میں...“

”ہاں... اور بھی سلمان ہوگا... جو پہلے جگ کر دیا ہوگا...“
غیر اور گمشدگی کا خیال انہیں درست لگا... مسکراہٹیں اور گہری ہونٹیں...
”بڑے دل والا ہے میرا بیٹا... بڑے طرقت والا ہے... آٹھ سال کے
ہمارے اشتیاق اور اپنے حقوق و فرائض کو نبھانے کا...“
”اچھا اچھا... خیالی پلاؤ کم ٹیکاؤ... صوبک سے زیادہ کچھ نہیں کھانا اچھا
نہیں ہوتا...“

کالہی صاحب کی بولی گئی بات کا چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا اور آنکھوں
میں شفقت...

آج تو دیر کی وجہ سے میری محبتوں کی بارشوں میں نہایا جا رہا تھا۔
”کاش بھائی جان! آپ دیر نہ آٹھ سالوں بعد آ جایا کریں...“

”ناشرہ جلدی جلدی کریں... گلشن نے وقت کا احساس دلایا، جو
بہت کافی تھا ان کے پاس... لیکن جذباتوں کی وجہ سے کم لگ رہا تھا...“

جہاں آرا کچھ سوچتے ہوئے دھیمی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوں...
”بچے ڈر رہے کٹم بہر کوئی پراہم نہ پڑ جائے... اس نے آٹھ سالوں
کی کسر ہی نکالنا ہیں... اور کٹم والوں کو کیا پتر...“

جب تک غیر کو خبر نہیں کر دیا کرتی تھی، جس میں نہیں پڑتا تھا...
”کراچی کے ٹیلیگرام آیا ہے... یعنی کہ بھائی جان پاکستان پہنچ چکے
ہیں... ہمارے اسٹے قریب ہیں اس وقت...“
”اوہ! بہر کراچی سے کیوں ٹیلیگرام دیا...؟“

غیر نے خوشی بھرے تعجب سے پوچھا... پھر ماں اور باپ کے چہروں
پر اک اک نظر ڈالی... بڑے نرم ظالم ہو رہے تھے... دو دم دردم ہی مسکرائیں
بکھری ہوئی تھیں... آنکھوں میں آنسو کبھی سی چک اتری ہوئی تھی...
”انہوں نے امریکہ سے ہی کیوں نہیں اطلاع دی...؟ میں ان کا استقبال
کونے کراچی جاتا...“

”بات تو غیر ٹھیک کہہ رہا تھا... آج کالہی صاحب اسے نرم نرم
اور مشفق سی لگا ہوں سے تک رہے تھے...“

”کسی کو کراچی جانا چاہیے تھا... آج ہم اسے سوت دیں گے تو کل وہ
بھی ہمیں اس قابل کہے گا...“

”اسے ساری عقابیں پہلے سے ہی ہیں... جہاں آرا کے ہجے میں مانتا
اس مانتا تھی...“

”تکلیف نہ دینے کا خیال ہوگا۔ بڑے احساس والا ہے میرا زبیر...“
”بہر حال... یہ اتنی تکلیف کی بات نہ تھی... کالہی صاحب کسی
سوچ میں ڈوبے ڈوبے الجھ رہے...“

”پتر نہیں کیوں اس نے ایسا کیا...؟“

”کبھی نہیں... کیوں...؟ ہمیشہ اسے اُٹھے ہی بہن دینا... کہیں کچھ
 لگا کر گھر میں نہ لے آئے...“
 جہاں آگ لکھن پر میرے گئیں...
 ”آفران ٹھکوں میں لوگ لوگوں پر کرتے ہی ہیں...“
 ”جہاں آگ لکھن... بیٹی کی بات سمجھو... اس نے ٹھیک کہا ہے... یکدم دھڑم
 کی نوکری کچھ بھی پسند نہیں...“
 کاٹھی صاحب نرمی سے سلیم کو سمجھانے لگے...
 ”انسان کا دل لالچی ہوتا ہے... نظروں کے سامنے دلوں کو لٹکانے
 والی چیزیں نہ ہی آئیں تو اچھا ہے... ایمان ڈالو! دل ہر تے کوئی
 دقت لگتا ہے...؟“
 ”ایمان ڈالو! دل نہ ہوا درجہ کے ٹنگے مر جائیں...“
 ”یہ پریشانی کچھ کہ جو ہوتی ہے نا، کاٹھی صاحب آپ نے اس کا
 مزہ نہیں چکھا...“
 ”اللہ نہ چکھائے... پرانا چاہتا ہوں! بنے رب سے کہ وہ ایمان
 سلامت رکھے... ایسی بھوک کبھی دے بھی تو... ایمان کرو رہو نہ سے پہلے
 موت دے دے...“
 کاٹھی صاحب خوفِ خدا سے لرزنے لگے...
 ”ویسے یہ بھوک فائدہ بھی کسٹم کی لوکری جیسا ہی ہے ایمان مرض ہے۔
 انسان گندگی کھا ہی رہا ہے... اپنے اس فانی جسم کو بچانے کی خاطر...“

”بچے اطلاع دے دیتا...؟ میری کی بات سن کر کاٹھی صاحب متحسنت
 ہو اُٹھے... پھر دوسرے لمحے ان کے چہرے پر غم و غم کی عکاسی سے
 سائے لہرائے گئے...
 ”پر ہم تو کسی قابل بھی نہیں... اطلاع دے بھی دیتا تو کیا کر لیتے۔
 کوئی واقعیت ہی نہیں رکھتے...“
 ”آج اس کے کام تو آتے... پھر اکیلا پریشان ہو رہا ہو گا...“
 جہاں آگ بھی بیک ایک افسردہ ہو گئیں۔ ابھی جو بہار بہار ہو رہی تھی
 اس پر جیسے خزاں نے اپنے پر پھیلا دیئے...
 ”عمیر کسٹم میں ہی نوکری کر لیتا...“
 ناشتہ چھوڑ چھاڑ وہ حسرتوں کا زہر پیئے گئیں...
 ”اچھا ہوا ہے اتنی جی! جو عمو سے کسٹم میں نوکری نہیں کی...“
 لکھن ان کی حسرتوں کے زہر کو بڑی عقل مندی سے اترتے بنانے کی
 کوشش کی...
 ”بھائی جان تو آج پہلی بار آئے ہیں... یہ خواہ مخواہ ہی اپنی عاقبت
 خراب کرتا رہتا، روز بروز...“
 جہاں آگ نے بیٹی کی بات سنی... سوچی... چہرہ بھر پھر بہار ہو گا...
 جان سی پڑ گئی...
 ”اگر تمہیں ایسی کوئی ملازمت ملے بھی، تو کبھی نہ کرنا عمو...!“
 لکھن اسے بزدلوں کی طرح سمجھاتی چلی گئی... ”کبھی نہیں...“

”ہیں مگر کس لئے دوسری ٹوٹ لے آئیں نا تب ٹھیک ہے۔“

”کچھ تو یقینی ہے۔“ کاظمی صاحب کے بندھے بھی سرسرائے۔

”پر تجھے اپنے سے زیادہ عمیر کا کیوں خیال ہے۔“

”اباجی! بے چارے کے پاس اچھا کڑا کوئی نہیں ہے۔“

عرصہ بھرا اس نے جوانے ہی جیوں۔ اور اب تو اسے ضرورت تھی ہے۔

”اک خنجر اور لمبی بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اباجی سے چپا

کر عمیر کو آنکھ مار دی۔“

”کیوں عمو۔۔۔“

وہ چونک کر ٹھوکر اسٹپٹا کر ماں اور باپ کی طرف باری باری دیکھنے

لگا۔۔۔ مگر۔۔۔ شکر کی، کسی نے نہ گلشن کی بات کی نہ طرف تو جدی تھی اور نہ

عمیر کی گڑبڑاہٹ دیکھی تھی۔

وہ تو بس زہری کی آمد کے دل خوش کن نصورات میں ہی ڈوبے ہوئے

تھے۔۔۔ جانے کیا کیا سوچے جا رہے تھے۔۔۔ دونوں کے چہروں پر اولاد کی

مہلت کا نور چمکا رہا تھا۔

”تباہتے نہیں۔۔۔ ضرورت ہے نا۔۔۔“

گلشن نے پھر عمیر کو بھیڑا۔

”بڑے سے بعد چھوٹے کی باری ہے۔۔۔ تیاری لکھنا۔“

”ہمیں جلدی کا کہہ کر اب خود باتیں کرنے لگے گی۔“

”اور سے۔۔۔!۔۔۔ مالہ کی بات کان میں اُتری۔ چوتھی۔۔۔ کھلکھلائی۔“

اللہ اپنا کرم کرے۔۔۔

”اباجی! ہلیز! اس ذکر کو اور اس بحث کو اس وقت ختم کروں۔“

اور جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو جائیں۔۔۔ دیر ہو جائے گی ورنہ۔“

”اور رپورٹ میں بھی جاؤں گی، اپنے کچے کو لینے۔“

جہاں آما کی بات سن کر کاظمی صاحب مسکرائے۔۔۔

”تو کس لئے جانے سے انکار کیا ہے۔۔۔“

”لیکن سب کچھ تو ٹیکسی لینا پڑے گی۔۔۔ یوں جانے آنے کا کرایہ

بچاؤں ساتھ روپے بن جائے گا۔۔۔“

”اور جہاں جانی جان کے ساتھ سامان بہت سارا ہوا۔۔۔“

”وہ تو ہوگا۔۔۔ جہاں آما پر یقین ہیجے میں ہوں۔“

”آٹھ سال کی کمائی، اسی دن کے لئے جمع کر رکھی ہوگی نا۔۔۔ میرا

ذہیر بڑے انصاف والا ہے۔۔۔ مار سے حساب چمکائے گا۔۔۔“

وہ جنہوں میں سرشار، ہسرتوں سے ہمتار، آنکھوں میں امیدوں کے

دب جلائے ہوئے چلی گئیں۔

”اس کے علاوہ ہمیں کی شادی کا بھی علم ہے اسے۔۔۔ ہائے! پتہ نہیں

ہیں کس لئے کیا کیا لایا ہوگا۔۔۔ بہت پیار کیا کرتا تھا اسے۔۔۔ ہمیشہ ہی

کہتا تھا کہ اس کی شادی تو میں کروں گا۔۔۔“

”میرے لئے بھائی جان بے شک کچھ نہ لائیں۔“

گلشن نے ماں کے سہانے سہانے بولنے نصورت میں دھل دھولتے کی۔

”میں تو خوشی کی زیادتی سے پاگل ہی ہو گئی ہوں... زیادہ مل گئی ہے۔“
 ”پھر...؟“ جہاں آرا اٹھتے ہوئے بولیں...
 ”مسک ہے، ایئر پورٹ کون کون جاسے گا...! جاتی بار صرف رکشے سے کام
 چلی جاتا نا... واپسی بہ تونہ بیر خود ہی کچھ نہ کچھ کر لے گا...“
 ”ان کے پاس بیلا یہاں کی کرنسی ہو گئی...؟“
 ”گلشن نے انہیں مطلع کیا... جذبے اسے بھی گرا رہے تھے... پر خود دانی
 کچھ مورتی ہے...“

”اُٹا تو... آٹھ سال سا عرصہ بیت گیا...“

”یہی تو میں کہہ رہی تھی... یہاں سے انتظام کر کے میں... اب سے ان پر
 نہ گہر پڑے... یوں بھی... ہم بھی توان کے کچھ گئے... ہزاروں خرچ کر ڈالا...
 ان کی خبر موجودگی میں ان کے لئے... اور آج... پچاس ساٹھ کے لئے... ان کی
 طرف دیکھیں گے...“

”جہاں آرا تہماری بیٹی تم سے زیادہ عقلمند ہے...“

”کاظمی صاحب، بیٹی کی ساری بڑ بڑا بہت سننے کے بعد بیگم سے غالب ہوئے...
 ”وہ ٹھیک کہہ رہی ہے... آج کا دن ہمیں ہی خرچ کرنا ہوں گے... اسی
 خوشی کے ساتھ، جس طرح ہمیشہ کرتے رہے ہیں...“

”آبا جی! امیرا خیال ہے پانچ سو سو روپیہ جیب میں رکھ لیں... کوئی اور
 بھی ضرورت پڑ سکتی ہے وہاں...“

”جہاں آرا! تمہارے پاس کتنی رقم ہوگی...؟“

”لو... پانچ سات سو بھی نہیں نکل رہے...؟“

”جہاں آرا نے کاظمی صاحب کی بیٹی کے لئے محبتوں، شفقتوں کا مذاق اڑایا...“

”آٹھ سال بعد بیٹا آرا ہے اور باپ...“

”دیکھو دیکھو... اس خوشی کے موقع پر طے بازی کر کے میرا موڑ نہ

خراب کرو... گھر نہیں دیکھا... کیسا چم چم پک رہا ہے... یہ سب اسی کی

خاطر تو ہوا ہے... جیب جھاڑ کر آخری میرے تک لگا دیا اس کے لئے...“

”چلیں اچھا... اب پریشان نہ ہوں... آج کا وقت نبھانے کے لئے

یہ پاس رکھ لیں...“

”جہاں آرا نے خوشگوار ٹوٹا اور خوشگوار مسکراہٹوں کے ساتھ پانچ سو

روپیہ کاظمی صاحب کی جیب میں ڈال دیا...“

”یہ کہاں سے آئے...؟“

”گلشن کی برات کے دن کا خرچہ، کھانے مانے وغیرہ کا، علیحدہ دکھا

ہوا تھا...“

”ارے بھگوان! اس میں سے نہیں نکالنا تھے...“

”مختور سے وقت کی گویات ہے... چند گھنٹوں کی... زیر لگیا تو

بہر بھر ہو جائے گی... سب واپس لکے دوں گی وہاں...“

”پھر تو بیگم! ہم کھانے کا مینو بھی بدل لیں گے...“

”آبا جی! فی الحال اس مینو کے متعلق سوچیں... رکش یا ٹیکسی...“

”نہ رکش نہ ٹیکسی... غیر اٹھ کھڑا ہوا...“

چاہیے۔۔۔ جانے کتنے کس جوں گے۔۔۔؟

”ہاں۔۔۔ جگمگ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔“

کاظمی صاحب نے ان کی تائید کی تو۔۔۔ وہ ایک بار پھر مسئلوں کی بارش میں نہاگیش۔۔۔ عیر پر چڑھتے ہوئے ٹھکے کا ٹیل اُتر گیا۔۔۔

دکانی صاحب! میری باتیں ہمیشہ درست ہوتی ہیں۔۔۔“

مسکراہٹوں اور خوشیوں کے نور سے ان کا چہرہ جگمگ کرنے لگا۔۔۔

”اچھا اچھا۔۔۔ اب ہمیں باتیں نہ کہنے چاہیے یا تیار بھی ہونا ہے۔۔۔“ دکانی

صاحب محبت میں بوسے۔۔۔

”عورتو تو دس منٹ میں آ جا سکتے گا۔۔۔ اس کی پٹھنٹی بڑی تیز ہے۔۔۔“

”آتا ہی! پٹھنٹی سے زیادہ تو ہمارے جذبے ہیں۔۔۔ ہمارا پیار۔۔۔ ہماری

محبت۔۔۔ یہ ہڑول بھلا خالص ہے۔۔۔ اس میں کچرا نہیں ہے۔۔۔ ہمیں نہیں ہٹتا

میں۔۔۔“

”ہاں بیٹی! تو سچ کہہ رہی ہے۔۔۔“

دکانی صاحب کی آنکھیں جھپک جھپک کر خوشی سے، ابروؤں سے اور۔۔۔

اتنی طویل جھرائی کے بعد ہونے والے ملاپ کی آسودگی سے۔۔۔!!!



جہاں آرا حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔۔۔ آٹھ سال پہلے والا

زیر کمان رہ گیا تھا۔۔۔ نہ اس کا سایہ، نہ اس کی پرچائی۔۔۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“ کاظمی صاحب کو غصہ چڑھنے لگا۔۔۔

”ہم میں سے کوئی جی اسے لینے نہیں جائے گا۔۔۔؟“

”سب نہیں گے۔۔۔ گاڑی کا انتظام کیا ہوا ہے۔۔۔؟“

”گجڑی کا۔۔۔ اور تم نے۔۔۔؟“

کاظمی صاحب نے اسے ملوک انکروں سے دیکھا۔۔۔

”تو اسے کسی دوست کی ہے۔۔۔ اس نے خود ہی کہا تھا۔۔۔ بھائی جان

کو لانے کے لئے سے آؤں گا۔۔۔“

”تو تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔۔۔ ہم خواہ کواہ ہی پریشان ہوتے رہے۔۔۔“

جہاں آرا نے غصے سے عیر کو کھوڑا۔۔۔

”اس لڑکے کو تو ہمیں دکھ دینے میں مزہ آتا ہے۔۔۔“

”اچھی جی! شرارت کر رہا تھا۔۔۔“

”یہ شرارت تھی۔۔۔؟“

”چلیں اب بیٹا! اس وقت غصہ نہ کریں۔ اور عمو، تم جاؤ گاڑی

لانے۔۔۔“

عیر سر جھکائے، انکروں جھکائے، سوچوں میں کھو یا چل پڑا۔۔۔

”دیکھو گاڑی چھوڑ نہ ہو۔۔۔ تواد کو کہنا انتظام کرنا ہے تو بڑی گاڑی

کاہرے۔۔۔“

جہاں آرا نے جاتے جاتے اسے پیچھے سے پکارا۔۔۔

”میرا مطلب۔۔۔ بھگ گاڑی بیشک کہیں ہو۔۔۔ اس کی ڈیگی بہت بڑی ہوئی

”آٹھ سال بعد بولا ہے نا... زمان ایک رط ہے...“

”زمان سے زیادہ گرا اثر رکھتی ہے... گلشن جنس کر بولی...“

”جس عمو سکی دے گا... اس کا اردو کا ایم۔ اے کس دن کام آئے گا...“

”عامو! ارے میرے قریب آؤ... واہ! سب کتنا کتنا جوان ہو گیا...“

”اور رگھو! میری سسٹم...“

”کیسا کا لا ہو گیا...“ گلشن نے تہتہ لگا کر زیر کا جہز مکمل کر دیا...“

”آپ کا امریکہ کی یاد دلانے کی خاطر بھائی جان! یہاں اک جشن دیکھنے کو ملتی رہے گی تو شاید دل لگ جائے...“

”زیر گلشن کے اس جوک سے بہت فغوظا ہوا... کتنی ہی دیر منتسار...“

”نگر عونا راض ہو گیا...“

”آئندہ مہنے خود کو جشن وغیرہ کہنا تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہوگا...“

”جیسہ تم خود جیسے کالی دیوی دینے کہتے ہو...“

”وہ تو بیا رے کہتا ہوں... حق جہ پیرا... پر کسی دوسرے کو نہیں کہنے دوں گا...“

”ہمارے کو بھی نہیں...؟“ زیر نے اپنی نگہری اُردو بولی...“

”آپ اس کو کیا کہنا چاہتے ہیں...؟“

”بیک کو ٹیک ہی کہا جاتا ہے... کچھ اور تو نہیں...“

”اور زیر کی اس بات پر عیر کہ غصہ آ گیا...“

”آپ کی آنکھوں میں ابھی رشتوں اور جذلوں کی مینا ٹی نہیں ڈری...“

”کون تپلا، جیسے ہڈیوں پر ماس چڑھا ہوا... رنگت ہکی سانولی سی“

”میل ڈھالی تلوں اور ماس ہی ٹیش خرٹ پہنے ہوئے تھی...“

”گلاب... نظریں اس کے وجود پر جم کر رہ گئیں... لباس تو خیر لوں کی“

”منا فرشت اور راجو نے تبدیل کر دیا تھا... البتہ پرلے ہوئے رنگ رپ کو“

”دیکھ دیکھ کہ حیرت ہو رہی تھی...“

”دھلی دھلی، کھڑی کھڑی سی رنگت! جسم پر چرخی کی ایسی مناسبی“

”تہہ چڑھی ہوئی تھی کہ وہ مارے کا سارا ایک جیسا گداز سا ہو گیا تھا... بڑا“

”پر کشش لگتا تھا...“

”آنکھوں پر نہاہ چنر اور بالوں کا نیا سا شالی اسے ایک بالکل نیا“

”انسان جلستے دے رہا تھا... اوپر سے آہیں کرنے کا انداز...“

”جہاں آرا تو کتنی ہی دیر سینے سے لگا لے کھڑی رہیں تھیں... جی چاہی“

”تھا دل کے کسی تنہا گوشے میں اسے چھپا کر رکھ لیں... کچھ یوں کہ آٹھ سالوں“

”کی جدائی کی کسر نکل جائے...“

”ارے لیبر کا لا پشہ تو آتا... میں تیری آنکھوں میں دیکھوں... ان“

”آٹھ سالوں نے جدائی کے کون کون سے دکھ بھرے مناظر عکس بند کئے ہیں۔“

”کتنے آنسو بہاتے... کتنے موتی لٹ گئے...“

”واہ عام! آپ تو بڑی اچھی اردو لہتا رہے...“

”یہ نام کیا ہوا...؟“ کاظمی صاحب نے زیر کو پیار سے ڈکھا...“

”اردو یہ تمہاری اردو... کچھ بگڑی بگڑی سی لگ رہی ہے...“

عمر بھر کے لئے زبان کو کی... پر قہر بے شمار زیادہ تھا کہ مزید چہرہ نہ رکھیں۔
زبان پر آئی بات جیسں ہی گئی۔

”ہمیں جہاں کے لئے کچھ نہیں لائے...؟“

”دیکھو نہیں...؟ سب کے لئے تحفے لایا ہوں...“

”یعنی کہ...؟ یہ کبھی نہیں عمر و عیار کی ترسیل ہے...؟“

”یہ... اس ایک کبھی میں آخر کیا کیا ہوگا...؟“

جہاں آرا متیجڑ سی ہو کر پوچھنے لگیں، ”سب کا علمی صاحب نے بیگم کو

زبان بند رکھنے کے لئے کندھے سے ٹھونکا مارا...“

”اچھا کیا ہے فضولیات نہیں اٹھا لایا... یہ دی سی مار... یہ

ٹیٹب دیکھا ڈرا اور ایسی ہی الم علم و حیرہ... کوئی چھوٹی چھوٹی قیمتی چیز

لایا ہوگا... اور ہمارے لئے کیش... بہتر ہے بیگم... اور کچھ نہیں قرضی

قرضے گا۔“

”ہاں... یہ تو ٹھیک ہے۔ نمائشی چیزوں سے زیادہ اس دست میں

دکم کی ضرورت ہے۔“

”آپس میں کھسک پھرنے کے بعد وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہو گئے...“

”تو صحیح سلامت، صحت مند رہنے کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا ہے۔“

”یہ ہمارے لئے سب سے بڑا تحفہ ہے...“

جہاں آرا نظروں ہی نظروں میں اس پر سے حد فتنے زبان ہو رہی تھیں۔

”میں نے تیرا ماحول ناظر مانی ہوئی ہے...“

دردن اس بلیک کو بلیک نہ کہتے... واٹس کہتے...“

”میں تمہارے درمیان میں سے گیا ہوا ہوں...“

”پندرہ سال میں جو آٹھ سال مائل ہو گئے ہیں، انہوں نے لگتا ہے

کافی وراڑ میں ڈال دی ہیں...“

عظیم زبیر کے دوتیلے کا بڑے غور سے مطالعہ کر رہا تھا۔

”یہ تم کبھی باتیں کرنے لگے... جہاں آرا نے جہاں برتوں ڈال کر

عمر کو گھوڑا...“

”عمو! میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ بڑے جہاں

کے منہ لگو۔ جاؤ تم جاکر گاڑی میں سامان وغیرہ رکھواؤ...“

”کوئی سامان نام...؟“

”نہار... جو ساتھ لائے ہو...“

”ہرے ساتھ تو میں یہ کہیں ہے صرف... یہ میرے ہاتھ میں...“

”کیا...؟“

”جہاں آرا جو بک پڑیں...“

”میں اتنا سامان لے کر آئے ہو...“

”تو اور... ایک بیٹے کے لئے اتنے کپڑے کافی نہیں کیا۔ مانا...“

”میں مرد ہوں... امریکی مرد... جو لباس کی زیادہ پرواہ نہیں کیا کرتا...“

”امریکی مرد... بس...“

”اور جہاں آرا کہتے کہتے ڈک نہیں کوہاں تیرے

پاکستانی ماں باپ... ہمیں، جہاں چار افراد موجود تھے... ان کا کوئی حق نہ

تھا تم پر۔“

”بیہ ڈاٹراٹے... ہم نے قرض اٹھا رہا ہے... بہت ڈھیر سارے قرض...“
 ”سمجھا دوں گی... پراچی آپ چپ رہیں...“
 ”تم ساؤ فلاور...“ نہیر نے شرارت سے گلشن کو مخاطب کیا...
 ”کوئی نہ ہو...؟ روز یا جیسین یا ڈیری...؟“
 ”میں تو اپنے آپا بھی کے آگن میں کھلا ہوا اک معمولی سا پھول ہوں۔
 نہ میرے پاس گلاب جیسی خوب صورتی ہے، نہ یاسین جیسی رنگت...
 اور... نہ...؟“

”سب کچھ ہے تمہارے پاس گل! سب کچھ...“ غیر ملدی سے بولا...
 ”میری آنکھوں سے تو دیکھو...“
 ”گلاب سے بڑا پیار ہے آجکل...“ نہیر نے اپنی نظروں کی اجنیت
 پر اپنا تھک کا رنگ چڑھانے کی کوشش کی...
 ”آجکل کیا ہوا بھائی جان! یہ رشتہ، میرا اور گل سہ، آجکل والا
 نہیں ہے... ہمیشہ ہمیشہ والا ہے...“
 ”اس کا بھی یہی ہے... وہ جانتا ہے... اور انشا اللہ تم سے زیادہ
 مانے گا...“
 جہاں آسا پھر نہیر کی حایت میں بولیں... میرے نظریں سامنے راستے
 پر جاویں...

راستہ بھرا سی طرح باتیں ہوتی رہیں... کبھی چای بھری، کبھی کوئی
 شرارت بھری، کبھی طنز سے بھری...

”نیاز...؟ وہ کیا ہونا ہے مٹا...؟“
 ”اسے سیدھی طرح کہے افنی کہو... پھر نہیں نیاز کا مطلب بتاؤں گی...“
 ”اچھی! چھیے... تب تک یہیں کھڑی باتیں کرتی رہیں گی...“
 غیر کو گاڑی واپس دینے سے خیال بھی تھا...
 ”گاڑی میں بیٹھیں اور راستے میں کرتی جایئے گا...“
 ”یہ گاڑی غیر نے خریدی ہے...؟ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نہیر
 نے پوچھا...

”کیا...؟ گاڑی خریدنے کا اور وہ بھی عمو...؟“
 جہاں آرانے کچھ سیٹ پر بیٹھ کر اک طنز پر سا تعجب لگایا...
 ”ابھی تک اک پیسے کی کمائی نہیں کی اور گاڑی خریدنے کا...“
 ”پھر یہ کس کا گاڑی ہے...؟“
 نہیر نے اندر باہر گاڑی کو تعبدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا...
 ”میرے دوست کی...“ نہیر نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی
 شرارت کی...
 ”اچھی ہے... بالکل ہے آواز مٹا ڈنگ... میں تو کہتا ہوں اس سے
 بات کرو... اگر سب کچھ رہا ہو تو خرید لو...“

”عمو! گاڑی خرید کر دے گا...“ چہچہے بیٹھیں جہاں آرانے کاظمی
 صاحب کو گنتی ماری... گاؤں میں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی...
 ”بیوقوفی کرے گا... تم جانتے ہی اسے سمجھا... یوں اتوں تلوں میں



زیر پرچا نامک ہی آگیا تھا... وہ ڈیپارون پہلے، صبح دن، وقت کی اطلاع دی ہوئی، اس کے لئے کوئی تردد کیا جاتا... کوئی خاص اہتمام ہوتا... بھی بولائے بولائے سے چر رہے تھے... عیسائی بازار چلا گیا تھا۔ ٹھکانے وغیرہ لانے... نگلش جلدی جلدی چائے تیار کر رہی تھی... کانٹنی صاحب کو کچھ سوجھ بوجھ ہی نہیں رہا تھا، بے چین سے اندر باہر پھر رہے تھے...

”دو تین دن پہلے اطلاع دیتے... ہم کچھ کرتے... کس اور انداز میں نہارا اٹھتا... کچھ زیادہ لوگ ہوتے... ہارشا رڈالتے... پتہ چلتا رہتا رہتا ہے کوئی آیا ہے...“

وہ بڑبڑاتے جا رہے تھے... بچے میں بے شمار حسرتیں تھیں... ”اور اب ہم کچھ کر ہی نہیں سکے... یہ کوئی آنا ہوا... اپنی سرت سلب اس طرح آتے ہیں... کوئی ارمان بھی تو پورا نہ کیا جاسکا...“ کانٹنی صاحب کی بڑبڑاہٹ زبیر نے سن لی تھی... اپنی اپنی قدروں اور عزتوں سے خوش ہیں تھا... غلطو بھی ہو رہا تھا...

”اس بار تو جو ہونا تھا ہو گیا... اب جب پچھراٹھ سال بعد آؤں گا تو آٹھ دن پہلے اطلاع دوں گا... پھر دیکھیں گا آپ کیا کرتے ہیں...“

کانٹنی صاحب خاموش تھے... جہاں آرائز ہیر کی طرح نداری کئے جا رہی تھیں... عیسائی کوئی مذاق کرتا، وہ اسے ڈانٹ دیتیں... تب وہ چُپ ہو گیا...

پھر... خوش بہشت تھا بھائی کے آنے سے... جیسے اس میں توانائی سی آگئی تھی... وہ بچے اکس کزور انسان تھا، بھائی باز رہتا ہے، اسے مضبوط سہارا مل گیا تھا...

بھائی سستے کرنے، اسے منانے اور رکھنے کو بہت ساسی باتیں چوچ لی تھیں...

بے شمار خواہشات تھیں، جو قفسہ پڑی تھیں، کچھ مجبوریوں اور لاچاروں کے تحت کانٹنی صاحب پوری نہیں کر سکے تھے... وہ اس نے زبیر کے کھانے میں کھد دی تھیں...

برائے بھائی باپ سامان ہوتے ہیں... یقیناً... وہ ایسا ہی ثابت ہوگا... کیا ہوا جوان میں آٹھ سالوں کا خالصہ عامل ہو گیا تھا...

جب بچپن سے اترتے ہی وہ آپس میں ہنگامے ہوتے تھے تو سارے قاصدے مٹ گئے تھے... ہزار سال کے بھی ہوتے تو اسی طرح مٹ جاتے... یہ خون کے رشتے ہوتے ہی ایسے ہیں... برسوں کے فاصلے، میلوں کے فاصلے، منٹوں ہیں بلکہ چند لمحوں میں پاٹے جاتے ہیں...

زیر بڑے لاڑ ہیں باپ سے کہہ رہا تھا... اسی لمحے میرا پس آگیا۔
آئے آئے بھائی کی بات سن لی تھی... دل بے حد دکھ گیا... ابھی کوئی کسراتی
تھی... نہ غم دینے کی...

ایا جی اگر کچھ کہہ رہے تھے تو پدری شفقت کے جذبوں کے ہاتھوں
مجموعہ ہو کر... پر بھائی جان سے کیا لگی محسوس کی...؟

اپنا آپ خاک سیاہ کر ڈالا والدین نے، اور یہ ابھی لگی یا رات نے
کی بات کر رہے تھے، اور وہ بھی آٹھ سال بعد...

ماں اور باپ کے چہروں کے تاثرات دیکھتے ہوئے میرے بھائی کی
بات مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی...

ہاں بے ضرور آٹھ کا پہاڑہ بیڑنا ہے... دویں کا آپ کو یاد نہیں ہے؟
زیر بننے لگا... "مولا تو بڑے مزے کے چوک کرتا ہے..."

"اسے محض چوک ہی نہ کہنا بیٹا! یہ آٹھ سال آٹھ صدیوں کی طرح مرنے
کاٹے ہیں..."

کالنجی صاحب کی آواز میں غیب سا ارتعاش تھا...

جیسے لگوں ان کے ہاتھ بھی پکپکانے لگے تھے۔ جیسے ایک دم ان کی
مٹکائی سال بڑھ گئی تھی۔ بہت ضعیف اور تھکے ہوئے سے نظر آنے لگے تھے۔

باپ کی حالت دیکھتے ہوئے میرے اس موضوع کو بدل دینا ہی
مناسب جانا...

"پھر... ہمارے بھائی جان ہمارے لئے کیا لائے ہیں..."

وہ کبھی ایسی بات نہ کرتا... کچھ لینے کی... وہ تو محض گفتگو کا موضوع بدلتا
مقصود تھا... تب اور کچھ سوچتا ہی نہیں...

ویسے وہ اتنا جانتا تھا کہ جو لینے والا ہوتا ہے اور سنے کے بھول جانے
والا ہوتا ہے اس کے پاس کسی کو کچھ دینے والا دل نہیں ہوتا... پر یہ تو
اس کا بھائی تھا... سگا بھائی...

زیر صوفے پر نیم دراز تھا... غیر کی بات سننے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا...
"عالمو! میرا بچس تو لانا..."

"بھائی کو کچھ دیر آرام تو کر لینے دیتے، اس نے کہیں بھاگ تو نہیں
جانا تھا..."

ماں کی بات پر میرا شرمندہ سا ہو گیا مگر کمرے میں داخل ہوتی گلشن
کے سکراپٹوں پر سے فقرے سے اسے کچھ سمجھا لادے دیا...

ایک پتہ... اتنی مشکل سے ہاتھ آئے ہیں...
چائے کی طرائی کاٹھی صاحب اور جہاں آرا کے سامنے کھڑی کرتے ہوئے
وہ خود آگے بڑھ گئی...

"ویسے بھی نیک کام جلد ہو جانا چاہیے..."
اور زیر کے سامنے نیچے دوڑا تو بیٹھنے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ پھیلا
دیا...

"جہاں آرا کو اس کی یہ بے تکلفی اچھی لگی..."
"کوئی بات نہیں ماما..." زیر نے جیسے انتہائی فرائضی کا ثبوت دیا...

”اسی کی تو ساری برکتیں ہیں...“

”محمد! دیکھا... سب ہماری برکتیں ہیں... یہاں بھی وہاں بھی...“

”تو میں نے کبھی انکار کیا ہے...؟ میں تو خود ماتا ہوں، بہن کے حقوق

مان باپ کے حقوق... پر... مجبور یوں نے ہاتھ رکھا ہے...“

”وہ بے حد دکھی ہو گیا...“ اور کچھ قسمت بھی ساتھ تھیں دسے رہی...“

”اوسے اوسے! آج یہ منہ تھوکتا ہے کا موقع نہیں ہے... وہ دیکھ

بھائی جان نے مجھ کو... تم بھی بننے کے لئے منہ کھول دو...“

”مہی...؟“ زبیر نے ماں کو غمی طلب کیا... بدلنے کیا کہنے لگا تھا۔ کالنی

صاحب نے اس کی بات کاٹنے پونے اسے ٹوکا...“

”زبیر! تم ماں کو اٹھی کیوں نہیں کہتے...؟“

”عادت نہیں رہی ڈیڑھ...“

”ڈیڑھ...“ کالنی صاحب پھر جو کہے۔ مگر زبیر نے توجہ ہی نہیں دی...“

”دراصل وہاں لڑا کی مدد کو مکتوں ہوں نا... تو... عادت سی پڑ

گئی ہے...“

”لو!... لڑا کون...؟“ سبھی نے چونک کر، گڑبڑا کر پوچھا۔ لڑا کون

میں شکوک سے لہراتے...“

”وہ... وہ...“ سب کے چونکنے پر زبیر سٹپٹا گیا...“

”میری لینیڈ لیڈی ہے...“ پھر جلدی سے بولا...“

”مگر آپ کا تو وہاں اپنا گھر ہے...؟“

”ہاں ہاں... پہلے حق نا... ہم لوگ ملتے رہتے ہیں اب بھی...“

”اے... اچھا...“ جہاں آرائے اطمینان کا مناسیلا...“

”میں کبھی تھی...؟“

”ہاں ہاں... کوئی گرلی فریڈ کھلی ہوگی...“ کالنی صاحب مسکراتے

ہرے جلدی سے بولے...“

”لیکن جہاں آرا... نگم! زبیر میرا بیٹا ہے... یہ زندگی میں کبھی کوئی غلط

حرکت نہیں کرے گا... انشا اللہ...“

”ہاں... جی ہاں...“ زبیر نے نور زور سے سر ہلایا... جنس کروں گا۔“

”بھائی جان! یہ یقیناً بعد میں دلا تے دہنے گا۔ پہلے ہمیں تو غلام کر لیں؟“

گھٹن اپنا تحفہ لینے کے لئے بڑی بے چین ہو رہی تھی... تجسس کے مارے،

اشتیاق کے مارے اور بڑے بھائی کے دلی میں اپنا مقام اور پیار دیکھنے

کے مارے...“

”یہ لڑکی بڑی کمین ہے...“ عہد کو گل کی بھرپوری ایک آنکھ بھائی...“

خود بھی خود دلا نشان تھا اور اپنی بے حد پیاری بہن سے بھی کچھ ایسے

ہی اعلیٰ اور مضبوط کردار کی توقع رکھتا تھا...“

”کمین نہیں ہے... محبت کرتی ہے پورے غلوں کے ساتھ، اور اپنی محبت

کا حق مانگتی ہے... تم نے کچھلے آٹھ سالوں میں مجھے آٹھ عیدیاں دی ہیں نا

اور آٹھ ہی میری سالگرہوں کے تھانف...“

”ہاں... دیشے ہیں...“

آخر میں وہ جلد آواز میں کہنے لگی...

"اور اب... لایسنے میری آٹھ سالوں کی عیدی... آٹھ ساگر ہوں کے تحفے اور باقی... امریکہ سے آئے کا حساب ملے گا..."

"اوسے... زبیر اک دلاؤ نرسے منہم کے ساتھ بولا..."

"مجھے تو ذکیت پڑ گئے..."

"ذکیت کیجئے یا چور لیٹر سے... یہ تو اب آپ پر فرض ہے اور فرض اتنا فرض ہوتا ہے..."

"لو بھئی لو... زبیر نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہم سارے حسابات تمہارے ایک تحفے میں ہی پورے کے دیتے ہیں..."

زبیر کی اس بات پر سب کی تجسس بھری نظروں اس کے ہاتھوں پر جم گئیں جو ابھی کس کے اندر ہی تھے...

"لیکن نہیں... غصہ... اوپر سے شروع کروں یا نیچے سے..."

"نیچے سے..." کھانگی صاحب اس کا مطلب سمجھتے ہوئے جلدی سے بولے۔

"ہم جو اوپر والے ہیں... بڑے ہیں... اور ہمارے تمہارے تو صاحب تمہاں بھی بڑے ہوں گے... ان تحفوں کا نصف تک بات نہیں رہے گی..."

"کیا مطلب...؟" زبیر نے جرح کرتے ہوئے باب کو دیکھا...

"کچھ نہیں... انہیں تو یوں ہی بلا دیا جی بولنے کی عادت ہے..."

جہاں آسانے کھانگی صاحب کو ٹھونکنا بھی دیا... نگاہ سے بھی گھورا...

ہولے سے بڑبڑا رہی تھی... کہ صرف وہی سن سکیں...

"تو یہ تم سے بڑے ہیں... اور پھر کھاتے بھی رہے ہیں، ان پر بہت زیادہ میرا حق بنتا ہے... ڈیڑھ ہے ان پر بہت کچھ..."

"اوسے میں نے تمہیں کیا دینا تھا... تمہارے اک عزیز سب سے بھائی نے... درندہ... دل میں ارمان تو بہت تھے... تمہاری جھولیاں بھر دینے کی حسرت رکھتا تھا..."

"بس ہو گئی... فقرے باری شروع... اس کے پاس تو یہی کچھ ہے..."

"ہاں اتنی جی نہیں... عمو نے ہمیشہ میرا خیال رکھا ہے... صرف فقرے بازی نہیں... اس کے جذبات کی کچھ قدر ہے..."

پھر وہ زبیر کے قریب ہو کر سرگوشی میں اسے بتانے لگی...

"بھائی جان! اس عمو کی حبیب خانی بھی ہوتی تھی تو یہ ایک میری ساگر کا گھر، کوئی چھوٹا موٹا ہی اور ایک عیدی، کہیں نہ کہیں سے لاکر مجھے حوروں کا کرتا تھا... ایک بار تو..."

اس نے رخ موڑ کر ماں اور باپ کو دیکھا... اس کی تو نہیں سن ہے تھے... ہاں مگر وہ آپس میں خوشگوشی کرتے... گلشن ملتی ہو کر اسی راز داری سے پھرتا رہے گی...

"یہ مگر پورا ایک مہینہ اخبار پتہ پڑا تھا... کسی کو بتایے گا نہیں..."

اتنی جی اور اتنی جی کی عزت کا سوال... کچھ میری ایک سہیلی سے معلوم ہوا تھا... اس طرح اس نے میرا ارمان پورا کرنے کی کوشش کی ہوئی ہے... اتنے بڑے دل والا ہے... اور اتنی محبت مجھ سے کرتا ہے..."

ہر ایک نے اسے دیکھنے کے لئے بے تابی کا اظہار کیا... مگر جہاں آداب سے زیادہ بے تاب تھیں... گلشن نے ڈیرا کھولی... میرا اس کے پاس آن کھڑا ہوا... دل کی شکل کا ایک چھوٹا سا لاکٹ تھا اور درمیان میں پیٹھ کے دانے جتنا موٹا سیرا لگا تھا... چم چم چمیں مار رہا تھا... گلشن اسے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی...

شاید اپنی ہمت کے ساتھ اس کی قیمت کا موازنہ کر بیٹھی تھی... میرے ہاتھ بڑھا کر ڈیرا اس کے ہاتھ سے لے لی... اس سے پہلے کر بے قیمت اور کمتری کا احساس زیادہ ہو جائے غیرتے سوچا، وہ اس کی پیسے سے کہیں زیادہ قیمتی زندگی کا اسے احساس دلادے گا...

کچھ کہہ کر، کوئی جذبے کی بات، کوئی محبت بھری، شوخی بھری، مذاق بھری... مگر... میری نظروں اس پر جم کر رہ گئیں، اور زبان پر تالے سے پڑ گئیں...

ایسے لاکٹ، اتنے ہی بڑے ہیروے والے، اور اسی طرح جگمگانے، کرنی سی بکھرتے ہیروے والے لاکٹ، اس نے میری دکان میں دیکھے تھے... باہر کا مال تھا... ایمینیشن... نقل و حرکت اصل...

جن عورتوں کے پاس ہیروں کے زیورات تھے، ہونے اور وہ نود و نائش کی شو تھیں ہوتی ہیں، وہ کفریات کے لئے، شادی بیاہ کے لئے خریدے جاتی ہیں...

میر نے اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھے تھے... بالکل ایسے... یہ دل کی شکل کا

”بچہ کیا کہے گا... محبت نہیں تھی... لالچ تھا صرف جو بلا رہے تھے...“
کاظمی صاحبہ خاموش ہو کر، سہم کر بیٹھ گئیں... میرا ان کی کھسک نہیں رہا تھا... پاس جو بیٹھا تھا، بالکل ان کے دیکھے... دل ایک دم لکھی ہوئی... کتنے عجوبہ اور لاچار تھے...

جب سے زیر کیا تھا، اس کے انداز بھی بغور دیکھ رہا تھا... صورت بدل گئی تھی تو باقی سب کچھ بھی خاصا میل ملا ہوا تھا... ماں باپ تو محبت کی آنکھ کے علاوہ کوئی دوسری دوسری آنکھ رکھتے ہی نہ تھے...

مگر... زیر کی نظروں وہ نظروں نہ تھیں... اس کی جھٹوں کی آنکھ میل سی دکھائی دے رہی تھی... نہ وہ پہلے جیسی گر جوشی تھی، نہ وہ اٹھ سالوں بعد ملنے والے ارمان و دوسے... کچھ ٹھٹھے ٹھٹھے سے انداز تھے...

”یہ... سب سے پہلے میری چھوٹی سید باری سی ہیں کے لئے خلوص باہر محبتوں بھرا تحفہ...“

زیر نے الفاظ کے نہر سے رد پہلے اور اراق کی پگنگ میں ایک ڈیرا پیش کی...

”اس لاکٹ میں اصلی میرا جڑا ہے...“

”اصل میرا...؟“

پھر... وہاں موجود ہر اکھ میں جیسے اسی ہیروے کی کئی چکنے لگی...

”دکھاؤ گل...!“

”پہلے مجھے دکھاؤ...“

”کوش، بھائی جان! آپ اسے کچھ بھی نہ دیتے۔ کچھ نہ لاسکتے کا کوئی بہانہ پیش کر دیتے۔ مگر خون کے رشتے کی محبت اور حقیقت کو یوں دھوا نہ کر سکتے...“

”ارے دکھاؤ نا مجھے... جہاں آسانے بے تابلی بھری دانٹ سے کہا تو وہ جو نکا...“

گھنٹی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ڈبیا ماں کو تھما دی... بھولی بھالی ماں تو پہلے ہی بیٹے کی ہر حرکت، ہر انداز، چوڑے سے چھوٹے منہ سے نکالے ہوئے لفظ کو، ہیروں سے تولی رہی تھیں... ان ہیروں سے جوان کے اپنے جذلوں نے ترانے تھے...

اور یہ... یہ تو کمال کر دیا تھا زبیر نے... اصلی میرے کا لاکٹ پہن کے لئے آئے آئے تھا... اس کی محبت بڑی ارفع و اعلیٰ تھی۔ وہ اکس حیرت میں عظمت کے آخری آسمان پر جا بیٹھا تھا... محبت کے فن میں کمال حاصل کر کے تحت نشین ہو گیا تھا...

”بھائی، ہو تو ایسا...“ جہاں آرا واہ واہ کر رہی تھیں... بیٹے کی تعریف و ستائش میں بہت سارے مکالمے بول کر اٹھے تھے...

”ارے بھی کیا ہو گیا؟“ کانٹلی صاحبہ نے بیٹے کے سر سے اس احسان کے پہاڑ کا بوجھ ہٹانے کے لئے کہا...

”اسنے بوجھا بھائی تھا تو دیا ہے نا... وہ بھی بڑے سے حق ادا کرنا دیکھے...“

نخا... جو اد کے پاس اور بھی ڈیزائن تھے... بیضوی... چکرور... گول... ہر شکل پر خوبصورت لگتے تھے...

اس ساری مارکیٹ میں جو اد کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ تھے... کیونکہ وہ یہ مال کراچی سے منگواتا تھا... اس کا دوست تھا، جو اسورٹ کرتا تھا...

”اوہ...“ بکا ایک عمیر چونک پڑا... ”تجھی نہ بیر براتہ کراچی آیا تھا... وہاں سے اس نے گھر والوں کے لئے شاپنگ کی تھی...“

”مورو پنے کا ہنگا نہیں ہے...“ عمیر کو قیمت بھی یاد تھی... جب ایک انتہائی فیشن اہل عورت اپنے ساتھ آئے والی کو سمجھا رہی تھی...

”موٹا لگ ہے... بالکل میرے جیسا... اور اصل میں قیمت ہی ہوتا بھی اسی سا تذکا ہے...“ بیگم جاوید نے جو پہنا ہوا تھا نا... اس کی قیمت بیس ہزار تیار ہی تھیں...

”تو پھرے لوں...“ بالکل، فورین جائیں گے تمہارے... بونٹکف کہہ دینا، صبا کو کرہیں بائیس میں خرید رہے...

جواوادر عمیر بڑی دیر عورتوں کی ذہنیت پر ہنستے رہے تھے... اور اس وقت انہی تو بڑی ڈور کی بات تھی عمیر کو تو بے حد رونا آ رہا تھا...

بے شمار دکھ اس کے اندر اتر گئے تھے...!

اس کے بھائی نے... ماں جانے نے... خون کا اصلی رشتہ رکھنے والے سنے، اپنی گل پہن کی یہ قیمت لگائی تھی...؟

ہوا انھیں...

”واہ میری بھولی بھالی ماں... میرے کو ماں پر بڑا ترس آیا گھوٹا مغز ہوا۔“
اس کا مقام، اس کی حیثیت بولنے والی نہ تھی... اس کی تو زبان کٹ
چکی تھی... اس نے باقاعدہ نوکری کی ہوتی... ہر مہینے بہت کچھ کمایا ہوتا...
گھر لاکر دیتا نہ دیتا، وہ دوسری بات تھی... مگر۔ اب اس کے پاس بولنے
کا حق نہ تھا...

”تم کچھ نہیں بولیں فلاں دگا مڈن...“ زبیر بڑی ڈھٹائی سے گلشن
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا...
”آسنے کے وقت آپ نے مجھے یاد رکھا، مجھے تو اسی کی بہت ندر ہے
بھائی جان...“

گلشن کے اس دوسرے سے جواب کی زبیر کو تو شاید کچھ نہیں آئی تھی لیکن
عمر سمجھ گیا تھا کہ... وہ بھی کچھ چکی تھی... بڑی جھلند لڑکی تھی... اگر جڈوں اور
عمیوں کی پہچان رکھتی تھی تو پتھروں کی بھی اسے پہچان تھی... ہر قسم کے پتھر کی...
عمر نے غور سے دیکھا... گلشن کی ہیرے جیسی آنکھ کا پتھر چمک اٹھا تھا۔
عجیب قسم کی بیگی بیگی چمک تھی... زبیر اور جہاں آرا تو جڈوں کی چمک بکھر
رہے تھے۔ مگر عمر کو یقین تھا کہ اس کے اندر ہی اندر ڈکھ کی برکھا برس گئی
تھی... بڑی مرسلا دعا برسی تھی... تبھی تو... وہ نظر میں جھلک اٹھا کہ سب سے
آنکھیں پڑانے کی کوشش کر رہی تھی...

”یہ اپنی شادی میں ساتھ سے جانا... شادی کا بھن تھنہ ہیں بکھر...“

”مذاق ہی ابلتیر، ایسی حق ادائی مجھے نہ سکھائیے...“ میرے سوچتے
ہوئے زبیر کی طرف دیکھا...

وہ آٹھ سال غیر جانک اور اجنبی دسیوں کے سرد موسم چکتا رہا تھا۔ اس
کے اندر ٹھنڈا ک ہی ٹھنڈا ک تھی... آٹھ سال کی ٹھنڈک... جڈوں کی گرجی
کہاں سے لاتا...؟

اسے جہاں آسنے جتنا دقت ہوا تھا، اتنے میں ماں اور بہن کی گرجیوں
سے برف کی کوئی ایک آدھ تہہ ہی پگھل سکتی تھی... مگر مولیٰ مولیٰ آٹھ سلیں
کیسے ایک دم پانی ہو جاتی... اس کے لئے تو بڑا عرصہ دیکھا تھا...
وہ بڑے غمزہ اور عصمتوں کے غور میں ڈوبا اپنی ٹوٹلیں سن رہا تھا...
اور خوش ہو رہا تھا...

”کتنی لاگت ہوگی بیٹے اس ہیرے کی...“ بہت عرصے اور وہ ہنسی پیش کرنے
کے بعد جہاں آرنے اسی جذباتی لہجے میں پوچھا...
”مما! تجھے کیا قیمت ہمیں پوچھا کرتے...“

”پر بھائی جان...! اتنی ہی گھٹے چکی نہیں، اس میں رنگے ہیرے کی قیمت
پوچھ رہی ہیں...“

”جو ایک بھائی نہیں کو دے، وہ انمول ہوتا ہے...“

زبیر کہوں تو اپنی زبان بھولی ہوئی تھی... مگر الفاظ کے ہیرے ہیرے
اب بھی واقعیت تھی... بکھر شلہ پہلے سے زیادہ جھلکی تھی... جہاں آرا جس
طرح اس ہیرے کے تھنے پر اتھل پھل ہوئی تھیں، اسی طرح زبیر کے جواب سے

اس کی نظریں یہی کہہ رہی تھیں... لیکن زبان پر چپ کے تائے پڑ گئے تھے... اور چہرے پر سے جیسے کسی نے ساری خوشی توچ کر لی تھی...
 ”اور یہ مائی ہی موم کے لئے... ہیرے والی...“
 ورسا ہی، میرا اس میں بھی جڑا تھا... یکا یک عید کی نظر گلشن کی طرف اٹھ گئی... چند لمبے مددوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ٹپکتے رہے پھر...
 اک تلخ سی، دکھوں سے بھری ہوئی ایک مسکراہٹ، ایک جیسی مسکراہٹ مددوں کے لبوں پر رقص کر اٹھی...
 مددوں کو وہ دن یاد آ گیا تھا... ”موا تم نے اپنے کوئی کپڑے نہیں بنوائے...“

”بنوائوں گا...“ عید نے فطرتی لایرواہی کا اظہار کیا...
 ”اچھا... تم سوچ رہے ہو گے کہ بھائی جان تمہارے لئے سو بیڑا، قیص، تیلو میں اور جینیز وغیرہ ملے آئیں گے... امریکہ کی بنی ہوئی میں... خوب قیمتی قیمتی...“

”نہیں... یہ بات نہیں...“ وہ مائی بد حالی کا شکا کرتا تھا... یہ بہن کو بتا ہی نہ سکا... دیکھی ہوئے کے علاوہ اور بیچاری نے کیا کرنا تھا...
 ”چلو کوئی بھی وجہ ہو... میں نہیں پوچھتی... پراچھا کیا... اب بنوانا میں نہیں... آٹھ سالوں بعد ہمارا لاکھوں کی کمائیوں والا بھائی آئے گا تو کیا... اپنے بھائی کے لئے کچھ کمزور سے بھی نہ بھائی جان لائیں گے...؟“
 ”مجھے تو یقین ہے... اس کے لئے گاڑی وغیرہ آئے گی...“ جہاں آرا

زیر نے دوسرا لٹھا مارا...
 ”بہت شکریہ بھائی جان! آپ نے تو گزری ہوئی، آنے والی بہت ساری زندگیوں کے تحفے تو ایک بار ہی دے ڈالے... میرے پاس تو اتنی زبانیں بھی نہیں کہ سارے شکریے ادا کر سکوں...“
 ”عمر و حیات کی زندگی میں اور کیا کچھ ہے...؟ غیرے گلشن کو اس تحفے کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے بات بدلی... نکالیں مائی باقی چیزیں بھی...؟“
 زیر نے پھر بھی کھولا اور اندر بھاگنے لگا... چیزیں ادھر ادھر کر کے کچھ تلاش کرنے لگا...
 ”چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے... گلشن اپنا انداز دنا باب ٹخنہ لے کر ٹھنڈی ہو چکی تھی، چائے کی طرف متوجہ ہو گئی...
 ”یہ ایک دم اس کمرے میں سردی کیوں آ کر آئی ہے... چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی اور تم بھی...“
 گلشن نے عید کی طرف دیکھا... ہلکی ہلکی مسکراہٹ لبوں پر بھرائی...
 ”نصیب کی طرح...“

”ارے کیا ہوا تمہارے نصیب کو... احسان فراموشی ابھی نہیں ہوتی...“
 ”مائے اچھی جی! میں نے کب ایسا کچھ کہا... ٹھنڈا موسم بھی تو اچھا ہوتا ہے... میں نے تو اپنے مقدر کی تعریف کی ہے...“
 وہ بڑبڑائی... عید نے اس کا شہ نہ چسکا... ڈھارس بندھانے کے انداز میں...
 ”کب تک اس طرح شانے پھینکتے رہو گے موا! تم خود اک مجبور و لاپرواہ شخص ہو“

”علاحدہ ان بیروں کے قابل ہم ہیں نہیں... نہ بیروں جیسے ہیں...“
پتھروں کو بیروں سے گولا ہے... بڑی تندہ افزائی کی ہے...“ غیر نے مذاق
میں کہا...“

”میری نظروں سے پوچھو یا...“
”وہ تو آپ کے سلوک سے پتہ چل گیا... کہ...“ آپ کی نظروں میں ہماری
کیا قیمت ہے...“

”فریبر چونکا تھا...“ فریبر نے نگاہ نہیں ملائی...
”اٹھی جی اور آبا جی سے ملے کیا کیا ہے...“
”ان سے تو میں بول گیا... میرے بزرگ ہیں... میں انہیں دسے کران
کی بے ادبی تو نہیں کر سکتا...“

جب آراء کی بات کو بیٹھ کا جواب نہائی نہان کر گیا...
”میں ددل گی...“ اس میں... بڑا قیمتی تحفہ دوں گی... اسی ہفتے...“
”کیا...؟“ یہ آئی کیا کہہ رہی ہیں...“ فریبر نے غیر سے پوچھا... غیر نے
ترنگ میں، شوخی میں آکر سبائی کو آنکھ ماری... ”بس بیکر مائیے...“
”کیا آخر...؟“

”پہلے چائے تو پیئیں...“ گلشن سب کو چائے پیش کرنے لگی...
”ارے! یہ تو ٹھنڈی ہے...“ بھائی بھوتوں سے لگاتے ہی کالمی صاحب
رولے...“

”مانا کہ...“ غیر نے انگلیوں سے ذریعہ کی طرف دیکھا... ”یہاں جذبوں کی

آنکھوں میں امیدوں کی جنگلاتی کیمکشان ملے ہوئی تھیں...
”گاڑی آبا جی کے لئے آئے گی... کیوں آبا جی! یہیں بھی اس میں بٹھایا
کر دیں گے...؟“

کالمی صاحب گلشن کی اس بات پر بڑی دیر ہنستے رہے تھے... جواب
کچھ نہیں دیا تھا... پھر کافی دیر بعد اتنا بولے... ”سب کچھ تمہارا ہی ہے میرے
بچو! وارث ہو ہر چیز کے...“

غیر کو ان کے چہرے کی جگہ جگہ بڑی جھریوں کے نیچے کوا ”قرض“ کا
لفظ صاف دکھائی دے رہا تھا... ”قرض کسے ہیں...“ ان کا دھکے بے صدا تھا۔
پھر غیر کو جیسے ساری کچھ آگئی تھی...“

”تہیں پسند نہیں آئی ٹائی جن...؟ کیوں عمو...؟“ فریبر نے سوچوں میں
کھوئے بھائی سے پوچھا...“

”بہت...“ غیر نے چونکتے ہوئے جلدی سے جواب دیا... ”جدا...“
پھر جھجک کر وہ بھائی کے آداب بجالایا... ”ستر یا اسی روپے کی یہ
ٹائی جینا جو ادکی دکان پر تھی... ستر انتہا بابر آداب بجالاتا... وہ تو گلشن
سے بھی کم قیمت کا تھا... کر نکٹا، آدابہ، لٹنگ اور نکھڑ تھا... ماں باپ
کے کندھوں کا بوجھ تھا...“ بے شرم کہیں کا... ”وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا...“
”فوض...؟“ فریبر کے اندر کا چور تھا بابر بار پوچھ رہا تھا...“

”خوش کیوں نہ ہوں گے دونوں...؟“ جہاں آرا جلدی سے بولیں... ”بیروں
کی چیزیں مل گئیں...“



نذیر کی آنے کی خوشی میں جہاں آرا نے نیاز دی ہوئی تھی۔ دندلاڑے پر دنگیں چڑھی تھیں... خوشبوؤں سے سارا محلہ مہک رہا تھا...
 ”یہ سب کیا ہو رہا ہے...؟“ نذیر ناک پر رد مال رکھے پوچھ لایا
 ہوا پھر رہا تھا...

بڑی عجیب سی خوشبو تھی، مصالون کی، گجھار کی، چاندلوں کی...
 ملی تھی... انتہا انجیز... پر... یہاں کے رہنے والوں کے لئے...
 نذیر نے تو ناک پر رد مال رکھا ہوا تھا... ”عما! آپ نے بتایا نہیں۔
 یہ کیا ہو رہا ہے...؟“
 ”نیاز...“

”نیاز کون ہے...؟“ نذیر تو اپنا کلچر، مذہب، معاشرت،
 رسم و رواج، سب کچھ بھولا ہوا تھا...
 ”نیاز کون ہے...؟“ اک بڑی خوبصورت عورت بے جانی جان ب
 غیر اور گلشن اسے چھوڑنے لگے... جہاں آرا نے انہیں گھورا...
 تیرہویں پہلی ڈال کر چپکے چپکے سرزنش کی...
 ”آٹھ سالوں میں بھلا کچھ یاد رہتا ہے... چلو جاؤ کام کرو...
 بہت پڑا ہے...“

اتنی گرمائی ہے کہ... چائے کو چولہے کے بغیر ہی آبل، کھول لٹکا جائیے تھا...
 ”وہ ساری گرمی ہم نے سمیٹ لی ہے... دلوں میں... گلشن نے ٹوکی
 طرف دیکھا...“

”ٹھیک کہتے ہو... جہاں آرا نے فوراً تائید کی... ابھی تو نذیر سے
 بے انتہا محبت کرتے ہیں...“

”اور نذیر بھی تو لکھوں خرچ کر کے، اتنی دُور سے، ان عیبتوں کی
 خاطر ان کے پاس آکر پہنچا ہے... نذیر کا تخی ہونی گردن اور تنہی...“
 ”کیوں نہیں... کیوں نہیں...“ کاغذی صاحب نے بڑے غور سے بیٹے کو
 سمجھتے ہوئے نذر زور سے سر ہلایا...

”اور اب... باقی سب اپنے اپنے کام میں لگو... باقی عیبتیں بعد میں
 کر لیتا... اور نذیر کو آرام کرنے دو...“

یہ گویا محض برخواست کرنے کا حکم تھا۔ اور کاغذی صاحب کے حکم کی تعمیل
 بڑی جلدی ہو کر کرتی تھی... اٹھتے اٹھتے جہاں آرا نے اک پُریت اور
 پُر امید نظر بیٹھ پر ڈالی... انہیں اب بھی یقین تھا وہ ماں باپ کے لئے
 آٹھ سالوں کی لڑکی میں سے اک بڑا حصہ ان کے لئے لایا تھا... شاید
 چیک یا ڈرافٹ تھا...

”آٹھ سالوں بعد پہلی خوش بیٹے کی کمر رہی ہوں...“
 ”لیکن امی جی! ہماری چادر اتنی نہیں ہے...“
 اس نے بڑے ادب کے ساتھ ماں کو سمجھانے کی کوشش کی...
 ”وہ بڑی کمر دے گا...“ جہاں آرا نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔
 ”لو کون...؟“
 ”زیر کی بات کمر رہی ہوں... اور کچھ نہیں لایا، گاڑی، فرج،
 وغیرہ تو نقد تو لایا ہی ہوگا... اس کی آٹھ سالوں کی کمائی میں ہمارا
 بھی تو اک بڑا حصہ ہے... بلکہ حق ہے...“
 ”اور وہ حق ابھی ملا بھی نہیں اور آپ نے خرچ کن شروع کر دیا“
 ”میرے ہاتھوں میں سر تقاضا لیا...“ غلط کر رہی ہیں...“
 ”تم چپ رہو... تمہاری کمائی نہیں خرچ کر رہی...“
 ماں کی یہ سوچ وہ کچلے سے سہ گیا... ”پر گھر کا اک فرد تھا... ہر
 کچھ سکڑ میں شراکت داری تھی... مل کر گزارا کرتے تھے...“
 ”اس وقت کہاں سے کمر رہی امی...؟“
 ”وہ پوسٹے بنا رہ نہ سکا... اندر ہی اندر پریشانی لگی ہوئی تھی...
 نگلش کی برات کے کھانے کے، جو علیحدہ رکھے ہوئے تھے اس میں سے۔
 دیکھ لینا ہماری جھوٹیاں بھر دے گا...“
 جہاں آرا زیر کی نسبت میں سرشار بولے گئیں...
 ”اسی بر تو ہمارے سارے ماں ہیں... کنبہ برادری بھی تو دیکھے کہ

دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرواں سے ہٹا دیا اور خود زیر کو نیاز
 کے متعلق سمجھانے لگیں...
 ”اللہ کی راہ میں کھانا کھانے کو نیاز کہتے ہیں... ساری برادری
 کو مدعو کیا ہے...“
 ”ادھ مٹا! آپ لوگ ابھی تک ان فرسودہ رسم و رواج سے باہر
 نہیں نکلے... اور زمانہ دیکھیں... کہاں سے کہاں چاہیہ چاہیہ...“
 ”رسم و رواج کی ان چھوٹی چھوٹی خوب صورتیوں ہی سے تو
 ہمارا معاشرہ سجا ہے...“
 ”یہ فضول خرچی ہے...“
 ”فضول خرچی نہیں ہے! کچھ عزیز غریب اور یتیموں، محتاجوں کو
 بیٹ بھر کھانے کو مل جاتا ہے اسی یہاں... بہت عزیز ہی ہے ہمارے
 ملک میں... تمہارے امریکہ جتنی دولت نہیں ہے یہاں... کئی لوگ
 رات کو خاتے سے سوتے ہیں...“
 زیر ماں کی دلیل سے متاثر ہوا یا نہیں، پر خاموشی اختیار کر لیا...
 تقریباً ساری برادری کو جہاں آرا نے مدعو کر ڈالا تھا... میرے بھی
 بھی، گھر کے کسی ایسے معاملے میں کسی نے مشورہ نہیں لیا تھا...
 اتنا بے قیمت سمجھا جاتا تھا... پر... گھر کی معاملات سے علیحدہ رہنا
 بھی اس کے بس میں نہ تھا... اس لئے بڑا ڈسٹرب ہو رہا تھا...
 ”مید امی جی! اتنے سارے لوگ آپ نے اکٹھے کر ڈالے...“

ڈرائنگ روم ٹیک ٹاک ہے نا... ابھی مہمان آنا شروع ہو جائیں گے...
”وہ تو آتی جی! ناشتے کے بعد ہی میں نے آپ کے حکم کی تعمیل
کرتے ہوئے بیٹس کے سارے برتن براسوسے چکا کر کارنس پر سجائیے تھے...
ٹائل کو تیلانے کے بعد غیرتے شرارت سے گھنٹن کی طرف دیکھا...“

”ایک تو اس امریکی بابونے مشکل میں ڈال دیا ہے... اب خراب
ان امریکی صاحب کے فذوق کی تسکین کے لئے پرانے ظروف چکا کر
رکھے گئے ہیں... دیکھو گل...!“

غیرتے اپنے زخمی ہاتھ گلشن کو دکھائے...

”انگلیں ڈکھ گئیں میری... یہ زخم... یہ زخم... ایک پھول دان کا
کنا سا لگ گیا... بابا آدم نے بھی اپنا ترکہ ہمارے گھر میں ہی چھوڑنا تھا...“
گلشن غیرت کی بات سن کر ہنسنے لگی... ہاتھ زخمی ہونے کا ڈکھ بھی ہوا...
خود جا کر مرہم لائی اور زخموں پر لگائی...

”مٹا! مٹا! یہ اندر اس کمرے میں جو اینٹیکس رکھے ہیں یہ کہاں
سے لئے...؟“ زبیر اتھل پھل ہوتا کمرے میں داخل ہوا...
”نفسب کی مینا کارسی ہے... کمال کا فن ہے... میں تو ایسی اینٹیکس
خریدنا چاہتا تھا...“

”کیوں... بہت پسند آئیں وہ چیزیں...؟“

”بہت... بنے حد... کیا یہ آپ مجھے تھپے میں دے سکتی ہیں...؟“

”میں قربان... سب کچھ ہی تہہ دار ہے... تحفہ کیا ہوا... حتی ہے

کتنے لائق بیٹے کے ہم والدین ہیں... چھوٹا اگر نکمنا آوارہ پھرتا ہے تو اک
بیر! بھی ہمارے پاس ہے...“

”لو چچا کس لئے تھا... جو اس کا ملا... جی کٹ کر رہ گیا... اور جہاں آکر
سنے یہ سوچا ہی نہیں کہ جس کو سنا رہی تھیں اس کا دل کیسے پاش پاش
ہوا ہوگا...“

”کتنا وجہ! کتنا خرم و ہوسے میرا زبیر! مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا
کہ ایسا ہو گیا ہوگا... اسے دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں روشنی سہی آ کر
آتی ہے...“

”ہاں... بہت پرکشش ہیں بھائی جان! سارے امریکہ میں... یہاں
ہینڈ سمر مرد کوئی نہ ہوگا...“

”یہ کس کی بات ہو رہی ہے...؟“

”خوشیوں کے رنگوں میں رنگی ہوئی گلشن اُند آئی...“

”کس کی ہو سکتی ہے...؟“ غیرتے اسی سے سوال کر ڈالا...

”بھائی جان کی...؟ وہ بھٹ سے بولی...“

”دیکھئے... گلشن بھی اس کی تعریف کر رہی ہے...“

”میں بھی تو کر رہا تھا... دلی خلوص کے ساتھ...“

”ویسے اچھی جی! آپ کو بہت نہیں کیوں شک سا رہتا ہے لیکن مجھے

پتہ ہے... یہ عمو دل کا بڑا صاف ادب کھڑا ہے...“

”اچھا... اچھا... یہ تنقید بعد میں بھی ہوتی رہے گی... یہ بتاؤ

اس ڈرافٹ کی جوا نہیں ابھی نہیں ملا تھا... اور میرے کے لاکٹ اور
ٹائی پن کا بڑا جبر چا تھا... ہر آنے جانے والے کو جہاں آتا تھا وہی تھیں۔
نہیر کو اپنے والدین اور بہن بھائی سے کتنی محبت تھی، یہ میرے اس کا
بیٹا، اس کا تول بن گئے تھے...

نہیر کے آنے کی خوشی میں جو نیاز تھی، اس میں سارا خاندان
اور برادری والے اکٹھے ہوئے تھے... بہت سارے شہر چلنے والے تھے،
اور ملنے کے بھی لوگ تھے...

ہرنیان نہیر کی محبت کی داستان تھی اور گھر والوں کے لئے
اس کی دغا اور توجہ کی سٹائن... بیٹا ہو تو ایسا... بھائی ہو تو ایسا۔
آٹھ سال کی ساری کسریں نکال دی تھیں اس نے تو... خدا سب کو
نہیر جی ادلا دے...

”پروردگار نے اگر ایک کی طرف سے ماں باپ کو دکھی رکھا تو ساتھ
دوسرا آنسو لہرچھنے والا اور زخموں پر مرہم رکھنے کو بھی تو دے دیا۔“
نہیر کے قلب میں اس اس طرح لوگ نہیر کو خراج تحسین پیش کر رہے
تھے اور نہیر خوش تھا... بہت خوش...

یوں بھی... رشتہ داروں نے، ملنے چلنے والوں نے، برادری والوں نے
اسے بہت سارے تحفے تحائف دیئے تھے... ان کے ہاں رسم تھی کہ جب
باہر سے کوئی فرد اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آتا تھا تو خاندان برادری والے
اس کے گئے میں اپنی توفیق کے مطابق بار ڈالتے تھے...

تھارا... جس چیز پر انگلی دھرو... اٹھاو...
”تو پھر میں یہ اپنے ساتھ امریکہ لے جاؤں گا... عمو! انہیں بیک کر دو“
غیر اور گھش نے بھائی کی بات سنتے ہی چونک کر ہاں کو دیکھا...
دودن پہلے تو وہ آیا تھا اور ماں کا لائی، شریف اور نثار
وسادت مندریٹا جانے کی بھی باتیں کرنے لگا تھا...

ادھر ماں اپنے ماتا بھرے دل میں سوچ چکی تھی کہ اسے جینے بھینے
کے لئے بچاں رکھ لے گی... اور یہاں رکھنے کے لئے وہ کیسے اندھا دھند
ہوتے پہ چا پھینکے جا رہی تھیں... ہاتھ میں کچھ بھی سنبھال کر باقی نہیں رکھا تھا۔
نہیر اور گلشن سے نظر میں چراتے ہوئے جہاں آرا جلدی سے بولیں۔
”جانے کی بات ابھی نہ کرو... دل میں ہزل اٹھنے لگتے ہیں...“
نہیر نے ماں کی بات سن کر نہر سے تہمتہ لگایا...

”یہاں ہی مائیں انتہائی کمزور دلوں کی مالک ہوتی ہیں، لیکن میں
سکتا تھا میری ماں بہت بہادر ہے...“
”آپ ٹیک سکتے تھے بھائی جان! اتنی جی واقعی بہت بہادر ہیں۔“
باقی بات نہر نے دل میں رکھی... نہیر جیسے بیٹے کی ماں ہونا بھی تو
اک انتہائی بہادری کی بات تھی...

کیسے سارے نثر و ادب اور ان سے گئے والے زخموں کو اندر ہی اندر
سیٹھے، چھپائے جا رہی تھیں... گھاؤ میں درد ہوتا، ٹیس اٹھتی تو ساروں کی
نرم چھوڑ کی طرح ہلک کر، سہر کر، مسکرانے لگتی تھیں...

تو جلد کوئی بات نہیں، ہم آپ کے اپنے ہیں... میں اور گلشن اپنے اپنے والدین کے ساتھ رہیں گے۔

”نہ نہ...“ زبیر کے بولنے سے پہلے جہاں آ کر تڑپ کر کہہ اٹھیں۔
”ایسی کوئی حرکت نہ کرنا... بھائی کا تحفہ ہے۔“

جہاں آ کر کی نظریں ان نوٹوں والے ہاروں پر جمی تھیں... بیٹی کی خدائی کے لئے جو عیلمہ دکھا تھا، وہ بے دریغ خرچ کئے جا رہی تھیں... ادا وہ تھا یہ والے تحائف اور دقوں کا کام میں لائیں گی۔
”مگر...“ غیر دیکھ رہا تھا... زبیر نے اک لمحہ کے لئے ہاروں کو اپنے سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔

”ہاں... اتنی ٹھیک کہہ رہی ہیں...“ ہاروں کو اسی طرح گود میں جبرے جبرے زبیر نے چونک کر کہا۔

”یہ بھائی کا محبوبوں کے ساتھ دیا ہوا تحفہ ہے۔ یہ اپنے پاس ہی رکھنا... اور تم...“

پھر زبیر حاتم طائی بن کر سماعت کی میسر بھی پر چڑھ گیا۔
”آپ کو کوئی ضرورت ہوگی تو مجھے بتائیے گا... میں منتظر کروں گا۔“
”یہ ہوئی نا احساس کی بات...“ جہاں آ کر اسے غمزے میں کی طرف دیکھا

پہلے زمانے کی مکر و فریب سے عاری اور بے بہرہ خاتون کو ذرا سا بھی اندازہ نہیں ہوا کہ بیٹے نے کون سا فریب چھپانے کے لئے ماں کو یہ مہر اور مان دیا تھا۔ محبت کی نشہ آور گولی حلق میں رکھ دی تھی۔

تحائف کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے اس کے گئے ہیں بارڈر لے تھے... پھولوں کے ہار... نوٹوں کے ہار... طلائی ہار۔

غیر سوچ رہا تھا... ایک دن پہلے زبیر نے بھی اپنے گئے بھائی کو تحفوں سے نوازا تھا... ان کو، جن کا اس پر حق تھا... جن کا وہ قرضدار تھا... دین دار تھا جن کا۔

اور آج ان لوگوں نے بھی اپنے خلوص و محبت کا اظہار کیا تھا جنہیں اس سے کوئی مطلب یا کوئی غرض نہ تھی۔

پھر... کس کا سچا تھا...؟ ان غیر خونی رشتوں کا یا اس خون کا رشتہ رکھنے والے کا۔

یہ بھائی جان اپنے جذبے کہاں چھوڑ آئے تھے...؟ ان لاکھ کی سردی اپنے خون کی گرمی میں کیوں رچا بسا لائے تھے...؟ کیوں یہ طوڑ ہوئی تھی...؟

”عموماً یہ تو بڑے فائز سے کا کا رویا رہے...“ جب سب فارغ ہو کر بیٹھے تو زبیر نے سارے دن کی مصروفیات کے متعلق اظہارِ خیال کیا۔
گھنٹوں پر نوٹوں کے سارے ہار دھڑکے تھے... آنکھوں میں ان کی چمک اتری ہوئی تھی اور ہاتھ نوٹوں پر پھیر رہا تھا۔

”میں تو کہتا ہوں تم! ایسی تقریبات ایک دو اور کرو۔ تاکہ میرا امریکہ کا واپسی کا خرچ نکل آئے۔“

”کیا بھائی جان! وہاں آپ کے حالات خدا نخواستہ کچھ گڑبڑ ہیں؟“

”اچھا... گلشن کی حیرت پر زہر مسکایا...“ بڑا مزہ آتا ہوگا...؟“
 ”بہت... کئی کئی گھنٹے اس میں تیرتا ہوں...“
 ”اور... وہاں اور کیا کیا ہے...؟“
 ”سب کچھ ہی ہے۔ لیڈٹ ماڈل کی گاڑی ہے... گھر کی دوسری
 ہر سائش قیمتی سے قیمتی ہے...“
 ”اچھا... وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی...“
 ”اور دو کتنے ہیں میرے پاس... پچاس ہزار ڈالر میں خریدے تھے۔
 تم انہیں دیکھو تو بس... چوم لو انہیں...“
 ”آخ تھوہ... حرام...“ گلشن نے برا سامنے بنایا...
 ”یہ سب فرسودہ باتیں ہیں... وہ لوگ تو کتوں کو ساتھ کھلاتے چلتے
 ہیں... ساتھ سلاتے ہیں... ان پر بے شمار خرچ کرتے ہیں...“
 ”آپ بھی بھائی جان...؟“
 ”ہاں... میرا تو کتوں کا ہی خرچ چار پارچ سو ڈالر ہوا رکا ہے۔
 ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک عورت رکھی ہوئی ہے... وہ گھنٹوں کے لئے
 آتی ہے... انہیں نہلاتی ہے... انہیں صاف کرتی ہے... اس کی تخواہ
 عطا ہے...“
 ”عمر جہاں آرا اور گلشن، حیرت کے مارے نہ کھولے اسے دیکھ رہے
 تھے...“
 ”ہم سے تو چہرہ کتنے ہی اچھے...“ عمر فاروقی ذرا مسکایا... ”آپ ہیں

ابھی دیا بھی نہیں تھا کچھ... صرف بولا تھا... اور عمر کو یقین تھا یہ صرف
 بولنے کی عذرت ہی فقرہ تھا... اس پر علحدہ رائے رکھی نہ ہوگا... اور ماں کی
 مانتا اس بول پر ہی قربان ہو گئی تھی... فوراً چھوٹے کو گلشن بھی منے
 دیا تھا...
 ”تمہارے جیسے چکنے گھر سے پر تو سالوں بوندیں بڑتی رہیں، کوئی
 اثر نہیں ہوتا... اور اسے دیکھو...“
 ماں کے نگاہے نشتر کے زخم سے خون بوند بوند کر کے چپکنے لگا...
 مگر وہ چلی گیا... اور نہ سیریلے خبر بٹھا ہاروں کے نوٹوں کو گینے جا رہا تھا...
 ”ارے! یہ تو بہت ہیں ممتا...“
 ”ہمارا بھی تو بہت خرچ ہوا...“ جہاں آرا نے اخراجات بتانے کی
 کوشش کی...
 ”وہ تو آپ نے ایسے ہی کر ڈالا...“
 ”خرچ کرنے سے ہی تو وصول ہوا ہے...“
 ”اوہ ہاں... اچھا اچھا...“ اور زہیر ہار وغیرہ سمیٹ کر اٹھا... اپنے
 کمرے میں بٹھانے جا رہا تھا... گلشن نے روک لیا...
 ”دعا ہے وہاں آپ کا گھر بڑا خوبصورت ہے...؟“
 ”ہاں...“ زہیر واپس بیٹھ گیا... ”بہت؟ اس کی تصویریں بھی لایا ہیں۔
 اس میں ٹونگ پول بھی ہے... موسم کے ساتھ ساتھ پانی کا ٹمپو پھر بھی گشت
 بولتا رہتا ہے... ایسا آؤ میکس سسر ہے اس کا...“

اک اک کو کھنے کے بعد زبیر سے مخاطب ہوئی ...
 ”آپ کا انتظار اور انتظار خوب صورت گھر ہے، وہاں بہر تو ایک گھر
 والی بھی ہوئی چاہیے۔“
 ”ہوئی کیا چاہیے۔“ ہوگی ضرور۔“ جہاں آرا بھی ہوش میں آئیں۔
 ”ہم نے تمہارے لئے لڑکی ڈھونڈ لی ہے زبیر۔“
 ”نہیں نہیں تم۔“ میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے ہی نہیں۔“ زبیر
 نے چونک کر سر اٹھایا۔“ ارے! پھر گنتی بھلا دی۔“
 ”جائے بھی دیں بھائی جان! آپ کے پاس گھر ہے، لگاڑی ہے،
 کھتے ہیں، لڑکے ہیں، پھر ان ہاروں کے رتوں کے تھکے کیوں پڑے
 ہیں۔“ اخی کو دسے دیں۔“ وہ گن کو سلجھا کر رکھ لیں گی۔“
 ”دولت کی بھی اور کھنے کی بھی قدر کرنی چاہیے۔“ پھر اور نہیں ملتی؟
 ”تو اخی ناقدری کریں گی۔“
 ”مجھے ملے ہیں نا، مجھے ہی قدر کرنی چاہیے۔“
 ”عمو! اس بات کو چھوڑ۔“ ہم رشتے کی بات کر رہے ہیں۔“ وہ
 پکا ہو چکا ہے بھائی جان۔“
 ”مجھ سے پوچھے، زبیر ہی کر لیا۔“ نہیں نہیں۔“ زبیر ہار رہا ہوں
 میں اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا۔“ عمو کا وہاں کر دیں۔“
 ”پر رشتہ تمہارا ہوا ہے زبیر۔“ امریکہ سے انجنیرنگ کر کے آئے
 والے میرے بیٹے کا۔“ جہاں آرا نے وضاحت کی۔

اپنا کتا ہی رکھ لیں۔“
 ”نانی! براہے۔“ عیسے مذاق سمجھا۔“ تم تو میرے استغیر میرے بھائی
 ہو۔“ بیروں میں تو سنے کے قابل۔“
 ”وہ ایسے بھائی جان! وہاں کے کھنے انسانوں سے بہتر ہی ہوئے نا۔“
 ”مما! اس کو منع کریں نا۔“ کسی باتیں کیے جا رہے۔“
 جہاں آرا منع کرنے کے قابل کب رہ گئی تھیں۔“ انہوں نے منع نہیں کیا
 عیسے کی زبان خاموش نہیں ہوئی۔“
 ”ہم جو بیروں میں تو سنے کے قابل ہیں۔“ خاتے کریں، اگلے پھر
 دنیا کی اک اک نعمت کو تمہیں اور آپ کے کھنے۔“ عیش کر رہے ہیں۔
 چھینے کا سات اٹھ ہزار روپیہ ان پر خرچ ہو جاتا ہے۔“ لے آئے آپ دو
 ہزار ہی دسے دیں، میں رات دن آپ کے تلووں میں تو سنے کو تیار ہوں۔
 میرا آپ لوڑھا ہے اب کما نہیں سکتا۔“
 ”عمو! کھنے خوبصورت مذاق کرتا ہے۔“ کیسے پیارے ڈائلاگ
 بولتا ہے۔“
 زبیر بہت محفوظ ہوا۔“ بڑے پیارے اس کی پشت چھپائی۔
 ”تم تو کہانیاں لکھا کرو۔“ شاعری کیا کرو۔“ بہت نام کاؤ گئے۔“
 اور زبیر پھر ہاروں کے نوٹ لگنے لگا۔“ باتوں میں لگا کر تم نے گنتی
 بھلا دی۔“
 ”بھائی جان! گمشدہ جیسے جادو کے اثر سے نکلی۔“ اسی انداز سے

ہیکے پڑ گئی ہو... آخروس تان مجھی پر لکھ کر ٹوٹتی ہے... نامہ ہر قسم کا بھائی جان اٹھا جاتے ہیں اور عزتیں بچانے کے لئے میں رہ جاتا ہوں...
عمر بھی غصے میں بڑ بڑا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا...
”میں بیٹی کے ساتھ بیوٹانی نہیں کر سکتا... کسی صورت نہیں... جان لے لے کوئی... ہر یہ نہیں ہوگا... کبھی نہیں ہوگا... پتہ نہیں وہ کون ایسی بے نصیب لڑکی ہے جو گیند کی طرح میری طرف لڑھکائی جا رہی ہے اور کبھی بھائی جان کی طرف...“

اسے اس لڑکی پر بھی بے تحاشا ترس آیا... ہر کسی کا درد دل میں بسا لیا کرتا تھا... اس وقت بھی بڑی ہمدردی اس کے ساتھ تھی... لیکن... ماں باپ، بہن بھائی کی عزت کے لئے، اس لڑکی کی عزت کے لئے وہ ہر قربانی دے سکتا تھا۔
اک نہیں تو پہلی کو کسی صورت قربان نہیں کر سکتا تھا... اس کے ساتھ تو اس نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کو گواہ بنا کر دنا کا بیان بنا دیا تھا۔ اپنے آپ سے تمہیں کھائی تھیں... تہہ کئے تھے...

پھر اس کو پانے کے لئے ہر قسم کے متن کوڑا لے تھے... اس نے اپنی بہنیاں رنج و ملال تھیں... وہ ٹوشن پر چالنے لگا تھا... ہر ممکن طریقے سے وہ اسے تلاش کر رہا تھا...

اور اب، جبکہ حرف و ہاتھ لیب بام رہ گیا تھا... وہ خود ہی اپنے نصیب کو بے نصیب کر لے... کئی دوسری لڑکی کا ہاتھ تمام کر... نہیں نہیں... یہ ممکن نہیں ہے...
وہ ساری رات سوچتا رہا... اور زیرِ جرابی بے پردہ میوں کے ساتھ بڑے

”اب لڑکے بدلتا کیا اچانک لگا... زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے...“
”آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر ایسی حرکت کرنا ہی نہیں چاہئے تھی۔ اب میں ذمہ دار نہیں ہوں... جس نے زبان کی ہے وہ ٹھیکے...“
زیرِ صاف جواب دے کر کمرے سے نکل گیا... جہاں آراء گلشن اور عمر اک دوسرے کا منہ نہ کھٹے رہ گئے...
”ہائے اتنی جی اب کیا ہوگا...؟“ تھوڑی دیر بعد گلشن پر سے کتے کا عالم ٹوٹا...

”میں نے تو اس رشتے کے لئے بڑی دعائیں مانگی تھیں... بنتیں مانی تھیں... اتنی پیاری لڑکی ہے وہ... منفرد سی... پُرکشش سی...“
گلشن نے عمر کے دونوں گھٹنے تھام لیے... ”عمو! تم ہی اس کے والد... وہ لڑکی چھوڑنے والی نہیں ہے...“
”کبھی تو عقل کی بات کر لیا کرو... میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں...“
”تو کمرے کا ہی معاملہ ہے نا... وہ مل جائے گی... میری اک بہن کے انتقال بہت بڑے افسر ہیں... ان سے تو کمری دلوا دوں گی...“
”معارضہ مجھے پسند نہیں ہے...“

”البتہ وقت نا پسند بات بھی پسند کر لیا کرتے ہیں... مصیبت کے لئے...“
”ہاں کر دو... مان جاؤ... میری خاطر... اس بے تصور لڑکی کی خاطر... دونوں گھرانوں کی عزت کی خاطر... ان لوگوں نے تو ساری تیاری مکمل کر لی ہے...“
”یہی منت سماحت بھائی جان کی کہیں جو قوت لڑکی! میرے ہی

”مجھ دو دنوں پر کھ لئے۔“

”یہ ظلم ہے۔۔۔ ان کے قصور بھی میرے نام تو نہ لگاؤ۔۔۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ ایسا کچھ کیا ہے۔۔۔ ہمیشہ تم پر بیان ہی قربان کرتا رہا ہوں۔۔۔“

”زبانی زبانی ہی نا۔۔۔“

”اوہو۔۔۔ زبانی زبانی نہیں۔۔۔ یہ لو۔۔۔ اس نے گردن آگے بڑھا لی۔۔۔“

”لاؤ پھری تیر سی۔۔۔“

”چھری کے لئے تیار ہو جاتے ہو۔۔۔ وہ بوڑھی چھری سے بھی بدتر ہے۔۔۔ ہائے عمر! تم نے تو کبھی میری بات نہ مانی تھی۔۔۔“

”کافخ! میں نے اپنی زندگی کسی کے نام نہ کر دی ہوتی۔۔۔ پھر جو بھی تم کہتیں۔۔۔ کبھی بوجھ، چاری سے، کبھی آبیرو خیری پھونڈ خیری سے، کبھی مہزانی سے، جس سے بھی کرو دیتیں، تیرا غم و ذرا سی چوں بھی کر جاتا تو کروں اُٹا کر لیتیں۔۔۔“

”اگر اب، اب میں جو زبان دے سکے چکی ہوئی ہوں۔۔۔“

”میرا بھی ولی کی زبان کا معاملہ ہے۔۔۔ دسے چکا ہوں۔۔۔“

”تجھے بڑی محبت ہے اُس سے۔۔۔“

”محبت ہی نہیں، وفا بھی۔۔۔ سب کچھ اس کے لئے ہے۔۔۔ میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔“

”اللہ کرے تیری محبت کا مایاب ہو جائے۔ میں ہر نماز میں تیرے لئے

دعا کروں گی۔ اور۔۔۔“

آرام سے سویا رہا۔۔۔ اس کے لئے جو بوڑھی تلاش کی گئی تھی، اس کے ساتھ منسوب کی گئی تھی، اس کا غم، ساری رات طیر کو کھاتا رہا۔۔۔ کتنی عجیب بات تھی۔۔۔

اور ساتھ اپنے جنتوں کی کالک کو کھڑچتا رہا۔۔۔ پر کہیں سے سفیدی نظر نہیں آئی۔۔۔ اور دن چڑھ آ یا۔۔۔ اُنٹھ کو کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔۔۔ تب تک سکیوں کی آواز نے اسے ہونکا دیا۔۔۔

یہ آواز۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ آواز گل کے کھلنے سے آ رہی تھی۔۔۔ وہ بیقرار سا ہونا ہوا دایں پہنچا۔۔۔

”ارے کیا ہوا۔۔۔؟“

وہ جاٹا زیر بیٹھی ساتھ دھاما لگ رہی تھی اور ساتھ رو رہی تھی۔۔۔

”ہونا کیا تھا۔۔۔ میں ساری رات نہیں سوئی۔۔۔ اس نے رسسکی بھری۔۔۔“

”کیوں بھلا۔۔۔؟“

”تغییب سو جائیں تو افسان نہیں سو سکتا۔۔۔“

”سنو گل! ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔۔۔“

”میں کوئی ترکیب و ترکیب نہیں جانتی۔۔۔ ایک اٹھو تو ہیں کی ایک خواہش وہ مجاہدوں سے پوری نہیں کی جا رہی۔۔۔ اچھے بھائی ہیں۔۔۔ اچھا میرا مہتر ہے۔۔۔“

”ارے، میں تو جان بھی قربان کر دوں۔۔۔“

”اسی طرح جس طرح بھائی جان نے، میرے لئے جس دینے۔۔۔ ایک کو دیکھا،

پہلے بچائے کیوں انکار کرنا رہا تھا... اب نہ کوئی مصلحت نظر میں رہی اور نہ کوئی اور وجہ... پہلے جو تھی وہ بھی بھول جمال گیا... وہ ایسی دل و نظریں سمائی کہ... زبیر اس کے لئے بے قرار دبے تابہ ہو ہو گیا...
”جتنی جلد ہو سکے شادی کی تاریخ طے کر دو...“

وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے حانی بھی بھری اور لہنی بے قرار یوں کا بھی اظہار کر دیا... گلشن کسی پہاڑ کی چوٹی کو سر کرنے سے اتنی خوش نہ ہوتی جتنی اس کا مرانی پسرو جی تھی۔

ایک مجبور چھوڑا لگے جبر کو گلشن کی شادی تھی... پہلے والے جبر کے دن زبیر کی طے پا گئی...

”ہم تو آگ بھی نہیں بیسے گئے تھے پھر یہ پیغمبری پتر نہیں کیسے کی گئی...“
زبیر کی خوشی کی انتہا نہ تھی... اس کا مطلب ہے ہمارا خدا ہم سے بہت خوش ہے...
”مستعد والے ہیں...“

”ہاں... بہت...“ زبیر کی باجیس کھلی جا رہی تھیں...
”مان گیا ہوں تمہارے ذوق کو اور تمہارے انتخاب کو...“
”شکریہ...“ گلشن جھجک کر آداب بجالائی... ”اور اب اجازت ہے...“
”ہاں...“ زبیر کی شادی کی تیاریاں...
”ارے بالکل بالکل...“ جہاں آرا کی نظر سچا کر اس نے گلشن سے سرگوشی کی...

وہ پھر اسی طرح ٹیڑھٹ ٹیڑھٹ کر رہے گی...
”اس مسئلے کا کیا حل کروں... عمو! یہ لو کی چھوٹنے والی نہیں۔ کاغذ! تو ایک بار اسے دیکھ لیتا...“
”یہی ترکیب تو میں تمہیں بھائی جان کے لئے بتانا چاہ رہا تھا...“
انہیں وہ لو کی دکھا دو...“

”ارے واہ...!“ وہ خوشی کے مارے چیخ اٹھی...
”یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں...“ تھینک تو عمو! تم ہمیشہ میرے مشکل وقت میں کام آتے ہو... قوی امید ہے معاملہ سمیٹ ہو جائے گا... باتا تو وہاں کچھ ہو ہی چکا ہے یوں بھائی جان کا وہاں جانے کا حق بھی بنتا ہے...“

”ہاں...“ سو فیصد بنتا ہے... امریکن لو کا ہونے کی بنا پر لو کی لے دکھانے سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا...
”تو کیسے پھر...“ بہن بھائی نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔
”آج ہی شام کو...“ اور عمو! تم بھی کہیں جانا نہیں...
”میں تو نارغ نہیں ہوں...“
”جو کوئی بات نہیں...“ گلشن ہنس پڑی... ”اللہ میاں دونوں ہی کام بنا دے گا...“

اور... عمیر کی بتائی ہوئی اس ترکیب نے واقعی کام بنا دیا۔ زبیر نے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا...

زیر سے... ان کا لائق بیٹا تھا...

گلش نے والدین کی خاطر بھائی کی طرف سے اپنی سوچیں بدل دیں... یقیناً اس کی کوئی مجبوری ہوگی... وہ بھی تو سب مجبوریوں کے ہاتھوں بندھے تھے... اور زیر نے بھی بہن کی محبت کا بھرم رکھنے کو شاید یہ سب کیا تھا... ہاں یقیناً کوئی ایسی ہی بات ہوگی... مطلب یہ کہ محبت نے ہی ان سے یہ دھوکہ دہی کی واردات کرائی تھی...

اس کے دل نے نہ صرف زیر کے اس جرم کو معاف کر دیا۔ بلکہ ڈیروں ڈھیر مجبوری بھی اس کے لئے اس کے من میں اتر آئی... محبت بھی پہلے سے زیادہ داس پادورے کر ملگنا نے لگی...

بھانجی بھانجی وہ بھائی کی شادی کی تیاریوں میں جھٹ گئی... اپنے بہنیز میں سے، جو سب سے قیمتی جوڑے و کپڑے اور جینوز تھیں، وہ بھائی کے لئے وقف کر دیں... آپ ہی آپ سب کچھ کرتی پھر رہی تھی... اور ادھر کاظمی صاحب اور جہاں آرا اپنے فرس کے لئے پریشان ہو رہے تھے...

”خدا کے لئے تباہتے کیا کروں...؟ اب تو بڑے تقریباً خالی ہے...“

”اے بابا سادہ سادہ سا کر دو... نہ دھوم دھڑکا کر نا۔“

”پہلے پہلے پیسے کی شادی ہے“ جہاں آرا بدلتی ہیں...

”یوں بھی زلمے کے رسم و رواج کے مطابق کچھ تو ہو...“

”رسم و رواج دیکھو گی یا اپنی یادور... پہلے ہی تقریباً سارے کے

”میرا بس چلتا تو آج ہی اس کا ہاتھ کڑکڑا کر ساتھ لے آتا...“

پھر وہ زور سے ہنسا۔ خوشی قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی... میں امریکہ میں ہوتا تو ایسا ہی کرتا... شادی کا بھی انتظار نہ کرتا...“

”تھی تھی... وہ بڑی ٹیک لڑکی ہے...“

”اور تیرے بھائی جان کیا بد معاش ہیں...؟“

”بد معاش تو نہیں بس ذرا... اسے وہ لاکٹ میں ہیرے والا اس کا جھوٹ یاد آ گیا تھا... دل چاہا کہہ دے...“ فریڈ تو ہیں... پیر...

خاموش رہی... جاننے کیا مجبوری تھی... کوئی لاجبانی تھی جس نے اس کے بھائی کو اپنی سطح سے اتار پھینک دیا تھا... یہ بات اس نے نہ مان کر تائی تھی... نہ باپ کو...

اور... کسی کو کچھ دینا، یا پریشان کرنا، نہ اس کی مرشد میں تھا اور نہ ایسا بے درد دل رکھتی تھی... یہ تو اپنے ماں باپ تھے... ان کے لئے تو وہ ان کے بھی سارے علم اپنے اندر بھیر لیتی تو تھوڑا تھا... اور انہیں کہ اولاد کی بات سے انہیں تکلیف پہنچاتی... اولاد بھی ایسی جس کے لئے وہ دونوں سب کچھ جائز و ناجائز بھی کر کے کو تیار رہتے تھے ہر وقت...

نہیں نہیں... وہ زندگی کے آخری لمحے تک انہیں یہ بات معلوم نہ ہونے دے گی... بہت محبت کرتے تھے وہ اپنی اس اولاد سے...

۲۳۰

سارے باہر نکلے ہوئے ہیں...

"یہ وقت نہیں ہے چادر دیکھنے کا۔"

"پھر کونسا وقت تھا..."

"گھر پر اسٹنٹ لگا دیتے... خود ہی رہنا تھا... اور اب تو سارے زلزلے

نے دیکھا ہے..."

"گھر پر جو لگائے تمہارے مشورے سے اور وہ بھی تمہارے بیٹے کی خاطر۔

اور اب جو خرچ ہے شادی کا وہ بھی اسی کا ہے..."

"اس وقت آپس میں جھگڑنے کا تو فائدہ نہیں..." جہاں آدرا صبح کئی

انداز میں بولیں۔

"بری کے لئے زیور اور کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے... زیور میرے

پاس ہے۔ بس ذرا اسے پالش وغیرہ کرائیں گے... بہت بھاری اور

قیمتی ہے..."

"تو بس پھر..."

"کپڑے... ہکم اڈکم گیارہ جوڑے ہوں۔ دو تین تو قیمتی قیمتی اور

بھاری گلشن نے اپنے جینز سے دے دیئے ہیں... کہتی ہے جہاں کا

وقت نکلے اس کی باری دیکھا جائے گا..."

"اور انڈیا کی ہندی اکچہ اس سے بھی تو کہو، گرہ ڈھیلی کرے... ہم

کہاں تک تیل کا کنواں بنے رہیں گے... وہ بھی اک مدت بعد سوکھ جایا

کرے گا۔"

۲۳۱

"اس معاملے میں تو میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتی... ہم نے زبردستی اسے

شادی پر راضی کیا ہے... کہیں خرچ کاٹنے تو پھر نہ مجھے سے اٹھ جائے۔

عزت کا معاملہ ہے..."

"نیا زوالے بار وغیرہ میں اس نے اپنے قبضے میں کر لئے..."

"گل کی برات والی رقم جو باقی ہے وہ استعمال کر لیں..."

"دیکھ لو... آٹھ دن بعد اس کی ہونے والی ہے... اگر کوئی انشٹام

نہ ہوا تو..."

"دیکھو نہ ہو گا... پہلی اولاد ہے۔ سہرا بندی پر ہر ہی بہت نیوٹہ

اکٹھا ہو جائے گا... یوں بھی امریکہ سے ہو کر آیا ہوا ہے... لالٹی ہے۔

گرین کا رڈ اس کے پاس ہے... لوگ باگ بھی مان رکھیں گے کسی آنے

والے وقت کا خیال کرتے ہوئے کہ کوئی کام نہ پڑ جائے، زیادہ سے

زیادہ سلامی دے دیں گے..."

"سوچ لو... کاغذی صاحب چپ سے ہو گئے... جہاں آرا کی

پلاننگ کے ساتھ متفق نہیں ہوئے تھے... پر عبور یوں نے زبان بند کر دی۔

ادرا ان کی خاموشی نیم رضا مندی کا تاثر دے رہی تھی..."

"تو پھر ٹھیک ہے نا... ویسے اس کے علاوہ دوسرا کوئی چارہ بھی

نہیں... اب اور کہاں سے تعرض میں... کوئی جگہ باقی نہیں رہی..."

"ہاں... وہ تو پہلے ہی بال بال بندھے ہیں... کاغذی صاحب نے

ٹھنڈی آہ بھری..."

”ہاں... سچ کہا تم نے... اپنے ہی گھر میں دیکھ لو... پتھر کا دل مل جائے گا...“

”کوئی نہ...“ گلشن نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا... اس نے تو کوئی شکایت، کوئی گلہ نہیں کیا تھا... کیا وہ اتنی بے خبر تھیں...؟

”چھوٹے والا... بڑا تو نرم ہے... کیسے پگھلا...؟ ہماری خواہش پر فوراً راضی ہو گیا...“

واہ ری ماما... گلشن کے دل میں ہزاروں کوکھ اُتر گئے... پیر پھوٹنے کی مانتا، اس ماں کے سینے میں کبھی کیوں نہیں چلی...؟ وہ سوچے بنا رہ نہ سکی...

”خوش نہیں ہو... تمہاری تو دیرینہ آرزو پوری ہوئی...“

”بہت خوش ہوں... پر عمو بھی مجبور ہے آتی جی...! بڑا بیچارہ دل ہے اس کے پاس... اس کی مجبور یوں کو آپ ہمیشہ سنگدل کا نام کیوں دیتی ہیں...؟“

”ہیں ماں ہوں... سب کو جانتی بھی جانتی ہوں...؟ جہاں آ رہے اسے تنگی، تند نظروں سے دیکھا تو اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔“

”بھڑنگو ادیں نا ڈھولک...“

”ڈھولک میں لگ گئیں تو بھائی کی بری کسی نے بنائی ہے؟“

”میرے پاس سہیلیوں کی بہت بڑی پادری ہے... دیکھئے گا کیسے سارے اشتیقات ہوتے ہیں... بس آپ نہ کریں...“

”ہاں! یہ غیر کسی قابل نہ ہوا... آج باپ کا یاد تھا...“

”یہی تو دکھ ہے... کسی نوکری پر ہوتا تو ایڈوانس بھی لے سکتا تھا...“

”ایڈوانس کی تو پھر ضرورت بھی نہیں پڑنا تھی... وقت پر نوکری کر لیتا تو اس کی تنخواہ سے کیشیاں وغیرہ ڈالی ہوتیں... وارے نیارے ہو جاتے...“

”اور اگر پرائمز بانڈ لئے ہوتے تو...؟“

”ہاں... وہ تو پھر... اوج...“

دونوں میاں بیوی کی آنکھوں میں پرائمز بانڈ کے انعام کی رقم کے چمکتے چمکتے گھومنے، ناچنے اور تھرکنے لگے...



”آتی جی! ڈھولک منگوا دیں...“

”وہ پہلی والی کیا ہوئی...؟“

”بھٹ گئی...“

”کمال ہے... یہ تم لوگوں کے ہاتھ کیا پتھر یا مچھ کے بنے ہوتے ہیں...؟“

”ہاتھ نہیں پتھر رہے کے ہوتے... آج کل دل ہوتے ہیں...“

گلشن کی نظروں میں بڑے بھائی کی مثال تھی...

خوش ہوں ...

وہ خوشی میں عمیر کو جتانے لگی ... ارے! بھائی جان تو کہتے تھے کہ ان کا بس چلتا تو اسے اسی وقت رخصت کرا کے لے آتے ... میں نہ کہتی تھی وہ بڑی انوکھی سی لڑکی ہے ... بھول گئے امریکہ کی ساری میمنہ خیموں کو ... خوش جذبات اور وفور مسرت سے وہ بولے ہی چلی جا رہی تھی۔ سانس لئے بنا ہی ...

”اک پاکستانی، منہری، سالونی، سلونی، لڑکی نے ساری گوری چٹوں کو مات دے دی۔ جھکی جھکی نظروں سے ایسے تیر چلائے کہ بس ... بھائی جان دہیں انیم بسبل ... اسے کیا ہوتا ہے تمہارے ادب میں، شاعری میں انیم بسبل، امریش بسبل، حبیب بسبل ... ارے! یہ تم کچھ بولتے کیوں نہیں ...؟“

وہاں روشنی کم تھی ... گلشن نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی اک ناکام سعی کو شش کی ... پھر سکوتر کو کھینچ کر پرے دیوار کی طرف لڑھکھا دیا ... اور عمیر کا بازو تھامتے ہوئے اسے ٹھیکٹ کر روشنی میں لے آئی ...

اس کا چہرہ ایسا بھیکا، ایسا بے رنگ، ایسا پڑ مردہ اور دھواں دھواں سا ہو رہا تھا کہ گلشن کے پاؤں کے نیچے سے جیسے زمین سرک گئی ... ”کیا ہوا تمہیں ...؟“ اس نے گھبرا کر اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

”کچھ چیزیں آنے والی تھیں ... سوچ رہی تھی جو اس کے ذریعے ان کی خریداری ہو تو بہتر ہے ... ہانا اسے بہت بار حایت لے دے گا ...“

”ہاں ... یہ تو ٹھیک سوچا آپ نے ...“

”پرا بھی تمک عمو تمہیں آیا ... آج پھر اتنی دیر کروی ... جس دن سے بھائی آیا تھا اچھا بھلا وقت پر آ جاتا تھا ... تنہا کے پورا تر گئے ہیں نا ...“

”نہیں اتنی جی! آپ ہر وقت اس بے چارے کو ایسی ایسی باتیں نہ کہتی رہا کرو ... بڑا معصوم ہے ہمارا عمو! اور عمیر بھی بے چارہ ...“

”کیا مجبوری ہو گئی اسے ...؟“

”بس دھا کریں اس کے لئے ... خدا اس کے ارمان بھی پورے کرے۔ جس طرح بھائی جان کے کشتے ...“

”اولاد ہے ... دل دھا کرنا ہی رہتا ہے ...! سکوتر کی آواز آئی تو وہ چونکی ...“

”لو ... وہ آگیا ...“

”عمو ... عمو ...“ گلشن خوشی میں بے تابی سی ہو کر بیرونی دروازے کی طرف بھاگی ...

سکوتر کا ابھی اگلا پیسہ ہی اندر داخل ہوا تھا کہ گلشن نے جا کر اس کا ہینڈل تھام لیا ...

”عمو! تمہاری بتائی ہوئی ترکیب کام کر گئی ... ہائے! میں کتنی

”تم نے تو ابھی بڑی خوشیاں دیکھنی ہیں... خود بھی اور میں بھی دکھانی ہیں... پہلے تو آج والی خوشخبری سنو...“

”سن چکا ہوں، اور مبارک باد پیش کرتا ہوں، تمہیں بھی اتنی جی کو بھی... اور بھائی جان کو بھی...“

اس کے چہرے پر افسردگی اور غم کی جو دھند تھی، جسے دیکھ کر گھٹن پریشان ہوا غمی تھی، وہ اب بڑی حد تک چھٹ چکی تھی... اور اب اس کے معصوم سے چہرے پر بڑی خوب صورت سی مسکراہٹیں تھیں۔ اور آنکھوں میں خوشیوں کی چمک سی اتر آئی تھی۔

ایک دم ہی محفلت لگنے لگا تھا... بڑا اچھا بھی... پیارا بھی...

”بڑے غضب کے انداکار ہو...“ گلشن کے پاس اک بہن کی نظر نیچا۔

بلے اختیار تعریف کر اٹھی...

”دیکھا چہرہ بنایا ہوا تھا...“ پھر پیار سے اک دو ہنر غیر کیے۔ پیارا۔

”آؤ... بڑا دل دہلایا ہے میرا... اور ہاں... مبارک لگے تیوں نے رہے ہو... بقلم خود اتنی جی کو دو... بھائی جان کو دو...“

”دراصل تمہاری کوششیں بار آور ہوئی، مینا... اور پریشانی بھی تمہیں ہی سب سے زیادہ تھی...“

”نان پینچ عمو! میں بڑی ریلیکس ہو گئی ہوں... بہت خوش بھی ہے حد...“

”اتنی جان کہاں ہیں اور بھائی جان...؟“

”اسے بول نا... کیا ہو...؟“

عمیرہ غیر بھی چپ تھا... اور عالی خالی نظروں سے اسے دیکھ جا رہا تھا...

”عمیرہ کچھ بول... خدا کے لئے کچھ بول... میرے ہی کو کچھ یاد رہے...“

وہ اتنے زور سے چلائی کہ جہاں آ رہا برآمدے میں نکل آئیں۔

”کیا ہوا گل...؟“

”یہ... یہ عمو...“

تب عمیرہ زور زور سے تھپتھپے لگانے لگا... الحق... بیوقوف... بزدل۔

اورے میں نے تو صرف تمہیں تانے پھیرنے کی خاطر یوں چپ سا دھ رکھی تھی...“

”اور یہ تیری صورت...؟“ گلشن نے بے یقینی سے اسے دیکھا...

”وہ بھی تمہیں تنگ کرنے کو ایسی بنائی تھی... اب دیکھو...“

”ہائے! اٹھو کتنا سنگدل ہے...“ عمیرہ مسکرا رہا تھا... وہ اس کے سینے کے ساتھ لگ گئی...

”بہت پریشان ہو گئی تھی... عمو! پھر کبھی ایسی صورت لے کر میرے سامنے نہ آنا... اچھا...“

”کہو تو بالکل ہی اس صورت کو تمہاری ہی نظروں سے کیا دنیا کی نظروں سے اوجھل...“

”اوہوں... اس نے تڑپ کر عمیرہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا...



جس طرح آسمان پر چڑھ کر کالی گھٹا سے ایک ایسی پانی برسنے لگتا ہے
اسی طرح اس گھر میں خوشیوں کی کالی کالی گھٹائیں اُڑا آئی تھیں... اور
وہ ایک ایک برسی بڑی تھیں...

میرا اسی خوشیوں کی برسات میں بھیگ کر نہاتا ہوا ہاتھ دھو رہا تھا۔
ذہیر شادی کے لئے مان گیا تھا... دماغ پر سے منوں بوجھ اُتر گیا... مگر...
دل پر بوجھ تو تھا...

اس نے تو جیسے زندگی ہی جھین لی تھی... وہ جب گھر میں داخل ہوا
تھا تو اس کی حالت واقعی بڑی دگرگوں تھی... نگہ کش نے جو کچھ اس کے
چہرے پر دیکھا تھا، اس کی نظر کا دھوکا نہیں تھا۔ نہ ٹھیکر کی آوازی تھی۔
اور ایک باری تو وہ تھی جو اس نے خود کو سنبھالنے کے لئے کی تھی... بڑی
مشکل تھی... اندر تو بے انتہا تھی... طوفان تھے... چہرے پر مسکراہٹیں اور
کھلکھلاہٹیں تھیں... اندر تو موت تھی... چہرے پر زندگی کی دھناتیاں...
ایسا مشکل وقت اس پر کبھی نہیں آیا تھا... جو ابھی کچھ دیر پہلے اسے
گوارا نہ تھا... مگر... ماں کے کہنے کے مطابق شاید وہ سچ پچھتاہی کا
تھا... جو ثابت مسلم رہ کر سارے طوفان اور تیرا متیں گوارے کی تھا... اپنے
نہن من پر سے... بنا کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوئے...

ابھی یہاں برآمدے میں آئی تو تھیں، واپس چلی گئیں... بھائی جان کی
بہری بنانے میں بڑی مصروف ہیں... بہت زور شور سے... سنگٹوں کے
ہاتھ... خوشیوں کے ساتھ... اتنی مگر گندار کہ پہلی خوشی دیکھ رہی ہیں۔
"میں نے بھائی جان کا پوچھا تھا... کہیں گئے ہوئے ہیں...؟"
"وہ کہیں جانے کے قابل کب رہ گئے ہیں... نگہ کش زور سے ہنسی...
"مگر سے میں پڑے ہیں... اسی کے خوابوں دنیاوں میں کھوئے ہوئے..."
"اچھا پھر... تم چلو... میں کپڑے بدل کر آتا ہوں... پھر ساتھ مبارک
روں گا، اور ساتھ بھائی جان کا سہرا وغیرہ گاؤں گا..."
"اے عمو! میں نے نئی ڈھونڈ نکالی ہے... گاؤں گے! بھائی جان
کا سہرا...؟"

"کہہ تو رہا ہوں گاؤں گا..."
"ارے اباؤ آیا... تم کہہ تھوڑی سی شعور و شعری بھی کر لیا کرتے
ہو... سہرا خود کھنا..."
"کھوں گا بھی... گاؤں گا بھی... بلکہ کہو گی تو ہاں گا بھی... یہ بتاؤ
میرا ساتھ کون دے گا... دوی شری وغیرہ..."
"جیل گندار...؟ سہیلی کو پھیرنے پر اس نے پیر کو ہاتھ دھو کر طرف
دھکا دے دیا۔ "چلو نہا دھو کر نکلو باہر! جلدی سے..."

اس کے قطرے حلق میں پکھائے... ادھر ادھر کی باتیں کیں... دو چار لطفے
مناسے سفر میں اس کی طبیعت کی بھالی کے لئے سرچھن کر ڈالا...
”تم غلہ کیوں کرتے ہو... تمہاری میل کی خاطر کنوؤں میں باسن تک
ڈال دینے کی کوئی کسر نہیں بھرتوں گا... مل جائے گی انشاء اللہ...“
اس کا کھوج تک جائے گا...

جواد نے کیا کیا کہتا رہا... مگر میرے کوسارے کو اس قسم جیسے
بیچارہ ہو چکے تھے... اُٹھا... نکوٹ پر پاؤں دھرا اور چپ چاپ نکل گیا۔
جواد پکارتا بھی رہا تھا... پیچھے بھی پیکا تھا... مگر اس نے مڑ کر دیکھا نہیں۔
بڑی دیر سڑکوں پر سوکڑا گھٹا رہا... پھر ایک پارک میں جا کر بیٹھ
گیا... کسی طرح دماغ ٹھکانے پر نہیں آ رہا تھا... تن بدن کی جو حالت
ہو رہی تھی ناقابل بیان تھی... جسم سے جیسے روح جدا ہو چکی تھی...
وہاں بھی سکون نہیں ملا تو اُٹھ کر پھر سڑکوں کے چکر لگانے لگا...
بالگونی، دواؤں کی طرح پیلی جیسی ہر ڈھل تیلی، سفید چادر پوش لڑکی
کو گھور کر دیکھتا... ایک بار تو جی چاہا تو زور سے سڑکوں پر پڑ پڑا
پکارتا پھر سے...

اسی طرح شام ہو گئی... چرواہے ہوئی... آج ٹیوشن کے لئے بھی
نہیں گیا... ایک لفظ بولنے کے قابل نہ تھا... بچوں کو پڑھاتا کیسے...
پھر اسی حالت میں، نامکام و نامراد سا گھر واپس آ گیا... اس قدر
ٹوٹ پھوٹ گیا تھا کہ اظہاری ہیئت ہی دیکھنے پر تہ چل رہا تھا۔ وہ کس

لیکن... وہ سانس بے کب تھا... وہ تو اسی وقت ٹوٹ پھوٹ کر بڑے
رہزہ ہو گیا تھا جب جواد نے اسے بتایا تھا کہ اس کی ماں ان بچوں کے گھر
گئی تھی، نہیں، میں پوچھانے جا یا کرتی تھی...
اسے کاش... اس سے آگے سننے کو اس کی سماعت باقی نہ رہتی...
یوں امید کی کرن اندر روشن تو رہتی... جگمگاتی تو رہتی...

”مجھ بچوں کو وہ پڑھایا کرتی تھی، ان کے والدین کا وہاں سے تبادلہ
ہو گیا تھا... امداد گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں... جواد نے ساری بات تفصیل سے
بتائی...“

”اور اب اس گھر میں جو لوگ آئے ہیں انہیں ان کے متعلق کچھ بھی
پتہ نہیں... اتنی بڑی پریشان لوٹی ہیں... (مدد گرو سے بھی پوچھا...
کسی کو بھی ان کا پتہ معلوم نہیں...)“

ایسی مایوسی... ایسے اندھیرے، ایک دم، ہن اندر اُتر گئے کہ وہ
کتنی ہی دیر تک سانس لینے کے بھی قابل بھی نہ رہا... چکر آنے لگے...
جسم کا ایک ٹھنڈا پڑ گیا... چہرے کا سارا خون بخور کر میرے کسی نے ہلدی
تھوپ دی ہو...

اس کی حالت دیکھتے ہوئے جواد نے جلدی سے کاؤنٹر پر جی ٹاپا
لٹا... ایک گلاس مفرغ شربت کا پلایا... پھر کچھ دیر بعد گرم گرم چائے
کی پیالی بھائی...
سانسے سیڈیکل سٹوڈ سے دل کی نوی نصیحت کے لئے دوا لے آیا...

زیر لبی تھا۔ خوش بھی تھا بے حد۔۔۔ روئیں روئیں سے خوشی چھوٹی پڑ رہی تھی۔۔۔ لوگوں نے ڈھونڈ بکائی۔۔۔ غیر نے گانا گانے کے بعد ڈانس کیا۔ زیر کو بھی ساتھ ملا کر، اس سے بھی ناپاک کر ڈالا۔۔۔
سب ہنسی ہنس کر دوسرے چورہے تھے۔۔۔ پھر اس نے مختلف قسم کے سرائیک بھرے تھے۔۔۔ محفل زعفران زار بن گئی۔۔۔ جتنا اندر سے دیکھی تھا۔۔۔ دور رہا تھا۔۔۔ اتنے ہی اس نے تہقے خود لگا ڈالے اور دوسروں کو بھی ہنسا ہنسا کر بے حال کر ڈالا۔۔۔

نہیں تو اس کو توجہ کی بات ویسے بھی نہیں آنا تھی۔۔۔ تو۔۔۔ رات اس نے بڑے بھائی کی خوشیوں کے نام کر دی۔۔۔ پھر بہت سارے لطیف سے لطیف مسالے۔۔۔ نازک نازک سی ہنسیاں نکھرتی رہیں اور فحری سے تہقے گونجتے رہے۔۔۔

اور۔۔۔ آخر میں جب فجر کی اذان ہونے والی تھی تو سب سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔ اذان ہونے ہی نماز پڑھی اور پھر بڑی دیر دھڑاٹھا کر دیب کمرے میں دعا مانگتا رہا۔۔۔

وٹا ہوا، غمزہ اور دیکھی دل اپنے مانگ کے حضور جب کا تو پھر سارے صبر اور حوصلے جواب دے گئے۔۔۔ وہ اس قدر رویا اس قدر رویا کر چکیاں بندھ بندھ گئیں۔۔۔

”پھر دروگاہ بچے میری زندگی سے نہیں ملتا تو موت کے گمے لگا دے۔“ یہ دعا بار بار کہنے جا رہا تھا۔ ناظر، غم اور دکھ نے اس کی ایسی بات

اذیت کے عالم سے گزر رہا تھا۔۔۔
وہ کوئی آباد عمارت تھی یا دیران کھنڈر۔۔۔ گلشن نے اس کی حالت سے کچھ اندازہ تو لگے لیا تھا لیکن پھر۔۔۔ جب اس نے ہی کھرکا ماحول دیکھا، دت دیکھا، زیر کی شادی کی خوشخبری سنی تو۔۔۔
اپنی حالت اور کیفیت کو مزائی کا رنگ دے دیا۔۔۔ گلشن اس کی باتوں میں آگئی۔۔۔ پیچھے اداکاری کبھی۔۔۔

دکاش! یہ اداکاری ہی ہوتی۔۔۔ یہ عذاب اس پر نہ گزرا ہوتا۔۔۔ ہائے۔۔۔! یہ کیا ہو گیا۔۔۔! یہ کسی خطاؤں کی سزا اسے مل رہی تھی۔۔۔ کس گناہ کی پاداش میں وہ خدا کے اس قہر اور غضب کا نشانہ بن رہا تھا۔۔۔
اس پر قیامتیں ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔۔۔

مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔۔۔ فنا ہو جاتا۔۔۔ پندیر کے سامنے اور گلشن اور ماں کے سامنے اسے اپنے کسی غم اور دکھ کا اظہار نہیں کرنا تھا۔۔۔

ان کی خوشیوں کے ساتھ اسے خوش ہونا تھا۔۔۔ اپنے غم کے رستے ناموسوں کو چھپا کر اسے ہنستا تھا۔۔۔ اپنی آہوں اور کراہیوں کو دبا کر اسے تہقے لگانا تھا۔۔۔

تب۔۔۔ وہ ہنسا بھی۔۔۔ اس نے تہقے بھی لگائے۔۔۔ گلشن اور اس کی سہیلیوں کے ساتھ مل کر ٹپے، ترانے اور مابینے بھی گائے۔۔۔ فی البدیہہ سہرا پڑھا۔۔۔ ایسا کہ خوب رنگ جما۔۔۔ بڑی فادہ دہش ملی۔۔۔

اس کے بیٹا کو ادھر ادھر سے دبا یا... کچن صاحبہ پڑا اسامائے کد
رہے تھے...

”ہیں ٹھیک ہوں اتنی جی...“ غیرتے آنکھیں کھول کر اک اک کو دیکھنے
کے بعد ماں کے پیشانی پر ہونے والے پیرا پیرا لہجہ دھو دیا...

”البتہ تقاہت سے محسوس ہو رہی ہے...“

”لیکن یہ...“ اسے ہلستے، ہلستے تجلے دیکھ کر کاغذی صاحب کی آنکھیں
میں زندگی چمکی... ”جو کیا تھا بیٹے...؟“ بچے میں ایسی شغف، ایسی
ملاوٹ پہنے کم ہی کبھی ہوتی تھی...

غیرتے کے اندر تقویت سے آگئی... ”کچھ نہیں آیا جی! بس نماز پڑھتے
پڑھتے چکر مارا گیا...“

”یہ اپنی خود اک کی طرف سے بہت غافل رہتا ہے...“ آنسو صاف
کرتے ہوئے آگے بڑھی...

”سچ بتانا... کل رات کھانا کھایا تھا...؟“

غیرتے زبان سے تو کچھ نہیں بولا، پر اس کی نظروں میں جھک گئیں... اور
جھکی نظروں کا جواب سب نے دیکھ سن لیا...

”نہیں نا... اور کل دوپہر...“ سچ بتانا... ”گلش کسی تھا نیدار کی طرح
پوچھ گچھ کر رہی تھی...“

”کل دوپہر...؟ کھانا نہیں کھایا تھا البتہ چائے وغیرہ ہی تھی...“

وہ آٹھ کر بیٹھے کی کوشش کرنے لگا... اتنے سارے لوگ، وہ بھی سب

کردی تھی کہ آخر وہ وہیں، جانا نہ پڑے گی...



غیرتے کو جب ہوش آیا تو سب اس کے ارد گرد تھے... آبا جی تھے...
زیر تھا... گلش ایک طرف کھڑی رہ رہی تھی... ایک شخص سر جھکا
اس کی بغیر کچھ سے بیٹھا تھا... ڈاکٹر می ہو چکا تھا... غیر اس کا پہرہ نہیں
دیکھ سکا تھا، البتہ گلے میں پڑا شیشو کوپ ہی تیار ہوا تھا...
جہاں آرا اس کے سر پر نے بیٹھیں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی
تھیں... پھر کبھی اس کی پیشانی پر رکھ کر اس کا ٹمپر بچہ محسوس کرنے کی جیسے
کوشش کرتیں...

ڈاکٹر صاحب نے بغیر دیکھنے کے بعد اس کا ہاتھ پریشور دیکھا شروع کر
دیا... کاغذی صاحب عین ڈاکٹر صاحب کے پیچھے کھڑے اسے دیکھ رہے
تھے... اور کبھی منتظر نظروں سے ڈاکٹر صاحب کی طرف... کہ وہ اس کی کیا
تفصیل کرنے والے تھے...

”ڈاکٹر صاحب! میرے بھائی کو کچھ ہو گیا تو...“

آگے زیر پرہ نہیں کیا کہنے والا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے پہلے ہی
لوک دیا... ”ایسی کوئی بات نہیں...“ نکر نہ کریں...“

نی پل چپک کر سنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس کی بینیاں ٹوٹیں...

”خود رک کی طرف سے غفلت کے علاوہ انہیں کچھ صدمہ پہنچا ہے... اس کی لئے بنا ڈاکٹر صاحب نے سنجیدگی سے کہا...“
 ”یہ اسی وجہ سے بے ہوش ہوئے ہیں...“
 ”صدمہ...؟ غیر کو...؟“
 ”میرے بھائی کو صدمہ...؟“
 ”اس کو کیا صدمہ پہنچ سکتا ہے؟“
 ڈاکٹر صاحب کا یہ انکاف سب کے لئے بڑا حیرت انگیز تھا...
 اک بے پرواہ، لاابالی، غیر ذمہ دار اور بے حس سے انسان کو بھلا کیا صدمہ پہنچ سکتا تھا... وہ تو کسی پرنسپل یا دیگر کو کہیں خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔
 اس کے لئے سب ایک ہی نقطے پر سوچ رہے تھے... ایک ہی انداز سے...
 ”انہیں کم از کم دو تین دن آرام کرنا چاہیئے... اور جہاں تک ہوسکے خوش رکھیں...“
 ڈاکٹر صاحب نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے ہدایت کی...
 ”خوش تو ہے... اس کے بھائی کی شادی ہے... رات گانا گاتا رہا...“
 ناچنا رہا...“

جہاں آرام نہ بتایا... بہت دقت لگائی... مہلت نہ دیا... قہقہے لگائے...
 ”کیوں نیگ بین! یہاں، دل کے اندر کیا ہے...؟“ غیر کی چھاتی تھپتھپانے
 ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بڑے خوشگوار موڈ سے پوچھا تو وہ بڑی طرح گھبرا گیا۔

اس سے بڑے، ابد گرد و کھڑے تھے اور وہ لپٹا ہوا تھا... بے ادبی کی بات
 تھی۔ سب کا ادب و احترام طوطا رکھتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...
 ”لیٹے رہیئے... آپ کی حالت بیچنے والی نہیں... ڈاکٹر صاحب نے
 اسے کندھوں سے پکڑ کر لٹائے کی کوشش کی...“

”عمو... عمو ڈیٹر! لیٹ جاؤ...“ فریر کے چہرے پر سب سے زیادہ
 ہواشیاں اُڑ رہی تھیں...
 ”ڈاکٹر صاحب! کوئی ایسی دوا دیجئے... یہ ایک دودن میں بالکل
 ٹھیک ہو جائے...“

”ہاں ہاں... جہاں آرام جلدی سے بولیں... یہ اس کا بڑا بھائی ہے...“
 بچے سے فرمایاں تھا... ”امریکہ سے آیا ہے...“ تین چار دنوں بعد اس
 کی شادی ہے...
 ”ٹھیک ہو جائیں گے، انشاء اللہ...“

ڈاکٹر صاحب نے کچھ اور توہیر سے اسے دیکھنا شروع کر دیا... آنکھوں
 کے پورے اٹھا کر دیکھے، گلے کو دونوں طرف سے تھپتھپایا، شہتہ کو سچپ سینے
 پر لگایا، پیٹھ پر لگایا، دل کی دھڑکن غور سے سنی، بلکہ بڑی دیر
 سنتے رہے...“

مگل ٹھیک کہتی ہے... پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا...
 میرے ڈاکٹر صاحب کیا چھڑانے کے لئے اپنا علاج جلدی سے خود
 ہی تجویز کر ڈالا...“

کب یہ سب اس نے بھی دیکھا تھا...



بہت کوشش کے باوجود، بستر سے اٹھ نہ سکا... کھایا پیاجی... دوا
میں لی... پرند وجود کچھ استوار ہوا اور تہ ہی طبیعت مائل کرنا کہ سب میں
بیٹھا... شادی کے کاموں میں یا علاج مشوروں میں شامل ہوتا...
آنکھوں پہ کھٹی رکھے، لیٹے لیٹے ہی سارا دن گزر گیا... چار دن بعد
شادی تھی... بہت کام تھے... کوئی بھی اس کے لئے فارغ وقت نہیں
نکال سکتا تھا کہ دو گھنٹہ اس کے پاس بھی گزار دے...

کچھ اس کا دل بیٹے، کچھ طبیعت سنبھلے... کسی کے پاس وقت تھا ہی نہیں۔
بس گلشن آتی... اسے دوا دے جاتی، کھانا دے جاتی، پچائے وغیرہ دے
جاتی... ایک دو چلتے چلتے فقرے کہتی... وہ مسکراتا تھا... نہیں دیتا۔ مطلق
ہموکر واپس چلی جاتی...

مگر... اس کے اندر جو دیرانے اتر گئے تھے، وہ کسی طرح آباد نہیں
ہو رہے تھے... نہ تصورات سے، نہ خیالات سے... بس بے آباد سالور ڈونا
چھڑا مارتا ہی رہا...

شام ہوئی تو جواد آگیا... آنکھوں میں خلوص و محبت کے روشن روشن
بھرا رخ تھے... اس کی پیشانی کو چھو... نبض مٹولی...

”نہیں سرا کچھ بھی تو نہیں... بس حرف خوشی ہے... اہ البتہ... میری بہن
کی شادی ہے... یہ بہت دُور چل جائے گی... اور اس نے مجھ بہت پیار ہے۔“
صدے کی تو جیہہ جبر سے سوچ کر نکالی... ورنہ سارے پتہ نہیں کیا کیا
سوچیں گے... کیا کیا قیاس آرائیاں کریں گے...

”اہ... یہ بات میں ہے... بہن کے بہت دُور چلے جانے کا غم ضرور ہو
سکتا ہے۔“

جہاں آمانے تائید کی... ”یہ بہن بڑی محبتیں کرنے والی ہے۔“
”بہر حال ڈاکٹر صاحب! میرے بھائی کو پلیر ٹیک کر دیں...“
”ٹیک کرنے والا وہ ادھر ہے... ہم ڈاکٹر لوگ تو صرف کوشش کر
سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر صاحب نے فخر کھا... کچھ مزید باتیں دیں... کھانے پینے کے
مشق... دوا کی باتا حد کی رکھنے کے متعلق... اور... رخصت ہو گئے...

ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد باری باری سب نے مل کر اپنے اپنے
انداز میں کھایا... گلشن نے پیار و محبت سے... جہاں آمانے ڈانٹ لے
کر... کاٹھی صاحب نے ہلکے سے طنز کے ساتھ... کہ کام کو وقت آیا تھا اور وہ
سخت، کاٹھن، نہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا...

نہیر نے خوشاد سے، منت سے اسے جلد صحت یاب ہونے کو کہا تھا کہ
اس کے بغیر اس کی شادی میں مدفن نہیں گنتا تھی... پچھلی رات کیسار تھکا جانا یا
تھا... وہ لمحات اسے بھول نہیں پا رہے تھے... دلوں کے، اُنکوں کے خوشیوں کے...

نہیں کرنا ہوگا... تم جانتے ہو میری زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے...
 ”سب جانتا ہوں...“ غیر کی حالت دیکھ کر جواد کی آنکھوں میں آنسو
 آگئے...

”نسا بے بس، مجبوراً وہلا چار عشق اس نے کسی انسان پر سوار ہوتے
 نہیں دیکھا تھا...“

”کبھی بد کنی تھی بے چارے کی... جو کچھ ہوتا ہے، خدا کی طرف سے
 ہوتا ہے...“

”لیکن... ہر آزمائش میرے نصیب میں کیوں کھلی گئی تھی... کیوں...
 جواد دل ہی دل میں اللہ میاں سے سوال درجواب کرتا ہوا آٹھ
 کھڑا ہوا...“

”کچھ دیر میرے پاس بیٹھنا چاہتا بھی تھا... اس کا دل بہلائے کو...
 حوصلہ افزا اور تسلی بخش باتیں کر کے اس کا دل لگائے کو... مگر یہ بھی میری
 کی خواہش تھی... اسی کے دل کا تھا نسا تھا...“

اور اپنے عزیز ترین دوست کی ہر آرزو اور نسا پوری کرنا وہ اپنا
 فرض سمجھتا تھا... تب جلد ہی اٹھ کر چلا گیا...

”میرے پھر کبھی میں چہرہ چھپا کر بھاگ گیا... اپنا چہرہ چھپا لیتا تھا تو
 اس کا نظر آنے لگتا تھا... وہ اس کے دیردار میں لحد ہو گیا...“

”ارے...! قدموں کی چاپ کے ساتھ گشت کی آمادہ سماعت سے
 دھمکان... بیل کا چہرہ غائب ہو گیا... میرے مددی سے کبھی پرے ہٹا لی...“

”بخاؤ نا ابھی ہے...“ بڑی ہمدردی بھری نظروں سے اس کے پشہ مردہ
 سے پھرے کھینکتے ہوئے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا...

”مدم کیوں آئے ہو...؟“ میرے پشہ شکن ماتھے سے پوچھا...
 ”منہادی عبادت کے لئے...“ اس کی پیشانی کی شکنوں کو نظر انداز
 کرتے ہوئے وہ کہنے لگا...

”مجھے پہلے ہی پتہ تھا... ایسے ہی کچھ ہوگا... تم بیمار پڑ جاؤ گے...“
 ”ٹھیک ہو جاؤں گا ایک رو دن میں...“ ہر جواد انہیں نہیں آنا
 چاہیے تھا...؟

”مرے سین صرف وہی دونوں تھے... پھر بھی میرے ادھر اُدھر دیکھتے
 ہوئے انتہائی راز داری سے کہا...“

”اب صرف ایک ہیں اس کے کھونچکے کانڈھیر باقی رہ گیا ہے کہ وہ
 دکان پر آئے اور اس سے اس کا پتہ پوچھا جائے...“

”میر بات تو درست ہے... اور اب میں نے اپنے اندر بہت ساری
 بہادری جمع کر لی ہے... تمہاری خاطر کچھ بھی ہو جائے اب اس سے اس کا
 پتہ پوچھ ہی لوں گا...“

”اسی لئے تو کہہ رہا ہوں نہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا اذرا کہ
 اک لمحہ دکان پر گزارنا چاہیے تھا... سوچو اگر تمہارے بعد وہ آجائے...“

”اس کے آنے کا یہ وقت نہیں ہے... میں وہ وقت نکال کر آیا ہوں...“
 ”پھر بھی...“ میں تندی کو اپنے ساتھ، ہاتھ کرنے کا کوئی بھی موقع فراہم

”بس پھر... کل شام تک فٹ... باقی ساری تیاری کر لی...؟“
 جہاں آرا نے اندر آتے ہوئے غیر کی بات سنی... گلشن ابھی کوئی جواب
 نہیں دے پائی تھی... وہ پہلے ہی بولی پڑیں...
 ”لوٹ کے کی شادی کیا ہوتا ہے... زیور اور کپڑا... چوچی جڑی تیار...“
 ”تباہی بری بھی آدھی تیار ہے... گلشن نے شوخی سے اسے ہنکھٹا...
 ”کیا مطلب...؟“
 ”زیور ہے... کپڑے بھی بن جائیں گے... بس اپنا وعدہ یاد رکھنا...
 تمہیں بھی نمٹا کر ہی یہاں سے رخصت ہوں گی... انشاء اللہ...“
 غیر کی نظروں کھٹک گئیں... گلشن کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے...
 ویسے جواب دیتا بھی کیا... کچھ تعارفی نہیں اس کے پاس...
 البتہ جہاں آرا متفکر سے کچھے میں بریدائیں... پہلے تم دونوں کے تو
 منٹ جائیں... انہد عورت سے دقت گزار دے...؟
 ”آپ کی پلاننگ ٹھیک ٹھاک تو ہے... عورت سے ہی دقت گزرے گا...“
 ”پتہ نہیں کیوں... اندر ہی اندر میرا دل مچا جا رہا ہے...“
 ”آپ نکر نہ کریں اتنی جی... بس دعا کریں... گلشن نے انہیں خبر پوچھ لی...
 ”یہ عمو بھی انشاء اللہ کل تک ٹھیک ہو جائے گا...“
 ”یہ انسان ہوتا تو پھر تم کس بات کا تھا...“
 ”یہاں بیٹے کے پاس بیٹھ کر یاں ایسی بات کہہ دے گی... گلشن کو اندازہ نہ تھا...
 ”جیس اتنی جی ادھر... بہت سارے کام پڑے ہیں... گلشن جلدی سے

”دیر جواد کے لئے پائے لائی تھی اور وہ یہاں ہے ہی نہیں... کہاں گیا...؟“
 ”جیوٹا ساثر سے اس کے ہاتھ میں تھا... اور اس میں دو چائے کی پیالیاں
 اور ایک بسکٹوں سے بھری پلیٹ ڈھری تھی...“
 ”اسے کوئی کام تھا... بہت مہزوری...“
 ”یہ تم دونوں کو ہر وقت بڑے کام پڑے کام پڑے رہتے ہیں...“
 گلشن مکرانی...
 ”مگر اصل کام کے دن اب آئے ہیں... اور تم بیار پڑ گئے...“
 ”حارے کروں گا...“ غیر نے چائے کی پیالی لے لی...
 ”صرف آج کا دن آرام کروں... اور کل سے تم مجھے بستر کی طرف دھکیں...“
 ”بھار اتنا درد تو نہیں دھکیوں گی...“
 ”یہ بھار اتنا اپنی بس میں نہیں ہے...“ غیر نے قدمنی سافرو بولا...
 ”گرفت رہی اس کے معنی جانتا تھا تھی تو بات رہ گئی... گلشن نے ہال کی کھال
 نہیں آٹا...“
 ”کیوں نہیں... دوا باتا عذکی سے لور انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا...“
 ”دوسرے چائے کی پیالی وہ خود لے کر بیٹھ گئی...“
 ”بھاتی جان تمہارے لئے بڑے پریشان ہیں...“
 ”دو کیوں...؟“
 ”ساری خوشی اور رونق تو تمہیں نے لگنا ہے... پیرسوں رات کو بھندی
 ہے... تمہیں معلوم ہے...؟“

”مخل نہیں... مر لیں کر ملنے اس کے ذریعہ آئے ہوئے ہیں... میرے
مسکرا کر شونہی سے کہا... ایک دم ہی چہرے کو نہ صرف مارا بل کر لیا تھا
بلکہ اک خوب صورت سی مسکراہٹ بھی اس پر سجائی تھی... اندر کے دکھ
چھپانے کا خوب عادی ہو چکا تھا... اور خوب طریقہ آچکا تھا...
”میرے تائیے آپ کیسے آئے ہیں... ذریعہ کی حقیقت سے یا...“
”ذریعہ کا بچہ... ہنسنے اٹھ کھلائے حیر کا بازو ذریعہ نے تھام لیا...
”چل ناٹھ... بستر چھوڑ... سارے گھر میں سناٹا بچھا ہوا ہے... یہ
شادی والا گھر ہے کیا...؟ کوئی چہل پہل نہیں، کوئی ہنگامہ نہیں... ناٹھ
لاؤ نج میں چل...“
”نہ نہ... گنگش نے جلدی سے بڑھ کر عمیر کا بازو ذریعہ سے پھڑپھڑایا...
”اس کو ابھی بچا ہے... اگر آرام نہ کیا تو بڑھ جانے کا خطرہ ہے...“
”پھر ایسی آخری ہوئی سی شادی میں نہیں کرانا... مزہ میرے پھل کر
چھوٹ گیا...“
”کیسی باتیں کر رہے ہو...؟ جہاں آرا نے پیار پھر ڈانٹ دی...
”مخدا نہ کرے یہ آخری ہوئی شادی ہو... پھر نہ ایسے کلمات منہ سے نکالے...
”دیکھئے نا اماں! میرے دل میں خوشیوں نے دھوم مچائی ہوئی ہے...
اور... اور میرا جی چاہتا ہے کوئی جوش ہو، ہنگامہ ہو... میرے ساتھ کوئی
اس کی باتیں کرے...“
”بھروسہ گھوم کر کیا ایک گلشن سے مخاطب ہو گیا...“ ارے گڑن! اس کا نام

”اٹھ کر کھڑی ہو گئی...“
”آپ مجھ سے جو کچھ چاہتی ہیں اتنی جی! اماندہ کو شش کروں گا وہی
کروں... البتہ کچھ کوتاہیاں معاف کر دیں...“
”نہ نہیں عمیر کو کیا کیا ہو گیا تھا... کیوں اتنا جذباتی ہوا اٹھا تھا... رونے لگا...
”مجھے صاف کر دیں... مجھے صاف کر دیں... میں نے بہت تنگ کر رکھا
ہے سب کو... مل رہی ہیں سزاؤں... بہت بڑی بڑی... گھٹکت رہا ہوں
اپنے کیسے کی...“
”ارے ارے!“ عمیر کی حالت دیکھ کر گلشن پر بھی رنٹ طاری ہو گئی...
”تم نے کیا کیا ہے...؟ کچھ جی تو نہیں پگھے...؟“ گلشن ٹھننے سے پتہ کی طرح
عمیر کو ساتھ لگا کر بھلنے لگی...
”نہ میرا عمو! بخار زیادہ ہو جائے گا...“ چپ کر... اور... اس کے
اپنے جی آنسو بہنے لگے...
”اور میرے فلاڈر گاڈن! اماندہ! کہاں ہو تم لوگ...؟“
”نہ میرا نہیں ڈھونڈتا ہوا... آواز نہیں دیتا ہوا اور داخل ہوا... گلشن
نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھے... عمیر کے پونچھے...
”بھائی جان کیا سوچیں گے... یہ نیک نگوں نہیں... سرگوشی میں عمیر کو
سمجھا کر وہ پرے ہٹ گئی...
”تو یہاں مخلد جی ہوئی ہے...؟“ سب کو دہان دیکھ کر نہ میر خوش
ہوا تھا...“

”مگر یہ امریکہ نہیں بیٹھے! یہ پاکستان ہے... یہاں یہ پاکستانی رولز چلیں گے...“

”چلیے اتنی جی! جلنے دیں... اگر بھائی جان کی خوشی اسی میں ہے تو ایسے ہی سہی...“

”تم کیسے پتھر کے بنے انسان ہو...“ جہاں آغا عیمر پر ہی ہنس پڑیں۔
”پانچ چھ دن بعد ہمیں کی شادی ہے... کیا اس کی شادی میں کوئی حصہ...“

”ہم ایک دن پہلے آجائیں گے ماما! ہمیں تو وعدہ کرتا ہوں شادی کے وقت تک تو مزدور پہنچ جائیں گے... ہم اپنی اکھوتی میسٹر کو خود رخصت کریں گے...“

نہ پرستے بڑے احسان کرنے والے انداز میں کہا... گلشن رنج پھیر کر کھڑکی میں جا کھڑکی، موی... آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو چھانسنے کی خاطر...

”اور اس کی بھابی... جس کو وہ اتنے چاؤ اور اماںوں سے لاد رہی ہے، اس کے پاس ایک دن بھی نہ گزرا رہے... تمہاری تو بیوی بن جائے گی... ساری عمر تمہارے ساتھ ہی اس نے رہنا ہے۔ اس کا شوق بھی تو پورا کرو...“

”نہیں اتنی جی!“ گلشن سنہل چکی تھی... آنسو بھی پونچھ لئے تھے... یا پھر اندر ہی اندر پائی گئی تھی... پلٹ کر ان کے پاس آگئی...

کیا ہے... بڑھاپی والے فن میں رہی ہے...“

”اب آپ خود ہی اس سے معلوم کر لیجئے گا... دو چار دنوں تک تو اس نے اس گھر میں تشریف لے آنا ہے... فی الحال پسین میں رہ بیٹھے...“
لدیہ پسین سہیں قبول، منظور...“ زیر کو تو خوشیوں کی فراوانی نے ہر مست کیا ہوا تھا...

کچھ اور سوچ رہی نہیں رہا تھا... ”یہ شادی فرائی ٹے کو ہو گا اور پھر سیکر ڈسے کی سیٹیں دیگرہ ریزرو کرائوں...؟“ وہ سب سے مشورہ کرنے کے انداز میں پوچھ رہا تھا...

”کہاں کی...؟“ جہاں آغا نے ہونک کر اس کی طرف دیکھا...
”کیا امریکہ واپس جا رہے ہو...؟“
”ہائے اتنی جی! امریکہ کیسے... بھابی کا پاپورٹ اور ویزا وغیرہ بنے گا تو جائیں گے نا...“

”ہاں...“ زیر گڑ بڑا کر بولا... ”امریکہ بعد میں... میں تو ہنرمون کی بات کر رہا تھا۔“

”مارے بیٹے! چھ دن پہلو کو ہمارے پاس رہنے دینا... ہمارے ہی کچھ اماں ہیں... پھر اگر تمہیں امریکہ چلے ہی جانا ہے تو وہاں بھی تو ساتھ ہو گی... ورنہ تمہارا ہنرمون ہو جائے گا...“

”نہیں تمنا! ہمارے امریکہ کا تو رواج ہے چرچ سے نہکتے ہی دودھا دہن ہنرمون خرید پیر دوا نہ ہو جاتے ہیں... فوراً...“

چرخوں کی طرح چمکتا رہتا ہے۔ اس کے دل کے لئے...
گلشن نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بڑے پیار سے کہا... "بتاؤ
اس وقت کھاؤ گے کیا..."

جو ادبیت سارا پھیل لایا تھا، جو اس کے سر ہانے میز پر چڑھا...
اس میں سے کچھ..."

"نہیں... جی نہیں چاہ رہا..."

"یہ ہر سالے میں کچھ سب سے... کمانے میں بھی... خرچ کرنے میں
بھی اور کمانے میں بھی... پر ہم تو نہیں ہیں... کمانے میں بھی خوب ہیں...
خرچ بھی خوب کرتے ہیں اور کھاتے بھی خوب ہیں..."

ذہیر پھیل اٹھا اٹھا کر کھانے لگا... "میں بھی تقویت کی ضرورت
ہے۔ شاید عمو کی جگہ آج رات میں ہی ناپا پڑ جائے... محض تھوڑا گرم
کرنی ہی ہے..."

ایک کیلا پکڑ کر کھینچا اور زبردستی ماں کے منہ میں کھنسا دیا، ایک
سنگرہ گلشن پر دست مارا... "سب کھاؤ... خوب کھاؤ..."

گلشن نے وہ سنگرہ واپس نہ لے کر مارا... یوں آن کی آن میں
ہاتھ لگم بچ اٹھا... شور مچاتا رہا... آگے گلشن بھاگی... پیچھے ذہیر...
عمو سنس رہا تھا... محظوظ ہو رہا تھا... جہاں آرا بھی کھلکھلا رہی تھیں...
ان کی رات رسم جانتی... بڑی دھوم دھام سے ہوئی... عید کا بخار
البتہ آخر نہیں رہا تھا... ڈاکٹر صاحب نے کچھ اور بھی سختی کر دی تھی...

"جانی جان کی خوشی ہوئے دیں... میرے شو کی کیا ہے...
پاکل شو کی کا شو... اس نے اپنی بھرا جانے والی آواز کو جلدی سے
نارسل کر دیا..."

"دیسی کچھ زیادہ شو کی بس یہ بھی جی لاسے کا ہے... بس... اور
اپنے بھائیوں کے گھر لے گا... اس کے بعد جہاں نہیں خوش رہیں...
"جو جی چاہتا ہے کرو... جہاں آرا خفا خفا سی اٹھ کھڑی ہوئیں...
"لو جی... یہ ہماری شادی کی رونق لگ رہی ہے... ذہیر رقت
چہرے لہجے میں بولا..."

"ایک بیمار... ایک ناراض... اور کارڈن ڈیٹر! تم بھی اپنے آپ
کو کچھ کر لو..."

"ارے واہ... گلشن نے چہرے کو ایک دم ہی بیمار بہا کر دیا...
نہ نہ کچھ کچھ کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اتنی ناراض ہیں... عمو البتہ
بیمار ضرور ہے، پر یہ اللہ کا بندہ تو بیمار ہو کر بھی، دیکھ لیجئے، کتنی
دو لیتیں لگتا ہے... لیٹے لیٹے ہی... آج ہماری محفل اس کے کرے
میں ہی جمے گی... کیوں عمو...!"

"بالکل... میں کانٹے بھی گاؤں گا... اور لطیفے بھی سناؤں گا..."

وہ بے محجے ادھر والی میں جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں...
"نہیں نہیں... کل کے لئے آج تمہیں مکمل آرام دینا ہے... اس
پگلے! پرسوں مہنگا ہے... ترسوں رات ہے... تمہیں مکمل آرام کر کے

نظریں اتارتی پھر رہی تھیں...

جھیر نے سہرا پڑھا۔ بہت خوب صورت سہرا لکھا تھا... بہت مڈب کر... بڑی چاہ سے... اتنی ہی خوب صورت آواز میں گایا بھی... پرے جذباتوں کے ساتھ... بیچ بیچ میں کھانسی بھی آتی تھی... پھر بھی خوب دنگ جما...

سہرا بندی ہوئی، برات چڑھی... ایسی رونقوں، خوشیوں والی شادی خاندان بھر میں پہلے کبھی کسی کی نہ ہوئی تھی... نہ میرا امریکہ میں پڑھا ہوا، امریکہ کی کمانی والا، تقدیریں ہی تدریس تھیں، عزتیں ہی عزتیں تھیں... گھر واسے بھی کر رہے تھے، برادری، خاندان اور محلے والے بھی کر رہے تھے... سب نے توفیق اور استطاعت سے زیادہ مان دیا، خلوص دیا اور محبت لٹائی...

یوں بڑے جوش، دلولوں اور امانوں کے ساتھ زبردستی دلہن نے گھر میں قدم رکھا... بڑی مبارک گھڑی تھی... مدد سے کاکرا دیا گیا... خدا واسطے کی رقم بانٹنی لگیں، دلہنیزوں میں تیلی ڈالا گیا... دلالا دلہن پر سے چھوٹی اور کھیلوں کی پادش کی گئی... عرض ہر سنگن پوری اُسنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ کیا گیا...

جھیر بیمار تھا۔ بھائی کی برات کے ساتھ نہیں جاسکا تھا... اک اک لٹے کا بڑی بے تابی کے ساتھ گن گن کر اُٹھار کر رہا تھا... جب پٹانے چلے، آتش بازی چھوٹی اسے معلوم ہو گیا... کہ... اس کا بھائی دلہن سے کرا گیا تھا۔

کھانا پینا بھی پرہیزی... اُٹھنے بیٹھنے میں بھی احتیاط... بھار کے ساتھ میز کو اب تک نہ سی بھی آنا شروع ہو گئی تھی... اس لئے اب اسے بستر سے قدم بھی اُتانا منع تھا...

جواد دندنا اسے ملنے آتا تھا... بلی کو ڈھونڈنے کے لئے جو بھی جتن کمر لگاتا، ہر نئی تازہ رپورٹ اسے دے جاتا... ابھی تک تو مایوسی ہی مایوسی تھی...

یہ خیال ہی نہیں آیا کہ جھیر بیمار تھا اس لئے اس کو صحیح بات نہ بتائے... مایوسی کو چھپا کر کوئی جھوٹ موٹ کی اس ہی بندھا دے... "اُٹی تھی... ملی تھی... پتہ پتہ چل رہا ہے، تندرست ہو جاؤ گے جیسے گے اس کے گھر..."

کچھ بتا دیتا... اپنے پاس سے ہی کچھ کہہ دیتا... مگر... جھوٹ تو کبھی ایک دوست نے دوسرے کے ساتھ بولا ہی نہ تھا... نہ کبھی کوئی فریب لیتا تھا... بڑی پاک، خلص، سچی اور کھری دوستی تھی...

اور... سچائی غیر کی صحت کو اتنا نقصان پہنچائے گی یہ اس سادہ اور خلوص دوستوں بھرے انسان کے من میں آیا ہی نہیں...

البتہ... ہر بار اسے تسلی ضرور دے جاتا تھا... کہ... بلی کو ڈھونڈ کر رہے گا... یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن بن چکا تھا...

شادی کا دن آگیا... شادیانے بیچ رہے تھے... خنیاں گونج رہی تھیں... زبیر اپنا خوب صورت ڈولہا بنا تھا کہ جہاں آرا اندر کشن اس پر سے

”عمو! بھابی سے ملو... اور بھابی! یہ تمہارا اکھوتا دیور... بیکس آجکل بیمار ہے لیکن... بہت پیارا انسان ہے...“
 میرے سر اٹھایا... وہیں نے ٹھکی ٹھکی نظر میں اٹھا نہیں...
 ”ارے! بھیلی... تم...؟“ میرے ہونٹ کپکپاتے... بے صدا آواز نکلی اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا... وہ لوکھڑایا... چکرایا...
 تیرا ریا...“

متم ابھی بڑے کمزور ہو... میں نہ کہتا تھا بیٹے رہو...“ ندیر نے بلدی سے اسے بازوؤں میں سنبھال لیا...

بظاہر میرے وجود کو نہ دیکھنے سنبھال لیا تھا اور وہ گرنے سے بچ گیا تھا۔
 یکن اندر جو زلزلے اگئے تھے، جو طوفان چم اٹھے تھے، جو تباہی میں برپا ہو گئی تھیں وہ سنبھل کر بھی نہ سنبھلی تھیں...

میرے دوبارہ نظر میں اٹھا نہیں... وہ ہمیشہ کی طرح تھی... مقدس اور محترم سی... معصوم سی صورت لئے سر جھکائے کھڑی تھی...

یوں تو عروسی جوڑا بننے تھی... چلتا، جگمگاتا، قیمتی، خوب صورت... لیکن چہرے پر وہیں جیسا ڈھیروں ڈھیر میک اپ تھا اور نہ باز گھارا۔
 معلوم نہیں یہ سادگی اس کی اپنی خواہش تھی یا رخصتی کے وقت بہنوں سے جدا ہونے کی وجہ سے وہ دھوکہ سب مٹا چکی تھی... ہر کیف جو کچھ ہوا تھا تیغِ المیہ ہی نکلا تھا کہ وہ ہمیشہ جیسی ہی لگ رہی تھی... ٹھکری ٹھکری اور اُجلی اُجلی سی...

خوشی کے مارے اس کے دل کی دھڑکیں تیز ہو گئیں تھیں... اس کے وجود کے اندر بے تراریاں سی چلنے لگی تھیں... وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اس کے دیدار کرے... شوق اور تجسس دیوانہ سا کئے دے رہا تھا...
 کاش! آج کے دن وہ بیمار نہ ہوتا... خود اپنی بھابی کی ڈولی نہ کر آتا... ناچ گھا کر اس کا استقبال کرتا...

”عمو! بھابی آگئی...“ گلشن خوشیوں اور رنگوں میں نہاتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرے کمرے میں داخل ہوئی...

”سب سے پہلے وہ اپنے دیور راجہ سے ملے گی...“

میرے مارے وجود کا خون مٹ کر اس کے چہرے میں آگیا۔ جب اس نے گلشن کے ہنسنے پر اور اس کی دلہن کو اندر آنے دیکھا...
 ”آئیے آئیے...“ بخار بہت تیز تھا... پر جلدیوں کی گرمی اس سے بھی زیادہ تھی...

”خوش آمدید... مبارک ہو... صد مبارک... ہزار مبارک...“

میرا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہاروں سے لدا ہوا ندیر جلدی سے آگے بڑھا اور میرے کندھوں سے تقاب لیا... ”تم لیٹے رہو، لیٹ جاؤ...“

”نہیں... مجھے اپنی بھابی کا استقبال کر لینے میں... پلیز امرف ایک منٹ...“
 ملتی نظروں سے گلشن اور ندیر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ احترازا اٹھ کر کھڑا ہو گیا... اور... گلشن نے اسے اس کی پیادہ سی تارن صدا احترام بھابی دکھانے کے لئے دلہن کا گھونٹ اٹھ دیا...

”نکالو بھابی کی سلامی...“

”سلامی... سلامی...؟“ غیر سبکلا یا... بھائی کی طرف دیکھا... وہ خوشیوں سے معمور ہنستا ہوا چہرہ لئے خاصوش کھڑا انتہائی دلچسپی سے سارا تماشہ دیکھ رہا تھا...

”چل یار! دے دے کچھ بھی... کچھ بھی...“

پھر... غیر نے یہ تو سوچا ہی نہ تھا... گلشن دھوکا کمر لگی... پہلے اسے نا دیتی... وہ کوئی انتظام کر چھوڑتا...

”اب یہاں سے خالی ہاتھ تو بھابی جاسے گی نہیں۔ بدنگونی ہوگی...“
 بیل کے لئے بدنگونی...؟ اور وہ بھی غیر کرے گا...؟ نہیں... نہیں...
 یہ کہے ہو سکتا ہے...؟

اس نے گھبرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا... کچھ بھی نہیں تھا... پر... خالی بھی نہیں تھی... مہر ہی سیکے اس کے ہاتھ میں آگیا...
 اب اسے پاس رکھنے کا نام نہ...؟ سلامی زندگی کا نعمتہ ایک ہی بار نکال کر آیا تھا...

مہر نے بڑی مشکل سے اپنی ہمتوں کو مضبوط کر کے، حوصلوں اور جوش کو یکجا کر کے، اک تدم بڑھایا اور بیل کے پیچھے ہاتھ کی حنائی پھیل پیر دھروا...

”شکریہ... بڑی مدد ہم سی، مترنم سی آواز مہر کے کانوں سے مگدلائی۔
 ”یہ کیا...؟“ گلشن کو یہ سلامی پسند نہیں آئی... بے قیمت سا سہکتا...

”کیوں بھابی! میر کیا لگا...؟“

گلشن کے لئے چھتے پر اس نے ایک دم لمبی لمبی پیکوں والی آنکھیں جھپک کر لگا ہیں اٹھائیں... مہر اس کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا اپنے اندر کے طوفانوں سے نشے کی کوشش کر رہا تھا...

بہلی بار دونوں کی نظر، ایک دوسرے سے ملی تھی، گھبرا کر، سنبھلا کر دونوں نے ہی نظریں جھپکا لیں... اس پر کیا گزری تھی وہ اسے پہچانی پائی تھی یا نہیں۔ غیر کو یہ تو معلوم نہیں ہو سکا... پر اس کے اپنے اندر جو یوم حشر پاب ہو گیا تھا، اس کا حساب چکا نامشکل ہی جیس نامشکل تھا۔ سلامی زندگی بھی لگا رہتا تو نہ چکا سکتا...

”یہ کیا... کیسے دونوں ایک دوسرے سے دلہنوں کی طرح غبرا رہے ہیں۔“
 گلشن نے ٹھٹھا لگا یا...

”ارے، اشر کے بندے... تم اس کو سلامی دو اور تم بھابی اسے سلام کرو...“

جو نہیں گلشن نے بات پوری کی، اس نے گھبرا کر ہاتھ اٹھایا اور پیشانی پر جادو دھرا...

”ارے ابھی نہیں... پہلے غم تو نہیں سلامی دے گا... بعد میں تم سلام کرو گی... یہ بڑا سبک ایمان ہے... ایسا نہ ہو سلام وصول کر کے پھر سلامی دے سے انکار کر دے...“

گلشن نے خود ہی اس کا ہاتھ نیچے کر دیا اور پھر مہر کی طرف متوجہ ہوئی۔

وجہ سے...

"اسے ہائے! میں بھی کتنی پاگل ہوں... ہر گزشتہ جلدی سے اسے سہارا دیا..."

"اتنی دیر کھڑا کئے رکھا۔ اور یہ سوچا ہی نہیں کہ..."
"پاگل تو تم ہمیشہ سے ہی ہو... ہٹو! میں خود اسے سہارا دے لوں گا۔
نہیر نے اس کی جھکی جھکی، لرزتی لرزتی چکوں والے باجیا چہرے کی طرف جھجک کر دیکھا..."

"اب ہم ہی تو اس کے سہارے ہیں..."

اور اسے سہارا دیتے ہوئے نہیر اسے لے چلا...

سب کی آدائیں بھی کانوں میں اتر رہی تھیں... پر... جیسے سنائی بھی کچھ نہیں دے رہا تھا... آنکھوں میں اتر رہے ہوئے اندھیرے پھیلتے چلے جا رہے تھے، بڑھتے چلے جا رہے تھے...

اس کے سامنے نہیر جو اس کا سگ بھائی تھا، اس کی بیلی کو بازو میں بھرے لئے جا رہا تھا...

یوں... اس طرح... اس انداز میں تو اس نے اسے دیکھا تھا... اپنے بازوؤں میں... اپنے پہلو کے ساتھ... اپنے سینے کے ساتھ...

بہت سارے پہلے دیکھے تھے... بے شمار خواب بٹنے تھے... اسی طرح اسے ساتھ لئے وہ دنیا کے ہر کونے میں پہنچا تھا... ہر گزرج گاہ، ہر جگہ، ہر ساحل پہ ان کے تدمروں سے نشان تھے... ساتھ ساتھ... اوپر تلے...

جن پر عربی کے چند حروف کندہ تھے... کوئی قیمتی سی چیز دیتا... اسی ہی توفان! وہیں کی پہچان پر سے سکر اُچکنے کے لئے گلشن نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے جلدی سے مٹھی بند کر کے ہاتھ پیڑے ہٹا لیا...
"ارے! یہ کیوں لے لیا...؟ کوئی قیمتی چیز لیتا تھی... ایک اکھوتی جابھی... ایک اکھوتا دیوہ..."

"جان ودلی حاضر کر دیں... لیکن وہ تو ہم کب کے کو بچے... اب تو کوئی قیمتی چیز ہمارے پاس نہیں ہے... عیبر دل ہی دل میں بڑبڑایا... ایک بار جہاں پر نظر ڈالی...
پر... اس کے بعد نہ دیکھنے کا حوصلہ رہا اور نہ سنبھلے گا... ہزار مشکوں سے مجتمع کی ہوئی توتیں ڈھکے گئیں... وہ ڈگدگایا... لیکن اس سے پہلے کہ کسی کا سہارا لے خود ہی جلدی سے بیڑ پر بیٹھ گیا...
"وطن کو نہیں کھڑا کیئے رکھنا ہے کی...؟"

جہاں آرا انتظار کر کر کے، بندر انداز میں بولتے ہوئے اندر آ گئیں...
"ارے، کچھ خدا کا خوف کر دو... بچی دن بھر کی تھکی ہوئی ہے۔ اسے ادھر اس کے کمرے میں لے چلو..."

"چلیں جابھی! اس عرصے بچکے کے ساتھ تفصیلی ملاقات پھر کریں گے۔
سلامی کا حجاب ٹپک کر ہوں گی۔ پتھر...!"
عیبر کو وحی کیا دیتے ہوئے گلشن نے وہیں کو چلنے کے لئے کہا... اس نے تدمر اٹھایا... پر... جانے وہ کیوں ڈگدگاتی تھی... شاید تھکاوٹ کی

کا کوشش کرتی رہی ہو...

عمر کو وہ دن یاد آ رہا تھا، جب گمشدگی نے اسے دکھانے کے لئے اس لوگ کو اپنے گھر بلایا تھا...

"مائے ین میں نے کیا کیا... نہ ہر میں نے خود ہی اپنے لئے منتخب کیا... میں قسمت کا بھرا... مانا ہی نہیں تھا راکھنا... اور پہلی کے لئے دنیا کے راستوں پر گامزن رہا... تم مجھے منزل کی راہ بتاتی رہیں اور میں بیوقوف اسی منزل کے لئے دھواؤں بھگتا رہا... ایسا بے نصیب کوئی اور بھی ہو گا؟..."

"عمو! سنتو تو..."

عمر نے بازو میں سے چہرہ نکالا۔

"ارے! یہ تمہاری صورت کو کیا ہوا... ابھی کچھ دیر پہلے تو اچھے بھلے تھے۔ پہلو آؤ ادھر... میں تمہیں سہارا دے کر لئے چلتی ہوں۔ دیکھو تو کسی رونق لگی ہوئی ہے..."

"مہ رونقیں دیکھیں یا اندر اتارنے والے زندگی بھر کے دکھوں اور غموں کا ماتم کروں... کیا کروں...؟ کیا کروں...؟"

گمشدگی سب کچھ بتاتی چلی گئی... اسی کے اندر کے دیرانے، جن کا عکس چہرے پر پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس پر توجہ دینے کا وہ بوسہ لگتی...

"بھابھی کو درمیان میں بٹھا کر لو کہیں نے کڑی ڈالی... رقص کیا... گانے گائے... جانی جان نے دفن پر مسرت سے بے قابو ہوئے ہوئے انگلیں ڈالیں کیا... قویہ! کوئی مرہ آیا... کوئی تہمت پڑے..."

وہ بڑے بڑے... دو چھوٹے چھوٹے... ہر گھونڈی پر... ہر گھونڈ پر...

پھر... دُور... ایک پہاڑی کے اوپر، سبزہ زاروں میں ان کا ایک گھر تھا۔ دونوں کا مشترکہ... بڑا خوب صورت... بڑا ایسا راسا... ٹیبلوں سے... روشنیوں سے... مہکتا، جھلکتا...

ہو... بھر گئے سارے خواب... وہ گھر ڈھلے گیا... وہ نشان مٹ گئے۔ دھول ہی دھول اڑ رہی تھی... غبار ہی غبار پھیلا تھا ہر طرف... کچھ سو جانی نہیں دے رہا تھا...

عمر اندر داخل ہوا... بازو میں چہرہ گھسائے ہوئے... ہوش و حواس میں نہ تھا۔ پھر بھی... وہ تیا تیس، وہ طوفان، جو اس کے جی پر گزرتے تھے، جو توڑ پھوٹ مچا گئے تھے، اس کا احساس شدت سے تھا... اور جذبہ شدید احساس تھا، اتنا ہی شدید دُکھ تھا اور اذیت تھی...

اس میں پہلے تک کی سکت نہ تھی... پوری زندگی کے لئے جیسے غلوڑ ہو گیا تھا... اب کبھی ہی نہ اٹھ سکے گا...

"میں نے غصا یا یا یہ کیا ہو گیا...؟ اپنے استغناء کو در سے بندے پر توڑنے اسٹے بڑے بڑے دُکھ کے پتھروں کی بارش کر دی...؟ اس کا کیا بچہ کا...؟ کیسے زندہ رہے گا...؟"

"عمو! سو گئے کیا...؟ ارے کھانا تو کھا لو..."

اس وقت تو کھانا بھی نہ ہر میں کا کام کرے گا... بیدار طرح وہی دیدیا ہوتا میری ہیں! پر نہیں... تم تو مجھے امرت دیتی رہی ہو... آئینہ حیات جیسے

ہاں کے بعد بھابی سر پرست ونگران ہوتی ہے۔۔۔

”ننگر ہے۔۔۔ میں بیمار پڑا ہوں۔۔۔“ اس نے پھر بازو میں چمک گھسایا۔۔۔
یہ سارے رسم درواج، یہ خوشیاں، یہ ناٹے، یہ بندھن۔۔۔ وہ کس
تعلق سے ان میں شمولیت اختیار کرتا۔۔۔ کون سا ناٹہ تھا ان کا۔۔۔ کون سا
بندھن تھا۔۔۔؟

”میں کسی کا کچھ نہیں ہوں۔۔۔ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔۔۔“
”ویسے گو دیں دیور بیٹھا بھی نہیں پھر بھی بھابی نے نیگ دے دیا ہے۔۔۔
پتہ ہے کتنا دیا ہے۔۔۔؟ پلو یہ سر پرانز رہنے دیتی ہوں۔۔۔ اسی کے
پاس آئیں۔۔۔ وہ خود نہیں دیں گی۔۔۔“

گلفن بڑی اسٹک ترکس میں تھی۔۔۔ عمو کے بیڈ کے ساتھ والی کرسی
پر بڑی سٹیکس ہو کر بیٹھی تھی۔۔۔ کرسی کی بیک پر سر رکھا تھا۔۔۔ آنکھیں میچی ہوئی
تھیں۔۔۔ ساتھ ساتھ عمو کو سارے واقعات سنارہی تھی اور ساتھ دن بھر
کی ٹھکن اتار رہی تھی۔۔۔ جیسے۔۔۔

”دیئے میں نے کہا تھا۔۔۔ اصلی دیور سا جہ بیمار ہے۔۔۔ بون بھی اتنا
لبا تو لگا، اتنا بڑا ہے، ماشاء اللہ گو دیں کیسے بیٹھے گا۔۔۔ تم کچھ بیٹھا
لو۔۔۔ ناک س، اچھوٹی سی لڑکی ہوں، بوجھ نہیں پڑے گا۔۔۔ براس
نے تمہارا تمام تمہارے ہی لئے رکھا۔۔۔“

پوری سپیڈ سے بولے جارہی تھی۔۔۔ عمو سن رہا تھا یا نہیں۔۔۔ یہ اس
نے دھیان ہی نہیں دیا۔۔۔ وہ تو اپنے خیال میں وہ سب کچھ اس کے گوش گزار

عمو نے جہر باند میں چہرہ گھسایا تھا۔۔۔

”بھابی جن جو اس جذبات میں بھابی کو کچھ نہیں کہہ ان کا ساتھ دے۔۔۔ مگر
عمو! اب بھی مشرقی لڑکی ہے کوئی امریکن تو نہیں کہ وہ بنی ہوئی ہی ٹھٹھ کر
ناپتنے لگ جائے۔۔۔ آخر شرم و میا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔۔۔ پر بھابی جان نے
کہ جیسے کوئی لٹے کئے ہوئے تھے۔۔۔ خوشی کے نشے۔۔۔“

علم کا بھی شاید کوئی فشر ہوتا ہے۔۔۔ وہ بے چارہ اسی میں دھت پڑا
تھا۔۔۔ پہلی بار ملا تھا نا۔۔۔ ڈھیروں ڈھیروں چڑھ گیا۔۔۔ سکہ بدھ ہی کو بیٹھا۔
”بھابی بڑی شرمیل ہے۔۔۔ آج تو پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیاری لگ
رہی ہے۔۔۔“

”گلشن چپ کر جاؤ۔۔۔ خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔۔۔“ اس نے کہنا چاہا۔
پوری ہنسی، کچھ میسج بنی ہوئی تھی۔۔۔ اس ڈکھ کا اعلان کر رہی تھی جو ابھی
ابھی اسے مل تھا۔۔۔ ساری زندگی کے لئے ایک بار ہی مل گیا تھا۔۔۔ اتنا بڑا
علم کا بیٹا اس پر ایک دم ہی آن گرا تھا کہ اب موت کے لئے تک وہ اس
کے نیچے سے نہیں نکل سکتا تھا۔۔۔ پس گیا تھا۔۔۔ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔۔۔
”تم تو عمو! بہتر ہی نہیں چھوڑ رہے۔۔۔ تمہیں بھابی کی گود میں
بیٹھانا تھا۔۔۔“

”ہیں۔۔۔“ اس نے چونک کر، گڑ بڑ کر گلشن کی طرف دیکھا۔۔۔
گلشن نے اک زور کا تھکھہ ٹھکا یا۔۔۔ ”تمہیں نہیں معلوم۔۔۔ ہمارے ماں
اک رسم ہوتی ہے۔۔۔ دیور کو بھابی کی گود میں بیٹھایا جاتا ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ

اتمی نے بچہ توروں ڈال ڈال کر اور گھوڑ گھوڑ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔
سب کی سب ہی ڈر گئیں... ایک تو اتمی کی مانتا بھی فوراً پھوٹا
اٹھتی ہے... تم ساتھ ہوتے نا۔ تو نہ بھائی جان کے غصے کی پرواہ کرتے
اور نہ اتمی کی تیو دیوں گھر کیوں کی... تبیں پتہ ہے نا۔ تم میری طاقت
ہو... بڑا رس کیا آج تبیں..."

نخاید اکیں بول بول کر تھک گئی تھی۔ یا پھر... کچھ یاہ اُکھیا تھا...
"ارے، عمو! میں تو تمہارے لئے کھانا لائی ہوئی ہوں... وہ تو
ٹنڈا ہو گیا ہوگا؟..."

وہ چوکی۔ سہیلی... میز پر کھانے کا ٹرے رکھا ہوا تھا۔ برتنوں
کو ہاتھ لگا با... سب کچھ ٹنڈا ہو چکا تھا...

"ہست تیرے کی... سب کچھ ٹنڈا ہو گیا... اور میرا بیمار عمو...
ٹنڈا کھلا کر اور بیمار ہو گا، نندا نندا... گرم کر کے لاتی ہوں..."

وہ اٹھی... مڑنے اٹھایا... ایک نظر اوپر سے پڑے عمو پر ڈالی...
اس کی نظر اک انسان کی نظر تھی... ایک سرے ضیق نہیں تھی... نہ سکہ خیلگ

ضیق کہ اس کے اندر کے حالات کا پتہ چل جاتا... وہ کس آگ میں
جل رہا تھا... گلشن اسے خوشی و راحت پہنچانے کے لئے سب کچھ کرنا

رہی تھی...

گو۔ اس کے اندر دکھوں کے الاڈ دھک رہے تھے۔ ان کی خوشی
اس کا غم بن گئی تھی۔ کچھ نہ کہہ سکا، کچھ نہ بول سکا...

کرنا چاہ رہی تھی... پیاسی کی وجہ سے جو رقبہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھ
نہیں سکا تھا اس کو لے... اسی طرح کچھ انگوٹے کر لے...

"ہم یہ سب تو کر رہے ہیں... پر عمو! کتنا ہے... یہ جو بھائی جان
ہیں نا، یہ بڑے پوزیو ہیں... بھابھی کو کسی سے بات کرنے تک کا وقت
نہیں دیا کر دیں گے... رسومات ہوتی رہیں... اک منٹ کو پاس سے نہیں
ٹلے... بس جڑے پیٹھے رہے..."

پھر اس نے اپنے آپ ہی اک تہقہ لگوا... "دیے ہیں بھی بڑی
بیوقوف ہوں... کیسے نہ بھائی جان پوزیو ہیں... ان کی جگہ کوئی بھی مرد
ہوتا... ایسی عمر گزر کر شہر والی دہن پا کر، ایسے ہی کرنا تھا اس نے میں نہ...
اسے! تم کچھ بولی نہیں رہے..."

گلشن اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی... "چپ پڑو کیسے مڑے مڑے
سے نئے جا رہے ہو... پھر تیرے کیا ہوا... بھائی جان نے شور مچا دیا۔
مجھے نیند آ رہی ہے... میں تھک گیا ہوں... مطلب جانتے ہو نا، کیا تھا۔
کو باقی صبیہ دفنان ہو جائیں..."

وہ فور سے ہنسی... "بڑا بوڑھا آج۔ میرا اور میری بہیلیوں کو
انہیں تلگ کرتے کا۔ پر ترس اُکھیا ان پر..."

پھر وہ ہونے سے راز داری کے انداز میں عمو کے کان کے قریب منہ
لے جاتے ہوئے بولی...

"ترس سے زیادہ ڈر گئی تھی... بھائی جان کو غصہ آنے لگا تھا..."

”پھر سا آگیا تھا... چلو تم اس کے پاس بیٹھو۔ میں کھاؤ گم کر کے لاتی ہوں... چربا تیر کر دیں گے... رقت بھی تو بہت ہو گیا...“
گلشن تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی... جو نہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی جواد جلدی سے عیسر پر چبک گیا...

”سنو... اک خوشخبری ہے۔ کل یہی بھابی کے ایڈریس کا پکا پکا پتہ چل جائے گا... تمہارے کہنے کے مطابق میں رکات پر سے ایک منٹ کے لیے نہیں رہتا... ڈانٹ کھائی گل سے... چلو... بار کا کام تو میں کیا... اور بتا بھی کیسے...؟“

”وہ جوش میں، جذبات میں بے بسے سانس لیتا ہوا بتائے چلا گیا...“
”یہی بھابی تو نہیں آئی۔ البتہ جن لوگوں کو بڑھاتی تھی نا۔ ان کا بھائی وہاں سے گزرا... میں نے جلدی سے اسے جا پکڑا۔ کالج کے زمانے کی لائسنس جپ کام آگئی... یوں پھلانگ لگائی... یوں اسے پکڑا...“
”اکشن کے ساتھ انتہائی پرجوش انداز میں وہ اپنا کونا نمہ بیان کر رہا تھا...“

”وہ پہلی بھابی ہی تھی جس کے سامنے زبان لنگ ہو جاتی تھی، بل ہی نہیں سکتا تھا یار! بڑے رعب و جلال والی ہے ہماری بھابی...“
”ہاں تو ہوا کر... نہیں... پیسے ٹریڈ دینے کا وعدہ کر دو... پر اب تم کیوں بولو گے...؟“

عیسیر کے بولنے کا انتظار کیے بنا وہ خود ہی کہتا چلا گیا... دل قابو

گلشن اسے دیکھتے ہوئے طرے اٹھائے کمرے سے باہر چلی۔ لیکن دروازے تک جانے جاتے پھر پلٹ آئی...
”علو! آج جواد دکھائی نہیں دیا... تمہارے بھائی کی شادی ہو اور وہ موجود نہ ہو... بڑی حیرت ہوئی ہے۔ کیا کوئی ناراضگی وغیرہ ہو گئی ہے تم دونوں میں...؟“

”وہ ابھی بات ہی کر رہی تھی... قدموں کی چاپ کے ساتھ جواد کی آواز کمرے میں گونج اٹھی...“
”جواد مل بھلا عیسر سے ناراض ہو سکتا ہے کبھی...“
”ارے...؟“ گلشن نے مڑ کر دیکھا... جواد بے بسے ڈگ بھڑکا، تیزی سے چلا آ رہا تھا...

”تم اب آئے ہو، اب... یہ وقت ہے آنے کا...؟“ گلشن عیسر ہی کی طرح جواد کو ہی ڈانٹ دیا کرتی تھی... اس وقت بھی گرم ہو کر بولنے لگی...

”بھائی جان کی برات کے ساتھ کیوں نہیں گئے...؟ تمہیں نہیں پتہ تھا علو بیار ہے اس کی جگہ بھی تمہیں نے...“

”سو ری جی سو ری... اک بہت ضروری کام پڑ گیا تھا...“
”ساتھ ہی وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرایا... پھر اک نظر چہرہ چھپانے پڑے عیسر پڑوالی...“

”اسے کہا ہوا...؟“

میں ہیں نہیں آ رہا تھا... وہ خوشخبری سنا سنے کو بڑی طرح بے تاب تھا...

”سمجھ گئے ہونا کہ کل اس کا ایڈریس تو مل ہی جاتا ہے... ہاں بھی ہاں۔“

بیل بھا بھی گا۔ لڑکیوں کے بجائے سے وعدہ کر لیا ہے... مگر والوں سے پوچھ کر بتائے گا... نہیں بتائوں میں نے کس طریقے سے ایڈریس پوچھا تھا...؟

اوسے غنڈہ ہے تمہارا یا رجواد علی... بہت عقلمند... پیٹھ پٹو بھو... میں نے کہا تھا میں بھی اپنی بیٹی کے لئے خوش رکھنا چاہتا ہوں... سنا... میں...؟ اپنی بیٹی کو...؟

رجواد زور زور سے قہقہے لگانے لگا...

”بیوی ہے نہیں اور بیٹی کی ٹیوشن... وہ تمہارے پر قبضے لگاٹے چلا گیا...“

”اور صیب سے زیادہ مزے کی بات یہ کہ اس نے یہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں شکل سے بیٹی کا باپ لگتا ہوں کیا؟ جتنا...؟ اسے انعام دینا نہیں کیا ہوا...؟“

رجواد نے خیر کا کندھا پکڑ کر بڑا... ”اوسے! تمہیں تو بڑا تیز بخار ہے... مگر... صبح تو اتر گیا تھا... اب پھر چڑھ گیا... کیوں...؟“

وہ بے چین سا ہو گیا... چہرے پر چیلین مسکراہٹیں یکایک معدوم ہو گئیں۔

”یار! جلدی جلدی ٹھیک ہو جا تو پلیر! اب کل ادھر جاتا ہے...“

بھابی کی طرف... جو نہی لڑکیوں کے بجائے نے ایڈریس لاکر دیا... اسی وقت

رانا ہو جائیں گے... کل سہ پہر کو... اپنے اپنے کپڑے پہن کر آ جانا...؟

”اب وہاں جاسے کی کوئی ضرورت نہیں...“

غیر نے اسی طرح پڑے پڑے، ٹوٹے پھوٹے، بچے اور ٹوٹے پھوٹے نواز میں ہوسے سے کہا...

”کیوں ضرورت نہیں... یہ دقت ہے مذاق کرنے کا۔ اور وہ بھی بخاریں؟“

رجواد نے پھر اک ٹھٹھہ لگایا... ”یا پھر ہڈیاں بک رہے ہو... پر یہ

خوشخبری چند منٹوں میں سارے بخار شخار آمار ڈالے گی...“ مجھے یقین ہے۔

بڑا مزہ آئے گا۔ ہم دونوں...“

”بس کرو... خدا کے لئے صبر کر جاؤ...“

غیر اک دم بڑے زور سے چیخ پڑا تو رجواد اک جھٹکے کے ساتھ پرے

ہٹ گیا... غیر سیدھا ہوا... پھر اٹھ کر بیٹھ گیا...

”آ نکھیں سرخ ہو رہی تھیں... ایسے... ایسے... انگارے دکھ رہے

ہوں... باقی چہرے پر موت کی سی زدہی تھی... ہونٹوں پر پھڑپھڑا

تھیں...“

”اوسے! تمہاری طبیعت تو شاید بہت خراب ہو رہی ہے... تم لیڈر

میں ڈاکٹر کو بلا کر لانا ہوں...“

بڑے پیار و لاد سے، بڑی نرمی جیسی سے رجواد نے غیر کو دایں لٹنے

کا کوشش کی...

”مجھے گتا ہے تم نے وہ خوشخبری نہیں سنی، جو ابھی ابھی میں نے تمہیں

سنائی ہے...“

”سن لی ہے... میرے دوبارہ میٹ کر آنکھیں میچ لیں... اتنی ٹوٹ چوٹ ہوئی تھی کہ میٹھے نمک کے تابل نہیں رہ گیا تھا...“

”اب ضرورت نہیں جواد...!“

”کیوں...؟ سارے جیسے بڑے جانی کی شادی پرنگ گئے ہیں اور تم حسبِ معمولی قربانی دینے پر شل گئے ہو گے... کہ چلو میں شادی نہیں کرتا... اورے میرے یار...!“

گلشن کی طرح جواد بھی جب بورلے پہ آتا تو بورے ہی چلا جاتا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی... دوسرے کو موقع ہی نہیں دیا کرتا تھا...“

”تمہاری شادی تو میں کروں گا... میں... بذاتِ خود... بھلے خود...“
بقاعلم بوشِ دوحاس... (عزائم کرتا چل)... سارا خرچ کروں گا۔ اس کا تم ٹکر یا لکھ نہ کرو...“

”اب سارے ٹکرا کر ختم ہو گئے ہیں... جواد! تم بھی ختم نہ کرو...“
”میں تو نہیں کر سکتا... تمہاری خواہش نہ پوری ہوئی تو مزہ کیا آیا...“
”تم نے اسے بھابھی بنانا تھا... تو خوش ہو جاؤ وہ اس گھر میں، اسی انداز میں آچکی ہے... کاظمی صاحب کی بہو بن کر...“

”کیا...؟“ جواد حیرت کے مارے چلا یا... یہ کیا کہہ رہے ہو... میری سبج میں کچھ نہیں آیا...“

”بھائی جان کی شادی اسی سے ہوئی ہے...“

”اب سبکی کے ساتھ غیر کی زبان سے آخری الفاظ نکلے...“

”نہیں... تم مذاق کر رہے ہو...“

”جو ادنیٰ سے یقینی سے اسے گھوڑا...“

”ایسا مذاق میں کر سکتا ہوں...“

”اوہ...“ جواد نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا...“

اب وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہ تھا... میرے چہرے پر کھلی

تھی... اور... کرے میں مکمل منہ تھا... تیرا منہ تھا وہ جیسے...“



بڑی عجیب سی صبح تھی... ہمیشہ جوا جاسے، کمرہ نہیں، رنگ اور نذرے کر آیا کرتی تھی، آج بڑی دھندلی دھندلی اور گدلی گدلی سی ہو رہی تھی...“

آسمان کا کوئی کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا...“

اس کے نصیب کی طرح کپڑا تو دقتاً سب کچھ... اس کی بدکشتیوں کی

طرح تاہیکہ اور بد نما... کوئی خوب صورتی نظر نہ آ رہی تھی اور وہ گہرے...

نہ وہ آسمان کے سنہری گوشے، نہ امید کی کوئی چمکتی ہوئی کرن...“

ساری رات غیر کو نیند نہ آ سکی تھی... جاگتا ہی رہا تھا... دماغ البتہ

سُخ تھا... نہ کوئی سوچ تھی، نہ کوئی خواب... نہ کوئی خیال... جیسے کسی نے

چاروں اطراف سے تغیر لگا کر دماغ کو مقفل کر ڈالا تھا...“

نہ ماضی کی کوئی سوچ تھی... نہ حال کی اور نہ مستقبل کی... مندر نے ایسا

بچھاؤ کر رکھ دیا کہ اب کچھ کرنے کو باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اس کا کمروہ کاریٹر دوسرے آخری سرے پہنچا... سب سے اگت فلک۔
کچھ نا میلے پر... لیکن پھر بھی مجھے شور کی آوازیں اس کے کانون کس پہنچ رہی
تھیں۔ لگتا تھا جیسے ابھی بھی گھر میں بہت سارے مہمان موجود تھے...

اس کے اندر کے مناسٹے پر نور تھے... ایک دن کی بات تو نہ تھی۔ یہ تو
اب زندگی بھر کا معاملہ تھا۔ اور باہر کا شور ان مناٹوں کو کچھ اس طرح ڈسٹ
کر رہا تھا کہ اسے کسی کھل چٹن نہیں آ رہا تھا۔

وہ آئی تھی... وہ اس کے سامنے کھڑی رہی تھی... غیر نے اسے سلامی
دی تھی... اس نے تبولی کر لی تھی... پھر وہ چلی گئی... اور پھر... اس کے بعد
میر کو کچھ بھی یاد نہ رہا... کچھ بھی پتہ نہ چلا... وہ کون تھا؟ وہ کہاں
تھا...؟

اس دنیا میں کیوں آیا تھا... اور کہاں جا رہا تھا...؟

بوش اور بے ہوشی کی ٹلی جن کیفیت میں گھنٹوں بیٹھا رہا تھا... اپنے
ماڈٹ ذہن اور مغل اس کو لے... پڑا ہی رہا تھا...

اس کے جانے کے بعد شاید گھنٹوں اندر آئی تھی... اس کے لئے کھانا
لے کر... مگر اسے سوتا ہوا سمجھ کر کوٹ گئی تھی... اچھا ہوا تھا... ورنہ وہ اس
وقت کھا کھانے کے قابل کیب تھا...

وہی ہی حالت تھی اب بھی... نہ اندر کے غمناں تھے تھے، نہ سکون آیا
تھا... پردہ اب، طلوع ہونے والی اس نئی صبح کے ساتھ، بیشک بدشتیاں

ہی سے گرائی تھی، سمجھو نہ سر کے اسے گھٹے سے گھٹے تو بہتر ہے... اتنے گھٹے
کسی پتھر کی طرح جامدہ ساکت پڑا بہنے کے بعد اب اسے خیال آیا تھا...
اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا... بھائی، ماں اور بہن کی خوشیوں،
مستوں کا ساتھ اسے اپنے غم کو، اپنے دل میں چھپا کر، دبا کر دینا چاہیے تھا...
اس سوچ کے ساتھ غیر نے اٹھنے کی کوشش کی... مگر اٹھا نہیں گیا...
بیماری کی نقابست بھی تھی... ساتھ کل کا کچھ کھا یا بھی نہیں تھا... سب معروف
تھے۔ گھنٹوں اسے دعا دیتی رہی تھی، وہ شادی کے ہنگاموں میں شاید
بھول گئی تھی...

اور خود میر کو تو اب اپنی زندگی کی پردہ اویسی نہیں رہی تھی... یہ کار
تھی اب... بے نامہ تھا جینا... کس کے لئے جینا... گھر والے سب پہلے اس
سے تنگ تھے... اور اب وہ خود ہی اپنی زندگی سے تنگ ہو گیا...

”عمو! عمو! گھنٹوں تیز تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی...
”بھائی اور بھائی جان آ رہے ہیں... وہ ناشترہ تمہارے ساتھ کریں
گئے...“

”ارے نہیں نہیں... اس کو بے حال دیکھ رہی ہو...“
میر نے کہا کرے کے متعلق تھا لیکن دراصل حال اس کا اپنا تھا...
وہ بار بار اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا...

”وہ کیا کہے گی... کیسے لوگ ہیں...؟“

”کیسے لوگ کیا ہوا... اب وہ بھی ہمیں لوگوں میں سے ہے... پرانی نہیں۔“

وہ اسی غفلت سے اس کے پاس آگئی... اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا...
سہارا دے کر اسے باقاعدہ روم تک پہنچایا...

”ابھی طرح منہ وغیرہ دھو... دروازہ اس نے پہلی بار دیکھا ہے...
میرا دل چاہتا ہے تم اسے بہت اچھے لگو... ویسے رات کو بھی اچھے ہی
لگے ہو گے... تبھی تو وہ بے قیمت سی سلامتی بھی لے ل اور اب نامتہ
یہاں تمہارے ساتھ کرنے کو کہا ہے... کتنی اپنی ہے... مجھے تو بھائی جان
سے بھی زیادہ اپنی لگ رہی ہے...“

گلشن پھر اپنی عادت کے مطابق بغیر کوئی وقفہ کئے ہوئے گئی... مجھے
یقین ہے ہم سے بہت پیار کرے گی... وہ ایسی ہی ہے... نیک پاک
سہی... اور نچے طرف دانی... ہرے دل کی مالک... اسے جلدی کر دو...
بس وہ نوک آہی رہے ہوں گے... اور ہاں میں اتنی دیر نہاں بستر وغیرہ
درست کر دوں...“

اسے باقاعدہ روم میں پہنچا کر، تولیہ، عمارین، ہر چیز دے کر واپس آئی،
غیر کا بستر درست کیا... بیڑ پر کا عذرات... ایک ڈھیر سا لگا تھا... کچھ تھا میں
الٹ پلٹ ہو کر پڑا تھیں... کونٹیں پر اس کے ڈھڑے، پیٹے، پھٹے کپڑے
ٹکے ہوئے تھے...

”ہائے ہائے عمو! تم نے کبھی نہیں بتایا کہ تمہارا یہ حال ہے... تم کیسے
اس بُری حالت میں مست رہ کر زندگی گزار رہے ہو... تم تو بالکل ہی دھڑلے...
”ارے! یہ کس کے ساتھ باقیں ہو رہی ہیں...؟“

”ہو ہے اس گھر کی... اور اسے یہ بھی معلوم ہے تم کتنے دلوں سے پیار ہو...
میں نے تمہارے متعلق سب کچھ اسے بتا دیا ہے...“
گلشن جلدی جلدی پھیلی بھگری جیسے لگی... ”اٹھو... ذرا
چہرے پر دو چھینٹے ہی مار لو... دیکھو تو کیسا دھواں دھواں سا ہو رہا ہے...“
”پرگنی! نامتہ یہاں کرنے کا پروگرام...“

غیر کا سارا وجود کانپنے لگ پڑا تھا... کل رات ایک نظر اسے دیکھا
تھا تو اب تک مجھے سنبھل نہیں سکتا تھا... اور اب اتنی دیر... اتنا وقت...
اس کا یہاں گزرنہ... اس کی طبیعت، اس اتنے بڑے غم کی تسکین نہیں
ہو سکتی تھی...

پہلے ہی ڈھانچھوٹا ہوا تھا... رینٹ کی دیوار کی طرح پورا کا پورا
گرجا تھا... بے کے ڈھیر کی طرح پڑا تھا، اور اب مزید... وہ سامنے
آئے گی تو... تو... درج تک جسم سے نکلی جا رہی تھی... عجیب بے جانی کی
سی کیفیت اس پر طاری ہو رہی تھی...
”نامتہ کے بعد سب آجانا لگی! اتنی دیر میں بھی کچھ...“

”پرغیر...! گلشن نے پوری بات سنی ہی نہیں... یہ یہاں بھی ہی کی
طرازش تھی جس کی تکمیل ہو رہی ہے...“

اس نے جلدی جلدی کرہ درست کرتے ہوئے بتایا...
”مجھے تو سچ پوچھو ان کی یہ اپنا رینٹ بڑی اچھی لگی ہے... چلو اٹھو
تہیں باقاعدہ روم تک پہنچاؤں...“

اس نے جلدی سے غیر کو سہارا دیا... تیرے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ لیں... وہ ہچکچایا... ”رکھ لیں نا... میں غیر نہیں ہوں... اب یہ گھر اور اس گھر کی ساری ذمہ داریاں میری ہیں...“

بڑے پیار سے انداز میں مکرانے ہوئے اس کا زیادہ بوجھ اپنے پر لئے وہ بید کی طرف بڑھی...

کچھ باقی بچا تھا اگر... شاید وماغ اور ہوش و حواس... ان پر جیسے کسی نے طمانتم بم لگا دیا تھا... اس کی مکرانہٹ کا ٹانم بم... جگ کر کے سب کچھ اڑ گیا...

ابھی سہی کمر، اس کے لمس اور اس کی بیگانگت بھری باتوں اور نرم و طمانتم آواز نے لوہن کمر دی... ساری ہستی ہی کے پرچھے اڑ گئے... ”اے اے اے... ہنسنے لگی...“ اس نے گرتے گرتے غیر کو سنبھالنے کے لئے اپنا بازو اس کی کمر میں ڈال دیا... اب میرے کا سارا ہی بوجھ اس کے اوپر تھا...

”میں آپ کے ساتھ ہوں...“

بیڈ ٹمک کا چھ فٹ کا ناقصہ چھ میل کا ہو کر طے ہوا... اور وہ بھی یوں گدگد رہا تھا جیسے اونچی نیچی چٹانوں پر اور گہری گہری کھڈوں سے وہ چھ ہزار میل پیدل پیدل کمر گذرنا تھا... لیکن بڑھ چکا تھا... دھپ کر کے گر گیا...

جلدی جلدی ٹھیک طرح ڈالتے ہوئے اس نے غیر کے ہوتے آواز سے...

گلش اپنی بڑ بڑا ہٹ اور دھڑی چوڑے ہوئے چوکھڑے مڑی... زبیر اور اس کی دلہن سامنے کھڑے تھے...

”اپنے آپ سے... اس عمو کے بچے کے حالات پر ساتھ رہنا آ رہا تھا... ساتھ غصہ...“ زبیر کی بات کا جواب دینے کے بعد گلش نے جلدی جلدی کمریوں کا نسخہ درست کیا، کھڑے سے انہیں بھاڑا پوچھا...

”ہاں بیٹھے جا بھی آپ... اور آپ بھائی جان یہاں... دیر سے جا بھی عمر میں کچھ سے چھوٹی ہے... کیوں بھائی جان! اجازت ہو تو اسے مارے محبت اور اپنائیت کے تم کہہ لیا کروں...؟“

”اوہ... یقیناً... یقیناً... میری طرف سے اجازت ہے...“ زبیر نے بڑی فراخ دلی دکھائی... پھر زبیر بھیجی کی طرف دیکھا...

”شکریہ... اور اب میں ناشترے آؤں...“ گلش جھانک کر کمر سے نکل گئی...

زبیر بیٹھ گیا تھا... دلہن ابھی کھڑی طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ... ہاتھ روم کا دروازہ کھلا اور عیبر باہر نکل آیا... پہلی نظر سامنے کھڑی بیل بریڈی... ایک دم آنکھوں میں اندھیرے آن گئے... ”آہ خدا یا...“ آنکھیں ہوئے قدم لڑکھڑا اسے گئے تو... اس نے جلدی سے دیوار کا سہارا لے لیا...

”رک جا بیٹے...“ دلہن نیزی سے جھانک کر عیبر کے پاس آگئی... آواز دے لی ہوتی... ابھی گرتے گئے تھے...

کر کے اور... ایک دوسرے سے محبت کر کے...

”اوه خدا یا... یہ کیسی سزا ہے...؟“ عمیر کا سارا وجود تھر تھرا نہ رہا تھا... ٹھنڈا رنج ہو رہا تھا...

”ارے! آپ کے ہاتھ پاؤں تو بالکل ٹھنڈے ہو رہے ہیں...“
”اے خدمت کی دیوی! خدا کے لئے مجھ پر رحم کر... اور یہاں سے چلی جا...“

”بیٹھے حضرات... ناشتہ حاضر ہے...“ گلشن ہانک لگاتے ہوئے
بڑا لیٹنے اندر داخل ہوئی... اپنی اپنی پسند بتائیں... کیلینز فوراً حاضر
کر کے گی... ہر چیز موجود ہے... میٹھی بھی... ٹیکن بھی... اور کسی کو
کوڑی پسند ہو تو... وہ بھی... سب گلشن کے ساتھ چھٹنے گئے...

”دودھ ہو گا گرم گرم...؟“ نومنہ نے جلدی سے پوچھا... ان کی
حالت دیکھو... ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے ہیں...

”اک نظر گرم کے سوالی ہم بھی بیٹھے ہیں...“ اک لمویل سی جاتی
بیٹے ہوئے زیر نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا...

”بیمار کا خیال پہلے...“ وہ مسکرائی۔ پھر بڑھ کر خود بھی بیانی میں
دودھ آؤٹ میلا... شکریاں... پیچھے ہٹا دیا... ”یہ لیں... گرم گرم پی لیں۔
حالت بہتر ہو جائے گی...“

مگر... عمیر کی حالت اس دودھ سے بہتر ہونے والی نہ تھی...
پر حکم تھا بلی کا... تعمیل بھی ضروری تھی... ہاتھ بڑھایا... لرز رہا تھا...

”نہیں نہیں... پسرا نہیں...“

”ارے، نہیں نہیں کیا ہوا... تمہاری جابھی ہے...“ زیر مسکرا ہوا
بھرے چہرے سے بولا... ”میری ایسی جابھی ہوتی، حسین سی۔ ٹیک سی۔
تو میں تو خوب خدمت کرتا... یا بڑا گل ہو تم تو...“ پھر وہ بیوی کی طرف
متوجہ ہوا... ”مومنہ...“

”مومنہ...“ عمیر بڑبڑایا...

”میرا نام مومنہ ہے...“ وہ عمیر ہی کی طرف متوجہ رہی... اور
بچپن میں مجھے سب مومی کہا کرتے تھے...“ تفصیل سے اپنا کوارٹ
کراسنے لگی...

ساقہ اسے مکمل اوڑھ لیا... ساقہ سر کے نیچے کھینچ رکھا... اچھو طرح
اس نے چہرہ بازو خشک نہیں کئے تھے... جھاگ کر تو لیرے آئی...
اپنے ہاتھوں سے اس کے بال، چہرہ اور بازو صاف کرنے لگی...

”سردی ہے، احتیاط کریں... کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے...؟“
”پسرا! مجھے کتنی ہلکا رہ کر سن... ایک دن کی بیا ہی ہیں... ابھی
تو مجھے آپ کی خدمت کرنا چاہیے تھی...“ جانے کیسے یہ الفاظ بھی
زبان سے نکل آئے...

”آپ ٹھیک ہوتے تو ایسی خدمت میں آپ سے کراتی... آج آپ
بیمار ہیں تو یہ میرا فرض ہے... اب تو ہم نے اسٹے زندگی گزارنا ہے
مل جل کر... ایک دوسرے کی خدمتیں کر کے، ایک دوسرے کے کام

کے بارگاہ...

عمر نے زور سے آنکھیں میچ لیں... کاش! تم اس روپ کے ساتھ اس کمرے میں نہ آتیں... بیٹی! میں نہیں بھول جانا چاہتا ہوں...
پر یہ آنکھ بھولی کا کھیل ہی اپنے اختیار میں نہ تھا... اس نظر سے سے بچنے کے لئے آنکھیں بند کرنا تھا تو دل کھولنے پر چل اٹھا تھا...
کھوتی تھا تو اندر کے طوفان، اندر کی قیامتیں، مزید طوفان اور قیامتیں ڈھا دیتی تھیں... وہ نذر حال سا ہوا جا رہا تھا...

”اے خدا! میں کہاں جاؤں... کیسے ان طوفانوں سے بچوں...“
بیانی واپس رکھ کر وہ اس کے لئے دلیر لے آئی... گلشن نے بتایا ہے یہ ضرور کھانا ہے... ڈاکٹر کی ہدایت ہے... ورنہ تعاقبت و در نہیں ہوگی...

”آپ بھائی جان کو ناشہ کرائیں...“ اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔
”وہ ماشاء اللہ تندرست ہیں...“ اک مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بچوں کی طرح عمر کو نیکیں اور دعا بایا اور اپنے ہاتھ سے دلیر کھلانے لگی۔
”آپ جیسے مریض کے ساتھ زبردستی ہی کرنا چاہیے... اتنے دن ہو گئے۔ سنا ہے بہتر ہی نہیں چھوڑ رہے...“

اس کے وجود کی ہلک عمر کو دلوا نہ سکے دے رہی تھی...
”دیکھیے، عمر کا تو بچے پتہ نہیں پر رشتے میں آپ مجھ سے چھوڑے ہیں۔ لہذا میں ڈانٹنے کا بھی حق رکھتی ہوں...“

اک ہاتھ نہیں، سارے وجود پر ہی زلزلہ طاری تھا... بیانی قہقہے کھڑے کھڑے پلیٹ میں بچنے لگی...

”آپ چھوڑیے... میں خود بلا دیتی ہوں... مومنہ نے بیانی واپس لے لی...“ کہیں دودھ اور پر ہی نہ گر جائے...
”اے بھائی! تم تو میری توقعات سے بھی کہیں زیادہ اچھی ثابت ہو رہی ہو... ابھی سے گرگرم ہوتی سنبھال لی...“

گلشن کی تشریف پر زبیر آنکھوں پر ایک غریبہ سی چمک لئے دونوں ہن بھائی کو دیکھنے لگے... اسی انداز میں جیسے مومنہ اسی کی دریافت تھی اور کتنی منہ زور پابست تھی... ایسی نہ کسی گھر میں ہو آئی تھی اور نہ نعمت اور دیو کو ایسی کچی بھابی ملی تھی... کچھ ایسا ہی، نہایت...
”بھابی تو ملو کو ناشہ کر داسنے لگی ہے... لپٹ لپٹ پکڑیں ڈال کر دوں... آپ نے تو گھنٹہ پہلے سے جھوک جھوک کا شور مچایا ہوا تھا...“
”دیکھو... دیو کی خدمت میں شور ہو کر بیلادیا...“

”شور ہو کر کوئی بیوی نہیں بھلا سکتی...“ گلشن نے زبیر کی شکایت کا جواب مومنہ کی حمایت میں دیا...
”اور میری بھابی تو ذرا دار بھی ہے“ اور رشتوں کو نبھانا بھی جانتی ہے... سب خوبیاں موجود ہیں اس میں... خوش قسمت میں آپ...“

عمر نے دودھ پی لیا تھا... بیانی واپس رکھنے کے لئے وہ لڑائی پر جھکی تو اس کے شانوں پر پھیلے لمبے لمبے بال نیچے ڈھلک گئے... چہرے

”اے اے کیسے ہو سکتا ہے کہ یاد نہ رہا ہو...؟ اس نے اک ہلکے جھپٹے
ساق قبضہ کر لیا۔۔۔

پر عیر کے دل کی، وہ کچھ نہ سکی تھی... وہ تو اس سے کم سے کم گفتگو
کرنے والے دل کے جھپٹے پر علمدراؤ کر رہا تھا... لیکن نہیں۔ اس میں
بھی ناکام قاشاید۔۔۔ دل تو مسلسل اس کی ہستی سے فنا ہو رہا تھا۔۔۔

کمرے میں گلشن بھی موجود تھی... زیر لمبی موجود تھا... لیکن اس
کی نظروں میں نہ ہی وہ تھی صرف، اور متوجہ بھی وہ اسی کی طرف تھا۔
اور ہمہ کلام بھی اسی سے تھا۔۔۔

سب کی موجودگی میں بھی اس نے اس کے ساتھ اپنی تنہائیاں سما
لی تھیں۔۔۔

”یاد نہیں کا مطلب ہے کوئی دونوں سے...“ مومنہ نے خود ہی
مطلب اخذ کر لیا۔۔۔

”تو پھر آپ بھیجئے آپ کی بیماری کا آخری وقت آگیا...“
”دیر مری گڑ...“ گلشن نے تالی بجائی... ”دیکھا۔ میری زبان ایسی
میں ہے...“

”نئے کاغذ! ایسا ہی ہوئی... پر مجھے تو قتل کر دی گئی...“

عیر نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ بار بار بے بس ہو جاتا تھا... نہ جانے
کے باوجود نظروں حلقہ بھٹک کر، ہلکے ہلکے اس پر جا بھٹکتی تھیں...
اور... اس کے چہرے پر اتنا رکی جھٹکتی... ”مجھے یقین ہے میری

فتنی عجب کر دو بیلی! سداوت کھیلوں کا تمہارے ہاتھ سے مرنا... خدا
کے لئے اس لمحے کی موت سے مجھے نجات دلا دو...“ عیر کا دل اس سے
برابر ہلکا م تھا... لیکن زبان میں قوت گویا ہی نہ تھی...۔۔۔

”اور... کہنا نہیں مانیں گے نوائی جی اور آبا جی کے آگے نکایت
لگا کر پڑا دوں گی... جی ہاں...“ وہ اس کے ساتھ بڑی بے لگتی اور
اپنا سیت سے گفتگو کئے جا رہی تھی... یوں اس کی طرف متوجہ تھی جیسے
کمرے میں ان دونوں کے سوا تیسرا کوئی موجود نہ تھا۔۔۔

”بیٹی! تجھ پر دم کمر... میں پہلے ہی شکست ہوں۔ اتنا کہ آخروم
تک اب جڑنے کی کوئی امید نہیں... اتنی توجہ! آتا خونیں یہاں نہیں
سہہ سکوں گا...“

”تینتے دونوں سے آپ بیمار ہیں...؟“ وہ بڑی ہمدردی اور پیار
سے بوجھ رہی تھی...۔۔۔

”کچھ یاد نہیں... کچھ یاد نہیں...“

وہ سامنے غمی ماز زبان لڑکھڑا رہی تھی... ”آکھیں بند کر لیں... تاکہ
اس کی بات کا جواب تو صحیح طرح دے سکے... پیر... پیر...“ وہ تو آنکھوں
کی تیلیوں میں بیٹھی ہوئی تھی... اس کے اندر موجود غمی... دل میں،
دماغ میں، روح میں... ہر جگہ...۔۔۔

(اس سے نرا تو ممکن ہی نہ تھا... کہاں کہاں سے اسے نکالتا...؟
”میرے پردہ نگار! دم کر کچھ پر...“

”یعنی کہ بھابی کی ایک ہی خوراک نے ٹھیک کر دیا... گلشن جبکی...

دکوئی ایسا سحر ہے ان کے پاس... واہ واہ...“

”سچ کہہ رہی ہو گلی...! بالکل سچ۔ ان کے سحر کا اعجاز تو کوئی مجھ سے پوچھے... اس خصوص و محبت کے پیکر نے مجھے کیا کیا ہے...“ غیر کا دل جلدی سے بولا...

”صرف ان کی نظروں کی رفاقت نے ہی کیسے ہرے شب و روز سجا دیئے ہوئے تھے... یہ تو میں ہی جانتا ہوں۔ جب تک من میں رہی، بہتر سے دوسرے دکھ سے... پر اس کا تصور سب پر مادی تھا... خوش رہی رہا... اسودگی سے ہی بھگتا رہا...“

زیر آٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا... اسے دیکھتے ہوئے مومنہ نے ہاتھ میں پکڑی چائے کی پیالی بھی واپس رکھ دی۔

”ارے بھابی! آپ چائے تو پی لیں...“ گلشن نے بے چینی سے کہا... ”وہ... یہ کہتے ہیں دیر ہو رہی ہے...“ وہ شرمکھی نما نیردار تھی۔ غیر اسے تکتا رہ گیا۔ کتنا سکون مل رہا تھا وہ نظروں کے سامنے تھی تو... دو مہینہ و قلم کی کیفیتوں سے گزر رہا تھا... تسکین و راحت بھی حاصل ہو رہی تھی... اور... اندر نہ لڑے بھی پاتھے... طرزان بھر اُٹھتے تھے... دل بھی ڈوبتا تھا...

مگر... مگر... اب جانے لگی تھی تو جیسے سب کچھ ختم گیا۔ ہر جذبہ ساکن ہو کر رہ گیا... وہ خالی ہو گیا تھا... کچھ بھی باقی نہ رہا تھا... یہ کیفیت بھی

تیار ماری انہیں بہت جلد ٹھیک کر دے گی انشاء اللہ...“

الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے میں خلوص تھا... اور آنکھوں میں تو بس... دیکھنے کہنے کی بات ہی نہ تھی... ایسے جذبے مترشح تھے کہ غیر کے اندر کی شکستگی دم توڑ رہی تھی...

”سچ ہے رتم سچا ہو... تم میں بہت ساری تدریں ہیں... آہ! میں ہی تمہارے قابل نہ تھا... نکما، بیکار، آوارہ، پتھر دل انسان...“ اسے ہنسنے لڑکے، ٹھیک طرح تکیے پر لٹا کر وہ سیدھی ہوئی۔ ”اب ہمارے ناشتے کی باری... ایک پاکیزہ سی سکراہٹ کے ساتھ سب کی طرف دیکھتے ہوئے وہ شرابی کی طرف مڑی...

”ڈارنگ، جلدی کر رہے ہیں جانا ہے...“ بنگلے کیوں نہ ہر کے لہجے میں اکٹا ہرٹ تھی... گھڑی بھی دیکھ رہا تھا...

”کہاں...؟“ اس نے جھکا ہوا معصوم سا چہرہ اٹھایا... جو توں کھا رہی تھی واپس پیٹ میں رکھ دیا... ”کہاں جانا ہے...؟“ ”آج ایک بٹے سے پھرا ہنی بون شروع ہو رہا ہے... پلین کی میس دیڑو ہیں...“

”ارے! یہ اتنے بیمار ہیں... انہیں چھوڑ کر...“ اس نے جبرت سے زیر کی طرف دیکھا کیسا بھائی تھا...!

”نہیں نہیں... آپ جائیں...“ غیر اک دم گہرا کمر بول پڑا... ”ٹھیک ہو جاؤں گا... اب بھی بہت ٹھیک ہوں...“

پرائیویٹ ہی تھی، پرائیویٹ بھر کر۔ تاکہ یہ نفاہت دور ہو... وعدہ کرتے ہیں نا...؟

اس نے اپنا بازو سا مہندی والی ہاتھ بڑھا دیا... لایئے وعدہ کریں؟
میر جیسے ہنستا ہوا ہو گیا تھا... ہاتھ پر ہاتھ تو دھروا... پر... لگا آسمان
نیچے آ گیا تھا، اور زمین چکر کا مٹے کا مٹے اپنے محور سے علیحدہ ہو کر
کسی دوسرے سیارے میں جا گھسی تھی... سارا کچھ گھوم گھام کر تیس نہیں
ہو گیا تھا...

یہ کیا ہو گیا تھا...؟ کیسی آگ کو اس نے چھو لیا تھا... شعلے ہی شعلے
تھے... جو اسے جلا جلانے لگے دے رہے تھے...

سپانی... پانی... اس کی صدا اس کے اندر ہی گونج رہی تھی...
ہمدردی اور رحم طلب کرتی ہوئی نظروں، اس نے اٹھا نہیں...
زیر اور مومنہ چاچکے تھے... جانے کب سکے... گلشن بھی وہاں نہیں
تھی... اور... لمبر سپروہ، اک راکھ کے ڈھیر کی طرح بڑا تھا...

"اب طبیعت کیسی ہے...؟" گلشن نے میر کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔
وہ چونک کر، گڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا... اچھی ہے...
"اس وقت... سوئے ہوئے تھے...؟"

"ہاں... نہیں... ہاں... نہیں... وہ خود ہی سہنسا سا گیا... حقیقت
کیا تھی...؟ خود اسے بھی علم نہیں تھا... سو یا ہوا تھا یا جاگ رہا تھا...؟
وہ کس کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا...؟ بے خبر تھا خود بھی..."

انتہائی لذت ناک تھی...

مومنہ جاڑ بیل! نہ جاو... مجھے تمہاری ضرورت ہے... اس کا دل
جینجھ کر پکار رہا جیسے لگا... بیقرار ہو ہو کر اس کی منت سماجت کرنے لگا۔
"یہ چاہتے ہیں... میر کی تنگ زبان تڑپ کر حرکت میں آئی۔
اتنا ہی وقت مزید اس کے سامنے رہ جائے گی..."

"نہیں... دیر ہو جائے گی... زہیر کا موڈ بحال نہ ہوا... ایئر پورٹ
کے کسی لیتویران میں بیٹھیں گے..."

"اچھا جی... بہت اچھا... زہیر کا موڈ دیکھتے ہوئے مومنہ کا دم
اٹھ کر کھڑی ہو گئی... پھر جلدی سے خیر کے قریب آئی..."

"دیکھئے... اس پر جھکے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہنے لگی...
سدان کا حکم بھی نہیں ٹال سکتی... یہ میرے غازی خدا ہیں... اور آپ کی
پیمانہ کی وجہ سے جانا بھی اچھا نہیں لگ رہا..."

عمر اس کے قریب کی مہک سے مسکور و مہوت ما ہوا بڑا تھا...
"ایک وعدہ کریں گے... لکھ سے..."

عمر چونک اٹھا... کیا وعدہ لینا تھا اس نے۔ دل خواہ خواہ ہی
دھڑکنے لگا... مومنہ کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی مگر لکھیر سے
زیادہ دیکھ نہ سکا...

"میر سے واپس آنے تک آپ کو ٹھیک ہونا ہوگا... دو باتا عدلی
سے لیجئے گا، دودھ و غیرہ پینا ہوگا، کھانا ٹھیک طرح کھانا ہوگا..."

”باہر... تمہاری دنیا میں...؟“ وہ غالی غالی نظروں سے گلشن کو
نکلتے لگا...

”اگر نکل گیا باہر... تو... اس کی دنیا سے ہی نہ نکل جاؤں...؟“
دل تڑپ کر بولا... ”تمہاری دنیا سے مجھے کیا ملے گا...؟ نہیں... میں اس
کی دنیا سے نہیں نکل سکتا... ختم ہو جاؤں گا... فنا ہو جاؤں گا...“
”عمو! میں کہہ رہی تھی... کچھ کام ہیں بہت ضروری... تم کہاں کھوٹے
رہتے ہو ہر وقت...؟“

”کھویا رہتا ہوں...؟ نہیں تو... پیر دل اندر سے بولا... اب ہی تو
پناہ سراغ پایا ہے... اسے پانے کے بند... یہاں سے نکل گیا تو اسے پھر کیسے
پاؤں لگا... اس کی توجہ... اس کا دھیان...“

”تمہیں پتہ ہے نا مجھ کا دن آسنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔“
”صرف تین دن... اوہ... بہت ہیں... بھائی جان آجائیں گے نا...؟“
”جی ہاں بات ہے نا...؟“

”اوہو... میں ان کے آنے کے متعلق کب کہہ رہی ہوں... گلشن
جھنجھلا سی پڑی... یہ اسے کیا ہو گیا تھا...؟“

”عمو! ہوش کرو... کہاں کھڑے رہتے ہو... ارے اللہ کے بندے
مجھ کے دن کچھ اور بھی ہے...“
”کچھ اور...؟ وہ کیا...؟“ اب بھی نظریں اس ہاتھ پر جمی تھیں۔
”اتنی جی اور اتنا جی بڑے پریشان ہیں... بہت سارے لوگوں کو

یہی حال تھا اتنے دنوں سے... جب سے وہ گئے تھے... پتہ ہی نہیں
تھا وہ کون تھا...؟ وہ کہاں تھا...؟ وہ کیا کر رہا تھا...؟ اور اگر کے
باقی لوگ کس دنیا میں بس رہے تھے...؟ کیسی زندگی گزار رہے تھے...؟
کچھ علم نہیں تھا... وہ تو بس ہر وقت چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا
رہتا... ایک ہی تصور، ایک ہی خیال ہر وقت اس کے حواس پر چھایا
رہتا تھا...

وہ نظارہ، اس دن والا، اک نغم کی طرح اس کی نظروں میں ہر وقت
گھومنا کرتا تھا... مومنہ نے اسے تھا ما... سہارا دیا... پھر لہر پر بٹھایا...
جوتے اتارے... کبل اوڑھایا... گرم گرم دودھ کی پیالی اپنے ہاتھ سے
اسے پلائی... ناشتہ اسے کرایا... اور پھر... اپنی دالچوی تک اسے تندرست
ہو جانے کی صرف تاکید ہی نہیں کی بلکہ وعدہ لیا...

وہ اپنے اسی ہاتھ کو دیکھ رہا تھا... اب بھی... ہر وقت دیکھتا تھا
تھا... ہوا ہاتھ اس نے اس کے ہاتھ پر دھرا تھا... مہندی والے نرم و
لاٹم ہاتھ پر...

گرم تھا اس کا ہاتھ... لردش مٹی اس کے ہاتھ میں... جذبات کی
گرمی اور نرمی تھی...؟ جن لوگوں سے لڑ رہا تھا...؟ کیا وہ بھی اسے...
اس کے آگے سوچ کے جیسے پُر جمل جاتے...

”عمو! اب تم بالکل ٹھیک ہو... خدا کے لئے اب کمر سے نکلو...
باہر آؤ۔ ہماری دنیا میں...“

پر... کاظمی صاحب، اور جہاں آنا کو ان خوشیوں کی جو قیمت ادا کرنا پڑی وہ... پریشانیوں کی صورت میں ان کے سامنے تھی... جو گلشن کی شادی کے لئے جمع ہو کر کیا ہوا تھا وہ زبیر کی خوشیوں پر لگا دیا... گھربانے کا فرض عینہ مسرہ تھا...

سو چا تھا، زبیر کی سہرا بندی کی رسم پر جو سلامیاں اکٹھی ہوں گی وہ راقم اس کی دعوت ولیمہ اور گلشن کی رخصتی پر خرچ کر دی جائے گا۔ مگر... ساری سوچیں دعویٰ کی دھڑی رہ گئیں۔ زبیر نے سلاقی کی رقم میں سے اک پیسہ مان باپ کو نہیں دیکھا یا... سب کچھ جیب میں بھرا اور دعوت کو ساتھ لئے ہنی مون پر روانہ ہو گیا...

اور... کاظمی صاحب اور جہاں آرا منہ دیکھتے رہ گئے... خالی جھول لئے خالی خالی نظروں اور پریشان صورتوں سے اک اک سے جیسے دم کی چھیک بانگ رہے تھے... ان کی نگاہوں کا سوال یا زبیر یا بچوں سے جواب طلب کرتا تھا...

"اب کیا کریں... اب کیا کریں..."

اور یہی صورت حال گلشن علیہ کو بتانا چاہ رہی تھی... پراسے تو جیسے گھر سے اور گھر والوں سے کوئی سروکار ہی نہیں رہ گیا تھا... غیر ایسا تو نہ تھا... علیہ کے سینے میں تو بڑا نرم گرم دل تھا... اب تک تو گلشن کو یہی اندازہ ہوا تھا... مگر... یہ آج...

"آئی جی اور آج کی حالت دیکھیں نہیں جاتی عوام! کیا کریں..."

مرد کو کر یا ہے... میں نے تو کہا تھا... سادگی سے کر دیں... پر کھانا کا بھی ٹھیک ہے... پہلے پہلے بیٹے کی دعوت ولیمہ... برادری میں نام نہ کٹ جائے...

تب... اس وقت میر کو ہوش آیا... ہر ماٹھے اہر بات میں اس کا خیال صرف مومنہ کی طرف جاتا تھا... پر... یہ مسئلہ تو بڑا سنجیدہ تھا... یا د آیا...

زبیر کی شادی تو ابھی نامکمل تھی... برات کے اگلے دن جو دعوت ولیمہ ہونا تھی، وہ اگلے جمعہ تک کے لئے اس نے ملتی کر دی گئی تھی کہ گلشن کی رخصتی کا بھی دن مقرر تھا...

مان باپ کے مالی حالات کے پیش نظر خود اس نے بھی یہ مشورہ دیا تھا کہ ایک ہی دعوت میں دونوں کام نہٹ جائیں... ان کے خاندان برادری میں دعوت ولیمہ بڑے توڑ کا اہتمام سے کرنے کا رواج تھا۔ یوں... مداح کے مطابق خرچ تو ہونا ہی تھا کیوں نہ اسی خرچ میں گلشن کی بھی رخصتی کر دی جاتی... سب اس تجویز پر متفق بھی ہو گئے تھے اور خوش بھی تھے... اچھی خامی بپت ہو رہی تھی...

لیکن... لیکن... کیا کیا نہ سوچا تھا جہاں آرا اور کاظمی صاحب نے زبیر کی آمد کے متعلق... ہر اس کی شادی کے متعلق... بہت جیس جیس خواب دیکھتے تھے... پورے بھی ہوئے... وہ آیا بھی... شادی بھی ہوئی... بڑی رونقیں لگیں... بڑے ہنگامے بنے...

”وہ... تمہارے ذہن کی دعوت دلیجہ ہے... کارڈ بھی تقسیم کر دیئے
ہوئے ہیں... ساتھ تمہاری بہن کی رضعتی ہے... اور ہم... ملالی ہو کر
بیٹھے ہوئے ہیں...“

گگہ میں پھنسی تھوک تو انہوں نے نکل لی... پراگھوں میں پھنسی ہوئی
نئی غیر سے جھپٹا نہ سکیں...

”تمہارے آبا جی نے قرض لینے کی بڑی کوشش کی ہے... پر ساری
جگہوں پر سے تو ہم پہلے ہی... آنکھوں میں پتہ نہیں دھواں دھواں سا
کیوں بھر گیا ہے...؟“

جہاں آرا بہانے سے آنکھیں صاف کرنے لگیں... بات بھی پوری
نہیں کی... کیا کہتیں...؟ کیا سناتیں...؟ غیر کو احساس ہو گیا تھا۔ ان کی
حالت کا بھی اور ان کی پریشانی کا بھی...

”تمہارے باپ کی پریشانی دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا...! خود کو
سنبھال کر وہ پھر گویا ہو گئی...“ میں نے سوچا تھا... کر... کر...“

پھر خاموشی اختیار کر لی... دونوں بہن بھائی کھ گئے تھے کہ وہ جو
کہہ کرنا چاہ رہی تھیں، کہہ نہیں پا رہی تھیں... بھلا اولاد کے سامنے گویا
کی سی کیفیت کیوں ہو... حکم کرتی ہیں...

”ہاں ہاں بتائیے... آپ نے کیا سوچا تھا...؟“ غیر نے ان کی سمت
بندھائی... ان کا حوصلہ بڑھایا... ہمارے اختیار میں جو کچھ ہو کر گزریں
گئے... ہیں ناگلیں...؟“

وہ جھنجھلا جھنجھلا کر، الجھ الجھ کر بار بار پوچھ رہی تھی...
”گلشن! او گلشن...! جہاں آرا اسے آذانیں دیتے ہوئے
اندرا لگتے...“

”تم کہاں ہو اور میں مار سے گھر میں تمہیں... ارے!“ غفر
میر پر جا پڑی...

”تم بھی یہیں ہو...! خلا نہ معمول... چلو اچھا ہوا...“
دو چار دونوں میں ہی پریشانی اور تکررے انہیں کس طرح مڑھا
کر کے رکھ دیا تھا... غیر نے غور سے ماں کو دیکھا... دل کٹ کر وہ گیا...

”میں کبھی تھی عمو بھڑک گیا ہو گا، کہیں آوارہ گردی کیسے...“
اک طویل سی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے وہ غیر کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
”ارے کبھی ماں باپ کو بھی پوچھ لیا کرو... دو گھڑی پاس بیٹھ کر
دکھ ہی بانٹ لیا کرو...“

”اچی جی! اچھی عمو کو نفا بہت ہے... کہیں بھی نہیں جاتا۔ رات دن
کمرے میں بیٹا رہتا ہے...“

”اب جائیں گا بھی کہاں...؟“ گلشن کی صفائی پیش کرنے پر اس
نے دل میں سوچا... پھر زبان کھولی...

”اچی جی! حکم کریں۔ کس طرح آپ کا دکھ بانٹ سکتا ہوں...“
ماں کی حالت دیکھ کر وہ اپنے آپ کو، اپنے گئے دل کو، اپنی بھڑکی
زندگی کو، غرض سب کچھ بھلا بیٹھا...

جا بیٹھا...

دنکتنی رنم سے ہر دست پوری ہو جائے گی... اس نے تسلی آمیز انداز میں ماں کے گھٹنے تھام لئے...

”تم کیا کر کے عمو! اچھی کل تک، بلکہ آج تک، کچھ دیر پہلے تک بستر پر پڑا تھا... گلشن نے حکمرندی سے اس کی طرف دیکھا...“
”میں تو کہتی ہوں وہ لاکٹ اور ٹائی پن نیچے دو... جہاں آرا نے بھی ذرا مضبوط کیا...“

گلشن اور غیرت نے پھر مضطرب ہوتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چہرہ آنکھوں میں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا... عاصم بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ زیرینے ایسا دھوکا دیا تھا... وہ پہلے ہی اتنا پریشان تھیں... مزید دھکی کرنا گوارہ نہ تھا...“

”اُتی جی! آپ کی اور آبا جی کی پریشانیاں رنچ ہو جائیں، یہ رکٹ اور ٹائی پن کیا ہے... لیکن ان کے بغیر اگر کام بن جائے...“
”کام بن جائے تو کچھ اور کیا چاہیے... تمہارے آبا جی، چنا شمار خوش قسمتیوں میں نہ کرنے لگیں... پڑے ہوئے ہیں ادھر ٹوائی کھڑا نئی لے کر...“

”دیسے آپ کے پاس زلیور بھی تھا...“ عیسر کو اچانک یاد آیا۔
”سنا، ایسے ہی دھتوں کے لئے ہوتا ہے...“

”آدھا نہ میری بری میں ڈال دیا اور آدھا تمہاری بری کے لئے رکھا ہے...“

”ماں ماں... بتائیے اُتی جی! کوئی حل ہے تو... رنچ کریں اپنی پریشانی کو...“

اس نے ماں کے پاس بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے...
”میں نے سوچا تھا... وہ تمہارے پاس لاکٹ ہے... اور عمو! تمہارے پاس ٹائی پن... ان دونوں کے بیسرے... وہ ہنگامیں... پھر کدک نظر دونوں کو دیکھنے کے بعد لگا ہیں جھکائیں... چود چور سی لگا ہیں تھیں۔“
”اس وقت کام تو نکل سکتا ہے... بعد میں نہیں خود موندوں گی تم دونوں کو... بالکل ایسے ہی... بیشک بھائی کا مجھوں بھرا تھو ہے...“
پر ادھر بھی عزت کا معاملہ ہے...

عیسر اور گلشن نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا...
”میں جانتی ہوں تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی ہوگی مگر...“
بھر کے لئے انہوں نے تامل کیا... چہرہ بولے سے کہنے لگیں...
”اور کوئی صورت نہیں... سب طرف ہاتھ پاؤں مار کر دیکھ لیا...“
تمہارے آبا جی کہہ تو پریشانی کے مارے غش پڑ رہے ہیں...
جہاں آرا خود بھی اس قدر پریشان حال تھیں کہ ان کا بھیج بھی مارل نہ تھا... مرتش سا بھو رہا تھا... آواز میں رنقت تھی...“

”پتہ نہیں کوئی ہم سے غلطی ہوگئی... کیوں...“ اور وہ روئے لگ پڑیں...

عیسر اک دم اٹھ کر ان کے پاس، نیچے فرش پر، ان کے قدموں میں

”دیکھیں اتنی جی! گلشن ہمارے گھر سے کچھ بھی ملے مگر نہیں جا رہی...
 باہر سونا سستا ہے تو ہوا کرے... میری بری کے لئے آپ نے زیور
 رکھا ہے وہ گلشن کو دے دیں... میری طرف سے... میں نے بھی تو شادی
 میں کوئی تحفہ دینا ہے...“
 ”نہیں ملو... الیا...“

”تم چپ کر دو گل! جو میں نے کہا ہے وہی ہوگا... اس طرح اتنی
 کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی کہ بڑوں کی نشانی باقی رہے...“
 ”معاذ تو اس وقت جہم کے دن کا ہے... عورت تاہم رہ جلتے...“
 ”کہہ رہا ہوں نا وہ بھی انتظام ہو جائے گا... نہ کوئی زیور رکھے گا۔
 یعنی دادی اماں اور نانی اماں کی نشانیاں بھی باقی رہ جائیں گی...
 اور بھائی جان کے خلوص و محبت بھرے تحفے بھی... آپ نہ کریں۔
 سب کچھ ہو جائے گا... انشاء اللہ سب کچھ...“

وہ چہرے پر سمیت مرواں کی چمک سے اٹھا اور لباس تبدیل کرنے
 ہاتھ روم میں جا گھٹا... تھوڑی دیر بعد باہر نکلا تو جہاں آرا تو وہاں
 موجود نہ تھیں البتہ گلشن اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے نکلتے
 دیکھ کر اپنے چہرے کو صاف کر تے ہوئے اٹھی اور اس کے پاس آن
 کھڑی ہوئی...

”تم ہمارے وہاں جاؤ گے اور کیا کرو گے...؟“
 ”اب میں ٹھیک ہوں... غیر سنے گلشن کو تسلی دی...“

”اور گل کا نام ہی نہیں...“
 ”اول تو اسے پسند ہی نہیں...“
 ”اور دوم... اس کو دینا نہیں...“ ماں اتنی دگر نظر اور تنکستہ سی
 ہو رہی تھی، انہیں بھلانے کے لئے غیر سنے مذاقی کیا... ”یہ اس قابل نہیں...“
 ”نہیں...“ جہاں آرا کے چہرے پر مسکراہٹ پسٹل گئی... ”یہ بات
 نہیں... اس نے باہر چلے جانا ہے... وہاں سونا بڑا سستا ہوتا ہے...“
 ”تو پھر میرے والا حصہ مجھے دیکھتے نا اس کا تو خاتمہ کروں...“
 ”نہ نہ... میری ماں اور میری ساس کی نشانی ہیں یہ زیورات...“
 ”یہ تو کبھی بھی بیچتے نہیں دوں گی...“
 ”عورت کی خاطر بھی نہیں...؟“

”تو پھر میری اولاد نے میرا کیا ساتھ دیا... اگر زیور بھی پتا ہی پکا تو...“
 ”اتنی جی! مجھے شادی نہیں کرنی... کب تک میری بری کے نام سے
 رکھ چھوڑیں گی...“

”میں نے کہا نا، انہیں بیچے گا نام نہ لینا... تم اپنی مائی بہن بچانا
 چاہتے ہو... ہیرے کا لالچ پڑ گیا ہے...“

”نہیں نہیں... خدا کی قسم یہ بات نہیں... میں تو ویسے ہی... میں تو...“
 ماں کی غلط فہمی دودھ کرنا بڑا دشوار تھا... اس نے بے بسی سے گلشن
 کی طرف دیکھا... اس کی نظروں نے بھی لا چاری کا اظہار کر دیا۔ تب پھر
 نے خود ہی کچھ سوچا...

”میرا ہر ہی بے گلی اچھے جاننے والے... اور وہاں کو کام بن جائے... سب کی عزتیں رہ جائیں گی... بہت سارے لوگوں کی...“
اس نے گلشن کو چوسے ہٹا یا اور کمرے سے نکل گیا... سکوٹر پر بیٹھ کر
موتی موتی تہہ چڑھی ہوئی تھی... کتنے ہی دنوں سے تو وہ گھر سے
اُتر پڑا تھا... سکوٹر کو اچھی طرح صاف کیا...
نیا نیا رنگ پالش ہوا تھا... نیچے نوٹیل دہن کی طرح چمک رہا تھا۔
”میرا سکوٹر پر اتنی توجہ کیوں دی جا رہی ہے... مرمت کرایا
ہے... اور یہ پالش وغیرہ...“ گلشن نے بڑے تعجب سے پوچھا تھا۔
”کیوں...؟“

”دیکھنا تو یہی کیا سنئے جیسا ہو جاتا ہے...؟“

”یہ کیوں...؟“ جس نے تو اس کو کباڑی کے کمال بنایا ہوا تھا... اب ایک دم
اس کی قیمت کیوں چمک اٹھی...؟

”بھئی بھائی جان آرہے ہیں... یوں ہی... تمہاری شادی کے
دنوں میں اتنے مہمان آئیں گے... سب دیکھیں گے... پھر ان دنوں میں
کام بھی بہت ہوں گے... ذرا خوب خوشو شاد ہوگی...“

اپنی شادی کے ذکر پر گلشن تو خاموش ہو گئی تھی لیکن عجب کو خوب بھر
تھی کہ وہ کیوں سکوٹر کو اتنا جھکا بھڑکا رہا تھا... اسے نیا کور بنا رہا تھا۔
یہ سارا اس نے صرف جواد کو بتایا تھا... بلکہ جواد ہی کے کہنے پر اس نے
اس کی حالت بدلی تھی...

”نہیں عمو!“ ابھی ابھی اس نے چہرہ صاف کیا تھا... غیر سنے دیکھا
اس کے رخسار پر بھینکنے لگے تھے... بکھرے کوئی اور بھرے کوئی...
”کیا مطلب؟“ غیر انجان بن گیا...

”بھائی جان کے سامنے سا خرچ ہوا اور بھگت تم رہے ہو...“
غیر ملکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شوخی آمیز لہجے میں بولا... چلو
ٹیک ہے میں اپنی ٹائی پن اور تم اپنا لاکٹ اپنی کو دے دو... وہ
خود انتظام کر لیں گی...“

”اُسے نہ عمو! ایسا کبھی نہ کرنا... زندگی بھر نہیں... انہیں بہت
دُکھ ہوگا... بے انتہا۔ بھائی جان سے انہیں بہت محبت ہے...“
”تو پھر سامنے چھوڑو اور بھگے جانے دو...“

”پر تم کیا کر دو گے...؟“

”جب الٹی جی اور آبا جی کو دُکھ اور پریشانی سے بچانا ہے تو پھر
جو بھی کیا یا سک کروں گا... یوں ہی...“ کچھ کہتے کہتے وہ یکایک رگ گیا۔
اب یہ منہ اکبیسے زبیر کا نہیں تھا... اب اس کے ساتھ مومنہ کا
ساتھ بندھ گیا تھا... اس کے جھوٹ کی تہنیر ہوتی تو ساتھ اسے بھی پریشانی
کا سامنا کرنا پڑتا...

اور... اس کی پریشانی ہی غیر کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ وہ اسے
خوش دیکھنا چاہتا تھا... یہی بیٹی کو... سراسر اسکی... دُکھوں سے دُور...
”کچھ کہتے کہتے رگ گئے ہو...؟“

نہیں ہوا۔۔۔

اس دن کے بعد آج اس نے سکوٹر کو ہاتھ لگایا تھا۔۔۔ مٹی کی تہہ چلی تو وہ ایسا نیا ایسا چمکلا نظر آئے لگا کر جبر کی آنکھوں میں اس کی جھک بس گئی۔ پھر جانے کیا ہوا۔۔۔ کیا سوچ ذہن میں آئی۔۔۔ اسے شادیت کرنے سے پہلے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔۔۔ وہ منہول کے مطابق جانے سے پہلے نیکٹ نکال کر ٹاس کرنے لگا تھا۔۔۔

”اے۔۔۔“ جیب تو خالی تھی۔۔۔ اس نے گھبرا کر ہاتھ باہر نکالا۔۔۔ ”کیا وضو پڑھے ہو۔۔۔؟“ گلشن اس کے پیچھے کھڑی پوچھ رہی تھی۔ ”اک سیکٹر تھا اسی جیب میں۔ کو گیا۔۔۔“

”وہ تو نہیں جو بھابی کو سلامی میں دے دیا تھا۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔“ شرمندہ سا ہنر کر جلدی سے وہ سکوٹر ٹارٹ کرنے لگا۔۔۔ ”بھول ہی گیا تھا۔۔۔“

”یراس سکتے ہیں کیا خصوصیت تھی۔۔۔؟“ مجھے بتاؤ تو رہی۔۔۔“

”جہی کام کے لئے ٹاس کیا کرتا تھا نا۔۔۔ وہ ہمیشہ ہو جایا کرتا تھا۔۔۔“

”میرے اسے کام نہیں بتایا۔۔۔ لیکن۔۔۔ دل میں کئی بے شمار دکھوں کے کاسٹے اتر گئے۔۔۔ وہ بیل کے لئے کیا کرتا تھا۔۔۔“

”دل میں اتر سے علم کے کانٹوں کی جھن نا قابل برداشت تھی۔۔۔ اس نے جلدی سے سکوٹر ٹارٹ کر دیا۔۔۔“

”جس طرح خدا نے بجائی جان کے تعیب میں اتنی اچھی لوک کر دی ہے۔“

”ابھی گاڑی بیٹنے کی ترمیمی ہے نہیں تہدی۔۔۔ پر جو سواری خدا نے دی ہوئی ہے یا رب! اسی کی حالت ستوار کرو۔۔۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میری بھابی کو اس پیشچیر پر بیٹھا دے۔۔۔ یوں بھی جیب پہلی بار اسے پر دلوں کرنے جائیں گے یا پھر تمہارا بر دکھو اہو گا تو ذرا اٹھاٹھ سے جانا چاہیے نا۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ یہ تو تم نے ٹھیک کہا ہے۔۔۔“ غیر اس مشورہ پر خوش ہوا تھا تھا، پر دوسرے کے غمزہ میں ہو گیا۔۔۔

”اس کی درستگی رقم مانگتی ہے۔۔۔ اور وہ آجکل عفا جی ہوئی ہے۔“

”جس جیب خالی ہی رہتی ہے۔۔۔“

”یہ تمہارا یا رکس لئے ہے۔۔۔“ جو ادنے اپنے بیٹے پر ہاتھ مارا۔۔۔

”جسے تم اس قابل ہوں کہ تمہارے کام آسکوں۔۔۔ تب تک تو یہ کیا نہیں دکھاؤں گا۔۔۔ تم اس کو درکش پ میں تو پہنچاؤ۔۔۔ آگے میں خود سمجھال لوں گا۔۔۔“

ایک ہفتے کے اندر اندر سکوٹر نیا ہو کر آگیا۔۔۔ دھول بڑی دیر سے دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔۔۔ غیر سنے تو خیال ہی خیال میں اس پر اپنے پیچھے بیل کو بیٹھا کر سارے شہر کی سیر بھی کر ڈالی تھی۔۔۔

پھر مقدمہ میں کچھ اور ہی نکلا تھا۔۔۔ اسی دن عمیر بیمار پڑ گیا۔۔۔ بیل کو بیٹھانا تو دور کی بات تھی۔۔۔ خود اس کے تعیب میں بھی اس پر بیٹھنا

کبھی خود غرضوں کا ثبوت دیتا تھا... کئی سالوں کی کماٹی میں سے ماں باپ کا حصہ نکال ہی نہیں تھا... جیسے جی انہیں ٹھجلا دیتا تھا... پر... ماں پھر بھی اس پر خرچ کئے جا رہی تھی...

یہاں تک کہ ایک طرح سے دوسری اولاد کا بھی حصہ اسے دے ڈالا تھا... اس پر خرچ کر دیا تو دے ڈال ہی ہوا... مگر... وہ پھر بھی نہ شکور ہوا تھا... نہ ان کے احسانوں کا ہی کچھ تھوڑا سا بھی بدلہ چکا یا تھا۔ اور نہ ان کی قربانیوں اور جانی نثاریوں کا احساس کی تھا... نہ اعتراف کیا تھا...

ایسا مطلب درست اور ایسا خود غرض ہو گیا تھا کہ دوسری اولاد میں سے ایسا کوئی نہ تھا لیکن... ماں کو پھر بھی وہی عزیز تھا اور اسی کی سوجھیں من میں تھیں... اور اس کا خیال ہر ہر بات میں اور ہر ہر معاملے میں...

”سلاد ضرور ساتھ بنا لینا... وہ ہر کھانے کے ساتھ سلاد کھانے کا عادی ہے۔“
”آج سلاد تو آیا ہی نہیں...“

”عمو ابھی آتا ہے اس سے منگو لینا...“

”وہ اتنا بیمار رہا ہے... بار بار میچنے سے کہی...“ گلشن چپ چاپ ہو گئی۔
”دیے مطلب ماں کچھ گئی تھی... کچھ نہیں ہوتا۔ خیر صغے ہے...“

لاپرواہی سے کہا اور کام میں مصروف ہو گئیں...

بری دعا ہے تمہارے مقدر میں بھی ایسی ہی کچھ دے... کہنے زندگی میں خوشیاں بہت کم دیکھی ہیں...

گلشن اسے دعائیں دیتے ہوئے واپس آگئی... کاجلی صاحب کی طبیعت غراب تھی۔ انہیں چائے بنا کر دی... جہاں آرا بھی کچھ پریشان آکر منگر سر پر پٹی باندھے بیٹھی تھیں... انہیں گولیاں کھلائیں... درد کی بھی بلٹ پر لٹیر کی بھی اور سکون آور بھی...

پھر رات کے کھانے کا انتظام کرنا تھا... اس کے لئے ماں سے مشورہ کرنے لگی۔
”زیر کی پسند کی چیز رکھنا...“

”بھائی جان کی پسند کی...“ گلشن زور سے ہنسی... ”آپ کو یقین ہے...“
”وہ آج آجائیں گے...؟“

”اے تو آج بھی نہ آئے گا... بھئی تہہ دی مہندی ہے...“
”اقی جی آپ کتنی بھولی ہیں...“ گلشن کا دل بولا لیکن زبان خاموش رہی۔
”اما اولاد سے دھوکے پر دھوکہ کھائے پلے جاتی ہے مگر... پھر بھی اس کی محبت کے ہاتھوں مجبور رہے ہی ہوتی ہے... اس کے ہر جوٹ کو پیچے ہی کھتی ہے۔ اس کے ہر فریب کو حقیقت جانتی ہے...“

جہاں آرا کہ اب بھی زیر رہی کی زبان کا اعتبار دیتی تھی۔ بڑی بیتیالی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں... گلشن کی خادہ سے زیادہ اس کی سوجھیں اور حکمت تھا... رات کا کھانا اسی کی پسند کا بنوایا...

”مرچ کم ڈالنا... وہ ہمارے منہ میں مرچیں کھانے کا عادی نہیں رہا...“
گلشن مسکرا دی تھی۔ رو پلے پیسے کے معاملے میں کتنا اس نے تنگ کیا تھا۔

”بالکل ہی بچہ بن گیا ہے۔“

”ہائے تو ای جی! ایک منٹ کے لئے آنکھیں بند کر لیں... خوش ہو جائے گا بے چارہ... نگہیں پاس بیٹھی تھی... میری طرح غنیمت گمر لہ تھا... رولے بنا رہ سکی۔“

”دولوں ہی دیکھ کر گئے ہیں... جہاں آرام نہ بڑی کر آنکھیں میچ لیں۔“
”یہ تو... کوئی تماشہ دکھانا ہے...؟“

”تماشا ہی بھگین... پر سے بڑا دلچسپ... خوش ہو جائیں گی دیکھ کر۔“
”ہر نہ! خوش ہو جاؤں گی... جہاں آرام جھینٹا میں...“ آج تک کتنی خوشیاں دیں...؟“

”صاحب نہ کیا کریں... اور... یہ لیں...“ میرے ان کے دولوں ہاتھ جوڑ کر ان میں کچھ رکھ دیا... ”اور اب آنکھیں کھول لیں...“

جہاں آرام نے آنکھیں کھولیں... دولوں ہاتھ کے پیالے میں لال لال لٹوٹوں کی اچھی خاصی موٹی سی گڑی پڑی تھی... ”ارے...؟“ ان کی آنکھوں میں روشنیاں سی آتھیں... لال لال

لٹوٹوں کو دیکھ کر چہرے پر لالی پھیل گئی... ”اب تو کام بن جائے گا نا...؟ اور عزتیں بھی باقی رہ جائیں گی نا...؟“

”کہتے ہیں...؟“ اک خوش بھری بقداری سے انہوں نے لٹوٹوں کی گڑی کو دیکھتے ہوئے پوچھا... ”دس ہزار...“



غیر اپنے بھاری قدم شرارت کے ساتھ، زور زور سے دھڑکاں کے ہیں مارنے آن کھڑا ہوا... ”اے شور شرابے سے آنے کی کیا ضرورت تھی...؟“

”بہن ایسے ہی... اتنی خزانہ کا خاموشی تھی... اس کو توڑنے کو ہی چاہا۔“
”اٹھا... پیرسوں گل کی شادی ہے... کوئی ہنگامہ، کوئی رونق...“

”بے کچھ ہو تو رقیس ہنگامے ہوتے ہیں... پریشانیوں اٹھانے والوں کے چہروں پر سے تم کیا توقع کرتے ہو... ہے نا اگلے دماغ والا لڑکا...“
”احساس ہی نہیں کسی بات کا... ہمیں سانس لینا دو بھر ہے اور یہ... پتھر کا پتھر؟“

”اگر آپ کی پریشانی دودھ کر دوں...؟“
”تو اور ہمارے پریشانیوں دودھ کرے گا...؟“

”دوسرا آنکھیں بند کریں نا...؟“
”کیوں...؟ میں تمہارے ان جو ٹپوں کے لئے بیکار نہیں بیٹھی ہوئی۔“

وہ سوئی چلتے ہوئے بولیں... ”ایک منٹ کی بات ہے اتنی جی... کریں نا آنکھیں بند...“
جہاں آرام کے من میں کچھ اور سوچیں تھیں... میرا اس وقت کا یہ لالہ

اور شرارت پسند نہ آئی... چہرے پر ناگواری کے اثرات پھیل گئے۔

”دس ہزار...؟“ انہوں نے اچنبھے سے نوٹوں کے بعد میرے چہرے پر نظر میں جا دیں... ”عمو! کہیں کوئی غلط کام تو نہیں کیا...؟“

”اُسے اتنی جی! فردی ہے یہ... کہ میں جو کچھ کروں گا وہ غلط ہی ہو گا... اور اس گھر کے لئے دوسرے لوگ جو کچھ کریں گے وہ درست ہو گا... خواہ دوسرے کتنا غلط کریں...“

”نہیں سے... یہ بات نہیں... یہاں آرانے لاڈ سے اس کے ایک چیت رہی ہو گی...“

ادد کا فلمی صاحب کو رقم کے بندوبست ہو جانے والا کارنامہ سننے پل دیں...

گلشن خاموش بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی... رقم دیکھ کر افسردہ بھی ہو گئی تھی بہر حال اسے دل میں بہت سارے جنبے بھی یکساں ہو اُٹھے تھے...

”کہاں سے لائے ہو...؟“ رقت بھرے لمبے میں وہ پوچھنے لگی...

”نہیں ام! کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گھسنے سے...؟“

”میری بات کا یہ جواب نہیں... مجھے صحیح جواب چاہیے...“

”صحیح جواب...؟“

”جہاں مائی پن کا ہیرا بیچ پرچ اتنی قیمت کا تو نہیں تھا...؟“

”میں نے یہ کب کہا تھا کہ میں اسے ہی بیچنے جا رہا ہوں...؟“

”بھڑ...؟ دوسرا کونسا ذریعہ استعمال کیا ہے...؟“ گلشن نے غور سے

اس کی آنکھوں میں دیکھا... ”دس ہزار پہلے بھی لائے تھے...“

”نہم کہنا کیا چاہتی ہو...؟“

”بہی... کہہ میں وہ بھی واپس نہیں دیئے ہوں گے... صاف ظاہر ہے ان کی اداکاری کے بغیر مزید انعام کرنا مشکل تھا...“

”کھوٹا سکہ مشکل کے وقت ہی کام آتا ہے...“

عمر کرے سے نکل گیا... وہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا...

یعنی لوگ بڑے خوش قسمت ہوئے ہیں... اپنا حصہ تو اپنا ہوتا ہی ہے دوسروں کے حصے کی خوشیاں بھی آپ ہی آپ ان کے حاسن میں سمٹی چلی آتی ہیں...

ادد یعنی لوگ بڑے بہرکت... ان کی اپنے حصے کی خوشیاں بھی دوسروں کے پاس چلی جاتی ہیں... آپ ہی آپ... ادردہ خالی مہولی میں بد نصیبی لئے دیکھتے رہ جاتے ہیں...

تھکا تھکا سامعیر بستر پر لیٹ کر سوچ رہا تھا... آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا... تاکہ کوئی اگر آئے تو اسے سویا ہوا جگھے... وہ اس وقت کسی سے بھی بات چیت کرنے کے موڈ میں نہ تھا...

سبکیوں کی آواز پر وہ چونکا... چہرے پر سے بازو ہٹایا... گلشن بیڈ کے ساتھ دالی کمری پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی...

”ارے کیا ہوا...؟“ وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا...

”مجھے سچ بتاؤ، تمہارا سکوٹر کہاں ہے...؟ ادھر سے گزری تو

اس کی جگہ خالی بڑی تھی...

عمریر نے لگا... اس وقت تم سکوتر کی یاد میں کیوں مبتلا ہو گئیں...

"بتانا...؟"

"ٹھیک کرنے دیا ہے..."

"ٹھیک تو تھا... بیکہ بالکل نئے جیلا تھا۔ ایسے کو میک شارٹ ہونا

تھا اب تو..."

گلشن نے عمریر کا ہاتھ پکڑا اپنے سر پر دھر لیا...

"اب بتاؤ... بھوٹ بولو گے تو میں..."

"او بابا! ہاتھ ہٹاؤ نا..." عمریر نے اک جھلکے سے اس کا ہاتھ سر پر

سے ہٹا دیا..." دیکھ گلی! آئندہ تم نے اپنے سر کی قسم مجھے دی نا تو..."

بہن بہت بُرا ہو گا..."

"تو پھر خود ہی سچ بتا دو..."

"سچ دیا ہے..."

"دس ہزار میں..."

"نہیں..." کچھ جواہر نے دیئے ہیں..."

"اے سکوتر تو تمہارے بڑے کام آتا تھا اور پھر... تم تو اسے

اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے..."

"بس... چپ... اچی جی اور آبا جی کی پریشانیوں اور دکھ سکوتر

سے زیادہ عزیز کر لیتا..."

"اور اب تم کیا کر رہے گے..." وہ درختے جا رہی تھی...

وہ درختے پر دیکھو... اتنی مضبوط، اتنی لمبی لمبی ٹانگیں، خدا نے دے

رکھی ہیں... تم پریشان کیوں ہو رہی ہو..."

وہ مذاق کر کے اسے پہلانے کی کوشش کرنے لگا... مگر گلشن کے

آنسو خفے نہیں... بہتے ہی رہے... بہتے ہی گئے...

"اٹھنے مارے قرین تم نے چڑھا لئے... ڈکری مل گئی تو تمہارے

پٹے کیا پڑے گا..."

"ڈکری کروں گا ہی نہیں..."

"کیوں..."

وہ اسی لئے ناگہان خواہ تو ساری قرین دار سے جایا کریں گے پھر میرے

ہاتھ کیا آئے گا..."

عمریر نے زور سے اک تہقہ لگا لیا..." کیوں..." ڈیپریشن سنبھلنے

کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں..."

گلشن جبریت سے اس کے صبر اور سوجھ بھلے کو دیکھ رہی تھی... کچھ دیر

اس نمکسار اور چادر ساز سے انسان کو نرم نرم اور سچی میٹھ نظر دوں

سے ممکن رہی..."

تربانیاں دینے والے یوں دیا کہتے ہیں... بھائی جان! آپ

نے تو اپنے گھروالوں سے صرف تربانیاں لینے کا رشتہ رکھا... یہ

ازنہ بھی تو چکھ کر دیکھتے... کیا سکون ہے عمو کے چہرے پر...

"اوسے...! کیا سوچ رہی ہو..."

”تہیں نہیں پتہ... تیرا یہ بھائی پکا فرارڈیا ہے...“
 وہ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ”اب تک تو نہیں سمجھی تھی؟“
 ”تو اب سمجھ جاؤ...“
 ”ایسے ہی سمجھ جاؤں... جیسے تہیں نہیں سمجھ سکتی۔ چلو جلدی تیار کرو۔
 کہاں ہے وہ لڑکی... اور کب تجھے اس سے ملاؤ گے۔ آج ہی نا...؟“
 ”اوسے...“ عمیر نے اسے تیلے دو تین قہقہے لگا ڈالے۔ بہت زیادہ ہنسنے سے شاید، ”نکمرے میں پانی آگیا تھا... انہیں صاف کیا۔
 اچانک حلق میں پھنس جاتے، کوئی ٹولہ سا نکلا... پھر ایک لمحے کے لئے توقف کیا... پھر سنجیدہ ہو گیا...“
 ”وہ تو سارا مذاق تھا، پاگل لڑکی...! محض شرارت...“ ساتھ ہی اس نے پھر آنکھیں صاف کیں۔
 ”نہیں عمو...! تمہارا چہرہ پہچان سکتی ہوں... تمہارا وہ سہکتا اچھانا بھی یاد ہے... یوں نعرے ایسے ہی نہیں ڈالے جاتے... اس کے پیچھے کوئی جذبہ تھا ضرور... سچا، کھرا جذبہ... نرم گرم جذبہ...“
 ”یقین کر دو گی...! کچھ نہیں تھا...“ عمیر نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
 ”بس صرف اک شرارت تھی... اپنے ساتھ... تمہارے ساتھ...“
 گلشن کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔ بے یقینی سے نظریں اس کے چہرے پر جمادیں۔

وہ ایک دم چونکی۔ ”تمہارا مجھ سے اک وعدہ تھا...“ گلشن کو اسی لمحے خیال آیا تھا... زیریں میں بیوی کو ملے کمر چلا جائے گا... اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہو جائے گی... پھر... ملو گئے... تمہارا رہ جائے گا...“
 اس کی تنہائیوں کے لئے اسے ہی کچھ سوچنا چاہیے تھا... زیریں جب تک نظر کے سامنے رہنا تھا، جہاں آسکر تو کچھ اور سوچنا ہی نہیں تھا... اور اس کے جانے کے بعد انہوں نے اس کی بددلی کا غم سے کرب پیٹ جانا تھا... اسے یقین تھا عمو کے لئے کسی نے کچھ نہیں کرنا تھا... تبھی اس نے یہ ذکر پھیرا تھا...
 ”کوئی وعدہ...؟“
 ”ہی... اس لڑکی کو مجھ سے ملاؤ گے...“ چلتی آنکھوں سے اس نے عمیر کی آنکھوں میں جھانکا۔
 ”میں چاہتی ہوں جاننے سے پہلے ایسا کچھ ہو جائے کہ تمہاری تنہائیاں...“
 ”ابھی کچھ قرصے کی بات ہی ہے...؟“ اس کی بات کاٹتے ہوئے عمیر نے شوخی سے اسے چوٹ کی۔
 ”تم کیا خرچ کراؤ گے... مجھے یقین ہے... تم بھی ساڈی کے خاں ہو... ملو پلیز...؟“
 ”اوسے یو وٹوف! تو کس کی باتوں میں آگئی...؟“
 ”کیا مطلب...؟“

”تہیں پتہ ہے گلشن ملا نہیں کرتی... خواباں... جلدی سے بتاؤ...“
اس اتنی بحث سے عید کو اتنا دقت مل گیا تھا کہ وہ اپنی رائے کو
آنکھوں پر مصلحت کا پردہ ڈال سکے۔ گو مشکل ضرور تھا لیکن نامکن
نہیں تھا...

”دیکھو گل! میرے جو قبضے ہیں، وہ بھائی جان کی شادی کی خوشی
میں ہیں... مومنہ بڑی اچھی لڑکی ہے... اور یہ جو تم آنکھوں کی بات
کر رہی ہو... تو... دیکھو! میں جو کچھ بتاؤں گا وہ سن کر تم اپنی آنکھوں
میں میری آنکھوں کے جذبے نہ بھر لینا...“

”مجھے کیا ضرورت پڑی ہے... میں ہمیشہ سرحال میں خوش رہا
کرتی ہوں... انسودہ، پڑمردہ، غمزہ... سب کچھ میرے دشمن ہوں۔
مجھے خدا نے کوئی کمی نہیں دے رکھی... شکر ہے مولیٰ کا...“

”بس... یہ بات سب سے اچھی ہے... شکر ہی کرتی رہا کرو...“
”کرتی رہتی ہوں... تم بتاؤ... سچی بات...“

”اچھا... پس بات سننا چاہتی ہو... تو سنو... تم میری بڑی
بیاری بہن ہو... بڑی ہی پیاری... دو چار دن بعد مجھ سے جدا ہو
جاؤ گی... تو پھر... تمہیں کچھ علم سے میں کتنا اکیلا رہ جاؤں گا...“

یہ ایک گلشن کی نظر میں جھک گئی...
”بس یہی دکھ، یہی غم، اور یہی افسردگی میری آنکھوں میں ہے...“
”مائے غم! یہ تمہیں میرے ہی دل کی بات کہہ دی... میں بڑی

عید کی زبان جو کچھ کہہ رہی تھی، آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی
تھیں... ان میں کچھ پشیموگی تھی... کچھ افسردگی تھی... اور کچھ جذباتوں کی ٹوٹ پھوٹ
کی بلی سی جھلک...

کیا عید کے ساتھ کوئی ٹریجڈی پیش آگئی تھی... یہ سب کچھ گل زبان
پر بھی لے آئی...

”کچھ افسردہ سے لگا رہے ہو... کیا کوئی مسالہ گڑ بڑ ہو گیا ہے...؟
اپنی آنکھیں ذرا دیکھو... تمہارے قبضوں کو جھٹلا رہی ہیں...“

عید گلشن کی اس بات پر بڑی طرح گڑ بڑا گیا... لیکن... یہ بس
نظر بھر کے لئے ہی تھا... بڑی جلدی سے سنبھل کر، اک پر زور توجہ لگایا۔
”اب یہ بھی دیکھو... وہی منظر ہے آنکھوں میں...“

”یقیناً...“ گلشن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پورے
دشوق سے کہا...

”بالکل وہی... ہونٹوں پر تپتے اور... اور یہ... آنکھوں میں...
کوئی غم ہے...؟ سچ بتاؤ...“

”ویسے بھی مار دیتا ہوں تمہارے بچان کی... واہ بھی واہ... ہاں
کیا گل تمہیں...“

”میری تمہیں چھوڑو... بات بتاؤ... اس دقت خوشامد نہیں چلے گی...
”اوسے پار! خوشامد کوں کر رہا ہے...“
”یہ سننے کا نا... ادھر ادھر لٹنے کی کوشش ہے کا رہو گی...“

کچھ جہان جلیپکے تھے... اکا دکا باقی تھے، وہ سب آرام کر رہے تھے...
گھنٹی زندہ جڑے میں خود بھی پیل پیل، مگر رہی تھی... ہوسے ہوسے
چلتی، دبے دبے سے قدم اٹھاتی غیر کے کمرے میں چلی آئی... وہ بھی
ابھی تک سو رہا نہیں تھا... چپ چاپ ایسا چھت کو گھور رہا تھا اور
کچھ سوچ رہا تھا...

آہٹ پر نظر ہی اٹھیں... "ارے گل! تم...؟ اس وقت..."
وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا...

"میرا جی چاہتا تھا! کچھ وقت تمہارے پاس گزاروں..."
"آؤ بیٹھو... میں بھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا... آج کی
رات اس گھر میں تمہاری آخری رات ہے..."

"ہاں..." وہ غور سے پاس ہی بیٹھ بیٹھ گئی... جی کو کچھ سوچا تھا...
جنانے کس وجہ سے، اس کے پورے وجود پر یہ کبھی سی طاری تھی... پر
نام گھنٹی نے سردی کا سہ دیا... قمری رنگ کی چادر اوڑھے تھی، اسے
اچھی طرح کندھوں کے گرد دپیٹے گئی...

"آج سردی کچھ زیادہ نہیں..."

"یہ لحاف اوڑھ لو نا..." غور سے اپنا لحاف اچھی طرح اس کی ہانگوں
پر لپیٹ دیا... "دیکھو تو پاؤں بھی ٹھنڈے ہو رہے ہیں..."

غور سے بڑے پیار سے اس کے پاؤں اپنے گرم ہاتھوں میں دبایے۔
"لاڈلہ گرم کر دوں..."

شکل سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہوں۔ مگر اب نہیں۔ اب نہیں..."
اور گھنٹی طیر سے لیٹ کر جھوٹ جھوٹ کر رونے لگی...
"میں خود تمہارے بغیر... تمہارے بغیر عمو!... عمو!..."
تب وہ رونے ہوئے، چہرے پر تارے ہوئے اک دم اس سے علیحدہ
ہوئی اور بھاگ کر کمرے سے نکل گئی...

"کاش! اللہ میاں تم نے مجھے لڑکی نہ بنایا ہوتا... اپنا گھر اور اپنے
بھائی تو نہ چھٹے... میرے دونوں بھائی... اتنے پیارے۔ اور یہ عمو تو...
بالکل سادہ سا... محض سا... ٹھکرا سا... اور مہربان سا..."
وہ کتنی ہی دیر کمرے میں اکیلے بیٹھی رہتی رہی... گویا اس گھر سے
زندگی کی آسائش بہت کم حاصل ہوئی تھیں... پھر بھی... اسے چھوڑتے
ہوئے بڑا دکھ ہو رہا تھا... بڑی تکلیف ہو رہی تھی...

گھر والوں سے اگر زندگی میں کچھ شکایتیں بھی رہتی تھیں تو اس
وقت سب ذہن سے نکل چکی تھیں... اب صرف محبتیں اور مہربانیاں
یاد تھیں اور آنے والی جدائی خون کے آنسوؤں سے بھی تھی...



زیر اور مومنہ ابھی تک نہیں آئے تھے... ہندی کی رسم ادا
ہو چکی تھی... اور کل اس کی رخصتی تھی... رات کا کچھلا بہر ہوئے کو تھا...

اس نے انکار کیا تھا تو... کبھی نہ ایسا کرتا...
 بٹانیاں اور دھند پھر دل میں اترنے لگے... اس نے جلدی سے دل
 کے وہ درتکے ہی بند کر دیئے جہاں سے آسائیں جھانک جھانک کر اسے
 خون ڈلا رہی تھیں...

"میں نے کسی کو رو نہیں کیا... میں خود ہی کسی کے قابل نہیں ہوں۔
 نالائق، بیکار، آوارہ اور لنگڑا پھرنے والا انسان ہوں... کسی کو بھی
 سکھ نہیں دے سکوں گا... کیوں کسی کے ارمانوں اور سکھوں کی دشمن بنی
 ہو گئی..."

"نہیں جھو! انکھ یقین ہے... جی کی زندگی کی ڈور تھامے ساتھ
 بندہ گئی وہ تم سے خوش رہے گی..."
 غیر اپنے ہی آپ پر اک طنز کے ساتھ ہنس دیا... "آج تک تم
 نے مجھ سے خوشی ہونے کتنے لوگ دیکھے ہیں... بتاؤ..."

گمش نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ پچھلے ہی پھر لول پڑا۔
 "اتنی جی کو میں کبھی خوشی دے سکا...؟ آیا جی کو کبھی کوئی سکھ دے
 سکا...؟ بھائی جان بھی میرے لئے پریشان ہیں... اور تم... تم بھی یقیناً..."

"نہیں جھو! مجھے تم سے کوئی لگہ نہیں... پیسہ..."
 "لگہ نہیں ہے نا...؟ خوشی بھی تو کبھی نہیں دی..."
 "خوشی کیا ہوتی ہے...؟" وہ سوچنے لگی... "میرا لائق ہو گیا..."
 بہت اچھی مازدمت پر لگ گیا... خوب کانے لگا... سب گروا لے بہت خوش

"نہ نہ... گمش نے پاؤں پر سے کھینچ لیئے... پاؤں کو ہاتھ دت لگاؤ..."
 "اگرے کوئی بات نہیں۔ دیئے بھی میری پتیلیاں جل رہی ہیں۔"
 "تھارے پاؤں کی ٹھنڈک سے مکون ملتا ہے..."
 "بھندی گئے تو تب بھی جلن رنچ ہو جاتی ہے... گمش غیر کا نکھوں
 میں جھانکتی ہوئی مسکرائی..."

"کیا تھاری ہنسی کا انتظام کروں غمو..."
 "اگرے جانے دو... پہنچے یہ دو ہنسیاں تو رنگ سے آئیں..."
 "میں تو کہتی ہوں ساتھ ہی ساتھ تیری کا بھی دگ دیکھ لیں..."
 وہ بھی غیر کے سے شوخ لکچہ میں بولی... پھر یکا یکہ بخند ہو گئی...
 اپنے سب خون کے رشتوں سے جدا ہونے کا بڑا رنج تھا۔ پر سب
 سے زیادہ جانے کیوں غیر کا خیالی آ رہا تھا... زیر کے ساتھ اس کی پیشمار
 خوش بختیاں تھیں... ماں اور باپ کی بے تحاشا محبتیں تھیں... لیکن غیر
 بالکل اکیلا تھا..."

اور اکیلے انسان کی زندگی کی راہیں بڑی گمش ہو جاتی ہیں۔ اس
 کے لئے گمش کے دل میں بڑی مہربانیاں تھیں...
 "عمو! اگر وہ سب شرارت تھی... میں ٹالنا مقصود تھا تو میں تمہارے
 لئے کوئی دوسری لڑکی ڈھونڈ دوں گی... مومنہ تو تمہارے رو کر دی..."
 "نہ نہ... ایسے نہ کہو..." وہ ایک دم تڑپ اٹھا۔ دل کے تہاں غمازوں
 سے حسرتیں جھانکنے لگیں... اگر اسے پتہ ہوتا کہ وہ اور بھی تھی جس کے لئے

ڈول رہے تھے...

"دیکھو... آج کا رات ہم بہن بھائی کے ڈکھ سکھ کی آخری رات ہے اس کے بعد..."

"پلیز عمو! چپ... وہ روئے لگ پڑی..."

"تم میرے پاس کیا روئے آئیں قیس...؟" میرا اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"تم نے تو کہا تھا آج ڈیڑھ ساری بائیں کریں گے..." صبح ہونے تک۔

یربے ایمانی ہے گل...!

"علم کتنے اچھے بھائی ہو عمو!" پھر ایک دم اسے زہر یاد آگیا...

"دیکھو تو بھائی جان ابھی تک واپس نہیں آئے... کچے بڑا شوق

تھا بھائی کے ساتھ دو چار دن گزارنے کا..."

مومنہ کا ذکر باتو میر چپ سا ہو گیا... واپس نے کہا اچھا ہی ہو گیا

وہ لوگ نہیں آئے... بڑی عجیب حالت ہو جاتی تھی مومنہ کی موجودگی میں۔

ویسے اتنے وزن کے جتنے لحاظ تھے، وہ ہر ایک میں سو سو بار اس کے

دل میں دھوکی تھی... اس کی رگوں میں روشنی تھی... اور اس کی آنکھوں

میں ہر پل میٹھی رہتی تھی...

پر... اب تو وہ اس کے بھائی کی بیوی تھی... اسے اس کے پاس

یوں نہیں آنا چاہیے تھا... بڑی تکلیف ہوتی تھی... نہ اپنے خیالوں سے

دور بھگانے پر تھکا درتھا اور نہ اس خیالی قربت کا متحمل ہو سکتا تھا...

ہوئے... لیکن... انہیں کیا ملا...؟ سب کچھ اس کے اپنے ہی لئے تھا... پھر انسان کی خوشی طلب کرتا ہے دوسرے سے... اپنے ہی لئے سب کچھ ہوتا ہے...

اور بڑوں میر سے کسی خوشی کی سب توقع کرتے تھے... دوسروں کے

کام تو آیا ہی کرتا تھا... زیر جتنا قابل نہیں ہوا... امریکہ میں جا کر

پڑھا جنہیں... بہت اعلیٰ ملازمت اسے نہیں ہی... مومنہ جیسے لڑکی سے

اس کی شادی نہیں ہوئی... یہ سب کچھ اس کی اپنی ذات کے طے تھا...

دوسرے کسی کو کوئی نقصان نہیں تھا... وہ خود ہی خسارے میں تھا...

پھر... کسی خوشی کی لوگ چاہت کرتے ہیں...؟ گلشن سوچ رہی تھی۔

زیر نے خوشیاں دیں والیں کو، اپنی ذات کو خوشیاں دے کر... اور

والیں کو کیا ملا... اس کی طرف سے پریشاں... تمکھ... اذیت...

اور میر نے اپنی ذات کے لئے کوئی خوشی اکٹھی نہیں کی... لیکن والیں

کو بھی کوئی ڈکھ، کوئی تکلیف نہیں دی... پھر... کیوں اتنی ہی اور آج

کو ہمیشہ اس سے شکایت رہتی تھی کہ اس نے انہیں آج تک کوئی خوشی

نہیں دی...

یہ کیا انصاف تھا...؟ یہ کسی خوشی و راحت کی طلب اور چاہت

تھی...؟

"کیا بات ہے...؟" سوچنے لگیں گل...؟ "میر نے اس کا کندھا ہلایا۔

"کچھ نہیں..." وہ چونکی... مسکرائی... پر آنکھوں کی جھلیوں میں تارے

”پھر تم لوگوں کی کمر تیں...؟“
 ”میں اس گھر سے کبھی نہ جاتی... ساری عمر اتنی جی اور آج ہی کے
 لئے وقت کر دیتی...“ غیر سنجیدہ ہو گیا۔
 ”جس طرح تم مجھے کہو، بناؤ، حکم دو۔ میں ان کی خدمت کروں گا۔
 تمہاری کی انہیں محسوس نہیں ہونے دوں گا...“
 ”غیر سنجیدہ گشت کے آنسو پونچھے...“ ساری زندگی ان کے نام کروں گا...
 ہر طرح کی خدمت کروں گا ان کی۔ تم مجھے بہت عزیز ہو... کچھ اپنے تعلق
 کی وجہ سے کروہ میرے والدین ہیں اور کچھ... تمہاری خواہش... میں
 زندگی میں بھائی جان کی طرح تم سب لوگوں کو کوئی خوشی نہیں دے
 سکا... خدمت کر کے ہی شاید کچھ...“
 ”نہیں... غور...“ نہیں... تم نے میں بہت کچھ دیا ہے... بہت کچھ...
 اور وہ دوتی ہوئی کمر سے سے نکل گئی...
 ”غیر بھی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے چہرے پر بازو دھر کر بیٹ گیا...
 صبح ہوئی... شادی کی کہا بھی شروع ہو گئی... ہر ہر لمحہ فریاد کا انتظار
 تھا... مگر وہ نہیں آیا... دیکھیں چودھی ہوئی تھیں، شادی بانیے بچ رہے
 تھے... مہمان کچھ آگئے تھے... باقی آ رہے تھے...
 رولتی تھی... ہنگامہ تھا... پٹلی تھی... پر جہاں آرا اور کاظمی صاحب
 کے دل ڈوبے ڈوبے جا رہے تھے... زہیر کی طرف سے بہت فکر تھا...
 گلشن کی برات ابھی نہیں آئی تھی... ایک کمر سے میں سہیلیاں اسے لئے گھسی

یوں جی، اب جائز ہی نہیں سمجھتا تھا... پر یہ دل کم جلست...!
 ”دیکھو عمو! مان جاؤ ییز...! گلشن نے پھر اس کی منت کی...
 ”تم دو تین سال بعد جب واپس آؤ گی تو پھر اس موضوع پر گفتگو کریں گے...
 میرے اسے ملنے کی کوشش کی...“
 ”فی الحال تمہیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ گ... رہا ہے اور
 ایسے خریج کا بار برداشت نہیں کر سکتا... بہت سا... فرض ہیں ہم پر...
 اتنی دیر میں وہ ادا کر لیں...“
 ”تم نے بہانہ خوب گھڑ لیا ہے... پوچھا تھا تمہاری مرضی... گلشن
 اٹھ کھڑی ہوئی...
 ”ارے بیٹھو ابھی...“
 ”مگر اگر ان ہر دو ہیں... اتنی جی اور آج ہی کو گرم پانی کر کے دینا
 ہے... ٹھنڈے پانی سے آج ہی دھو کر سوتے تو انہیں زکام ہو جاتا ہے...“
 ”مال باپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آواز پھر بندھنے لگی...
 جلی پھر پلٹ کر میرے پاس آن کھڑی ہوئی...
 ”عمو! اتنی جی اور آج ہی کا خیال رکھا کرنا... بھائی جان اور بھائی
 تو چلے جائیں گے... پھر اس کے بعد ہی صرف ان کے پاس رہ جاؤ گے...“
 ”گلشن روئے لگ بیٹھی... اور عمو! تمہارا خیال سننے کھکے کہوں...؟
 کاش! ہم لڑکیوں کی اپنی بھی کوئی مرضی ہوا کرتی...“
 اس کے دل کو پہلانے کی خاطر غیر خواہ مخواہ ہی ہنسا...

کوئی اسے سمجھا رہی تھی، کوئی اسے عیش کی زندگی گزارنے کے لئے سکھا رہی تھی...

”بیوی بن کر رہنا... آجکل کی بیوی... پہنے رہنے کی بیوی نہیں... وہ کمینز ہوا کرتی تھی... آجکل کی بیوی شوہر کو غلام بناتی ہے...“
”مگر یہ کشتی روبرو اقل والا حساب کرنا... پہلے دن ہی ٹانگیں پاؤں دلوالینا...“

”ذرا رعب سے ہوں... ہم ہم کر کے... شہزادوں کو اہل زادی کی طرح... برات آگئی... برات آگئی... شور اٹھا... جینڈ کی آواز سنائی دی... پٹا خٹے چھٹے...“

”چلو تمہیں برات دکھائیں... سب سے پہلا حق تمہارا ہے...“
سہیلیاں اسے کہتی تھیں کہ کھڑکی میں لے گئیں...

”سبھی سے اسے داہج کرنا شروع کر دو... تاکہ پھر اس کے ساتھ رعب و دہبے والا سلوک روا رکھنے میں آسانی ہو... دد لکھنا ہوا ہے، گھبراہٹ میں کوئی نہ کوئی غلطی تو سرزد ہو رہی جائے گی... بس وہ یاد رکھنا...“

دد لکھا کار میں سے نکلا... خبر وانی... چوڑی دار پہاڑ... سلیم شاہی جڑنا، اور سر پر کھٹ گئے طرے والی، یہ اہل پنجے سے شعلے والی بڑی تھی۔ بہت اچھا لگ رہا تھا... لگے میں صرف ایک طلائی بار تھا... نفیس ذوق اور نفیس مزاج والا معلوم ہو رہا تھا... چہرے پر ہلکی سی

نہیں... دہن بنا رہی تھیں... بیچ میں سے کچھ پیچھے پڑی ہوئی تھیں کہ اسے کسی اچھے سے، ٹاپ کے بیوٹی پارلر میں لے جائے، اچھی سی، پیاری محی ڈھن بنا دیا جائے...

”اگر میرے شوہر نے ایسی لڑکی، جو پہلی بار دیکھے گا، دوبارہ پھر کبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کر دی تو وہ میں اسے کہاں سے دکھاؤں گی...؟“
لکشن نے بیوٹی پارلر میں جانے کی مخالفت میں دلیل دی...
”اس طرح، اس نصیحت سے سادگی بہتر ہے... ہمیشہ ساتھ تو دیجی ہے... دھوکے میں تو نہیں رکھتی...“

اس کے علاوہ لکشن یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے والدین کس مالی بحران سے گزر رہے تھے اور وہ ایسی ایسی فضول فریبوں کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے...

”یہ لڑکی ہے تو جوان، پر اس کے اندر اللہ میاں نے دلی کسی بڑھیا کا ڈال دیا ہے...“

سہیلیاں اسے چھیڑ رہی تھیں... مذاق کر رہی تھیں...
”لے جانے والا ہاتھوں میں سر لے کر روئے گا...“

”عقل مند ہے، سیاتی ہے، ہو سکتا ہے رونے کا بھلے بنے،“
تہتہ لگاٹے...

”اتنی عقلمندی اور سنگھڑاپے کا مظاہرہ ذکر دنیا کہ ساری عمر کے لئے کمینز، غلام، باندی بن کر رہ جاؤ... اپنی قیمت ذرا بڑی رکھنا... تمہیں...“

کے لئے اور دوسرا گھٹن کے لئے...

سب براتی بیٹھ گئے... اسے بھی لے جا کر سٹیج پر بٹھا دیا گیا... بگٹھ
نے تھوڑا سا راج موڑ کر دیکھا دوسرا سٹیج خالی پڑا تھا... اس کی آنکھوں
سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے...

"لو... اس نے تو ابھی سے دونا شروع کر دیا..." میسجی اُلجھ کر بولی...

"جاری ساری محنت ضائع کر رہی ہے..."

"اری پاگل! احمق! آرسی مصحف تک کے لئے تو اپنی صورت
کو ٹھیک ٹھاک رکھ... کینکٹ! دولہا کے سامنے تو تم نے اُجاڑا حالت
میں جانا ہی ہے... سادگی کا کفن! اور دھڑک سادگی کا رستہ ہوئے..."
گھٹن سیلیوں کو اپنے آنسوؤں کی وجہ نہ تباہی... دل بُری طرح
جیل رہا تھا... سارا وجود ہی جیسے کسی تپتی ہوئی بھٹی نہیں پڑا تھا... بھم
ہو رہی تھی... راکھ ہو رہی تھی...

اس نے اس گھر سے اپنا کوئی حق نہیں لیا تھا... رکھتے ہوئے بھی تو بڑا نار
ہو گئی تھی... جینز نام کی کوئی چیز نہیں بننے دی تھی... اپنی جتنی پراعتقاد
تھا... اپنے کردار پر بھروسہ تھا...

کہ... بیگز جینز کے بھی سسرال والے گھر میں جا کر وہاں ہر ایک کے
دل میں گھر کرے گی...

مگر... یہ کیا... اتنی قربانوں کے بعد... وہ بیکے کی دیہیز سے اپنا
دامن سکون و راحت کی دولت سے بھر کر جانے کی بجائے دکھ اور

مکراہٹ تھی...

"مجھے تو لگتا ہے تیری طرح کجوس ہی ہوگا... کوئی نوٹوں شوقین
کا بار ہی نہیں..."

"ہیں... سسرال والے کجوس ہوں گے... مجھی تو... ماں نے ہرا
بھی نہیں باندھا تھا... بیٹے کا تنکا کٹر لے کر چلی آئی ہے..."

سیلیاں ہنسی ہنسی کر دھری ہو رہی تھیں... چیر چاڑھ کر رہی تھیں...
لیکن... گھٹن کچھ اور ہی دیکھ رہی تھی... جب برات آئی تھی...
استقبال کے لئے اس کے گھر والے گھٹ پر پہنچے تھے... کاغذی صاحب
اور غیر سب سے آگے تھے... ہاتھوں میں طلائی ہار تھے... پھران کے
ساتھ ہی ساتھ چاڑھا یا داموں اور خانو وغیرہ تھے... پھر خاندان کے
کچھ اور چرہ پدیدہ بزرگ تھے... کسی کے ہاتھ میں پھولوں کے ہار تھے، کسی
کے نفرتی، کسی کے طلائی...

"ماسے...! گھٹن کراہ اٹھی... زبیر نہیں تھا... جسے خاص طور پر
اس نے اپنی شادی کے لئے امریکہ سے بلوایا تھا... بہت ساری سنتیں
الٹی ہیں کہہ کر کے... قسمیں ڈال ڈال کر... واسطے دے دے کر..."

وہ ابھی تک اپنے بہن بھائیوں سے ہی واپس نہیں آیا تھا... چلو
اس کے لئے نہ سہی واپسی دعوت و لیمہ کے لئے ہی آ جاتا... جس کا اہتمام
ماں باپ نے اتنے زور شور سے، خوشیوں سے، انگلیوں سے کیا تھا...
باہر گئے شادیوں میں دو سٹیج بنائے گئے تھے... ایک اس کی داہن

”سلامتی اور خیریت سے وہ واپس پہنچے جاکیں، آپ بھی دعا کریں...“
 جہاں آرا، کاظمی صاحب اور عمیر اک، اک کے آگے صفائی پیش کرتے
 پھر رہے تھے...
 ”کبھی خدا نخواستہ کوئی ایکسینڈنٹ دیفرہ... میرے منہ میں خاک...“
 جوں جوں وقت گزر رہا تھا، جہاں آرا کے چہرے پر تو ہواٹیاں بھی
 اڑنے لگی تھیں...
 اور گلشن کا دل مزید کڑھ رہا تھا، چل رہا تھا... رخصتوں پر گم گم
 آنسو بہے چلے جا رہے تھے...
 اتنی پیاری سی دہلی میں بھائی جان اتنے محو ہو چکے ہوں گے، اپنی
 سیر و طرح میں ایسے مگن ہوں گے، حسین و خوب صورت عورتوں کے
 نکاحوں میں ایسے ڈوبے ہوں گے کہ انہیں اپنی بہن کی رخصتی کا دن
 یاد ہی نہیں آ پائے گا...
 گلشن کو یقین تھا... اور اندر گرجو کچھ ہو رہا تھا اسے کچھ معلوم
 نہ تھا کہ اس دہلی میں کے متعلق سوچے جا رہی تھی...
 سرنیاد رکھتے اپنی دعوتِ دل کو... اتنی حسین بیوی ساتھ تھی... چلو گی۔
 پر۔ اپنی ایک ہی بہن کی شادی کا دن تو ان کے دل پر لکھا گیا ہونا چاہیے
 تھا... وہ کیوں بھول گئے مجھے... وہ کیوں بھول گئے...؟
 دل کسی طرح بھی ٹھکانے پر نہیں آ رہا تھا... میں اتنی بے قیمت ہوں
 ان کی نظروں میں... میری کوئی حیثیت نہیں، کوئی مقام نہیں ان کے دل میں۔

اُذیت لے کر جا رہی تھی...
 ہنس خواہش میں اتنی جان شادیاں کی تھیں، وہی پوری نہ ہوئی تھی...
 بڑا فخر تھا۔ چیزیں جو کہ تر و دولت کی بجائے وہ بہت سارے مقدس اور
 پاکیزہ جذبے، سیروں مورتیوں سے زیادہ قیمتی، ان سے اپنے من کو
 سجاتے، دل کی ان ندیوں سے مالا مال اس گھر سے لے جائے گی۔
 پر... نصیب بڑا کم نصیب تھا... بڑا بد بخت تھا... کچھ بھی نہ
 حاصل ہوا... دامن بھی خالی رہا اور دل بھی...
 کھانے کا انتظام بڑا اچھا تھا... کاظمی صاحب اور جہاں آرا
 برائے نہ ماننے کے وضع دار لوگ تھے... حالانکہ پورے رخصتوں سے بندھے
 تھے پر برداری اور کمپوں کے استقبال اور آؤ بھگت پوری شان و
 شوکت اور عزت و احترام سے کیا... ہر ایک کی زبان پر اچھے انتظام
 اور اچھے کھانے کی تعریف تھی...
 گلشن کی نظریں بار بار، ہر لمحے بعد دوسری سیٹج کی طرف اٹھ جاتیں۔
 جواب کس سونا پڑا تھا...
 ”کوئی دم ہو گئی ہو گی، ورنہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، انہیں کی دعوت
 دلیر ہو اور وہی غائب ہوں...“
 ”بہن کی رخصتی کے لئے تو امریکہ سے چل کر آیا تھا... لیکن ہی نہ تھا،
 وقت پر نہ پہنچتے...“
 ”ہم خود پریشان ہیں... بجائے کیا ہو گیا۔ اللہ خیر کرے...“

غیر کو بہن سے دلا سا بھی نہ مل سکا... وہ زبیر کے لئے روتی رہی...
 ”میرا مور ہی ہے... بہت دور جانا ہے...“
 پتہ نہیں کس نے کہا تھا... غیر گلشن کو چھوڑ کر جلدی سے پرے ہٹ گیا۔
 اور... گلشن رخصت ہو گئی...



پریشانی کی پریشانی تھی... آٹھ دن اور گزر گئے... زبیر اور اس
 کی دلہن ابھی تک ہنسی مون سے واپس نہیں آئے تھے... ماں باپ پریشانی
 تھے... بھائی فکر مند تھا...

زبیر نے تو جانتے ہوئے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ پاکستان کے کس
 علاقے میں جا رہا تھا...

”سینس ڈارلنگ! سینس...“

جانتے ہوئے سب کے پرچھے کے بعد آخر میں مومن نے پوچھا تھا...
 باقی کی تو اسے چنداں پرواہ ہی نہ تھی... کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ
 مومن کو اس نے پورے جذلوں سے ٹکیتے ہوئے کہا تھا...

”اچھی ہی جگہ ہے کہ جاؤں گا۔ تاکہ تم پوری طرح انجوائے کر سکو...
 پوری زندگی کے لئے لذتوں، راحتوں سے دامن بھرو...“

”یہ تو اتنی جی اور تابی کی خطاطی پر چر رہی تھی۔ انہیں پتہ ہونا چاہیے۔“

ہیں اتنی بُری ہوں...“

ہر لمحے بعد، ہر سوچ بعد اس کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگتے تھے۔
 اور مسلسل پہلے چلے جا رہے تھے...

اس نے کھانا نہیں کھایا... کھانا ہی نہیں کیا... سب کچھ ہر گز رہا تھا۔

آر سی صنعت کی رسم ادا ہوئی... وہ اس وقت بھی روتی رہی... اس نے
 آنکھیں کھولی ہی نہیں... اپنے دھاکو بھی نہیں دیکھا... سب شوقِ تجسس
 ختم ہو چکے تھے...

تب... رخصتی کا وقت آگیا... گلشن نے اٹھتے اٹھتے سیٹج پر آخری
 نظر ڈالی۔ دودا زلی پر آخری نظر ڈالی... اب بھی آتے ہوئے دکھائی دے
 جائیں... مگر... مایوسی کا دکھ اس کی دگوں میں اُتر ہی گیا...

کاظمی صاحب اور غیر اسے بازوؤں میں بھر کر، بیچوں، ہاروں سے
 سبکی گاڑی کی طرف لے چلے... اسے الوداعی پاب رکھا۔ گلے سے لگا یا...

پر۔ زبیر کے پس اس کی خوشبو اور دھواؤں کے لئے ترستی ہی رہی...
 ”گل! میں تمہارے بغیر بہت تنہا ہو جاؤں گا... تم میری بہن ہی
 نہیں تھیں... تم میری دوست اور ٹھکانا بھی تھیں...“

خبر تو کتنی ہی دیر سے بازوؤں میں پھر سے کھڑا رہا... مرد ہو کر بھی
 بچوں کی طرح پچوٹ پچوٹ کر روتا رہا...

گلشن نے بہت کچھ کہا چاہا... مگر گلے میں ایسا پھنسا لگا کہ آواز نکل
 ہی نہ سکی... غیر کو کوئی تسلی دیتی... پر زبیر کا دکھ یہاں بھی آڑے آگیا...

ہوئے سے... پر نہ بوسے پھر بھی سن لیا...

”اب تو جہاد لگ تم پر آئے گا ہی... وہ امریکہ کا ہو یا پاکستان کا...“
”اور آئے گا بھی جو کھا... گلشن مسکرائی...“

”انداز سے ایسا ہی لگ رہا ہے... کافی بچی دیتا استری ہے
ہماری بھابی...“

”ارے بھئی دیر ہو گئی...؟“ زبیر ایک دم یکس اٹھا باہر کی طرف
بہکا...

”مومنہ نے بڑے کمر ساس اور سسہ کو خدا حافظ کہا... گلشن کو گھٹے سے
لگایا اور کچھ سوچتے ہوئے ہولے ہولے قدم اٹھاتی شہر ہر گے تیکے چل
دی تھی... یوں ان کی دعا لگتی ہو گئی تھی...“

ابہ کہاں پتہ کمرائیں... کو معلوم ہی نہیں تھا... کدھر گئے تھے۔
کیا ان کے ارادے تھے...

پندرہوں میں بڑے ہول سے بیٹھے ہوئے تھے... ”اتنے اچھے دونوں
لگ رہے تھے، جیسے راجہ ہنسوں کی جوڑی... بے حد خوب صورت... بے حد
اچھے اچھے... کسی کی نظر ہی نہ... خدائے کرے... خدائے کرے... اللہ
دونوں کو خیریت سے واپس لائے...“

ماں ششیں مان رہی تھی... باپ دعائیں مانگ رہا تھا... بھائی ہر روز
اغدادوں میں چھپنے والی حادثات کی خبریں پکے پکے، غور غور سے پڑھتا تھا۔
مجھے اخبار ہاتھ لگ جاتے... سب کی...

وہ دھیمی سی آواز میں بڑبڑائی... ”کیا معلوم کب کوئی ضرورت پڑ جائے؟“
”کوئی نہیں پڑتی...“ وہ لاپرواہی سے بولا...

”البتہ دایں آنکر ضرور تیار ہوں گے کہ ہم کہاں کہاں سے ہو کر آئے۔“
”یہ بھئی کہیں کہاں... محبتوں انداز مانوں بھری...“ روحان پرورد...

”جو شہر مذہبات میں زبیر نے اسے آنکھ مار دی... مومنہ نے شہر کو
سٹپٹا کر ساس سسہ کی طرف دیکھا... سب نے زبیر کی یہ حرکت دیکھ
لی تھی... ماں باپ نے تو نظریں جھکا لیں... گلشن اُمید ہوئے سے
بڑبڑائی تھی...“

”بھائی جان امریکہ سے بڑے بے شرم ہو کر آئے ہیں...“
”جذلوں کا اظہار کرنا اگر بے شرمی ہے تو ہم بے شرم ہی ہیں۔“
”یہ اس طرح تو پھر سارے ہی...“

”چلیں بس کمریں اب...“ مومنہ شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔
”یہ امریکہ کی ہوا خدائے کرے کسی کو لگے...“
”ہم تو آٹھ سال ان ہواؤں میں سانس لیتے رہے...“ زبیر نے
ششیں سے کہا...

”ادب اب بھابی آپ کے اندر بھی وہی جراثیم پہنچ جائیں گے...“
”سال دو سال بعد جب آپ ہمیں ملنے آئیں گی تو شاید بھائی جان سے
دو ماخذ آگے ہوں...“

”خدائے کرے...“ مومنہ بہت ہولے سے بڑبڑائی... بہت

سسرال دانوں نے پہلے نکاح اسی لئے کر لیا تھا کہ کافذات مکمل ہو سکیں... یوں اس کی تیاری مکمل تھی...
مگر... وہ ابھی جانا نہیں چاہتی تھی... لیٹ دھل کر رہی تھی...
خواہ مخواہ کے یہاں ڈھونڈ رہی تھی... اک دن میرے آگے گوشے کے خیمہ
ضیاء نے شکایت لگا دی...

”درد! اس سے پوچھو... یہ میرے ساتھ جانے سے گریز کیوں کر
رہی ہے...؟“

”کیوں لگی...! یہ ضیاء بھائی کیا کہہ رہے ہیں...؟“
”تو عروج بھی کیا ہے...“ پھر ذرا موقع ملا... ”میں اور ہر جہاں آ رہا
اور کاظمی صاحب کے پاس بیٹھا تھا... گلشن نے غیر کو بتایا...“

”عوا! بھئی جان اور بھائی کا انتظار ہے... بہت دل چاہتا
ہے ان سے ملنے کو... ملے بغیر علی گئی تو وہاں بھی سکون نہیں پائیں گی...“
اور گلشن روکنے ہی لگے پڑی... ”یہ تمہیں کیا باتیں میرا دل کٹنا
بلے ہیں اور پریشان ہے...“

ان کے جانے میں بالکل دو تین دن رہ گئے تو ضیاء نے پھر میرے
سامنے وہی مسئلہ رکھا... جہاں آ رہا اور کاظمی صاحب سے کہہ نہیں سکا تھا...
میرے بڑی بے تکلفی تھی...

”دیکھو! عوا! یہ نہیں جائے گی تو بتاؤ میں وہاں اکیلا کیا کروں گا...“
”جو پہلے کیا کرتے تھے...“ گلشن نے زیر پرکھ کر استہ ہوتے قدرے

ذہیر سے تو غنیمت کے رشتے کی محبت تھی... مگر مومنہ... اس نے ایک
علیحدہ ہی تعلق قائم کر لیا ہوا تھا... اس کے لئے غیر کے دل میں جو تڑپ
تھی، جو درد تھا، جو اضطراب تھا، وہ اس کی شدت کا کسی پر اعتبار بھی
نہیں کر سکتا تھا...

کیسی بے بسی اور لاچار تھی...!!
مقدور نے اسے بظاہر غیر سے چھین کر دیا تھا لیکن وہ اندر دلی کے
پرکوشے، ہر کوشے، ہر حصے میں اسی شان و شوکت اور مضبوطیوں اور
ارمانوں، مولوں کے ساتھ موجود تھی...

بلکہ چھین جانے کے دکھ نے اسے مزید اس کی طرف مائل کر دیا تھا۔
اور اب ہر لمحہ وہ اس کی زندگی کی دُعا مانگ رہا تھا... اس کی بہتری اور
سکھ کی فکر کر رہا تھا...

یوں... غیر کا اک لمحہ عجیب سی اذیت اور کرب میں گود رہا
تھا... کسی کل جیسی نہیں آتا تھا... کسی پہلو قرار نہیں تھا...
گلشن دوسرے تیسرے آجاتی تو کچھ تھوڑا سا دلی پہل جاتا...

درد وہی بے چینیوں اور بے تابیاں اور سائی رہتیں... اذیت کا ذہن قطعہ
قطرہ ٹپک کر اسے زندگی سے جیسے ڈور کیے جا رہا تھا... بڑا بڑھ حال سا رہتا...
گلشن کے شوہر کی ٹھنی ختم ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ اسے بھی چلے
جانا تھا... پامپوٹ، دیڑھا، دوسرے کافذات سب مکمل تھے... بچے
رہ جانے کا یا کچھ دن بعد اس کے پاس پہنچ جانے کا کوئی جواز ہی نہ تھا...

اس پریشانی میں کیسے آگے چل دوں ...

”تم اب مرث مینار بھائی کے لئے سوچا کرو ... اور پریشان ہو کر دو ... اور ان کے بعد اپنے جذبے سسرال والوں کے لئے رکھو ... اور ہماری آغلی کاٹ دو ... میری اپنی بہن!“

”ایک دم سے نہیں کتنی ... وہ روئے گئی ...

”اور رطان کا اور سسرال والوں کا خیال تو وہ عموماً قسم خدا کی میں نے اپنے فرائض سے کبھی کوتاہی نہیں کی ... ان کا ہر کام ہی جان سے کرتی ہوں ... وہ سب مجھ سے بہت خوش ہیں ... کسی کو کوئی شکایت نہیں ... وہ میری بڑی نذر کرتے ہیں ...“

”تو بس بھیر ... ان عزتوں اور خوشیوں کو سنبھال کر رکھو ... مضبوطی سے تھام کر ...“

عیر نے اسے بڑے پیار سے اور بڑی سنجیدگی سے سمجھایا ...

”اب تم بھائی جان کی خاطر ضیاء بھائی کا کہنا نہیں مانو گی تو ان کے دل میں بال آ جائے گا ... پھر سسرال والے بھی تمہارے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھیں گے، جو تم ان کے بیٹے کی خوشی پوری نہیں کرو گی ...“

”میر ہوتی نا عقل کی بات ...“

ضیاء نے شائستہ ہوتے ہوئے تحسین و آخرین چھری نظروں سے عبیر کو دیکھا

”داسی سٹے میں جو کو سالاکھنے کی بجائے اپنا دوست کہتا ہوں ...“

ضیاء بڑا خوش مزاج اور زندہ دل تھا ... بیوی رو رہی تھی، ماحول

چمک کر کہا ...

”اب نہیں ہر سکے گا وہ سب ... نہیں رہ سکوں گا تمہارے بغیر ...“

اس نے عبیر کے سامنے ہی بے تکلفی سے کہہ دیا ... ”اب تو تمہارے بغیر ایک پلی بھی نہیں گزار سکتا ...“

اک شرمیلی سی نظر سے عبیر کو دیکھتے ہوئے گلشن نے شوہر کو کہنی سے ٹھونک دیا ...

”میں کوئی غلط کہہ رہا ہوں ... کیوں مجھے مجبوظ بولنے پر مجبور کر رہی ہو ...“

اس نے بڑی پیار بھری نظروں سے گلشن کو دیکھتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا ... ”اور پھر عمو سے کیا چھپانا ... یہ تمہارا بھائی ہی نہیں میرا دوست بھی ہے ...“

گلشن کھل کھل کر ہنس پڑی ... ”یہ دوستی کب سے ہو گئی ...؟“

”تم بھی تو یہی کہتی ہو کہ تمہاری عمو سے دوستی ہے ...“

”ہاں! بہن بھائی سے زیادہ ہم دونوں ہمیشہ دوستوں کی طرح ہی رہے ہیں ...“

”اور اب بھی دوست ہی کی طرح میرا کہا مانو اور چپ چاپ ضیاء بھائی کے ساتھ سدھار جاؤ ...“

جب عیر نے اس کے کند پر ہی کہہ دیا تو وہ بھی شوہر کے سامنے ہی چھوٹ چھوٹ کر رہ دی ...

”میں بھائی جان کے لئے اتنی پریشان ہوں کہ کوئی حد نہیں بتائی

اس دن : بہت سو رہی تھی... روتی ہوئی ہی آئی تھی اور جتنی دیر بیٹھی روتی ہی رہی... غیر سہانے کی کوشش کرتا رہا...
 ”یار ضیاء بھائی! تم ہماری بہن کو ڈالتے بہت ہو...“
 ضیاء نے ٹھیکیں دکھا دیں... ”کل جا رہے ہیں نا... بس... جیسے میں نے کوئی بڑا سلوک نہیں کیا... پوچھا اس سے...“
 ”ارے بھئی! سبھی بھائیوں کے سے رخصت بھی ہوتی ہیں اور بہن... دودھ دودھ بھی جایا کرتی ہیں... ضیاء تبس بڑی سیریں کرائیگی...“
 ”لیکن بھائی جان سے تو مجھ نہ مل سکی... پتہ نہیں اب کتنے سالوں بعد پھر موقع ملے... اور بھابھی... اتنے ارمانوں سے اسے لائی تھی... کوئی خوشی نصیب میں نہ ہوئی...“
 ”ما جی جی! اسے سمجھا میں نا...“
 جہاں آرا خود اتنی پریشان تھیں کہ کسی کو تسلی دینے کے بھی تایل نہ تھیں... بات بے بات آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے... بیٹی جا رہی تھی... دو... تین سالوں کے لئے... لیکن اس کی جدائی کا غم نہ تھا، نہ اتنی شاق گزار رہی تھی، جتنی زہیر کی تھی...
 ”جانے دہن کیسے قدم لے کر آئی ہے... ہمارا بیٹا ہی ہم سے بھڑکا... بے حد غم کے عالم میں تھیں... بس ہراس نرد پر غصہ آ رہا تھا جس کا دھرا سا بھی تسنن زہیر کے ساتھ تھا... کچھ دیر پہلے شوہر سے جھگڑا کر کے بیٹھیں تھیں...“

بڑا سہیدہ ہوتا تھا... بیوی اور ماحول دونوں کو ہنسانے کی خاطر خوشگوار سے جیسے میں بولا...
 ”یہ بھی میری ہی طرح عقل نہ ہے...“
 ”میاں مٹھو صاحب! اٹھو... واپسی کے لئے آٹھ بجے تک کا کہہ کر آئے ہوئے ہیں۔ اور پونے آٹھ ہو گئے...“
 ضیاء کے انداز پر وہ واقعی مسکرا دی... ”میں اپنی زبان پر پورا اثر نہ چاہتی ہوں... یوں بھی... انتظار بڑی تکلیف دہ چیز ہے۔ پھر لوگ میرے ساتھ اچھے ہیں میں انہیں کسی بھی تکلیف میں نہیں ڈالا کرتی...“
 ”کاش، بھائی جان! آپ نے ہمارے لئے ایسی بات سوچی ہوتی۔ نہ آپ نے کبھی ہماری چاہت کا اندازہ کیا اور نہ ہی اس حساب سے اس تکلیف اور پریشانی کا، جو آپ کے انتظار میں ہیں ہو رہی ہے...“
 ”غیر سوچتا رہ گیا... دیکھی ہو تارہ گیا...“
 ایک ہفتہ اور گزر گیا... زہیر اور مومنہ کے انتظار کی اذیت بہتے بہتے گلشن کے جانے کے دن آ گئے... بے حد بے چین و بیقرار تھی... اور انتہائی اندر وہ دنگ رہتی تھی...
 ”بار بار غمیر سے کہتی... سوچا تھا بھابھی کے ساتھ کچھ دن گزاروں گی پھر میں پوری خوشی کب ملتی ہے... ان کی شادی کی خوشی ملی مگر... جدائی کے غم میں بیٹھی ہوئی...“

اور یہ جکی نظریں سچ کا اعتراف کر رہی تھیں...

پھر مدلوں ایک دوسرے کو الزام دینے لگے... ابھی جھگڑا چل رہا تھا کہ گلشن اور حنیف کے آنے کی اطلاع ملی۔ یوں پیچ میں ہی لڑائی دم توڑ گئی، ورنہ پتہ نہیں کیسا اس آگ نے یہیں پہنچا تھا... ذہیر مدلوں ہی کی محبتوں کا مرکز تھا۔ دلوں ہی کا ویک پوائنٹ تھا...

”ہمارے ٹکٹ آگئے ہیں اور ہم کل جا رہے ہیں... حنیف نے خوشی خوشی اور گلشن نے دور دور کر یہ خبر سنائی...

”اللہ ذہیر کی کہیں مہارین موٹر دے نا... نیاز دوں گی...“ اس وقت بھی جہاں آرا کو اسی کا خیال آیا... بیٹی کے جانے کا کوئی سوچ نہیں ہوا... نہ پریشانی لگی...

”اس پرانے دھن نے آخر کار تو میرا پا ہوتا ہی تھا... وہ بڑے حوصلے سے کہنے لگیں...

”خیر سے جاؤ اور خوش رہو اپنے گھر...“ ماں نے شخصیت کی دھڑکن بھی جلدی جلدی دے دیں...

تب گلشن، بھائی کے انتظار کے ذریعہ جھلانے جھلانے اور زمینوں کے موقی ٹٹانے ٹٹانے رضعت ہو گئی...

اسے سنی آگ کرنے کے بعد سب واپس گھر آئے تو... عہد کا تو کھر کے اندر قدم رکھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا...

”اتنی بڑی رقم اس کے پاس نہیں رہنے دینا چاہیے تھی... نیاز واسے بھی، سہرا بندی کے بھی... سب اکٹھے کمر چل پڑا... باپ تھے، ماگ لیتے تو انکار نہ کرتا...“

جب اس نے بھری تھی۔ حق اس نے کسی کو نہیں دیا... ماں باپ سے بڑھا گیا ایک نہیں کہ یہ جو رتیں اکٹھی ہوئیں۔ نیاز والی اور سلامیوں کی، ان کا کیا کرنا تھا...؟ فرض تو اس کا بنتا تھا، ان کے آگے دھر دیتا... پھر بیٹیک وہ اسے ہی اٹھا کہ دے دیتے۔ پر نہ پیر سے کسی کو بڑھا سکیا ہی نہیں...

اور جہاں آرا نے سارا قصور کا طغی حجاب پر دھر دیا... کبھی نہ انکار کرتا... ”اب بھی وہ ہی کہہ رہی تھیں اور پورے دلوں سے...

”ہمارا بھی صلا ہو جاتا اور اس کا بھی شاید... کیا پترہ اس رقم کی دھ سے، ہی کسی مصیبت میں پہنچ گیا ہو...“

”ہیں اس سے ماگ لیتا تو پھر تم بھی مجھے طعنے دیتی...“

”ہیں کیوں دیتی...؟“ وہ تنک کمر لوہیں...

”مجھے پترہ ہے تمہاری عادت کا... اس کی غیر موجودگی میں ہی کہہ رہی ہو... ابھی سامنے آ جائے نا تو اس کی محبت اور فطرتاری میں نہ صرف بولنے لگ جاؤ بلکہ دو چار رتیں اور اسے پکڑا دو...“

”آپ بھی تو اسی طرح کرتے ہیں... جہاں آرا نے نظریں جھکائیں۔“

جہاں آما گھبرا گھبرا کر اور گرد دیکھنے لگیں... پھر ایک دم جی ان کی آنکھیں چمک اٹھیں...

”ہمارے پاس وہ کیا رہا...؟“ انتہائی حسرت آمیز لہجے میں بڑبڑائی۔

”آنکھیں تو اسی طرح ترس رہیں۔ آئے گا تو آگے جانے کی پڑی ہوگی... وہ تو صرف اپنی بیوی کی خاطر جہاں آیا تھا۔ اسے بھل میں دیا یا اور کئے گیا۔ ہمارے پاس وہی رہ جاتی...“

”اچی بھی! اس کی بیوی نے ان کے ساتھ ساتھ ہی آنا جانا تھا نا ہر جگہ... اور پھر جی خون پروردہ اس کے ہمراہ کبے چلے جاتے کس طرح ہمارے پاس چھوڑ جاتے... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں...“

غیر لاشعوری طور پر جی ہونہ کی طرف سے صفائی پیش کرنے لگا۔ اس کے خلاف دوسری بھی کوئی بات جیسے جی کو سننا گوارا نہ تھی...

اور جہاں آرا، جو کہ ایک ساس تھیں۔ بیچے کی یہ بدائی۔ اس کا اس طرح بغیر کسی اطلاع کے اتنے طویل عرصہ تک غائب رہنا، ان سب کی ذمہ دار اسی کو ٹھہراتی...

”عورت ہو کر بھی اسے احساس نہ ہوا کہ آغا نہ ہی لاپرواہیوں سے کرے گی تو آگے آگے کیا ہوگا... وہ تو شاید کسی کو دیکھنا تک گولا نہ کرے...“

لیکن پہلے دن وہ ایسی لاپرواہ تو نہ تھی... عید کو یاد آیا... اس پر تو اس نے ڈھیروں ڈھیر تو جہ دی تھی...

ہر طرف خاموشیاں پسپا تھیں... اس کی کوئل جیسی بہن کی کوک کاٹوں میں نہیں اترتی تھی تو اس کا دل ویران سا ہوا اٹھتا تھا...

اس رات اس نے کھانا بھی نہیں کھایا... جی ہی نہیں چاہا۔ زندگی کی ہر ہلکے ختم ہو گئی تھی... ہر ایک ساتھ چھوڑ گئی تھی...

گھر بھی ویران تھا اور اس کا اندر بھی... ویرانی سی دیرانی تھی۔

”بائے بین! تو ہی آ جا۔ ہو گھر کی رونے ہوئی ہے، تیری ہی ہنسی کی گھٹیاں اس گھر میں گونج اٹھیں، تو ہم اپنا شمار زندوں میں کر سکتے ہیں...“

وہ مردوں کی طرح بے جان سا پڑا سوچ رہا تھا...

”پر... تو تو بھائی جان کے گھر کی رونے ہے... تو تو امریکہ میں جا کر چلے چکے گی... رونے بکھرے گی... ہم تیرے...“

اس کے بعد تیرے سوچ کو بھی لگام دے لی... دل بجائے کونسا حق قائم کر لیتا... ہر اب مناسب نہیں تھا...

زمیر دو پہینے کی چھٹی لے کر آیا تھا... اور وہ دو پہینے ختم ہوتے جا رہے تھے... بہت تھوڑے دن وہ گئے تھے باقی...

ایک دن جہاں آرا جبر سے حساب گومانے لگیں... اس نے آنکھیں پر گن کر زمیر کے ایک ایک دن کا حساب بتا دیا... جو اس نے یہاں گزارے تھے اور اب باقی، کتنے تھے...؟

”صرف پانچ دن رہ گئے ہیں...“

بے تحاشا تھی... پراساقتہ۔ جو اک امید انسان کو لگی ہوئی ہے وہ اسے ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی سوچ دے کر زندگی کے ساتھ انس و لگاؤ کو بندھنے باندھے رکھتی ہے۔

”علمو! ہو سکتی ہے زیر سنے واپس امریکہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔ اس کی واپس نے اسے یہیں پاکستان میں ہی رہنے پر راضی کر لیا ہو۔“
ماں کا دل تو انوکھی انوکھی، ننھی ننھی خواہشات میں مبتلا ہوتا ہے مگر غیر کہ اس بات سے پونہکا سادیا۔۔۔

اگر پہلی سدا یہیں، اس کی نظروں کے سامنے ہے تو... اس سے زیادہ اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی... مگر... مگر...۔۔۔

اس کی خوشی پر اس پر ڈانگی... جس رشتے میں وہ اب بند ہو گئی تھی، غیر کے ہاں کی بیوی بن گئی تھی... تو... اس کے لئے بہتر تھا، وہ یہاں سے چلی جائے... اس کی نظروں سے اوجھل... دور کہیں...۔۔۔

چند دن، دل تڑپے چلے گا... مضطرب رہے گا... بے چین و بدقرار ہو گا ضرور... مگر چھڑ... شاید صبر بھی آجائے... دور ہوئی تھی... یاد تو آتی تھی، پسر دل کد سکون پذیر مینہ بتاتا تھا...۔۔۔

لیکن اس صورت میں... میں کیا کروں گا پروردگار...؟

وہ جب جب نظر کے سامنے آتی تھی، دل میں عجیب قسم کا اضطراب کانٹے لگتا تھا۔ اکہ تکلیف دینے والا... دیکھ دینے والا...۔۔۔

وہ اس کے لئے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ ہی تھی، دل کی کمی پر لب

وہ اس گھر کی پسر ہے... اسے معلوم تھا کہ زندگی خدا ہی ہے... پھر اس نے باہر چلے جانا ہے... جہاں آراؤ رکھی ہو کر بوسے ہی باہر ہی تھیں۔
پلو تھیم پڑی ہوئی ہے ہر طرف۔ لوگ حیران ہیں... ہماری زندگی میں ایسا واقعہ پہلے کبھی پیش نہیں آیا... دیکھو یہ چپکے ہیں کی فتادی بھی ہوئی... وہ باہر بھی چلی گئی... نہیر کو عقل نہیں آئی تھی، تو وہی کجا میری...۔۔۔

”اچی جی! لگش بھائی جان کی بہن تھی، اس کی نہیں... انہیں اس بات کا خیال ہونا چاہیے تھا... مومنہ تو اس گھر میں نہی آئی ہے... یوں بھی آپ کو یاد ہو گا...“

غیر کچھ بھی سوچے کچھ بنا مومنہ کی طرف اشارہ کیے گیا۔۔۔

”وہ تو اسی دن نہیں جا رہی تھی... بھائی جان زبردستی لے گئے۔“
لگش نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ مگر پہلے ہی مردان میں اس بات سے ایک قسم کا جھگڑا ہو گیا تھا...۔۔۔

”ہاں... وہ تو ایسا ہی ہوا تھا... لیکن تمہیں پتہ ہے مرد کو کچھ معلوم نہیں ہوتا... یہ ساری رشتہ داریاں اور وضع داریاں اور دوا داریاں انجیریاں ہی بنایا کرتی ہیں...“

”جس میں اچی جی! پہلی بار ہی ہے... پہلی غلطی ہے... صاف کر دیں۔ اور دعا کر دیں... خیریت سے گھر پہنچ جائیں... اللہ انہیں سلامت رکھے...“
”آمین...“ جہاں آرا نے بڑے جذبے سے کہا... دل میں پریشانی بھی

”اتنی جی! آج پکا کیا ہے... کوئی سودا وغیرہ لانا ہو تو مجھے بتائیے۔“
 بس اک مومن کا ذکر آتا تو وہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کرتا۔
 اس کے ساتھ جو یادیں وابستہ تھیں، غیر انہیں بھول جانا چاہتا تھا۔
 مگر... وہ جتنا بچتا، اتنا ہی وہ ہر وقت اسے گھرے رکھتی تھیں...
 تب وہ بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا... کبھی کبھی ایسے بچھلے
 من میں اتر آتے... لگتا اپنی ہی غلطیوں کو جگت رہا تھا... اپنی ہی خطاؤں
 کی سزاؤں نے پکڑ لیا تھا... پھر کوئی راہ فرار نہ ملتی... جی چاہتا مگر بیان
 بچا کر، خاک سر میں ڈال کر جنگیوں کی طرف نکل جاتے...
 کبھی کبھی تو ہنزون حد سے بڑھ جاتا... اس لمحے وہ ماں کے پاس جا
 بیٹھتا... ماں اور باپ کا خیال ان کی تنہائیوں کا احساس، اس کے خوش
 ہون کو بہت حد تک کم کر دیتا...
 اس کی زندگی اب ان کے لئے تھی... نذیر کی واپسی کا وقت بھی
 گزر چکا تھا... پتہ نہیں کیا ہوا تھا... شاید وہ وہیں سے امریکہ چلے گئے
 تھے... اسلام آباد سے پاسپورٹ وغیرہ ہوا یا ہوگا... یا پھر... اور کیا ہو سکتا
 تھا۔ کچھ نہ کچھ تو ایسا ہی ہوا ہوگا...
 سوچیں تو بہت ساری تھیں، یہ اس نے غزوہ ماں باپ کو تسلی و
 تشفی دینا تھی... ان کے دکھ کی اذیت کو کم کرنا تھا... اب وہی وہ تو ان
 کے پاس تھا... اپنے آپ کو ٹھہرا کر اس نے انہیں استوار کرنا تھا... ان کی
 اولاد تھا... اس پر بہت سارے فرائض تھے...

ہوتی تھی اس سے... اور وہ اس کے لئے قیمتی دھوپ میں بے آب و گیاہ کا
 رنگیناں بھی تھی... پاؤں جھلنے لگتے... چالے پڑتے تھے... نرم نرم ہوتا تھا...
 ”پروردگار! میں کہاں جاؤں... مجھے اپنی امان میں لے لے۔ میرے
 مولیٰ! اب میری زندگی بے کار ہے... مجھے اپنی حفاظت میں سمیٹ لے۔
 میں تیرا بے حد گناہگار بندہ ہوں...“



جہاں اُسا بڑی اکیلی رہ گئی تھیں... بیٹے کی شادی رچائی تھی، مگر
 میں رونقیں اتارنے کے لئے... لیکن... وہ تو اندر کی رونقیں بھی لے گئے
 تھے... اور ان کی جگہ غم پریشانی اور دکھ دے گئے تھے...
 ہر وقت انہیں کاجیاں رہتا، اور وہ فکر مند ہوتی رہتیں... پھر اسی
 آج بھی میں کبھی کاغذی صاحب سے نکلا کر رہنے لگیں اور کبھی غیر راہ آجانا۔
 ماں کا دل بھٹانے کے لئے غیر زیادہ وقت گھر میں گزارنے کی کوشش
 کرتا۔ وہ جب زیادہ پریشان ہوتیں تو وہ ان سے نذیر کی ایسی بھی
 باتوں کرنے لگتا... پھر کبھی گلشن کا ذکر لے بیٹھتا... اس کی بچپن کی باتیں،
 اس کی خوش مزاجی کے قصے... اس سے خود اسے بھی سکون ملتا تھا...
 بڑی رونق تھی مگر میں، اک گلشن کے دم سے...
 ”تو سہ جتنی تھی ہو آجائے گی...“

ہٹ آیا... ”آپ بھائی جان...“ فریئر کی آمد بڑی خلاف توقع تھی...
کتنی ہی دیر سے یقین نہیں آیا... وہ کھڑا پھیل پھیل آنکھوں سے
بھائی کو دیکھتا رہا...

وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند اور سرخ و پییدہ ہو رہا تھا... چہرے
پر چہرے کے رنگوں کے علاوہ شادمانیوں کے رنگ تھے اور ہونٹوں پر
مسکراہٹوں کی بجلیاں...

”اوشے یار! غیروں کی طرح پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے ہو...“
”غیروں کی طرح...؟“ اپنے کب بنے تھے آپ...؟“ دلی کا سوال
اس نے دل ہی میں رکھ لیا...

فریئر نے وہیں دروازے میں ہی اٹھی کیس رکھتے ہوئے بازو
پھیلا دیئے... یہ پھیلے ہوئے بازو... کس کے تھے...؟ کسی اپنے کے...
فریئر اک گہری سوچ میں ڈوبا ہی ہوا تھا کہ فریئر نے بڑھ کر اسے لگے
لگا لیا...

”بڑا مزہ آیا...“ خوب گھوسے چہرے... تقریباً سارے شمالی علاقے نے
ہمارے تمدن کی ناک پائی ہے...“ فریئر منہس رہا تھا... فریئر بے حد
خوش تھا...

”تم کیا سوچ رہے ہو...؟ میں نے چٹنی اور لے لی تھی... ٹینک گرام
دے دیا تھا... اور کیا کرتا بھئی...“ تنہا ہی بجا بھی کوڑنگ کی لذتوں سے
میں روشناس نہیں کراؤں گا تو اور کون...“

وہ اسے بچوں کو بھی باقاعدگی سے پڑھانے جاتا تھا... کہانیاں بھی کہتا تھا۔
پہلا نمبر چھپنے والا تھا... اگر لوگوں کو پسند آگیا تو دوسرا اس کے مالی حالات
کو بھی بہتر کر سکتا تھا...

اسی ہیٹے ایک ڈائجسٹ میں بھی اس کی کہانیاں چھپی تھی۔ بہت پسند کی
گئی تھی... دوسری کا مطالعہ تھا... پہلی تو بلا معاوضہ ہی چھپی تھی و دوسری کا
ڈائجسٹ والے معاوضہ ہی دینے کو تیار تھے...

شام کا وقت تھا۔ ماں ہی کے پاس بیٹھا ہوا کھ رہا تھا۔ کافی محاب
کمی کام کے سننے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے... دروازے پر بڑے
زور زور سے دستک ہوئی...

”کتنے دنوں سے کہہ رہی ہوں کال ہیل ٹیک کر آؤ...“

”کس کے لئے ٹیک کرؤں... کس نے آنا ہے ہمارے گھر...“

اس فابوسی بھری سوچ کو اس نے زیاں نہیں دی... ماں پہننے ہی
بہت ڈٹ پھرتی تھی...

کاغذوں پر پیر پیروٹ دھرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا... من کی یادوں
پر بھی اس نے اسی طرح پیر پیروٹ دھر کر دبا لیا تھا... بہت ساری
مصروفیات کا پیر پیروٹ...

دروازے تک پہنچتے پہنچتے ایک بار اور زور زور سے دستک ہوئی۔
”آیا بھئی آیا... بڑی عجلت میں ہو...“
اس نے جانکر دروازہ کھولا تو... سٹیپلر، گھبرا کر، ایک دردمند بچے

زیرِ قدم بڑھ کر ماں سے پیٹ گیا... ماں، ماں ہی تھی آخر... اس کی
چمکی تمام کو تا بیاں بھولی بھال اسے پیٹنے کے ساتھ چٹا لیا...
میرے مل! اتنی دیر کیوں لگا دی... دل میں بڑے دوسرے آئے تھے۔
اک اک لمحہ کا غلوں پر گزرا ہے۔

”وہ تھا! ہم بس... میری ہی کرتے تھے... وقت گزرنے کا پتہ ہی
نہیں چلا... اتنی خوب صورت جگہیں تھیں... ایسے ایسے مقامات تھے... پہاڑ
آبشار... چشے... مینرہ زار... میں نے آپ کی بہو، کا دامن زندگی کی
خوب صورتوں سے جالب بھر دیا... ان دو مہینوں میں... کسی اور کا ساتھ
ہوتا تو اتنی لذتیں، اتنا لطف پوری زندگی میں حاصل نہ کر سکتی... کیوں
ڈار ٹنگ...؟“

غیر بھائی ہی کی حرکات اور صورت کو دیکھ کر جارا تھا... اس نے مومنہ
کا نام لیا تو عمیرہ گڑبڑا سا گیا... اس نے تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی
تھی... سلام تک نہیں کیا تھا...

عمیرہ نام سا ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوا... وہ چپ چاپ دروازے
کے ساتھ لگی کھڑی تھی... ”السلام علیکم...“ غیر اس کے قریب چلا گیا...

وہ فریسی ہی تھی... بخیرہ... مقدس... اور پاکیزہ سی...
”وعلیکم السلام...“ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے... لچھے آپ کا بڑا
فکر رہتا تھا...

”موجبی شروع ہو گئی دنیا داری... عمیرہ دل ہی دل میں بڑبڑایا...

ہائے زیر کیا کیا کھڑا تھا... اس کی ہنسی، اس کے تہقہ، اس کا
ڈنگ روپ، اس کی خوشیوں غری حرکات دیکھ دیکھ کر عمیرہ کے اندر دھکیں
کے کاٹنے اترے جا رہے تھے...

یہ انسان تھا... اپنے ہی جذباتوں میں گن... اپنی ہی خوشیوں میں
مست، مہوش... اور گمشدہ کتنی افسردہ اور طویل رخصت ہوئی تھی...
اس گھر سے، اور پھر اس ملک سے بھی...

کتناروٹی تھی... کتناروٹی تھی... سامنے ہنسیاں بکھیرنا زبیر کا
چہرہ تھا اور وہ اس میں گمشدہ کا رنجیدہ اور خون کے آنسو ٹپکانا، بے حد
غززدہ چہرہ...

آخری لمحے تک اس کی آنکھیں دروازے پر لگی رہی تھیں... اسی
دروازے پر... وہ آج آیا تھا... کوئی احساس نہیں تھا، کوئی خیال نہیں
تھا...

”کون آیا ہے عمو...؟“ جہاں آرا پد پھٹے ہوئے برآمدے میں ہی
چلی آئیں... جلدی میں چشمہ نہیں لگا یا تھا۔ اس لئے پہچان نہیں پائی
تھیں... آنکھیں بڑی تیزی سے جھپکے جا رہی تھیں...
”ارے بتاتے نہیں عمو...!“

”میں آیا ہوں عمو...! آپ کا زبیر...“
”زبیر آیا ہے... نہ پیرا گیا ہے... وہ تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھیں۔
”میرے بچے! غیریت تو تھی... ہمیں تو تمہاری پریشانی نے مار ڈالا...“

”کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی... خاموش خاموش بھی تھی... کیوں...؟
غیر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا... پچلنے لگا تھا... لڑکھڑاسا لگتا...
مگر... جلدی سے سنبھال لے لیا...“ یہ کجست نظریں... جاتے کیوں بہک
جاتی، میں اور پیر دل میں ڈولی جاتا ہے...“

غیر اپنے آپ کو کوستا، دانستا، تیز تیز قدموں سے کمرے کی طرف
بڑھ گیا... ایچی کیس رکھ کر وہ ڈرائیگ روم میں آیا تو زبیر صوفے
پر دراز تھا۔ جہاں آرا پاس بیٹھی تھیں... کچھ پوچھ رہی تھیں۔ مگر
زبیر انہیں جواب دینے کی بجائے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا...

”ارے، وہ ہمارا گارڈن نظر نہیں آ رہا...“ جب سے امریکہ
سے آیا تھا گلشن کی اکثر لاڈ سے گارڈن ہی کہتا تھا...

”اسے بلاؤ عمو! ایس چائے کی ایک ایک بیانی ہی ملا دے...“
”وہ تو چلی گئی بجائی جان...“ عیراس کی لایرواہی سے جزیر
ساہموتے ہوئے بولا...

”جلی گئی... کہاں...؟“
”آپ کو نہیں پتہ...؟“ اور اب عیر سے مزید صبر نہ ہو سکا... نظر
بھی نیکی ہو گئی... ”بھم بھم“ کی گھبراہٹ ہو گیا... ”اس کی خاوی تھی بجائی جان۔
اسی سٹے تو خط گھر گھر کہ اس نے آپ کو بلایا تھا...“

”اوہو... میں تو بھول ہی گیا...“ زبیر نے نادم ہوتے بغیر اک
ہکا ہیکا سا تہقہ لگا دیا... ”ہم اس کے سسرالی جاکر اسے مل آئیں گے۔“

”ہر وقت آپ کا خیال...؟ نہ جانے اور کیا کیا کہہ رہی تھی...
”پہلی تو مجھی دنیا کی دوسری، تمام عورتیں جیسی ہے...“ بیڑے ٹوک
سے غیر نے سوچا...

”ٹھیک ہے دیور والا ناظر تمہارے ساتھ ہے تو... پران رفتوں
میں خلوس و محبت، وقت بھر رہا ہے... اور تو تو صرف ایک رات یہاں
ٹھہری تھی... پھر ہر وقت کا خیال رہنے کی بات، کیوں کر رہی ہے۔
مجھے ان نکلتا، ان نصیحت بھرے کلمات کی ضرورت نہیں... کوئی نہیں۔
بانگ نہیں...“

لیکن... یہ سب جانتے ہوئے بھی، کہتے ہوئے بھی، غیر کا دل
دھڑ دھڑ دھڑکنے لگا... ہاتھ پاؤں کانپنے لگے... چہرے کی ساری شرمالوں
میں خون بھر گیا...

”ارے بھئی اندر چلو، یہیں کھڑے رہنا ہے کیا...“ جہاں آرا زبیر
سے اچھی طرح شٹنے کے بعد باتوں سے قاطب ہوئیں...

میرا چشمہ اندر ہے... میں اچھی طرح بہو اور بیٹے کی صورتیں تو دیکھوں؟
حکم دے کر وہ اندر چلی گئیں... زبیر نے جھک کر ایچی کیس اٹھایا...
”آؤ ڈار لنگ...“

نومر نے بھی جھک کر دوسرا جھوٹا ایچی کیس اٹھایا...
”ارے نہیں نہیں... لکیتے یہ مجھے دیجئے...“ عیر نے بڑھ کر جلدی
سے، اس کے ہاتھ سے ایچی کیس پکڑ دیا...

”بھائی جان...“ غیر ایک دم چہچہا پڑا...

”آہستہ بولو عمو! بھائی خزانہ کر رہا ہے اور تم سنجیدہ ہونے جا رہے ہو...“

جہاں آدا عمیر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہہ اٹھیں... پھر جلدی سے زبیر سے مخاطب ہوئیں...

”گلشن کے چپے جانے سے عمو اداس ہے، اسی لئے سب سے انجھ رہا ہے...“

یہ حایت عمیر کی نہیں تھی... زبیر کی دلہاری تھی...

”اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے...؟“ زبیر اسی بے نیانہ سے بولا...

”آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا بھائی جان! لیکن ہمارے خنبے...“

”عمو...! زبیر کو کوئی گڑبادی کیلئے نہ سنا دے۔ اسے باز رکھنے کے لئے

جہاں آدا نے بات سمجھنے میں اسے شک کر اپنی طرف متوجہ کر لیا...

”جاؤ بازار سے کچھ لئے کراؤ... مٹھائی وغیرہ...“

”لیکن چائے کون بنائے گا...؟“ ادما کی نلکار گارڈن! تمہارے ہیں

بڑا ادھوکا دیا...

زبیر نے ہانک لگاتے ہوئے بیوی کی طرف دیکھا... ”ٹارنگ! آج

ہی شام اس کے گھر چلیں گے...“

”ہاں... جلیے گا... سودی عرب...“ عمیر نے جاتے جاتے کیٹلے سے

ساتھ برادران لا کو سی...

”وہ اب آپ کو وہاں بھی نہیں ملے گی...“ عمیر نے ملنی بھرا چوہا بڑیا۔

”کیوں...؟“ زبیر نے چونک کر چپک کر اس کی طرف دیکھا...

”اپنے بڑے بھائی کو ملنے سے انکار کر دے گی...؟“

”ہونہ... بڑا بھائی... آپ بڑے بھائی بنے کب...؟“

”عمو...! نہ بیر تمہارا بھی بڑا بھائی ہے... اپنے بچے کو درست کر دو۔

عمیر کو گلشن یاد آ رہی تھی... کتنی بے چین اور بے کل اور اداس

یہاں سے گئی تھی...

”ہی... آپ کی انہیں طرفدار ہیں...“

اسی لمحے عمیر کی نظر اپنے کمرے سے نکل کر آتی ہوئی مومنہ پر

جا پڑی... اس کی بڑ بڑا ہٹ وہیں قہم گئی...

”آؤ! سویٹ مارٹ! یہاں میرے پاس بیٹھو... بیٹھے بیٹھے زبیر

نے کھلک کر اپنے پہلو میں مومنہ کو بیٹھنے کے لئے جگہ پیش کی...

”اوہوں...“ وہ کمز کر، تھوڑا سا اسے گھور کر جہاں آدا کے

پاس جا بیٹھی...

”ماما! یہ عمو کتنا ہے کچھا ناراض ہے ہم سے... پھر زبیر نے تہمت

لگا کر اسے دیکھا...

”کہیں ہم سے جل تو نہیں گیا... کہ ایسی حسین بیوی اسے ملتی... اسے

یار! حکم کرو، اب بھی...“

بچے ہیں کہا...
 "سعودی عرب...؟ ماما! یہ ہو کیا کہہ رہا ہے...؟"
 "گلشن سعودی عرب چاہی ہے... جہاں آرائے مشکلی سے خواب رہا۔"
 "ارے... زیر سیٹھانے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا... پہلا انتظار تو کر لیتی..."
 "وہ نہیں کر سکتی تھی، سیٹھیں مزدور تھیں تھیں اور ضیاع دیاں
 حاضری دینا تھی... البتہ تم اپنا پروگرام بدل سکتے تھے..."
 "جہاں آرائے بات کرتے کرتے رخ کو منہ کی طرف موڑتے ہوئے
 بات کا رخ بھی اسی کی طرف موڑ دیا..."
 "ہو...! تم ہی اسے کچھ سمجھا... یہ تو اتنے سالوں سے امریکہ
 میں تھا۔ تمہیں یہاں کے رسم و رواج اور رشتوں ناٹوں کے بندھنوں
 کے متعلق اسے کچھ سمجھا تھا... بہت دودھ کھائی ہے گلشن... بہت
 ظلم کیا تم نے اس پر..."
 انہوں نے سارا الزام مومنہ پر دھردیا...
 "میں انہیں کہتی رہی تھی... پر انہوں نے میری مافی کب... پوچھی
 ان سے... مومنہ مدد نہی ہوتی ہوئے بولی...
 "مجھے اس پاکستانی معاشرے کی یہ نشیں و خیر ہاںکل پسند نہیں ہیں...
 اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے زیر آٹا اُکھڑا...
 "انسان کو اتنی تو آزادی ہونا چاہیے کہ جس طرح دل چاہے زندگی
 گزارے... ہمارے پاس پسند تھا... وقت تھا... غریب انجوائے کیا...
 لطف لئے... تسکین حاصل کی..."
 وہ جوش میں بھر کر بولتا چلا گیا...
 "اور اگر ذہن میں یہ لئے پھرتا کہ ٹلاں دن جانا ہے گلشن کی
 رخصتی ہے... اور پھر سعودی عرب اس نے فلاں کرنا ہے... تیب پنہنا
 ضروری ہے... تو... بنا بیٹے... کیا خاک انجوائے کرتے..."
 "ہاں بھائی جان! اچھا کیا آپ نے... بہت اچھا کیا..."
 "ارے! تم ابھی کس گئے نہیں...؟ جلدی جاؤ... گھر آئے والوں
 کو کوئی چائے پانی نہیں پوچھنا...؟"
 "جہاں آرائے اسے ڈانٹا تو وہ شکوہ بھری نظروں سے سب کو دیکھتا
 ہوا کمرے سے نکل گیا...
 ماں کا حکم تھا... قبیل ضروری تھی... ورنہ اس بھائی کے لئے تو اس
 کا کچھ جی لانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا... البتہ...
 گزرتے گزرتے مومنہ پر نظر جا پڑی... منہ ہاتھ دھو کر آئی تھی۔
 میک اپ سے پاک چہرہ بڑا معصوم اور پاکیزہ سا لگ رہا تھا... زیر کی
 باتوں کے بعد وہ اب اسے منظر م بھی محسوس نہیں لگی تھی...
 "غیر پر اس کی جو نگاہ، اٹھی تھی اس میں واقعی منظریت کی جھلک
 تھی۔ ایسے ہی اسے لگا...
 "بیل! تم کہاں ڈوب گئیں...؟"

بچے ہیں کہا...
 "سعودی عرب...؟ ماما! یہ ہو کیا کہہ رہا ہے...؟"
 "گلشن سعودی عرب چاہی ہے... جہاں آرائے مشکلی سے خواب رہا۔"
 "ارے... زیر سیٹھانے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا... پہلا انتظار تو کر لیتی..."
 "وہ نہیں کر سکتی تھی، سیٹھیں مزدور تھیں تھیں اور ضیاع دیاں
 حاضری دینا تھی... البتہ تم اپنا پروگرام بدل سکتے تھے..."
 "جہاں آرائے بات کرتے کرتے رخ کو منہ کی طرف موڑتے ہوئے
 بات کا رخ بھی اسی کی طرف موڑ دیا..."
 "ہو...! تم ہی اسے کچھ سمجھا... یہ تو اتنے سالوں سے امریکہ
 میں تھا۔ تمہیں یہاں کے رسم و رواج اور رشتوں ناٹوں کے بندھنوں
 کے متعلق اسے کچھ سمجھا تھا... بہت دودھ کھائی ہے گلشن... بہت
 ظلم کیا تم نے اس پر..."
 انہوں نے سارا الزام مومنہ پر دھردیا...
 "میں انہیں کہتی رہی تھی... پر انہوں نے میری مافی کب... پوچھی
 ان سے... مومنہ مدد نہی ہوتی ہوئے بولی...
 "مجھے اس پاکستانی معاشرے کی یہ نشیں و خیر ہاںکل پسند نہیں ہیں...
 اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے زیر آٹا اُکھڑا...
 "انسان کو اتنی تو آزادی ہونا چاہیے کہ جس طرح دل چاہے زندگی

غرض بہت سارے ارمان اور آملئیں گھیرے میں لے لیتے۔ اور غیر
بے یمن ولاچار ہو جاتا۔۔۔ دل اس کے لئے دیدہ و دل فرشی راہ کیلئے بغیر
رہ ہی نہ سکتا تھا۔۔۔ وہ سن مائیاں کرتا چلا جاتا اور غیر دیکھتا رہ جاتا۔۔۔
لیکن۔۔۔ یہ اسے تسلی تھی۔۔۔ کہ ساری دو چار دن کی بات تھی۔۔۔ پھر
کیا دل اور کسی اس کی چاہتیں اور من مائیاں۔۔۔ نہ میرے مومنہ کو لے کر
وہ 'دور' سات مسند پر پار چلے جاتا تھا۔۔۔

اس کا پیٹ ہی جانا اچھا تھا۔۔۔ پر۔۔۔ اس سوچ سے بھی دل بے چہی
و بیقرار ہوا تھا۔۔۔

وہ ایک بار چلی گئی تو پھر شاید نگاہوں کی یہ دید کی پاس کمی نہ
تھے۔۔۔ وہ اس کو اک نظر دیکھنے کو ترستا ترستا ہی مرجائے۔۔۔ بسے۔۔۔
"بھائی جان! اسے یہیں چھوڑ جائیں۔۔۔ ساتھ نہ لے کر جائیں۔
"بلیز، نہ لے کر جائیں ورنہ۔۔۔ میں نامراد مرجائوں گا۔۔۔ مرجاؤں گا۔۔۔"
دل تروپ تروپ کر پکار چاٹنے لگا۔۔۔ دھوک دھوک کر اسے
بے حالی کر دیتا۔۔۔ اس کی پیشانی پینے سے تر ہو جاتی۔ اتنی نقاہت
محسوس ہونے لگتی کہ اس سے اٹھنا نہ جاتا۔۔۔ بیٹھا نہ جاتا۔۔۔ چلا بھرا
نہ جاتا۔۔۔

اور۔۔۔ وہ اسی دور ہی مار سے لمحے لمحے بعد مر رہا تھا۔۔۔ بار بار
مر رہا تھا۔۔۔ مومنہ کو آگے ابھی وقت ہی کتنا ہوا تھا۔۔۔ اور وہ اتنے
سے ہی مڑ حال سا ہو گیا تھا۔۔۔

"بیوی کو ساتھ لے کر جاؤ گے نا۔۔۔" جہاں آما نہ میرے پوچھ رہی تھیں۔
"اوہ نہیں۔۔۔ خسارے میں تو میں رہا ہوں۔۔۔ تمہیں تو کتنا رے مل
گئے۔۔۔ اتنا قابل شوہر، امریکہ کی نیشنلٹی، گھر، گاڑی، سٹیٹس، تمہنے
تو بہت کچھ پالیا۔۔۔ سب کچھ پالیا۔۔۔ چلو اچھا ہوا۔۔۔ میں خوش ہوں۔۔۔
بہت خوش۔۔۔

عمر سوچتا ہوا چلا جا رہا تھا۔۔۔ اور پھر اسی کے خیالوں میں ڈوبے
ڈوبے اس نے بہت ساری چیزیں خرید ڈالیں۔۔۔ مومنہ کی خاطر۔۔۔ پیے
کم پڑ گئے تو دکاندار عاقبت تھا۔۔۔ اڑھا کر آ یا۔۔۔ مومنہ کے لئے۔۔۔ یا



کچھ تھرا سا اس نے دل کو کھایا تھا۔۔۔ جو کچھ حالات گزر گئے تھے ان
کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی تھی۔۔۔ گھر۔۔۔ دلی، ایسا بے ایمان تھا کہ مومنہ
کو دیکھتے ہی پھر بٹلنے، اکھرنے لگ پڑا۔۔۔

مومنہ نظروں کے سامنے رہتی تو وہ دست طلب پھیلاتا جاتا، ہرک
ہرک کر خواہشات کے منہ کھول لیتا۔۔۔

اس کے لئے یہ کرو۔۔۔ اس کے لئے وہ کرو، اس کے آرام کا خیال
اس کے اٹھنے بیٹھنے کا دھیان، کھانے پینے کے لئے کسی مہمان خصوصی سے
بھی نہ زیادہ توجہ دینے کی چاہت۔۔۔

”اس گھر کی اور کوئی بہو ہے...؟“

”ماں کے اس تکیے سے سوال پر وہ مسکرا پڑا...“ میں سمجھا تھا عمو کی بیوی کا کوئی بات کریں گی آپ...“

”عمو کی بیوی جب اس گھر میں آجائے گی تب بہو کہلائے گی...“ وہ بھی چھوٹی بہو...“

”سمجھ گیا جی...“ زیر ہنس پڑا... ”تو چھوٹی کب آئے گی...؟“
”پہلے جانے والوں کی بات کرو گے یا آنے والی کی...“
”دونوں ہی کی ہو جائے...“

”نہیں...“ ابھی صرف جاننے والوں کی بات کرو... خوشی ہمیں داس نہیں آتی...“

تب اس لمبے غیر اندر آ گیا... دیوار کے سہارے سے ہی اسے کچھ مضبوطی دے دی تھی، دماغ دلا کی کڑیوں پر غالب آ گیا تھا...
اس کا فیصلہ یہی تھا کہ مومنہ کا یہاں سے چلے ہی جاتا بہتر ہے...
اس کے لئے... سب کے لئے... دل کا کیا تھا وہ تو ہمیشہ غلط ہی راہ دکھاتا ہے -

صرف اچھا تھا اس کا جائ، بلکہ ضروری تھا... بہن بزدلی... کیا بھائی کی بیوی کو ہر دم کسی دوسرے انداز میں اسی دھڑکتے... شے سے کسی غلط نظر سے دیکھتے رہنا جائز تھا...؟
کسی طور بھی نہیں... کسی صورت بھی نہیں...

گشت گھر میں نہیں تھی تو بہت سارے کام اسے کرنا پڑتے تھے... اس کے حصے کے بھی... ماں بوڑھی بھی تھی اور ڈکھوں کی ماری بھی... اس کا بھی ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتا تھا...

یوں اندر باہر آئے جاتے وہ بار بار نظروں کے سامنے آ جاتی...

اور بار بار اوجھل ہو جاتی... دکھ ہی دکھ ملتا تھا ہر انداز میں... اور وہ سوچوں کی اس آگ میں جل رہا تھا... بھسم ہو رہا تھا...

”ڈارلنگ! آج یہاں میرا آخری دن ہے...“

”جی...؟“ وہ شاید کسی سوچ میں ڈوبی بیٹھی تھی... یکدم چونک
سکی بڑی...

غیر گزرتے گزرتے وہیں ٹھٹھک گیا... تو... اس کا آخری دن تھا یہاں؟
سارے جسم میں سے جیسے لگا لگا جان ہی نکل گئی... جھوٹ دیوار کا
سہارا لے لیا...

”میری تیاری وغیرہ کرنا ہے...“ زیر کہہ رہا تھا...

”ابھی کر دیتی ہوں جی...“ بڑی مستعدی سے اس نے جواب دیا...

”اور بہو...؟“ جہاں آکر اسے سبزی نانتے نلتے ہاتھ میں دنگ لے...

اور نظروں میں سوالیہ انداز میں زیر کے چہرے پر جم گئی...

”بہو...؟“ یعنی کہ ہماری بیگم...؟“ زیر سے وضاحت چاہی... حالانکہ

جہاں آرا کے منہ سے نکلے اس ایک لفظ کے معنی اتنے مشکل نہ تھے کہ وہ

کچھ نہ پاتا...

پاس رہنا پسند کرو گی یا شوہر کے ساتھ جانا...؟

چھوڑو خود ہی ہنس پڑیں... آنکھوں میں نمی سی تھی... کچھ امید کا چمک بھی... چھوٹے چھوٹے اشارے سے ادھر اُدھر لوٹک رہے تھے۔

”میں بھی کیسی یا لگی ہوں... کیسا عجیب سا سوال کیا ہے...؟“

”نہیں اتنی جی! عجیب نہیں... مومنان کے پاس آکر بیٹھ گئی...“

اس ٹھوڑے وقت میں ہی گھر والی کی سی حیثیت اختیار کر چکی تھی

بہت دھندلاریں والی... بہت اختیاروں والی... اور ساس کس کس کی خدمتوں میں من لگانے والی... ساس کی آنکھوں کے تار سے اس

نے اپنی نو بہت آنکھوں میں میرے... پوری محبتیں اور غلوں کے ساتھ...

”آپ کی خدمت میں مجھے جو کچھ ملے گا... وہ اور کہیں نہیں...“

خاصا مخلصانہ اور عقلمندانہ جواب تھا... پر غیر کے دل کے فیصلے کے

بالکل برعکس... وہ مضطرب سا ہو گیا...

”آپ دونوں ڈاکٹر ان لاء اور ندران لاء صاحبہ ابھی اپنے اپنے

خیالات کا اظہار نہ کریں... زیر سرے ہیں کہ دونوں کو ٹوک دیا...“

”اور نہ ہی مانا آپ فی الحال کوئی سوال کرہں... ایسے جذباتی ہو چکر۔“

ابھی اسی کا وقت نہیں آیا...؟

”تم جارہے ہو، تیاری کرنے کو کہہ رہے ہو اور... پھر بھی ابھی سوال

کرنے کا وقت نہیں آیا...؟“

”اسی لئے کہ اخذات ممکن ہوئے تک میری دائف آپ کی خدمت میں

ہر وقت سولی پہ لٹے رہنے کا سامنا تھا... ایک جھٹکے سے ایک ہی

بار کام منقطع جانا بہت ہی بڑا تھا... تب اس نے اپنے ہی ضمیر کی عدالت

سے دل کو پھانسی کا حکم سنوا دیا...“

”یہ آپ کے ساتھ جائیں گی؟“ پوری امید اور یقین کے ساتھ

اس نے زبیر سے پوچھا...

”جو تیاری کرنا ہو آپ مجھے بتائیں...“

”نہیں... مومن میرے ساتھ نہیں جاسکے گی...“

”کیوں...؟“

”وزیر اور پاسپورٹ وغیرہ کی پرالیم ہے...“ زبیر نے لاپرواہی سے

کہا...

”آپ نے اتنے دن لگا دیئے اور یہ کام! اتنا اہم کیا ہی نہیں...“

”بس... کیا بتاؤں یار! تہہدی بھابھی کے حشی کا جادو ایسا سر پہ

چڑھا تھا کہ... بھول گیا سب کچھ... جادو گرنے لے کچھ یاد ہی نہیں رہنے دیا۔“

بڑے پیار سے اس نے مومن کو دیکھا... غیرت سے دھڑکتے دل کو

تھامتے ہوئے نظر پھیرا... جن جادو کی جانی بات کر رہا تھا اسی کے سحر

کے جال میں تو وہ بھی آج تک چھڑا رہا تھا...

”اور جھٹی سے لو... سارے کا خدشات بھی ممکن ہو جائیں گے اور تم

بھی کچھ دن اور ہمارے پاس رہ لو گے...؟“

جہاں آنے تک اک امید کے ساتھ تجویز پیش کی... ”کیوں مومن! ہمارے

نقطہ ہی جواب اس کے پاس تھا... مردوں سا ہو کر ماں کے پیچھے جا بیٹھا...
 شیربرسا سوال کرنے کے بعد موئے نہ کرے میں جا کر نہ میر کی تیاری
 کرنے لگا تھی اور نہ میر بڑا بھائی ہونے کے ناٹے غیر کو نصیحتیں کر کے لگا۔
 ”اما کوڑھ تک نہ کرنا... اور ڈیڈ کا بھی خیال رکھنا... اب بوڑھے
 ہو گئے ہیں دونوں... اب انہیں اولاد سے کھٹکھٹنا چاہیئے... اور
 ہاں... کوئی جاب وغیرہ بھی کرو... کب تک اس طرح ان کے کندھوں
 کا بلو جو بنے رہو گے... ان کا بیڑا چاہا اب اس بوڑھ کو برداشت کرنے
 کے قابل نہیں ہے...
 نہ میر بہت ساری نصیحتیں کرتا رہا... میر چپ چاپ سر جھکے
 سنتا رہا... بڑا عجیب لگ رہا تھا... یہ وہ شخص اسے سمجھا رہا تھا
 جس نے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کبھی نہیں دیکھا تھا شاید...
 وہ خود والدین کے حقوق کا کتنا خیال رکھتا تھا، اور انہیں کتنے کھٹکھٹ
 پہنچاتا تھا... کیا اس نے کبھی سوچا تھا...؟ اسے تو اپنے آپ کو سمجھانا
 چاہیئے تھا...“

”اور موئے بھی اب تمہاری تحویلی میں ہے... اس کا بھی نہیں خیال
 رکھا ہے... اس نے کہیں آنا جانا ہو، یا کوئی اور ضرورت ہو تو...“
 شیربرسا نہیں کیا کیا کہے جا رہا تھا... اس سپرداری کے بعد غیر کی
 جیسے قوت سماعت مزید کچھ سننے کے قابل نہ رہی... کانوں میں مٹی بنائیں
 ہونے لگے... کسی ہتھوڑے کی ضربیں پڑنے لگیں... کچھ چھوٹوں کی آوازیں۔

حاضر رہے گی...“
 غیر جانی کی بات سن کر یہ چین سا ہو گیا... ”اور کاغذات کب تک مکمل ہونگے؟“
 بار بار موئے کی طرف اٹھنے والی نظروں پر رنگ میں ڈالتے ہوئے اس نے
 پوچھا...“

”میر اب تم پر منحصر ہے... وہاں سے تو میں جلدی بھجوانے کی کوشش کروں
 گا... میری جان جو لگے ہو گی جہاں...“

زیر بیوی کی طرف بڑے دالہاتہ انداز میں دیکھ کر مسکرایا... اس نے
 جھینپ کر ٹیکس جھکا لیں... وہی نظارہ اچھر نظروں کے سامنے آگیا...“

”خدا کے لئے بیل! تم جلد از جلد چلی جاؤ...“
 ”اور تم جتنی جلدی یہاں سے مکمل کر دو گے بس اتنی ہی جلد یہ
 وہاں پہنچ جائے گی...؟ نہ میر کہہ رہا تھا...“

”میں اپنی پوری کوشش کروں گا بھائی جان... باہر ممکن جلدی کیونے
 کی... جو اد سے کہوں گا... سفارش وغیرہ ڈھونڈ لوں گا...“

”کیا یہاں میری موجودگی آپ کو ڈسٹر ب کر رہی ہے جو اتنی جلدی
 کریں گے...؟“

اک مسکراہٹ کے ساتھ موئے نے یکایک ہی پوچھ لیا... سب جیانی
 میں اس پر اس لا جواب کر دینے والے سوال کا حملہ ہو گیا تھا... غیر
 گھوڑ بڑا سا گیا...“

”نہیں نہیں... ایسی تو کوئی بات نہیں...؟ اور وہ کہتا بھی کیا...؟“

”سارے کے سارے ہی کپڑے دکھ دوں...؟ مومنہ دروازے میں کھڑی زیر سے پوچھ رہی تھی...
اللہ کی مدد خلی حال ہو گئی... زیر اپنی نصیحتیں چھوڑتے کھنکے لگا۔
”ہاں... سارے ہی... اور...“ کچھ سوچتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا...“

نظر میں دوبارہ کارنسی پر سب سے نوادرات پر جائیں... یہ بیتل کے ظروف تھے... بڑی خوبصورت مینا کاری ان پر ہوئی ہوئی تھی... زیر کی نظروں کے تعاقب میں غیر کی نظر میں بھی ان نوادرات پر جا چکی۔
بیتل کے یہ ٹھونڈا ان اکٹڑے اور گھاسوں کی شکل کے ظروف ان کے دادا کے وقتوں کے تھے... زیر نے آنا تھا... گھر کی مرمت ہوئی۔
پر رڈ اننگ روم کو سب نے کا مسئلہ نہ میراث کیا... مالی حالات لمبے نہ تھے کہ بازار سے نوئی طور پر کچھ خرید کر لاسجایا جاتا...“

کاغذی صاحب ہی کو یاد آیا کہ ان ظروف کو اگر چھپا کر سجایا جائے تو بہت خوبصورت لگیں گے اور اب تو وہ ایشیائی میں شمار ہوتے تھے۔
”کل تک انہیں چھپا کر رکھنا ہوگا... کل تک...“

کاغذی صاحب نے میسر کو حکم دیا تھا... بہت ندر دار... لاپرواہی میں کہیں اس کان سے تھنے اور دوسرے سے اڑا دے... اس پر مکمل عبور تھا ہی نہیں کہ وہ پوری ذمہ داری سے ان کا حکم سے گا اور پھر جانے گا...
”اچھا! آج ہی اسے لیجئے بے احتیاری... بر میں بھی پورا اتر کر رہو گا“

کچھ تہمتوں کی صدائیں بھی تھیں...
”او خدا یا! یہ کیسی امانت میرے سپرد کی جا رہی ہے... یہ ایک دم کیسا شور مچ گیا ہے... کیسا ہنگامہ مچا ہو گیا ہے...“
عمر کا سارا وجود ہی لرزے لگا... اس کا دل چاہا پوری آواز سے چیخ اٹھے...“

”جہاں جان بس کر دیں... خدا کے لئے میرے حال پر کچھ رحم کریں۔
میں پہلے ہی طوفانوں کی زد میں آیا ہوا ہوں... جذلوں کی چکی کے دو پتھر سے پاؤں کے درمیان پس رہا ہوں... تباہ ہو رہا ہوں... مر رہا ہوں...“

پراس کے حلق میں اپنا ہی داز انک کر رہ گیا... عورت رکھلی پر مرد دکارنے...“

جہاں آرا سر جھکائے بنی بنا سے میں مصروف تھیں... زیر کا رسی پر سب سے نوادرات کو بڑے نور سے دیکھ رہا تھا... خود اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کیا کہے جا رہا تھا... بس نصیحت برائے نصیحت والا معاملہ تھا۔ ورنہ نہ ہنی طور پر وہ کہیں اور تھا... کسی اور سوچ میں... غیر کی حالت کو کسی نے دیکھا ہی نہیں...“

اس نے کھٹکار کر لگے صاف کیا، پشیمانی پر سے پیمتہ پونچا... اپنے آپ کو سنبھالا... پھر سے طوفانوں کو سنبھالا... اندر ہی اندر... کچھ خدا سے مرد طلب کی...“

بڑا تیز ٹیکھا تھا... پتہ نہیں کسی ہتھیار کے طوط پر استمال ہوتا ہوگا... کاش
 گی انگلیں کوہ... گایر مولیٰ کی طرح... نہیں اس کا دشمن، نہ ریک حریف...
 کاغذی صاحب اور جہاں آرا کے چہروں پہ مسکراہٹیں بچیں رہی تھیں۔
 ”بابا آدم نے بھی اپنا ترکہ ہمارے ہی گھر میں بھونٹا تھا...“
 وہ بڑا بڑا اُسے جا رہا تھا... گلشن کھل کھل ہنسنے جا رہی تھی...
 ”ہاں سچ کہتے ہو... بابا آدم کے زمانے کے ہی ہیں...“
 اس نے عمیر کی تائید میں کی تھی... پھر اس کے زخموں پر دنگانے کے
 لئے جھاک کر مرہم ہی سے آئی تھی...
 ”دیہیے ڈرائنگ روم بھی تو بچ گیا... ایسی چیزیں اور کسی گھر میں
 نہ ہوں گی...“
 ”آئے دالا خیر سے آئے بھی تو...“ جہاں آرا نے بیٹے کی محبت
 میں ڈوب کر کہا...
 ”پھر اپنی آنکھوں سے دیکھے... اور خوش ہو...“
 ”بہت خوش ہو گا... دیکھ لینا...“ کاغذی صاحب نے ضمانت دی۔
 اتنے پُر امید تھے...
 ”یہ جو اینٹیکس ہیں ماما...“ نذیر کی آواز پر عمیر اپنے خیالات
 سے چونکا... وہ کارلس کے پاس کھڑا اک اک جینر کو اٹھا اٹھا کر دیکھ
 رہا تھا...
 ”کیا آپ یہ مجھے تحفے ہیں نہیں دے سکتیں...؟“

انشاء اللہ...
 عمیر نے دل میں پکا ادا، بانٹ دیا... ساری رات جاگا... گھر والے
 سو رہے تھے... کسی کو پتہ نہ تھا... اور وہ بیٹھا، ان ظروف کو چمکا تا
 رہا تھا... کبھی کبھی ادنگھ بھی جاتا... پراکھ کر پانی کے چھینٹے منہ پر ڈال
 کر پھر بیٹھ جاتا...
 ”دیکھو گل!“ صبح ناشتے کی میز پر اس نے اپنے زخمی ہاتھ گلشن
 کو دکھائے... پھر چور نظروں سے باپ کی طرف دیکھا... ان کا چلیخ
 قبول کیا تھا... فز سا محسوس ہو رہا تھا... وہ کسی قابل تو تھا... سن میں
 خوش بھی تھی... اور اس خوشی کی وجہ سے تزلزل میں بھی آیا ہوا تھا...
 ”ایک تو اس امریکی بابو نے مشکل میں ڈالا ہوا ہے... اس کے ذوق
 کی تنگیوں کی خاطر کیا کچھ نہیں کرنا پڑ رہا ہے...؟“
 ”کیا کیا ہے...؟“ گلشن نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا...
 ”ارے تم نے ڈرائنگ روم نہیں دیکھا...؟“
 ”ابھی دیکھ آئی ہوں... گلشن اک منٹ میں جاگی جاگی جا کر دیکھ آئی...“
 ”واہ واہ... شاباش...“ اس نے تریف کرتے ہوئے عمیر کی پیٹ
 ٹھونکی...
 ”انگلیاں دکھائیں میری... یہ زخم... یہ زخم... عمیر اسے
 اپنے زخم دکھانے لگا...
 ”ایک پچو لداں کا کنار انگ گئی... ایک وہ کٹورا سا تھا... اس کو بندھا

”میں قربان سب کچھ ہی تمہارا ہے... تحفہ کیا ہوا...؟ مالک ہو
ہر چیز کے... حق ہے تمہارا...“
جہاں آواز نہیر کے ماتھے کے انماز پر اقل بغل برہم ہو گئیں۔
”بڑے بیٹے ہو... سب سے زیادہ حق رکھنے والے... جس چیز
پر انگلی و عمرو بلا تکلف بلا تھک اٹھا لو...“

غیر اپنے ہاتھوں کے زخموں کو دیکھنے لگا... ابھی داغ باقی تھے۔
وہ پھر زخموں کی طرح نثر آنے لگے... خون پر سے لگا ان میں سے۔
درد بخونے لگا...

”گفتن کہاں ہو... مرہم لگا دو...“ پر نہ اندر کے زخموں پر کئی
مرہم لگانے والا تھا اور نہ، ذہنی اذیت نے جو زخم دینے تھے ان کو
مٹانے والا کوئی...

ماں بھی نہ میری تھی... باپ بھی اور... اور... آخر میں نظریں
مومنہ کی طرف اٹھ گئیں... وہ... وہ... جیسے ساری زندگی کے لئے
اپنا بنانا تھا... وہ بھی...

”شکر یہ ماما! یہ لومیم صاحب! انہیں بھی پیک کر دو...“ نہیر
کا ریش پر سے وہ ظروف اٹھاٹھا کر مومنہ کی طرف بڑھ جانے لگا...

”رہنے دیں نا یہاں اچھے لگ رہے ہیں...“
مومنہ کی بات سن کر وہ اپنی سی لگی... دوسرے کی ہونے کے باوجود
”ارے میرے بیٹے نہیں کیا اچھا لگے گا یہاں...“

”پر سب میں تو اپنے... گھر کے لوگ بھی... چیزیں بھی اور گھر بھی...
اچھا کیوں نہ لگے گا سب...؟“
”میں انہیں وہاں تمہارے اپنے گھر میں سجانا چاہتا ہوں... جو مرث
تمہارا ہوگا...“

”ہاں ہاں... کمر دانا پیک...“ ماں نے بیٹے کی حمایت میں اصرار کیا۔
”اُسے معلوم نہیں ماما کہ یہاں تو انہیں ایسی قدر کی نگاہ سے دیکھنے
والا کوئی نہیں... جیسی نظروں سے امریکی لوگ ایسے ایسے نوادرات
کو دیکھتے ہیں... اور پھر غمو...“

عمو کے زخموں کی پرواہ کئے بغیر نہیر اس سے مخاطب ہو گیا...
”کسی قدر دان کو پسند آگئے نا تو ایک ایک کی قیمت کئی کئی
ہزار ڈالرو...“

بھائی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی غیر اس کے ارادے سمجھتے ہوئے
بولی پڑا...

”اے جاپئے سب... آپ ہمارے یہاں تشریف لائے... ہمیں اپنی
محبتوں اور مہربانوں سے لواؤ... ہم بد سے میں آپ کی کوئی خدمت
نہ کر سکے... آپ کو کچھ میں نہ دے سکے... اور بھی جو کچھ یہاں پسند ہو
لے لیں... ہمیں بڑی خوشی ہوگی...“

غیر کے طنز کو کسی نے نہیں سمجھا... ”ارے! آج تو عمو بھی بڑی
عقل کی باتیں کر رہا ہے... ہاں نہ میرا جس چیز کو پسند کرو، اٹھا لو...“

”کیسی باتیں کرتے ہیں...؟“ ساس اور دیور کے سامنے اپنی تعریف سے وہ شرمدی... کچھ پریشان بھی ہو گئی... جلدی سے زیر کے ہاتھ سے وہ ظروف لئے اور انہیں پیک کرنے کے لئے کمرے سے نکل گئی... زیر کی تیاری بھی ہو گئی اور روانگی کا وقت بھی آگیا۔ جہاں باہر اور کاظمی صاحب بڑے اداس تھے... چہروں سے ہی وہ غم اور پریشانی عیاں ہو رہی تھی جو بیسے کی جدائی سے دینا تھی... کوٹھی صاحب مردھے اور مرد جلد حقیقتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں... اور انہوں نے بھی یہ حقیقت تسلیم کر لی تھی کہ جہاں باہر اس کے واپس ضرور چلے جانا تھا۔ کیونکہ اس کا ہر منہ اس ملک کے ساتھ بندھا تھا۔

وہاں اچھی لڑکری تھی... دولت تھی... کرائشیں تھیں... خوبصورت شہر تھا... خوب صورت ملک تھا... آب و ہوا اچھی تھی... غرض وہاں کا سب کچھ ہی اچھا تھا... تو...

دوسرے بڑے میاں اور صاحب کیا تھا...؟ صرف ماں باپ... اور اولاد جو ان پر جائے تو اس کی نظروں میں ان کا وجود اتنا خیرا ہم - کہ قیمت اور بے وزن ہو جاتا ہے کہ... ان کے والا پڑا، اتنی اونچائی پر پہنچ جاتا ہے، اتنا اونچا اٹھ جاتا ہے، دکھائی بھی نہیں دیتا... اتنا ہکا ہو جاتا ہے...

پر جہاں آراک حورث تھیں... اک ماں... ماتا جیسے شہید ہر لوگوں میں خود بخود... گلے تک دہی ہوئی... زیر بیسے ہی آٹھ سال بعد آیا تھا۔

ہم نہیں پاتے ہرے اور کیا دے سکتے ہیں...“
”تھینکس... تھینکس اسے لاٹ...“ زیر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی... اور غیر کہ لگا یہ ان لمبوتوں کی چمک نہ تھی... ان ہزاروں ڈالروں کی چمک تھی... جو ان ظروف کی قیمت تھی... دل بڑی طرح دکھ کر رہ گیا... انسان کی قیمت کیا ہے... بابا پ نے اتنا بیسہ خرچ کر کے اسے اتنا قیمتی بنایا اور وہ... اپنی لالچ اور حرص والی طبیعت کی وجہ سے اس وقت کتابے قیمت ہو رہا تھا اس کا اپنا بھائی...

”لو کہ دو ٹاپیک...“ زیر نے تیسری بار کہا - مومنہ اسی طرح خاموش کھڑی رہی... جانے کیا سوچ رہی تھی... جہاں آرا نے نظریں اٹھائیں... اسے یوں چپ کھڑا دیکھ کر زیر کو سمجھانے کے انداز میں کہنے لگیں...

”میرا خیال ہے“ انہیں ابھی نہیں رہنے دو... مومنہ کو اچھے ملک رہے ہیں... جب یہ جائے گی نا تو ساتھ لیتی جائے گی...“

”نا مانا! میں چاہتا ہوں اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے میں اس کا گھر خوب اچھی طرح سمجھا سنیو! دوں... ہر طرح... اس اپنی دہن کی طرح... ایسے ہی جیسے اسے خدا نے سمجھا یا سنوارا ہے میرے لئے... میں نے بھی تو اسے کوئی تحفہ دینا ہے... خوبصورت دہن کو خوبصورت گھر کا تحفہ پیش کرنا کیا اچھا نہ رہے گا...؟“

سولیت آپ نے وقت بہت برباد کیا ہے بھائی جان... میرے سپاؤں میں گزار دیا... وہی ان کے کاغذات کی تیاری میں لگا دیتے... میری تو دلان بھی جا کر ہو سکتی تھیں...

عمر اپنے دل کے تفتنوں کے ہاتھوں بڑی تنگی میں تھا... مومن کا رہ جانا اسے بے مدد پریشانی اور الجھن میں گرفتار کئے دے رہا تھا۔ تبھی وہ بار بار اصرار کئے جا رہا تھا...

”ارے کچھ دن گھر میں رونق رہ جائے گی تو کیا برا ہو گا... نہیں بھابھی کا گھر میں رہنا ناپیدا چھا نہیں لگے...“
”زیرے مذاق کیا تو عمیر کو بڑا سا گیا...“ نہیں نہیں... اچھا کیوں نہیں لگے گا...“

اندر سے دل اک بیتابی کے ساتھ بولا... ”میرا بس پختے تواسے بچیشہ یہاں رکھ لوں... سدا اپنے پاس... فطروں کے سامنے... اور کیا چاہیئے اور کیا چاہیئے...“

سب کے چہروں کے بڑے مختلف تاثرات تھے... مومن ہانکے خاموش تھی... اس نے زیر کے انگلیٹھ جانے پر کوئی اعتراض یا احتجاج نہیں کیا تھا... نہ اداسی کا اظہار، نہ گریہ نہ لڑائی... بس... ہونٹوں پر مسلسل اک چپب چپاں کئے ہوئے تھی...

”تنہائی میں شوہر کو جلد بنا لینے اسکا غذا تیار کر اسنے کی بات کہہ کی ہو تو کی ہو... پر سب کے سامنے اس نے اک لفظ نہیں کہا تھا...“

پہلا جانی کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ دوسرا لگ رہا تھا...
کو دے وجود پر زخم لگے اتنی تکلیف نہیں ہونی تبتی زخم پر جھٹکا بارہ زخم لگنے سے... جہاں آسا رو رہی تھیں... بے تحاشا رو رہی تھیں...
”نہیر نہ جاؤ... ہم بہت اکیلے رہ چکے ہیں لگے...“

”آپ کے پاس عمو ہے ماما...“
”عمو کسی تھالی ہوتا تو پھر دنا کس ہانت کا تھا... جو اولاد لگتی ہے نام روشن کرنے والی ہے وہ ہزاروں میل دور جا لسی...“
”لیکن عمو بڑی کا معاملہ ہے...“

”قتبا مقدر میں کھٹا ہے خدا یہاں بھی دے دے گا... اپنی میں تو ہو سکے... اور پھر اب تو تمہاری بیوی میں ہیں جسے...“
”وہ بھی چل جائے گی...“ پاس سے کاظمی صاحب جلدی سے بولے۔
”جائے ہی کاغذات مکمل کر کے بھیج دینا بیٹے...“ بیوی کے بند انہوں نے بیٹے کو سمجھایا...

”لا پر داسی نہ کرنا... ورنہ اس عمر کی جدائی دلوں پہ کافی کی طرح جم جاتی ہے اور پھر...“ چپسوں کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے... کسی کا بھی۔
”جس جانا بہت ساری تڑپوں کو خطرے میں ڈال دیا کرتا ہے...“
”آسا نہ کر نہ کر میں ڈیڑی... سب کچھ بہت جلد کروں گا...“ جاتے ہیں... فوراً...“

زیرے بے باپ کو بھرپور قتل دی...

موسٹر بڑے پیار ہے، انتہائی دلا سے ان کے آنسو پونچھ رہی تھی...
جیسے ماں اپنے بچے کو مہلائے... ویسا ہی تقدس، ویسی ہی مانتا اس کے
حسین چہرے پر تھی...

انفاظ کے ساتھ ڈھارس بندھانے کے بعد وہ انہیں گھر سے لگا لگا
کر مایہ کر رہی تھی... پہلا مہر ہی تھی... اور ابی میں خود و جا آخری وقت
نذیر سے اچھی طرح مل بھی نہ سکی...

کوئی بھی تو بات نہیں ہوئی تھی دونوں کے درمیان... میر کی نظریں
اسی پر لگی ہوئی تھیں... کئی گھنٹوں سے موند اک منٹ کے لئے بھی زہر
کے ساتھ سلبد نہیں ہوتی تھی... نہ ہی زہر نے ایسی کوئی کوشش کی تھی۔
دل کے اندر اک اطمینان سا بھی اثر نہ ہوا تھا... پر انصاف اور
انسانیت کے ناطے میر کو انہیں سی بھی ہو رہی تھی... کبھی نہ پھر پر غصہ
آتا... وہ جانے سے پہلے کیوں تنہائی میں بیوی سے نہیں ملا تھا...

پھر کبھی ماں پر گر گئی کھانے لگتا... اپنا ہی روزا دھونا چایا ہو تھا۔
اک منٹ کے لئے خور سے جدا ہو جانے والی اس نئی قریبی رہا ہی ہوئی
دلہن کا احساس نہیں کیا تھا...

کوئی دھڑک کوئی بات اکوئی عہد کو آنے والی جدائی کے وقت
کے لئے اک دوسرے کو تسلی دلا رہے... موقع ہی نہیں دیا تھا انہیں... بہت
بڑا غم تھا... بہت زیادتی تھی...

اور اسی افراتفری اور آلودہ چار میں زہر جہاز میں جا بیٹھا۔

ممبر کی ایسی صورت بنی پھر رہی تھی جس نے بعد رضاء و رغبت مقدمہ کو تسلیم
کر لیا تھا...

تیماری مکمل ہو گئی... جدائی کے لمحات آگئے... زہر کو نصرت کرنے
کبھی ایٹر پورٹ گئے... نفصا بڑی سگوارہ سی ہو رہی تھی... زہر البتہ بڑا
خوش تھا... شاید دوسروں کو دکھانے کی خاطر... اسے احساس ہو رہا تھا
دیکھ کر باقی زیادہ ہی ملول و ماسرود نہ ہو جاویں... مگر اس کی یہ فکشن
بیکار رہی جا رہی تھی...

"تم بھی چلی گئیں تو اب کے پھر سے ہم پھر شاید کبھی نہ ملیں..."

جہاں آرا کی شدت گریہ سے آواز بیٹھی جا رہی تھی...

"ایسا ہی ہوا کرتا ہے... شاید دوسرے آخری مطلب کی ڈور اس
کی جاد سے ساتھ بندھی تھی... اب تو... اب تو وہ بھی ٹوٹ گئی... مطلب
نکل گیا... اب وہ کہیں آئے گا یہاں..."

موسٹر کی خاموشی ٹوٹی بھی تو اس کو تسلی دلا سے دینے کی خاطر...
"ہیں آپ سے آپ کا بیٹا ملاؤں گی امی جی... ہر دو سال بعد... دود
کا معاملہ نہ ہوتا تو اس سے بھی جلد ملائے کا وعدہ کرتی..."

جہاں آرا کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر
آ رہے تھے...

"پھر عمو کا گھر بس گیا تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی... مجھے
معلوم ہے آپ کو ان سے بہت زیادہ پیار ہے... آپ دل چھڑا کر کریں..."

جہاں آرا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی... خود خاموش طبع تھی... پھر بھی اک لمحے کو خاموش نہ بیٹھتی... کچھ سچی تھی، جان گئی تھی کہ ماں بیٹے کی بددائی کے ٹکڑے کو اسی طرح فراموش کر سکتی تھی... اس کا دل اسی طرح بہل سکتا تھا... تب... کوئی نہ کوئی موضوع جھپٹے ہی رکھتی...

ماس اور سسر کی دوسری چھوٹی مولیٰ غرضیات کا بھی ہر طرح خیال رکھتی... ان کے دوا دوا روکا... ان کے پکڑے سے بچنے کا... جیسے ماں اپنی ماتا کے ہاتھوں بھجور ہو کر اپنی اولاد کا کرے... کچھ اسی طرح وہ ان کا دھیان کر رہی تھی...

یوں... کاظمی صاحب اور جہاں آرا تو چند دنوں بعد ہی پہلے سے بھی زیادہ مسرور و مطمئن نظر آنے لگے تھے...

فرست کے اوقات میں ماس اور بہو بھین گئیں مگر وہی ہوتیں تو کاظمی صاحب بھی اگر گھر میں موجود ہوتے تو اکثر پاس آن بیٹھتے... مومنہ کا اندازہ لگلو بڑا دلنشین تھا... مسکرا مسکرا کر پیار برساتی نظروں سے اسے دیکھتے رہتے اور سنتے رہتے...

”بیٹے! تو نے ہمیں دوا دوا دلوں کی بددائی بھلا دی...“

”میں بھی تو آپ کی اولاد ہوں...“

”ماں ہاں... کیوں نہیں... دیکھا جائے تو اب تو یہی ہے سب سے

زیادہ، سب سے اپنی...“

والہمدان سب کو خیریت سے رکھے... جہاں آرا کی زبان پر ان کے

بہاؤن دسے پر دوڑا... اونچا اٹھا... اڑا... اور پھر دیکھنے ہی دیکھنے نظروں سے اوجھل ہو گیا... سب سے جدا...



ذمیر کے جانے کے دو چار دن بعد تو گھر میں بڑے پیر مول سے منائے پھیلے رہے... پھر ہولے ہولے فضا اور ماحول پر چپا ہوا جھوٹوٹے لگا... وہ بھی مومنہ ہی کے دم قدم سے... ورنہ کاظمی صاحب اور جہاں آرا کی تو اس بار کی بیٹے کی بددائی نے کمر ہی توڑ دی تھی...

حالات مومنہ کی زندگی، ذمیر کے جانے سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی تھی... پھر سب سے زیادہ سبر اور حوصلے کا مظاہرہ بھی اسی نے کیا تھا... جہاں آرا سدا کی سرود کی مرثیہ تھیں... جب شروع ہوتا تو دودھ، تین تین دن تک ہوتا رہتا... پھر ماں تو طوالت ہی کھڑا گیا...

اس حالت میں انہوں نے گھریا کر کیا سنا تھا... سارا سامان سر باز سے پڑی رہتیں... تب... مومنہ نے اسی گھر کی بہو کے مائے ساری ذمہ داری، سارے گھر کی نگہبانی خود ہی نبھانی لی...

بہو کی شکوائی... کھانا پانی... میز پر لگا... اک اک کو اصرار کر کے کھانا کھلاتی... کاظمی صاحب چائے کے بڑے عادی تھے... ہر دو تین گھنٹے بعد ان کے رٹا بکے ہی پیانی بنا کر، جہاں آرا کے پاس رکھتی...

گھر کرنے لگیں... ”اس نے کوئی ہماری پسند کو پسند کر لینا ہے جیلا...؟ نہ جی نہ۔
تو یہ...؟

مومنہ جیسی ہمدرد و مخلص ہستی دکھ سننے کو موجود تھی... وہ سناتی
چلی گئیں...

”اصل میں تمہیں ہم نے اسی کے لئے منتخب کیا تھا پہلے پہل... یاد ہے
گلشن نے تمہیں اپنے گھر بند کر دیا تھا...؟ اسی فیٹ کو دکھانے کی خاطر
اور یہ ایسا کمینہ ہے، گھر سے ہی غائب ہو گیا تھا اس دن... بہت روٹی
تھی بہن... یاد ہے نا...؟“

وہ خشکین نظروں سے عمیرہ کو دیکھنے لگیں... مومنہ چپ سی ہو گئی تھی۔
”اُمّی جی! یہ بھلا کوئی کرنے والی بات ہے...؟“

عمیرہ زردہ زردہ مومنہ سالانہ کو کھانے کی کوشش میں اشارے بھی کر
رہا تھا اور چہرہ نظروں سے مومنہ کو بھی دیکھ رہا تھا...

اُمّی بھی عجیب سی تھیں... بعض وقت کسی خواب پر زور لیں کر دیتی تھیں۔
اب نہ وہ بات کرنے کے قابل نہ تھی اور نہ ہی عمیرہ...

”کرنے والی بات کیوں نہیں... مومنہ اب اس گھر کا ایک اہم فرد ہے۔
سب کی طبیعتیں امرا جوں کا اب اسے علم ہونا چاہیے... ہاں تو بیٹی...“

وہ پھر اس سے مخاطب ہو گئیں... ”یہ سن کا بڑا کمزور ہے... عرف
اپنی مرضی کرنے والا... دوسرے کی بھلائی نہیں سوچے گا کبھی... بے حس۔

ہیں ایسی...“

ساتھ ساتھ مومنہ کے لئے بھی دعائیں بہک بہک اٹھیں...

”اور تمہیں شاد دوا باد... سدا خوش و خرم...“
”ہاں... بڑا جی مکانی ہے ہماری بیٹی... کاظمی صاحب اس کی سرکراٹیں
بکھرتے چہرے کو بڑی محبت سے دیکھتے...“

”اس کے جانے کے بعد ہمارا گھر اُجاڑ بیابان ہو جائے گا...؟ اس
دن جہاں آرا مومنہ کے لئے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئیں تو بے اختیار
کہہ اُٹھیں...

”نہ نہ... ایسے نہ کہیے... عمو کی دہن آ جائے گی تو میں جاؤں گی۔
خدا نہ کرے یہ گھر اُجاڑ بیابان ہو...؟ اس گھر کے لئے اتنا مخلص وہ دل
میں رکھتی تھی...“

”یہ عمو کسی قابل تھی تو ہو... تب اس کے لئے کوئی روکی تلاش کریں...؟
”کیا کی ہے ان میں اُمّی جی...! اگر آپ حکم کریں تو... دیو رانی ختوب
کروں...؟ نوٹ کیاں بہت...“

”ارے میرا حکم یہ کب مانے گا... یہ زیر پر نہیں ہے...؟ سر ہیکے نے
بیٹھے، چائے پیئے غمبر کی طرف انہوں نے آنکھوں کے گوشوں سے دیکھا...
”وہ میرا بھانجی والا بیٹا نہیں چاہتا تھا، تب بھی راضی ہو گیا...“

بہن جی عمیرہ کی دیکھی ہوئی تھیں۔ پھر بھی کوئی چوں چوں نہیں کی...
جہاں آرا نے اک غویل سی ٹھنڈی آہ بھری... پھر ایک نظر عمیرہ پر ڈالی۔
”ہر اس نے کبھی کبھو ٹھنڈا نہ کیا...“ وہ مومنہ کے سامنے بیٹھے گا

”اُمّی جی! اب تو ان کی طبیعت ایسی نہیں گنتی... آپ کے بتانے سے بہت مختلف ہے...“

عمر کی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مومنہ نے جلدی سے کہا... اس کی بچاؤ کی اور اس کی خرمندگی کو بھانپ گئی تھی... وہ چپکے چپکے سر جھکا کر مٹیانی پر سے پیسے کے خطرے صاف کر رہا تھا...

”تمہارے سامنے جو کتنی بچی! تمہاری وجہ سے... جھجک جاتا ہے تم سے ابھی... بس ذرا بے تکلفی ہووے... سارے حجاب وغیرہ ختم ہو گئے تو کھل کر سامنے آ جانے کا اس کا باطن... پھر ایک وفد کا واقعہ ہے...“

جانتے کو نہ قصہ سنانے لگی تھیں... طبر پالے کی بیابان اسی طرح چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا... پہلے ہی خرمندگی کے درے پانی پانی ہو رہا تھا۔ مومنہ سے نظر ملنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا... کہن سوچتی ہو گی وہ... اس نے اسے روک دیا تھا... اب اس بھولی کو غبارہ بھی تو ساری خمر چھینکے گا...

کسی کو کیا پتہ... کیا بیت رہی تھی اس پر...

”میں جاتا ہوں اور آپ بہو سے کوئی ٹکڑہ کر کے انجی طرح دلی ہلکا کر لیں؟ ہم درویش کے ٹکڑے سے ہمیشہ ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھا...“

”دیکھ لو اس کے کرتوت... اس کے یوں اُٹھ کر پہلے جانے کو جہاں آ کرانے بدتمیزی پر مہمولی کیا...“

”لاؤ کرتے ہیں آپ سے...“ مومنہ فضا کو خرمندہ کر کے کی خاطر زور سے ہنس دی... ٹن ٹن ٹن... کئی نفرتی گھنٹیاں بج گئیں...

اس کا فقرہ غیر سن نہیں سکا تھا... البتہ ہنسی کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھنے لگا... وہ ہنسی ہوئی بے صدا چلی گئی تھی، دروازے میں کھڑا کتنی ہی دیر تک وہ گروں گھماٹے اسے کھتا رہا...

”کیا بات ہے؟ کوئی کام ہے...؟“ جہاں آ کر اسی کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے پوچھا...

”جی... ہاں... ہاں...“ وہ چونک کر، شجک کر سہلانے لگا۔ کیسی چوری پچوڑی گئی تھی... ایک بار پھر نہارت کے بیسیوں میں بھیک گیا... آج کا دن ہی کچھ اچھا نہیں چل رہا تھا...

”پوچھنا تھا۔ بھائی جان کا کوئی خط آیا...؟“

”ارے کیا یاد دلایا... یہ تو میں بلکہ تم سے خود کہنا چاہ رہی تھی۔ آج ذرا پرسٹ آؤں تو جانا... سوائے اس خیریت سے پہنچنے والے ٹینگرام کے اور کوئی خط ہی نہیں آیا...“ چندرہ دن ہو گئے ہوں گے اُسے گئے ہوں گے۔ کیوں مومنہ...“

”جی ہاں... آج سترہ دن ہو گئے... اس نے انگلیوں پہ دن گن رکھے تھے... غیر کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹ گیا... ثابت تو پہلے ہی نہیں تھا۔ روز ہی ٹوٹا تھا... بکھرتا تھا...“

”ہاں سترہ دن... اور کسی کے نام نہیں تو بیوی کے نام خط آہی جانا چاہیے تھا... ایک منٹ کو اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا کرتا تھا... ختم کرتا تھا اس سے...“

جہاں آسا بڑی دیر بڑ بڑاتی رہیں... وہ اگر صبر جو صلے والی تھی تو زبیر کو بھی انصاف والا ہونا چاہیئے تھا... اس کی خدمت گزاروں اور بیٹی بیٹی طبیعت سے وہ کچھ اور بھی پریشان ہو جائیں...

بظاہر کچھ اظہار نہیں کر رہا تھا مگر زبیر کے اس خط نہ لکھنے والے نسل سے مضطرب و متفکر امیر بھی تھا... کہ مومنہ کی طرف سے بھی شرمساری تھی۔ زبیر اس کا بھائی تھا اور وہ بیوی کی طرف سے لاپرواہی جیسی قبیح حرکت کا مرتکب ہو رہا تھا...

اس نے کئی بار چاہا مومنہ سے اس بارے میں گفتگو کرے... اسے زبیر کا خط تو لاکر نہیں دے سکتا تھا... ہمدردی اور تسلی کے چند پھول پیش کر کے اس کے دل میں جھجک پریشانی کے کچھ کانٹے نکال تو سکتا تھا...

لیکن معاملہ صبر و صبر ہی پیش آ جاتا تھا... جو بہن وہ سلسلے آتی۔ اس کی زبان تو تگ بگ بولی کھو بیٹھتی... یوں وہ اس کا سامنا کرنے سے بھی گھبراتا تھا اور بات کرنے سے بھی۔ لہذا چاہئے، کھانے کے اوقات کے علاوہ وہ بہت کم اس کے سامنے جاتا... بلکہ احتراز کرتا... پوری کوشش کے ساتھ۔ باوجود اس کے کہ وہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی... جب سے مومنہ نے اس گھر کا نظم و نسق سنبھالا تھا اس کے تو حالات ہی مختلف ہو گئے تھے۔ اس کا کمرہ بھی گندہ، بے ترتیب نہیں ہوتا تھا۔ بستر ہمیشہ صاف ستھرا اسے ملتا... ہر چیز نکلنے پر ہوتی... مینڈکریاں گرد و غبار سے پاک نظر آتیں...

مومنہ نے جھینپتے ہوئے سر جھکا لیا... اور بلا ضرورت ہی سامنے بڑی خالی پیرائی میں پیچھے ہٹانے لگی...

”خدا فریب رکھے... جانے کیا ہو گیا...؟“ وہ اپنا سٹ آفس سے پتہ تو کرنا... یہیں کوئی ڈاک میں گھڑبڑ نہ ہو گئی ہو...

اس کے بعد بھی بہت دن گزر گئے... پر زبیر کا خط نہیں آیا... سارے ہی گھروالے پریشان ہونے لگے۔ کالونی صاحب اور جہاں آرا تو دلتا دلتا زبان سے، الفاظ سے بھی ٹھک کر ماری کو لیتے تھے۔ مگر مومنہ کچھ ایسی صبر والی تھی کہ کبھی اشارہ نہ کرتی تھی کچھ نہیں کہتی تھی...

بس چپ چاپ سب کی خدمتوں میں لگی رہتی... زبیر کی لاپرواہی یا خط نہ لکھنے کی سسکتی کی بات ہوتی تو اس کی طرف سے صفائی ہی پیش کرتی، تاہم کہ ماں باپ مزید پریشان نہ ہوں...

”کوئی بات نہیں اتنی جی! میرے ہی کاغذات کی تیاری میں مصروف ہوں گے... ساتھ ملازمت میں اتنی کھن... جب بھی وقت ملا، کھ دیں گے خط...“

”وقت ملنے کی کیا بات ہے... اسے وقت نکالنا چاہیئے تھا... تم اس کی بیوی ہو... تمہارے حق حقوق ہیں اس پر... اکیلی کو چھوڑ گیا اور جا کر پتہ تک نہیں کیا کہ کس حال میں ہو...“

”میں بیرون میں تو نہیں بیٹھی ہوتی... بیٹوں میں ہوں... اور اچھے حال میں ہوں... خوش ہوں بہت...“

اس دن جب فکر پریشانی اور بے تراری سے بے حال سا ہو گیا تو ماں کے پاس جا بیٹھا... اکیلے تھیں... ورنہ مومنہ کے ہونے ہوئے کبھی اکیلے نظر نہیں آئی تھیں...

”وہ... وہ... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کہہ کے بات کرے۔ آج تک اس نے اسے مخاطب ہی نہیں کیا تھا...”

تنہائیوں میں اس سے جب ہر کلام ہوتا یا جو اس کے ساتھ اس کی کوئی بات کرتا تو قریبی کہہ کر ہی کرتا... بجا بھی کہنے کا تو حوصلہ بڑی نہیں رہا تھا... اور... یوں... وہ درد کبھی موقع ہی نہیں آیا... اگر آئی بھی تو، بڑی صفائی اور سہولت سے بچ نکلا...

ابھی تک ماضی کی اس دل کی داستان کو بھلا نہیں سکا تھا... اور اس کے ساتھ اس داستان میں اپنا جو ناظر جوڑا تھا، وہ بھی توڑ نہیں سکا تھا... ہزارہ کو مشنوں کے باوجود...

”وہ... وہ اتنی جی...“

”وہ... وہ کسے جا رہے ہو... کیا ہو گی...“ جہاں آرا انتظار کر کے کھینچا سی بڑی... ”دماغ تو درست ہے...؟“

”وہ بھائی جان کی بیگم... نظر نہیں آئیں... کیا بات ہے... کام بھی آپ سارے کرتی ہیں... بس...؟“ بہو بیٹے کا چاؤ ختم ہو گیا... ”بگلا! چاؤ کیا ہوا... یہ تو اب ایک حقیقت مسلمہ ہے... وہ بہو ہے اس گھر کی اور انشاء اللہ سدا رہے گی...“ جہاں آرا نے

کپڑا کوئی میلہ کمرے میں نہ رہتا... دھیلے دھلائے استری شدہ الماری میں یا ہینگروں پر لٹکے ہوئے ملتے...

اسے گھٹا جیسے ایک دم ہی اس کی تدر و قیمت بڑھ گئی تھی... بڑی آسودگی اور سکون سا محسوس ہوتا... مومنہ کے وجود سے ہی یہ سب تھا... بڑ... وہ پھر بھی سچی الامکان اس کے سامنے جانے سے گریز کرتا تھا۔

پھر کیا ایک پتہ نہیں کیا ہوا... اک نظر دیکھنے کے لئے ہر دلت اس کی نظر میں مڑتی ہی رہتی تھیں اور وہ اس کا سامنا کرنے سے کتراتا بھی رہتا تھا... اور ہر آنکھ مجھلی کا کیمبل یا رنل ہی بند ہو گیا... وہ چورن چھپے والی بھی، اک نظر کی بیاں دیدہ بھینے سے بھی محروم ہو گی...

بہن چار دنوں سے وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی... کچن میں جی اکثر جہاں آرا ہی نظر آتیں... کھانے کی میز پر سے بھی وہ غائب ہوتی... اور... غیر بول بھی مڑ پ مڑ پ اٹھتا۔

دو بہن بار کپڑے بدلنے لگا تو دیکھا پچھلے اتار سے ہوئے اسی طرح بیٹے پڑے تھے... کمرے کی بھی چیل بکھری ہوئی چیزوں کو ترتیب سے نہیں دکھا گیا تھا... میز کرسیوں اور بنگلے کی بیک برگرڈ کا تہہ ہم گئی تھی...

وہ نظر نہیں آ رہی تھی تو دل میں بے تراریاں اتر آئی تھیں... کسی کی چین نہیں آ رہا تھا... کمرے کی حالت دیکھی تو من پر پریشانی نے ڈیرا جھانپا...

کے بھی اخراجات تھے۔۔

انہیں سوچوں میں گم وہ گیسٹ سے باہر نکلا تو سامنے کھڑے ڈاکٹے پر نظر جا پڑی۔۔ اس کے ہاتھ میں امریکہ کی اسٹیمپس والا لفافہ تھا۔ دوسرے ہی پہچان لیا۔۔

”وہ مارا۔۔۔“ خوشی کے مار سے صبح ہی پڑتا اگر یہ احساس نہ ہو جاتا کہ وہ گھر سے باہر کھڑا تھا اور لوگ آ جا رہے تھے۔۔

”یہ رجسٹرڈ لیٹر ہے۔۔ آپ کے نام۔۔“ ڈاکٹے نے اک بھاری سا لفافہ عمیرہ کی طرف بڑھایا۔۔

”میرے نام۔۔۔“ لفافہ تھا مٹے ہوئے وہ قدر سے حیرت سے بڑھ ایا۔۔۔ ”یونٹ کے نام کیوں نہیں؟“

”بس اک یہی ہے۔۔۔“ پھر پوچھا۔۔۔

”جی ہاں۔۔۔“

”باقی ڈاک دیکھو۔۔ شاید کوئی اور ہو۔۔۔ بیگم زبیر کے نام۔۔ یا یونٹ زبیر کے نام۔۔۔ یا۔۔۔“

”بس جی ہاں ہے۔۔۔“ ڈاکہ عجلت سے بولا۔۔۔ دستخط کر دیں جلدی سے۔۔ ابھی بہت ڈاک تقیم کرنی ہے۔۔

دستخط کر کے عمیرہ رجسٹرڈ خط ہاتھوں میں گھماتا ہوا، اور پر نیچے دیکھتا ہوا واپس آ گیا۔۔ جس کام کے لئے جا رہا تھا۔ فی الحال وہ ملوثی کر دیا۔۔

گھر۔ کہ عمیرہ کو دیکھا۔۔

”اس کی طرف سے کبھی کوئی بدگمانی دل میں نہ لانا۔۔۔ وہ ایک مثالی لڑکی ہے۔۔“

”مگر وہ مثالی لڑکی آجکل دکھائی نہیں دے رہی۔۔“

”اس کی طبیعت غراب ہے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔“ جلدی میں تھا۔۔۔ مزید پہچان میں نہیں کی۔۔

جی کو تھی سی ہو گئی کہ زبیر کا خط نہ آنے کی وجہ سے پریشانی کے ماحولے سرد و دبا ہوا رہتا، دینے نہ ہو گئی ہوگی۔۔۔ ورنہ معاملہ زیادہ بگڑا ہوتا تو انی ضرور بات کر سیں۔۔

”سب وہ مطمئن سا ہونے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔۔۔ ذہن البتہ سوچوں میں الجھ کر رہ گیا۔۔۔“

”بہت بُرا کیا بھائی جان نے۔۔ بہت بُرا کیا۔۔ کیا انہیں ٹیگراں

دول۔۔۔“

لیکن وہاں ٹیگراں دینے سے پیسے بہت لگتے تھے۔۔ اور آجکل اس کی عیب بالکل خالی تھی۔۔۔ وہ لوگوں کی روش کو رہا تھا پر وہ رقم خرچے میں لگنا دیتا تھا۔۔ زبیر کی مہربانیوں سے۔۔ خرچے سے بھی تو مال مال تھا۔۔

اس کے علاوہ ناں سے مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑا۔۔۔ زبیر جانتے ہوئے گھر میں بھی اک پیسہ نہیں دے کر گیا تھا۔۔۔ اور اب اکی پوی

سکین گی... دل کی ہر بات اس سے کرتی تھیں... ٹکڑے کی ہو، پریشانی کی ہو۔ سارے بوجھ اس پر ڈال دیئے ہوئے تھے۔ مگر یہ بوجھ... یہ بہت جباری تھا... مومن کی برداشت سے کہیں زیادہ...

”بھائی جان! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا... بہت نادانوں والی حرکت کی ہے... رشتوں کو بچانا بھی ایک نیکی کا کام ہوتا ہے... آپ نے کبھی بھی یہ نیکی حاصل نہ کی...“

سوچتے سوچتے ہی اس نے لفافہ چاک کیا... اور پھر... لفافے میں سے جو کچھ نکلا، اس نے اس کی آنکھوں میں روشنی نہ رہنے دی۔ لٹاؤنگوں سے کھڑا ہونے کی قوت سلب کر لی... اور جسم سے جان نکال لی۔ کوئی بھی تو جس کام کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی... کسی نابینا کی طرح ٹھوٹتے ہوئے بے جان جسم اور لڑکھائی ٹانگوں کو گھسیٹ گھسات وہ بڑی مشکل سے بیڈ تک پہنچا۔ اور پھر آدھا دھڑ اوپر، آدھا نیچے، دھڑام سے اس پر گر پڑا...

ایک ساعت تھی، ایک گھڑی تھی، ایک سال تھا، ایک صدی تھی! یا پھر ہزار صدیاں تھیں... جانے کتنی دیر تک وہ پڑا رہا تھا... لے کچھ معلوم نہ تھا...

بس دماغ میں صرف وہ کاغذ گھوم رہا تھا جو لفافے میں سے نکلا تھا، وہ مومن کے لئے طلاق نامہ تھا... مذہب کی طرف سے...

ذہن بری طرح الجھ گیا... اس کے نام خط کیوں آیا تھا...؟ مومن کے نام کیوں نہیں آیا تھا...؟ اور حیرت یہ تھی کہ وہ رجسٹرڈ تھا... آنا بھاری سنا...

وہ ہاتھوں میں تولی تول کر حیران سا ہو رہا تھا... سوچوں کی نڈ میں بہتا بہتا سیدھا مومن کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے چلا گیا... یہ خوشخبری سب سے پہلے سننے کی وہ حقدار تھی کہ زیرِ کاغذ آگیا تھا۔ مگر... اچانک پھر ایڈریس پر نظر جا پڑی... یہ تو اس کے نام تھا... وہ اس کے کمرے کے دروازے تک ہی ابھی پہنچا تھا... بینڈل پر ہاتھ رکھا... جلدی سے واپس کھینچ لیا...

اس کے نام نہیں تھا۔ کتنا مدد پہنچے گا۔ کس قدر دکھ، نوگی۔ پہلے ہی بیمار پڑی تھی۔ مزید روگ لگ جائے گا... کوئی اور... اور وہ اس کا شیر خواہ تھا... بھلا چاہنے والا تھا... اسے ندرت خوش دیکھنا چاہتا تھا...

عمر نے اک جھٹکے سے بینڈل پر سے ہاتھ اٹھایا اور واپس مڑ گیا... کچن میں سے جہاں آرائے دیکھ کر آواز دے لی... ”کس کا خط ہے عمو... ذہیر کا...؟“

”جی... جی... نہیں... میرے اک دوست کا...“ اور وہ لفافہ پیچھے چھپاتا ہوا جلدی سے اپنے کمرے میں جا گھسا... ماں سے بھی چھپنے کی ضرورت تھی... انہیں معلوم ہو گیا تو وہ مومن کو بٹائے بغیر نہ رہ

میرے دو بچے بھی ہیں... ایک لڑکا اور ایک لڑکی... بچوں سے مجھے بہت پیار ہے اور میری سے بھی انتہائی محبت کرتا ہوں... میری گھرینو زندگی سرور اور پُر سکون ہے... اور میں اس میں کوئی انتشار پیدا نہیں کرنا چاہتا...

مومنہ کے ساتھ شادی میں نے ارادہ نہیں کیا تھا... وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا... چونکہ آپ سب کو میری شادی کا علم نہیں تھا اس لیے میرے جانتے ہی شادی کا سوال اٹھا... میں نے انکار کیا... ایک بار نہیں کئی بار کیا... یہ غلطی مجھ سے ضرور ہوئی کہ میں نے شادی سے بار بار انکار کرنے کی اصل وجہ نہیں بتائی... ورنہ شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا... بہر حال مجھے نہ کوئی افسوس ہے، نہ پکھتاوا... مومنہ بڑی اچھی لڑکی ہے اور میں نے ایک اچھی لڑکی کے ساتھ زندگی کا کچھ وقت بڑا پر لطف گزارا ہے... جائزہ طریقے سے...

جہاں امریکہ میں ہوتا... ایسی لڑکی دیکھتا تو اسے گرل فرینڈ بنالیا۔ وہ اس قابل تھی... بہت حسین... بہت چارمگ... دلوں کو ٹوٹا لینے والی... پھر میں اس کے ساتھ ایک دورست کے ناطے وقت گزارا۔ میرا تفریح کرتا... دوا چارہ چھو بیٹھے... جتنی دیر یہ فرینڈ شپ تھیں... اور پھر... ہم علیحدہ ہو جاتے...

جہاں کا معاشرہ اس میں کوئی بُرائی نہیں سمجھتا... گھر وہاں... ایسی دوستی کا نہ اتنا معاشرہ اجازت دیتا اور نہ مذہب... تب میں نے

ساری قانونی تحقیق پوری کی ہوئی تھیں... کوئی بھی نقطہ ایسا نہ چھوڑا تھا کہ یہ شادی پھر بحال ہو سکتی...

"اے خدا یا! یہ کیا ہو گیا...؟" بڑی دیر بعد آؤت ذہن میں کچھ سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی...

"طلاق نامے کے ساتھ ایک خط بھی تھا... غیر اٹھ کر بیٹھ گیا... گھر سے ہونے لگا تھا کہ اس نے وہ خط کھولا..."

ابھی بھی کچھ اچھی طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا... الفاظ نظروں کے سامنے کانٹے سیاہ دھبوں کی صورت میں ناچ رہے تھے... دوسری بار آنکھیں میس... پھر ذہن کو پوری توجہ سے خط کے مضمون کی طرف مرکوز کر دیا... وہ غیر کے نام تھا...

"یہ ظلم میرے ہی ذریعے کیوں...؟ کیوں بھائی جان...؟" وہ بڑ بڑایا...

سلام دعا اور خیر نصرت دریافت کرنے کے بعد اس نے کھٹا تھا۔ یہ طلاق نامہ دے کر مومنہ کو اس کے میکے پہنچا دینا... رہی حق ہر کی رقم کی ادائیگی... تو وہ اگر معاف کر دے تو اس کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ورنہ پھر میرے صدمے کی جو جائداد ہے اس میں سے ادا کر دیا جائے۔

اب تم سب گھروالوں کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھارے گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا... اس کا انتہائی معقول جواب یہ ہے کہ...

"پانچ سال پہلے یہاں ایک عیسائی عورت سے میری شادی ہو چکی ہے۔"

طلاق نامہ دیکھ کر میرے جسم سے جان نکل گئی تھی۔۔۔ ہنسنے بیٹنے کی
مکت نہ رہی تھی۔۔۔ بولنے سننے کی طاقت منقود ہو گئی تھی۔۔۔ دیکھنے کے لئے
آنکھوں میں روشنی نہ رہی تھی۔۔۔
گلو۔۔۔ جب خطر بڑھا تو۔۔۔ اس کے اندر بے شمار توتیں آن اٹھیں۔۔۔
غصے کا لاوا اُبلنے لگا۔۔۔ سر سے پاؤں تک جیسے وہ شعلوں کی پیپ میں
اُگیا تھا۔۔۔

اس وقت زیر کہیں سامنے ہوتا تو وہ اسے سٹھی میں لے کر مسل
ڈالتا۔۔۔ وہ اسے اندر کی آگ سے چھوٹک ڈالتا۔۔۔ وہ اس کا خون کر
دیتا۔۔۔ سگا بھائی ہونے کے باوجود اذرا لحاظ نہ کرتا۔۔۔

اس نے انسانیت کا خون کیا تھا۔۔۔ اتنی بے دردی سے۔۔۔ ایک
عورت کی عزت، حرمت اور پاکیزگی کو طواغیت جیسا روپ دے ڈالا
تھا۔۔۔ اک کھلونا سمجھا تھا اسے۔۔۔ جب تک جی چاہا کھیلا اور بچر۔۔۔

یہ کیا کیا تھا اس نے؟ یہ کیا کیا تھا۔۔۔؟
گٹھیاں بیچتے بیچ کر وہ اپنی پیشانی پر مار رہا تھا۔۔۔ کاش! کسے پہلے
معلوم ہو جاتا۔۔۔ یہاں ایسی فطرت کا مالک تھا۔۔۔ اس مکہ نے اسے ایسا
بے درد اور کم ظرف انسان بنا ڈالا تھا تو۔۔۔ وہ یہ سب ہونے ہی نہ دیتا۔۔۔

وہ اس درد نہ کے کو گھر میں گھسنے ہی نہ دیتا۔۔۔ وہ مومنہ جی معصوم اور
مقدس لڑکی کو اس بیڑیے کے چنگل میں پھنسنے ہی نہ دیتا۔۔۔
ٹوک تھا۔۔۔ حد مر تھا۔۔۔ بچتا تو اسے تھے۔۔۔ اندر اک آگ لگی تھی۔۔۔

اپنی بند باقی جھوک مٹانے اور پسندیدہ لڑکی سے تعلقات برحاصلے کی خواہش
کو شادی کی آڑ لے کر پورا کر لیا۔۔۔

جہاں کے قانون کے مطابق میں بیک وقت دو بیویاں نہیں رکھ سکتا۔
دیے جن میں ذاتی طور پر سگے ہیں بیویوں کی مالا پہننا پسند نہیں کرتا۔۔۔
جو حور ت پسند آئی، اس سے چند روزہ ملا جلا، سیر و تفریح کی، انجوائے
کیا اور بس۔۔۔ پھر دونوں کے راستے علیحدہ۔۔۔ میری بھی طبیعت ہے
اور یہی فطرت۔۔۔

مومنہ کو عطا کی دے کر میں اسے آزاد کر رہا ہوں۔۔۔ وہ کہتے تک
میرے نام کے ساتھ بیٹھی رہے گی۔۔۔ میٹر دوبارہ پاکستان ہونے کا کوئی
ارادہ نہیں۔۔۔ اس لئے بہتر ہوگا وہ کہیں اور شادی کر کے اپنا گھر لے لے۔
اور اب۔۔۔ یہ ذمہ داری نہیں سونپ رہا ہوں۔۔۔ تم کوئی مناسب
موقع دیکھ کر مانا اور ڈیڑی کو سب کچھ بتا دینا۔۔۔ کچھ اس انداز میں کہ
انہیں میری مجبوری کا احساس ہو جائے۔۔۔ پوری طرح۔۔۔ اور میرے
اس فعل کا ذکر نہ پہنچے۔۔۔ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔۔۔ شاید ہر وارثت
نہ کر سکیں۔۔۔ پرانی قدروں کو جاننے مانتے والے نئی قدروں اور انسانی
آزادی کو کیا جانیں۔۔۔

تمہاری بیٹی اور بیٹیجا بڑے پیار سے پٹتے ہیں۔۔۔ کسی وقت سب کی
تصویریں تمہیں بھیجوں گا۔۔۔ تمہارا
نہ میر

اسٹنڈنٹ تھا... اتنی لا چاری تھی...

کسی طرح یہ ہمیں باپ اور مومن پر گراؤنے گا... وہ اپنے ہاتھوں...
جران سب سے محبت کرتا تھا... ان کے لئے اپنی جان دے سکتا تھا۔
ادب...

یہ خبر نہ کہہ... ان کی جائیں لے گا... انہیں تینا متوں اور طوفانوں
کے سامنے کھڑا کر دے گا...

خاندان، ہر ادبی، ملے بھر میں کیسے کیسے ان کی بدنامی اور رسوائی
ہوگی... ایسی ذلتوں کے سپرد انہیں کر دے گا... وہ جو ماں باپ کے علاوہ
مومن کا بھی عہد چاہتا تھا۔ اسے سدا خوش اور سکھ میں دیکھنے کا خواہاں تھا۔
وہ خود ہی اسے دکھ اور صدمے کی گہری کھاٹی میں دھکا دے دیگا۔

”مائے بھائی جان! یہ آپ نے کیا کیا... یہ ہماری جتنا بوجھ میرے
کدموں پر رکھ دیا... اس سے اچھا تھا آپ جاسے ہوئے اک زہر
کی پڑیا میرے صوفی بن اندر ل جاتے... سب کو دے جاتے... سب کو...
ہم سب بھڑک جاتے... آسنے والے وقت کی رسوائی اور بدنامی سے اور
بے عزتی سے اور دکھ سے...“

”بھئی بھئی... پھر بیچو گی... لکھ لکھ اندر کا اضطراب بڑھتا جا رہا
تھا... سوچوں نے پاگل کیا ہوا تھا... کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔“

دریغی پہلے ہی بیمار ہے... بھائی جان کی لا پرواہیوں نے ہی اسے
بہتر پروا سے... اور اتنی جی اور اتنی جی... بڑھاپا اور بھڑپا اور زہر کے

مومن کے درمیں مل رہا تھا...

زیر اس گھر کا بیٹا نہیں تھا... اک چونک تھی... مسلسل خون چرنے
والی چونک... جو انہیں چھٹی ہوئی تھی... خون جو سے جا رہی تھی... آٹھ
برس سے... نہیں... اٹھائیس برس سے... پیدا ہونے سے لے کر اب تک۔
کسی کس طرح نہیں اس نے اس خاندان کا خون چوسا تھا... اور پھر
آخر میں... عزت بھی چوس ڈالی...

اس وقت جذبات میں آکر پچاس ہزار حق مہر لکھ رہا تھا ادب۔
بائی جائیداد کی راہ گئی تھی جس کے حصے میں سے وہ حق مہر کی ادائیگی کرنے
کو کہہ رہا تھا...

”کیسے... ذلیل... شیطانی...“

بڑا بھائی ہونے والا نا طر ٹوٹ چکا تھا... وہ تو اب عیبر کی نظر میں
صرف اک لٹیرا تھا... ڈاکو تھا... جو کہ ان کی عزت، پیر، اعتماد، مان
ہر دے... اور سب رشتے داریاں ٹوٹ کر لے گیا تھا...

کسی طور قرار نہیں آ رہا تھا... مٹھیاں بھٹی ہوئی تھیں... آنکھیں سرخ
انگاہ ہو رہی تھیں... دانتوں پر دانت جھائے وہ آٹھ کر کرے میں
چلنے لگا...

مذہب، ایک بار میرے ہاتھ لگ جاؤ...

مجوری اور بے بسی کے مارے درد دیوار سے سرکھانے کو جی چاہ رہا
تھا... مومن کا بدلہ نہیں لے سکتا تھا تو اپنا سر تو پھوڑ سکتا تھا...

تیکے میں چہرہ چھپا کر عمر لاؤ دھا لیٹ گیا... یہ خبر سب کو سنانے سے پہلے، یہ ذمہ داری جو اسے سونپی گئی تھی، نبھانے سے پہلے، میرے مرنے والی تجھے موت دے دے..."

موت کی دعا مانگ رہا تھا... پر... موت آ بھی جاتی تو... جو بچن اس لڑکے خرمین پر ٹوٹ پڑی تھی... اس نے تو جلا کر رکھ کر ہی دینا تھا سب کو... اس کی موت کچھ بھی بچا نہیں سکتی تھی...
"عمو! عمو...! اُجھال آ کر اوروں سے دھڑ دھڑا رہی تھیں اور ساتھ سے پکار رہی تھیں۔

"عمو... ان کی آواز اور بچے کی ہی پریشانی جیسا تھی...
عمر جلدی سے اٹھا... گھبرا کر بھاگا... مگر... دروازے سے کھدکھداتے ہوئے
اس کی نظر اچھٹ میں پکڑے اس ایٹم بم پر جا پڑی... طلاق نامہ صادر خط...
ان پریشان ہستیوں پر اب کی گرائے گا... یہ دقت نہیں تھا... پہلے جا کر
ان کی اس پریشانی جبری تیج دیکھ کر وہ جھڑک کر رہے۔

عمر نے پلٹ کر جلدی سے میز کی دھار میں وہ لفافہ رکھ دیا... جانے
یا مشکل تھی... کسی زبردست پریشانی تھی... جہاں آ کر انے دیکھ رہے
سے بھی زیادہ دور زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا...

"عمو! کیا سوئے ہوئے ہو... ارے! دروازہ کھولو...
عمر دروازہ بند کر کے بھاگا... ہاتھ پاؤں کا نپ رہے تھے... کچھ اس
آج کی ڈاک کی وجہ سے اور کچھ مال کی اس غلبت بھری، پریشانی بھری

دیکھے ہوئے تھے... فرمیں کی صورت میں جھولیاں بھری ہوئیں... دوکھوں کی
انتہا تو ان کے پاس پہلے ہی تھی... نیم جان ہو چکے تھے... اب اور
کیا انہیں...

مگر نہ... جھ سے یہ دوکھ کا زہر ان کے گلے میں نہیں ٹپکایا جائے گا۔
وہ اس مدرسے کی تاب نہیں لائیں گے... مرجائیں گے دونوں... اسی
دقت... ہائے! کیا کروں...؟"

دماغ کی رگیں تنی ہوئی تھیں... غصے، غم اور جوش نے دلوانکی کی
حدود کے پاس لاکھڑا کر دیا تھا... اس وقت... وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔
کچھ بھی... سب کچھ نہیں...؟

پر... سامنے کبھی مومن کا چہرہ آ جاتا، کبھی ماں کا اور کبھی باپ کا۔
کیسے معصوم اور مقدس تھے... کتنے محبوب تھے اسے...

اور... ان تینوں کی خاطر اسے کوئی بھی قدم، اب سوچ بچ کر اٹھانا
تھا... غصے میں آنے یا جذباتی ہونے کا فائدہ نہ تھا...
بڑا تو حیوان بن گیا تھا... اور اب اسے انسانیت کو ہاتھ سے نہیں
چھوڑنا چاہیے تھا...

اس سوچ کے آتے ہی وہ بے بس سا ہو گیا تو... اسے رونا آنے
لگا... ماں باپ اور مومن کے دکھ پر...

وہ بیہوش جہاں اور سب کو گھومنے والی پاکیزہ سی لڑکی... زندگی کا
انسا بڑا کھاؤ کیسے برداشت کرے گی... کیسے...؟

حالت کو دیکھتے ہوئے ماں نے پوچھا... "یہ وقت تھا سونے کا اور وہ بھی اس طرح گھوڑے سے بیچ کر..."

"اوہو... وقت وغیرہ کو اس وقت چھوڑیے... یہ بتائیے ہوا کیا ہے...؟"

"مومنہ کی طبیعت بڑی سخت خراب ہے..."

"ڈاکٹر کو بلا لاؤں...؟" غیر پکا... "جواب دے بغیر..."

"نہیں نہیں...؟" جہاں آرا بہت بوکھلائی ہوئی تھیں... "غیر پکا کدھا تھا کیا..."

"سنو... ڈاکٹر کو نہیں بلانا..."

"کیوں...؟" غیر نے تعجب سے ماں کو دیکھا۔

"وہ... وہ... کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلا کر لاؤ..."

"بہتر..." وہ اسی حالت میں بھاگا... مومنہ کا معاملہ تھا... تاخیر تو کر

ہی نہیں سکتا تھا... البتہ راستے میں یہ خیال خروہ آیا...

"لیڈی ڈاکٹر ہی کیوں...؟" گھر سے صرف ایک فلائنگ کے فاصلے

پر ہی ڈاکٹر مسز باغی کا کلینک تھا... "اگر وہ نہ ملیں تو...؟" کسی اور

کا تو اسے پتہ بھی معلوم نہیں تھا... کہاں سے ڈھونڈنے کا... البتہ ڈاکٹر

خالد سے اس کے اچھے مراسم تھے... پر... آئی سے تو کہا تھا لیڈی ڈاکٹر

کو بلانا ہے..."

وہ سوچتا، اُلٹتا، پریشان ہوتا ڈاکٹر مسز باغی کے کلینک پر پہنچا۔

وہ موجود تھیں... خدا کا شکر ادا کیا...

تین چار مریضائیں بیٹھی تھیں... انہیں بھی دیکھنے نہیں دیا... "بلیز..."

پکارے... پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا...

جہاں آرا کی لڑکھوائی آواز نہ پھر اُٹھیری... معمولاً دروازہ کھولا...

مومنہ کی طبیعت بڑی خراب ہے..."

"میں کی طبیعت خراب ہے... خدا یا خیر... پروردگار رحم کر..."

دراز اسی طرح بند کر کے بھاگ آیا تھا... پھر خیال آیا... اس

کی طبیعت خراب تھی تو اسے تو زبیر کی اس ظالمانہ کڑوت کشاکش تک

نہیں ہونا چاہیے تھا...

"چائی کہاں ہے...؟" دراز کو لاک کر دے... "غیر طبیعت میں

ڈھونڈنے لگا... وہ مل نہیں رہی تھی تو اپنے آپ پر ہسی غصہ کرنے

لگا... یہ کیسی لاپرواہی تھی...

ساکو کے پچھلے تھیں زندگی بھی ڈھنگ سے گزارنا نہ آئی... نہ آنا

کسی کے کام... بلی بھاری ہے... بلی بھاری ہے... "وہ خود کو کس بنا تھا۔

بڑ بڑا رہا تھا... چائی ڈھونڈ رہا تھا..."

دوھر جہاں آرا دروازے پر دستک پہ دستک دیتے جا رہی تھیں۔

"شکر خدا یا...؟" پتہ نہیں کہاں سے؟ آخر چائی ہاتھ لگ ہی گئی۔

جلدی جلدی دروازہ مقفل کر کے، چائی حیدر میں ٹھونس دی اور بھاگ کر

دروازہ کھول دیا...

"کیا بات ہے؟" سو رہے تھے..."

اس کی سرخ آنکھوں، اس کے بے ترتیب بالوں، اس کی اجڑی پیروی

گھر پہنچتے ہی غیر متوجہ جمع کرمان کو بکارتے نکلا... ”اتی جی! ڈاکٹر صاحبہ آگئی ہیں...“ یوں لگ رہا تھا جیسے ساری تکلیف اسی پر سے گز رہی تھی۔ جہاں آرا مومنہ کے کمرے سے نکل آئیں... ”وہ کیسی ہے...؟“ سوال کر کے جواب ملے بنا وہ ڈاکٹر صاحبہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے مومنہ کے کمرے میں گھسا چلا گیا...

”اوسے ار سے...“ جہاں آرا نے جلدی سے اس کا کندھا تھام لیا۔ ”تم یہیں بٹھرو... چلیے ڈاکٹر صاحبہ...“ وہ حیران پریشان انتہائی متشکر وہیں کھڑا رہ گئی... ”اتی نے مجھے اندر جانے سے کیوں روکا...؟“

اک نظر مومنہ کو دیکھنے کے لئے اس کا دل بڑی طرح تڑپ رہا تھا... شاید اس کی طبیعت زیادہ خراب تھی... تبھی ماں نے اسے اندر نہیں جانے دیا تھا...

عجیب سے دوسرے دل میں آ رہے تھے اور وہ اک بےقراری کے ساتھ باہر چل رہا تھا... پورے وجود میں بے چینی تھی...

”گجراتی کی کوئی بات نہیں... ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے...“ ڈاکٹر صاحبہ جہاں آرا سے باتیں کرتے ہوئے مومنہ کے کمرے سے نکلیں تو غیر لپک کر ان کے پاس جا پہنچا...

”وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا... اس کی حیاں کو تو کوئی خطرہ نہیں نا...؟“ ”نہیں...“ ڈاکٹر صاحبہ ہنس پڑیں... ”گندہ بے دیور کو اپنی بھابی سے

ڈاکٹر! اک نرندگی کا معاملہ ہے... پہلے میرے ساتھ چلیں...“ ایسے لگ رہا تھا مومنہ کو کوئی چھینے لئے جا رہا تھا... اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا... ماں کی جو حالت تھی... اس سے تو معاملہ بہت ہی سیریس لگ رہا تھا... اور... اس کی جان پر یہی تھی... جیسے لٹ رہا تھا... تباہی کی غار کے دھانے پر کھڑا تھا...

عمیر کی آڑی ہوئی رنگت، عمیر کے بکھرے بال، عمیر کا بے ترتیب لباس اور بوکھلا ہوا انداز... ڈاکٹر صاحبہ بھی پریشان ہو گئیں... اپنی اسسٹنٹ کو ان مریضوں کو امینڈ کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے اور بہدری بھری نظروں سے عمیر کی نگاہیں ہوتے، اس کے ساتھ چل پڑیں...

عمیر سارا راستہ مومنہ کی باتیں کرتا رہا... ”اسے زائد رہنا چاہیے ڈاکٹر صاحبہ... اسے زائد رہنا چاہیے... وہ بڑی منفرد سی لڑکی ہے... بڑی اچھی... بڑی نیک... بہت دیکھی...“

”دیکھی...؟ کیا مطلب...؟“ ڈاکٹر صاحبہ نے پوچھ لیا... ”نہیں نہیں... بہرور دیکھا اسے کبھی ہی کبھی دے، خوشیاں ہی خوشیاں دے... میرا مقصد کچھ اور تھا... وہ بہت غصہ ہے...“

پتہ نہیں کیا کہنا چاہ رہا تھا اور کیا کیا کہے جا رہا تھا... مسرہاشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ اٹھی... اس حالت میں، اپنی بھابی کے لئے اس طرح پریشان ہونا ہوا یہ لڑکا انہیں اچھا بھی لگ رہا تھا... بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں... اس کے لئے بہدر دیاں ہی بہدر دیاں مہیا تھیں۔

بہت پیار ہے۔۔۔

اور غیر کہ اس وقت اس کا ہنسنا انتہائی بے تکلف تھا۔۔۔ بل جیوار
بڑی تھی اور وہ دیوار بھی کی محبتوں کے اندازے لگا رہی تھی۔ یہ وقت
تھا ایسی باتوں کا۔۔۔ اسے ڈاکٹر صاحبہ نے گھسے آنے لگا۔۔۔

”تم چچا بننے والے ہو۔۔۔ جہاں آ رہے اس کے متفقہ اور وائیل
اڑے چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔۔۔ ”اور فکر کی کوئی بات نہیں۔۔۔“
”دیپے بیزار مل کیس نہیں ہے۔“ ڈاکٹر صاحبہ نے جہاں آ را کو
وقت سے پہلے ہی مطلع کرنے کے لئے کہا۔۔۔

”کوئی پریشانی، کوئی فکر مریضہ کو لاحق ہے۔۔۔ آپ اسے دُور
کرنے کی کوشش کریں۔۔۔ اسے خوش رکھیں۔۔۔ ہر طرح اس کا دل
بہلا لیں۔۔۔ اس سے ابھی ابھی اور خوشگوار سی باتیں کریں۔۔۔ زندگی
کی۔۔۔ خوشیوں کی۔۔۔ وہ کچھ بالکل سنی نظر آتی ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہونا
چاہیئے۔۔۔ زچہ بچہ دونوں کے لئے یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔۔۔
دوڑوں کی جانوں کے سیلے۔۔۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ ڈاکٹر صاحبہ ایسا نہ کہیئے۔۔۔“

غیر چچے سا پرٹا۔۔۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر
تسلی دینے کے انداز میں پتھپتھایا۔۔۔

”میرا مطلب ہے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کرنی چاہئیں تو پھر کوئی
خطرہ نہیں۔۔۔ میں تو صرف آپ نے والے وقت سے آپ کو آگاہ کر رہی

ہوں۔۔۔ ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔ یس۔۔۔ انہیں خوش رکھیں۔۔۔

اور ابھی بہت ساری ہدایات دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحبہ نے اک
طویل و عریض سا نمونہ لکھ دیا۔۔۔

”یہ دو ماہانہ مریضہ کو باقاعدگی سے دینا ہوں گی۔۔۔ ذرا سی بھی
بلے پر وہ اسی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔۔۔“

غیر نے ڈاکٹر صاحبہ کے ہاتھ سے نمونہ لے لیا۔۔۔

”آج ہی سے۔۔۔ ابھی سے شروع کر دیں۔۔۔ خوراک کے لئے پھر
ناکید کر دیں ہوں۔۔۔ خیال رکھیں۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ بیگم کاظمی آپ نے بتایا
ہے ان کے شوہر امریکہ میں ہیں۔۔۔“

”جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ غیر نے زور زور سے تائید کی۔۔۔ کہیں
اس کے چہرے پر لکھا ہوا مومنہ کا طلاق نامہ کوئی پڑھ نہ لے۔ اس
کی نفی کھٹے، دل کے چور کی گردن دباؤ۔۔۔ ”وہ ان سے بڑی
محبت کرتے ہیں۔۔۔“

”بہتر ہے وہ اپنی بیوی کو جلد از جلد اپنے پاس بلا لیں۔ ایسے
وقت میں شوہر کا پاس موجود ہونا سب سے بڑا اطمینان کا ہوتا ہے۔
ان کی ہمدردی اور توجہ مریضہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔۔۔“
اس کا تو بہت دن ہو گئے خط بھی نہیں آیا۔۔۔ جہاں آ را
متردد سے پیچھے میں بے اختیار کہہ اٹھیں۔۔۔

”تو آپ انہیں ٹیلیگرام دے دیں۔۔۔ آج ہی۔۔۔ اور اگر وہ

فی الحال اپنی بیوی کو نہیں بوا سکتے تو خود چلے آئیں... ایسی بیماری، ایسی محبوب بیوی کے لئے تو شوہر سب کچھ کر سکتا ہے...
ڈاکٹر صاحبہ اور بھی بچانے کیا کیا کچھ کہتی رہیں... مگر عیبر میں اب مزید سنسنے کا یارا نہ تھا... گھومتے پھرتے پھر اٹھے سر کو تمام کمران کے نماز والے تخت پر جا بیٹھا...
نظروں کے سامنے مومنہ کا طلاق نامہ تھا اور ہاتھوں میں دواؤں کا نسخہ...

عیر ہاتھوں میں سر تھا سارے بیٹھا تھا... کیسی عجیب پوزیشن ہو گئی تھی اسکی... جیب میں بندرہ، بیس روپے سے زیادہ نہ تھے اور ہاتھ میں مومنہ کی دواؤں کا نسخہ تھا دیا گیا تھا۔

کچھ انجلیش تھے... کچھ گولیاں تھیں... کچھ کیپسول تھے... کم از کم دس سو روپیہ تو ذری طور پر ان دواؤں کے لئے چاہیے تھا... ڈاکٹر صاحبہ کی فیس علاحدہ... ماں باپ کے قرضے اور مجبوریاں بھی ہریشان کو رہی تھیں اور اپنی بے بسی تو سب سے زیادہ ڈس رہی تھی...

”علو! ڈاکٹر صاحبہ کو باہر تک تو چھوڑ آؤ...“ ماں کے کہنے کا مطلب سمجھ گیا تھا... جھپٹا ہاتھوں میں سے سر نکال اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا...

”آپ کی فیس ڈاکٹر صاحبہ (کیا) پیش کروں؟“ یہ جانتے ہوئے کہ اس کی جیب میں اتنی رقم ہوگئی نہ تھی جتنی ڈاکٹر کی فیس ہو سکتی تھی... اپنا ہجر رکھنے کے لئے اسی نے پھر بھی جیب میں ہاتھ ڈال لیا...

شاید ڈاکٹر نے اس کے چہرے سے کچھ پڑھ لیا تھا... سارے ہی تو ڈنگ اٹھائے ہوئے تھے... اور وہاں ”موکھ“ صدے، مقلی اور کچاڑی کے دھڑکیں بکھرے تھے... یا پھر وہ اپنے علیحدہ اصول رکھتی تھیں...
اک خوشگوار اور نرم نرم بھوار جی مسکراہٹ کے ساتھ ہوئے سے بولیں...
”ابھی مجھے دو تین بار اور آکر چیک آپ کرنا پڑے گا... فیس کا دل بھرا کھٹا ہی بن جائے گا... اور انجلیشوں کے لئے میں آپنے کلینک سے فرس بھیج دیا کروں گی... صبح بھی اور شام بھی... اس کی بھی نہیں دغیرہ۔ سب آخر میں صاحب ہو جائے گا...“

”جی اجیسا... بہت بہتر...“ فی الحال خدا نے عزت رکھ لی تھی... یا پھر ڈاکٹر صاحبہ نے... ہر انسان کے دل میں بھی نہ رہا ہی ڈالتا ہے۔ تب خدا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عیبر نے اطمینان کا سانس لے کر جیب میں سے ہاتھ نکال لیا...

اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈاکٹر صاحبہ نے پھر تاکید کی...
”انجلیش آج شام سے ہی لگنا شروع ہو جائیں گے... یہ دوا میں آجاتا چاہئیں...“

”آجائیں گی جی...“ عیبر نے بڑی فرمانبرداری سے سر جھکا لیا...
انہیں جھپٹ کر دوائی آیا... حالت بہت غیر سہو رہی تھی... اوپر تلے دو صدے... بیل کی طلاق کا اندر بیل کی بیماری کا... بیماری بھی ایسی جس میں اس کی جان کو خطرہ تھا... یہ دو صدے دو ہزار دو لاکھ صدوں کے برابر

لگا رہے تھے۔ چور چور ہو رہا تھا۔۔۔ جسم سے جان سی نکلی جا رہی تھی۔۔۔
بر۔۔۔ مومن۔۔۔

”اس سے تو بہتر ہے بلی! ٹوٹ رہی جائے۔۔۔“ اس کے لئے اب
رہ بھی کیا گیا تھا۔۔۔

لیکن دوسرے لمحے اپنی اس دعا پر اس کے اپنے ہی دل کے ہزاروں
لمحوں سے ہو گئے۔۔۔

”ہنیں نہیں۔۔۔ میرے متر میں خاک۔۔۔ خدا نہیں میری بھی مگر گامے۔
دنیا بھر کے سکھ تمہارے مفکر میں لکھ دے۔۔۔ میرے جسے کبھی۔۔۔ اگر
کوئی ہیں۔۔۔“

لیکن اس کی اپنی ہی ہنگامی ہوئی دعا اسے بے معنی سی لگی۔۔۔ بچے والی
طلاق یا فتنہ عورت اور اس کی زندگی میں سکھ۔۔۔؟

”کیا سوچ رہے ہو؟“ جہاں آرنے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
”ڈاکٹر ٹھیک کہتی ہے۔۔۔ زیر کو تار دے دو۔۔۔“

ماں کے اس حکم سے دل کو پھر اک جھٹکا مانگا۔۔۔ ہائے کی کہے۔۔۔
کیسے کہے۔۔۔ ”زیر کا خیال چھوڑ دو۔۔۔ اس ناخلف اور بے غیرت انسان
سے کوئی توقع نہ رکھو۔۔۔ بلی تم بھی۔۔۔ اتنی آپ بھی۔۔۔“

”زیر کے ذکر پر تم عجیب کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔ تمہارا بڑا بھائی ہے
اس کے یا اس کی بیوی کے کام کیرنے سے چھوڑنے نہیں ہو جاؤ گے۔۔۔ بلکہ
تمہارا فرض ہے کہ۔۔۔“

”اوہ اتنی جی۔۔۔؟ پس اس کے بلجے میں فنی سی آئی۔۔۔ وہ کیا سوچ
رہی تھیں۔۔۔ پر دوسرے لمحے، اس نے خود کو سنبھال لیا۔۔۔ اصل صورت حال
سے بے خبر تھیں وہ۔۔۔ اور اسے صبر اور تحمل سے سب کچھ سینڈل بنانا تھا۔۔۔

”میں یہ کہہ رہا تھا۔۔۔“ اس کے بلجے میں عکس نہری آ گئی۔۔۔
”تا رہیں دے دے دے گا۔۔۔ پسے علاج تو شروع کر لیں۔۔۔ یہ دیکھیں نا
یر سکھ۔۔۔ دو تین سو روپے لگ جائیں گے۔۔۔ ہونگے آپ کے پاس۔۔۔؟“

”اوہ۔۔۔“ جہاں آرا چپ سی ہو گئیں۔۔۔
”آپ کو پتہ ہے امریکہ جب ٹیلیگرام دیا جاتا ہے تو کتنا خرچ
آتا ہے۔۔۔؟“ پھر وہ مزید نہری اور خوش اخلاق اور خوشگوار سے بولا۔

”پسے دوائیں خرید کر علاج شروع کر لیں۔۔۔ پھر تار بھی دے دیں
گے۔۔۔ فی الحال اس ایکسپرنڈنگ کی قیمت نواد آد کریں۔۔۔ بہت قیمتی ہے
وہ۔۔۔ دواؤں کی قیمت سے کہیں زیادہ۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔“
”پھر بتائیے۔۔۔ ہیں آپ کے پاس۔۔۔؟“

”مومن سے پوچھوں۔۔۔؟“ زیر بھلا بیوی کو اس کا خرچ بھی نہ دے کر
لےا ہو گا۔۔۔؟

”اسی کی دواؤں کے لئے اسی سے مانگا عجیب مانگا ہے۔۔۔ کیا ہم
اس کا علاج بھی نہیں کر سکتے؟ وہ سب کی اتنی خدمتیں کرتی رہی ہے۔۔۔“

”پر کیا کروں۔۔۔؟“ جہاں آرا تعکلات سے گندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

”ہیسے کی آخری تار نہیں ہیں... بڑی مشکل سے کچھ تان کر گھر کا خرچ ہی پورا کر رہی ہوں...“
 ”لیکن ڈاکٹر نے تاکید کی تھی... اسے آج ہی دوا میں ملنا چاہیے... اس کی زندگی خطر سے بھرپور ہے...“ دونوں ماں بیٹا سوچنے لگے... کسی بلے بھی تھی...

عمر تو اٹھ کر انتہائی بے قراری سے کمرے میں ہی بیٹھنے لگا تھا... اور جہاں آرا بار بار اپنی بے آسودگی والی آنکھوں کو خواہ مخواہ ہی پونچھ رہی تھیں... دل درد رہا تھا اور انہیں گمان تھا شاید آنکھیں پھر پڑ رہی تھیں... عمر بیٹھتے بیٹھتے لگا... ”پھر ایسا کریں سسرالے سے پوچھیں... کوئی اور چارہ نظر نہ آتا تو ٹوٹے پھوٹے سے پہلے میں بیٹھنے پھوٹے سے اتھلا اس کی زبان پر آن لگے... کسی اور انداز میں... وہ کچھ محسوس نہ کرے...“
 ”تم پوچھو... مجھ سے کوئی غلط سطر لفظ استعمال ہو گئے تو باپ بیٹا ہی جڑ ختم کرتے پھر دگے...“

”ہر میں...“ وہ ٹھٹھا... چونکا... ”وہ تو حق الامکان اس کے سامنے آنے سے گریز کر رہا تھا... اور کہاں اس سے بات کرے گا... وہ بھی کس مونسور پر... اس کے لئے تو دُوب مرنے کا مقام تھا۔“

”اتنی جی بانیں کیسے بات کروں؟“ وہ رد بانسا ہو گیا...
 ”تمہارا بڑا غلط کرتی ہے... اگر کچھ بڑا بھی لگا تو شاید اتنا محسوس نہ کرے... وہ بس بھی مجھے بات کرنے کا ڈھنگ نہیں ہے... مومنہ کی حیات

میں زبیر پر ہی غصہ آ گیا تو... اس کا شوہر ہے... کہنے کی اس کی فیرو بیگم ہیں...“

”اچھا اچھا...“ غیر نے ان کی بات سنیج میں ہی کاٹ لی... اس بحث مباحثے کا وقت تھا... اور نہ مومنہ سے ایسی بات کرنے کا... ”سہنے دیں... فی الحال میں جو اسے کچھ رقم قرض سے لیتا ہوں۔“

علاج تو شروع کریں... بات بعد میں ہوتی رہے گی...“
 ”ہاں...“ جہاں آرا نے بھی جیسے اطمینان سے بھرا سا تسلیا... اور زندگی میں پہلی بار عمیر کو سستا نشی لگا ہوں سے دیکھا...

”یہ ٹھیک ہے... بعد میں بات ہوتی رہے گی...“ وہ بھرا امیدوں کے چراغ جلانے لگیں...

”یہ بھی ہو سکتا ہے... زبیر کو پتہ پلے تو وہ خود ہی بیوی کے علاج کے لئے رقم بھیج دے... مومنہ سے پوچھنے کا گنگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے... جان دیتا ہے بیوی پر... بس خط ہی کو پتہ نہیں کیوں دیر ہو گئی ہے۔“
 ”حضور خاک میں گڑ بڑ ہو گئی ہوگی... ورنہ کچھ یقین ہے اس نے ایک نہیں کئی خط لکھ ڈالے ہوں گے... کہا پتہ سب اکٹھے ہی مل جائیں... ایک دو دن میں... ڈاکا سنے سے پتہ تو کرنا عمو! تم بھی بڑے ہی کاہل ہو... سدا کے سست اور بے پرواہ...“

جہاں آرا جانے کیا کیا کہتی رہیں... ”ہاں...“ میں ہی سست اور لاپرواہ ہوں... ”عمیر سر جھکا لئے چپ چاپ سارے الزامات اپنے

صرلے... کرے سے نکل گیا...



”جو ادلیا ہمدرد اور غلغلہ دوست تھا اور ایسا غمخوار تھا کہ اس کو ساری بات بتاتے ہوئے غمزدہ ہی پڑا۔“

اتنی دیر سے ضبط کا بند بھا ہوا تھا... وہ ٹوٹ گیا... تب ایسی طبعانی آئی کہ جو اد بھی اس سے بچ نہ سکا... غوطے پہ غوطے کھانے لگا۔

”یہ سب کیا ہو گیا... بہت بڑا ہوا۔“

”اب بتاؤ میں کیا کروں... چھپا میں نہیں سکتا... بتا ہوں تو۔“

بہلی بھی مر جائے گی... اور میری ماں بھی۔“

”تو صلہ کرو عمو! تم تو عورتوں کی طرح آئسو بہا رہے ہو۔“ جو اد

خود ابھی تک اس طوفان کی لہروں میں بہہ رہا تھا پو... پھر بھی اسے

تسلیم دینے لگا... اس کا خاتمہ چھپتیا یا اسے صبر کی تلقین کی...

”جو اد! مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا... کوئی ایسا سوچ راستہ بتاؤ جس پر چلنے سے سب منزل تک پہنچ جائیں۔“

”منزل تو اب اس پہچاری کو ساری زندگی نہیں مل سکتی پیچ پیچ...“

”ملا داد اس کے لئے بے حد کوشش تھا۔ بڑا افسوس کر رہا تھا۔“

”اور چین نہیں بھی نہیں لے گا... کبھی نہیں... زبیر نے ایسا سب کو

صدمہ پہنچایا ہے اور ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا ہے۔“

”میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تنہا مجھ سے یہ سب برداشت

نہیں ہو یا رہا تھا اور نہ ہی کوئی حل مل رہا تھا۔“

”جب تک اس کی صحت نامزل نہیں ہو جاتی، اس کی زندگی

خطرے سے نہیں نکل آتی، تب تک تو ہمیں یہ طلاق والی خبر اس سے

چھپائے رکھنا ہو گی۔“

”خبر چھپاؤں تو پھر بیانی جان کے خط کے انتظار کی اذیت میں

سب ڈوب جاتے ہیں... اتنی کہتی ہیں ڈاک خاں سے پتہ کرو۔“

بیڑی ڈاکٹر نے کہا ہے ”مارو سے کہہ لو کہ... اور اب مارو دینے کا مطالبہ

ہوئے لگا ہے... ہمیں کیا بتاؤں میں کسی شکلی میں ہوں... سب کو

کسی طرح پہلاؤں... اس پریشانی سے کسی طرح نکالوں... کچھ اندازہ کرو

میری پوزیشن کا۔“

”کہہ رہا ہوں... احساس ہے پورا پورا... جو اد بھی ٹکروں میں

ڈوب گیا... حیر کی پریشانی... عمر کے شکرات... حیر کی الجھنیں... سب کچھ

اس کے اپنے من میں بچل چلنے لگی ہیں۔“

بیچارہ کسی شکل میں گرفتار ہو گیا تھا... اسے اس پر بے حد ترس آ

رہا تھا... اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا... اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت کو

خلوص و ہمدردی سے جوڑنا چاہتا تھا... مگر... ایسی ٹوٹ پھوٹ تھی، جو

کسی ہمدردی، کسی خلوص سے جوڑنے والی نہ تھی... بہت چھوٹے چھوٹے

نہیں ہو جاتی... صرف اس وقت تک... جو ادے تحمل اور بردباری سے سوچتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا...

”تجزیہ تو معقول ہے۔ مگر ایسا کرے گا کون...؟“ عمیرہ کو جو ہر کی بات پسند آئی... عقلمندی کی تھی۔ تھوڑا سا رینیکس ہو گیا...

”اتنی بڑی بڑی کہانیاں لکھ بیٹے ہو... کیا بہتے دو بہتے بعد ایک خط نہ لکھ سکو گے...؟“

”ہیں...؟ میں...؟ نہیں نہیں... یہ کام میں نہیں کر سکیں گا...“ عمیرہ بڑی طرح گڑبڑا گیا... سراسیمہ سا ہوا اٹھا...

”بہن کو اس کا شو ہر بن کر خط لکھوں... مہذبانی سار جنتوں بھرا“ وہ اس قدر شہ پٹایا... اتنا بکھلایا کہ اس کی بھائی عرق آلود ہو گئی۔

”یہ بھی اک کہانی سمجھنا...“ جو ادے نے ترقی اختیار کئے رکھی... اتنا پریشان تھا وہ... اور اس نے اس کا ساتھ دینا تھا...

”نہیں... یہ میں بھی نہیں کر سکیں گا...“ عمیرہ نے بڑے اضطراب سے بھائی صاف کی...

”ٹھیک ہے۔ مر جانے دو اسے... اب تو اس کے ساتھ کوئی رشتہ بھی باقی نہیں رہا...“

”میں پہلے ہی مر رہا ہوں۔ مجھے مزید طعنوں کی مار نہ دو... اور...“ عمیرہ کے منہ سے جیسے جھٹک ہونٹوں سے مومڑے کے لئے دوا نکلی... ”خدا سے

رہتی دنیا تک سلامت رکھے... تم اپنے منہ سے ایسے کلمات نہ نکالو... پکیر میری

لکھو...“

”تم بھی کچھ مشورہ نہیں دے رہے...“ عمیرہ نے غم و اندوہ کے عالم میں جو اد کو دیکھا...

”معاذ ہی ایسا ہے عمو! انتہائی پریشان کن... ویسے... ایک سوچ تھی...“

”کیا...؟“ جو اد کے چہرے پر کسی امید کی ہلکی سی روشنی چمکی تھی... عمیرہ نے وہ روشنی اپنی آنکھوں میں لپٹاتے ہوئے جلدی سے پوچھا...

”کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ پہلی بھابی کو زبردستی کے خط و خبر نہ شروع ہو جائیں۔ پھر وہ زندگی سے پیار کرنے لگے گی...“

”پر خط ملیں کیسے...“ غلامی دینے والا خط تو نہیں لکھے گا... یوں بھی جو اس قدر شکمل ہو گیا ہے، وہ تو ہماری انتہائی پریشان کن پریشانی کا

کان نہیں دھرے گا...“ وہ اس کو یاد مارو گئی... ”مت تو اس کا نام میرے سامنے بار بار۔ اس سے کیوں کوئی توقع رکھتے ہو...؟“ جو اد نے دے سمجھ لیا...

”وہ انسان نہیں ہے، شیطان ہے۔ اس سے کسی نیکی کی توقع نہ رکھو...“

”تو پھر پہلی کو خط کیسے ملیں...؟“ عمیرہ نے اک اضطراب بھری بے چینی سے جو اد کو گھورا...

”زمیر بن کر کوئی اور لکھ دیا کرے... جیت تک وہ صحت یاب

بہزاد کا خیال کرلو...؟
 ”تمہارے ہی کا تو کر کے یہ سب کہہ رہا ہوں... تم اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہو... پر اس کی سلامتی کیسے ہوگی...؟ کچھ تو کرنا پڑے گا... کوئی چارہ... کوئی قربانی...“
 ”جوہاد! یہ کام تم نہیں کر سکتے کیا...؟ میری خاطر...“
 ”وہ تو تمہیں معلوم ہی ہے... میں ایک نقرۂ دم نہیں ٹکھ سکتا۔ حساب کتاب البتہ جتنا کرنا ہے کرالو... ایک وقت میں دس دکانیں چلا سکتا ہوں پر یہ خطہ دھکھٹا... ہمیشہ سے ہی چور ہوں۔ ورنہ تمہاری خاطر تو جان بھی دے سکتا ہوں۔ اور پہلی میں اور تم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔“
 ”پھر...؟ میں کیا کروں...؟“ ”میرا ٹکھیل سے پیشانی دریا نے لگا... ڈسٹر ب بھی تھا... نرو میں بھی ہونے لگا...“
 ”کسی کے لئے کچھ کرنے کا دل ہو، نلوس ہو، خواہش ہو تو انسان آگ کے دریا سے بھی گزر جاتا ہے...“
 ”لیکن وہاں کی آئینیس وغیرہ...“ ”عبیر سوچنے لگا... واقعی اگر یہی راستہ بہتر تھا تو وہ اس آگ کے دریا سے بھی گزر جائے گا... پہلی کی خاطر وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ یہ کھیل بھی کھیل لے گا... جلا لے گا اپنے آپ کو...!!“
 ”آئینیس وغیرہ کا سارا انتظام میں کروں گا... باہر سے میرا مال آجاتا ہے... ڈاکا نے میں بھی میری واقعیت ہے... مہرین وغیرہ بھی لگ جائیں گی۔“

کہو گے تو پہلی مہرین بھی بخوادوں گا... یہاں کی بھی، وہاں کی بھی...“
 ”میں نے زندگی میں کبھی کوئی حمل فریب نہیں کیا... مذبحہ کیلئے بیسے ہمارے سکے لئے نکل کر تھا...“
 ”میں نے بھی کبھی نہیں کیا... پر یہ معاملہ اک زندگی بچانے کا ہے... اور وہ بھی... تمہاری پہلی کی... اس کو چٹھا اک اک کاٹا ہیمن اک اک پلک سے نکالنا ہوگا... وہ ہمارے بھائی کے ظلم کا شکار ہوئی ہے...“
 ”ہاں... یہ تو تم بچے کہہ رہے ہو... مجھے جو کچھ کرنا پڑا کروں گا... تب وہ اک مسخروہی سے اور اک عزم کے ساتھ بول اٹھا...“
 ”اپنے اصولوں سے ہی ہٹوں گا...؟ پر یہ کہتے کہتے وہ مزید غمزہ بھی جو گیا...“
 ”اس نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا تھا...؟ غلیبا مجھے صاف کرنا...“
 ”خوابش...! جو ادنے اس کی پیٹھ ٹھونکی...“ ”اب مرد میدان کا سا انداز اختیار کیا ہے نا... یار! جو بوجھ کدے پر آن پڑا ہے اسے بہادر سے اٹھاؤ... بہت بیدار کرو اپنے میں...“
 ”وہ تو اب کروں گا ہی... بہت بڑا امتحان ہے...“
 ”خدا تمہیں اس میں کامیاب کرے...“
 پھر عبیر نے دواؤں والا نسخہ نکالا... ہونٹوں پر اک تلخی بھرا زہر، عبیر آسم پکا...
 ”دیکھو تو کسی طرح قتل و غارت گری پا کر گیا ہے...“

”مستور تو کرو۔۔۔“ جواد نے تجسس کا اظہار کیا۔۔۔ ”حیرت کی بات ہے۔۔۔“
”ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔“

”وہ بیکے چل گئی تو بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔۔۔ تمہاری بڑھی
ہل کے لٹے اسے سمجھانا بھی مشکل ہو گا۔۔۔ تم ایسے کیا کرو گے۔۔۔ اور بیکے
میں تو اس کی ماں نہیں سمجھا لیں گی۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ یہ بہت مناسب تدبیر ہے۔۔۔ بہت ساری پریشانیوں
توڑ ہو جائیں گی۔۔۔ اور پھر مجھے خطوط بھی نہ لکھنے پڑیں گے۔۔۔“

غیر کی اس بات پر جواد مسکرا پڑا۔۔۔
”بیکے گئی تو کیا رشتے داری توڑ کر جانے گی۔۔۔ ہاں اوپا اگلے! وہ
اک علیحدہ مسکد ہے۔۔۔ وہ اس کی شوہر کی طرف سے پریشانی دہر کرنا ہو گی۔
اور یہ اسے بیکے بھیجنا دوسرے مسائل کا حل ہے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ میرے ذہن سے نکل ہی گیا تھا۔۔۔ آہ زہیر بھائی
جان! یہ آپ نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔۔۔ ہاں کوئی ایجنز سے بھی ایسے کرتا
ہے۔۔۔ اتنا ظلم۔۔۔؟“

”غیر نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ طلاق نامہ اور خط لکالا۔
”یہ تم اپنے پاس کہیں چھپا کر رکھو۔۔۔ وہاں مجھے خوف سارہتا ہے کہ جیسے
کہیں کسی کو نیدرلینڈز میں سے بھی نظر نہ آ جائے۔۔۔ میں اس سے اتنا
خوفزدہ ہوں۔۔۔“

جواد نے وہ لفافہ لے کر اس کے سامنے ہی اپنے بیٹھ میں رکھ دیا۔۔۔

جواد نے نگو دیکھا۔۔۔ غیر کے چہرے پر پچھلے ڈکھ اور محرومیاں دیکھیں۔۔۔
وہ ضروریات اور اخراجات کے جس آہنی چنگیل میں نچکڑا ہوا تھا اس سے
بھی لاعلم نہ تھا۔۔۔ جیڑا تو نہیں سکتا تھا۔ البتہ اس کی مدد کر کے وہ نکلنا جھیلنا
کر سکتا تھا۔۔۔

”سنو۔۔۔ بلی بھابھی کو اس کے بیکے بھیج دو۔۔۔ ایک اور تدبیر سوچی۔۔۔“

”طلاق نامہ ہاتھ میں دے کر۔۔۔؟“ غیر نے اک سراہنگی سے کہا۔۔۔

”نہیں نہیں۔۔۔ وہ تو اسے بتانا ہی نہیں۔۔۔ بس صرف ہوا تبدیلی کی خاطر۔

اور خرچہ وغیرہ بھی۔۔۔ اسی کے گھروالے کو دیں گے۔۔۔ تم لوگ تو پیسے ہی خرچ میں
بلایا ہاں بندھے ہو۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ یہی میں سوچ رہا تھا۔۔۔ ہم لوگ تو اتنا خرچ نہیں کر سکیں گے۔
اس نے جواد کے ذہن رسا کی داد دی۔۔۔

”یہ درست رہے گا۔۔۔ پر۔۔۔؟“ اک لمحے کے لئے آسودہ ہونے کے بعد
وہ پھر مضطرب اور بے کل سا ہو گیا۔۔۔

”میں نے آج تک اس کے بیکے والا کوئی دیکھا ہی نہیں۔۔۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”نہ کبھی یہی نے ادھر جانے کا نام ہی لیا ہے۔۔۔ یہیں تک کہ بھائی جان

مرکبہ گئے ہیں تو انہیں سہی آتش کرنے بھی کوئی نہیں آیا۔ ایئر پیڈ پر بھی
نہیں۔۔۔ اور تو اور کبھی یہی نے بھی کسی بھی بھائی یا ماں باپ سے ملنے کی
غور بہت نہ کر نہیں کی۔۔۔ پتہ نہیں کیا راز ہے۔۔۔؟“

ظلم کا نشانہ بن گئی ہے۔۔۔ خدا اس پر رحم کرے۔۔۔

پھر کیم عمیرہ کو یاد آگیا۔۔۔ "ارے! اس کی تو دعائیں جلد از جلد ملے کر جانائیں۔۔۔ اور میں یہاں تمہارے پاس بیٹھ گیا۔۔۔"

عمیرہ نے تسنہ کھولی کہ ایک بار پھر بڑھا۔۔۔ "دو تین سو روپے کم از کم۔۔۔ وہ تھوڑے جلد آؤ اندر میں بڑ بڑایا۔۔۔" میٹھے جائے گی تو ان اخراجا جہ سے

پچ سکوں گا۔۔۔ فی الحال تو فوراً دوا میں لانا ہوں گی۔۔۔"

جواد کی طرف دیکھتے ہوئے اسے تھانے لگا۔۔۔ "بہ سوں اک کہانی لکھی تھی۔۔۔ ابھی ٹوک پک بھی درست نہیں کی۔۔۔ یوں بھی۔۔۔ چھپنے کے بعد ہی معاوضہ ملتا ہے۔۔۔ پر۔۔۔ دوا نہیں تو آج ہی چاہیں۔۔۔"

آخری دو چلے اس نے خود کلائی کے انداز میں بولے۔۔۔ جواد سن بھی رہا تھا اور اس کی بچاواگی اور پریشانی کو غصوں بھی کر رہا تھا۔۔۔

"فی الحال مجھ سے کچھ لے لو۔۔۔" درست کی خود داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواد نے اس انداز میں پیشکش کی۔۔۔

"کہانی کا معاوضہ ملے گا تو لوٹا دینا۔۔۔" جواد نے جیب سے پانچو

نہیر نکال کر عمیرہ کے ہاتھ میں دے دیا۔۔۔ "والیس نے لوں گا۔۔۔ کہانی کے جیب ملیں گے تو۔۔۔ اس کے علاج میں دیر نہیں ہونا چاہیے۔۔۔"

مصلحت کے پیش نظر عمیرہ نے وہ رقم لے لی۔۔۔ اور کرتا بھی کیا۔۔۔ دوا میں اسے جلد ملنا چاہیں تھیں۔۔۔ لیکن رقم پتے پر تھے اس کی آنکھیں ٹھک گئیں اور ہاتھ لٹوڑنے لگے تھے۔۔۔

ان چند گھنٹوں میں ہی عمیرہ نسا ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، اس قدر زخم حال سا ہو گیا تھا کہ گتھا تھا برسوں کا سریش ہو۔۔۔ جواد کو اس پر ترس آ رہا تھا۔۔۔

ستتا ہوا زرد چہرہ۔۔۔ آنکھوں میں دیرانی۔۔۔ بال اچھے ہوئے اور بے ترتیب۔۔۔ جواد نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔۔۔ بجائے کیوں پروردگار نے اس کا خیر و کول کی مٹی سے گوندھ دیا تھا۔۔۔

حالانکہ جواد کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا تھا۔۔۔ مگر وہ عمیرہ سے کہیں زیادہ شکوہ اور اطمینان کی زندگی گزار رہا تھا۔۔۔ اور عمیرہ پر باپ کا سایہ رکھتے ہوئے بھی اکثر و بیشتر کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہی رہتا تھا۔

"ہمت اور حوصلے سے کام لو۔۔۔ اللہ اپنے محبوب بندوں ہی کو آزماتا ہے۔۔۔"

جواد نے اسے جھرتل دی۔۔۔ ساتھ ہی مومنہ کا خیال آگیا۔۔۔ اس بیماری کے ساتھ بھی کیا بیت گئی تھی۔۔۔ زبیر نے طلاق دے دی تھی تو یہ

بیماری ہی نہ لگتی۔ اس بد خصلت نے اگر اسے جھوٹ ہی دینا تھا تو اسے دل نہ بٹنے دیتا۔ اس کے لئے اور عمیرہ کے گھروالوں کے لئے بھی کس قدر مشکل

کا سامنا تھا۔۔۔ وہ اسے ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔۔۔

"اور ہاں۔۔۔ تمہارے بھائی کی اس دگم میں اس معصومہ کو کوئی گناہ کوئی قصور نہیں۔۔۔ لہذا اس کے ساتھ اب تمہارا سلوک اور برتاؤ بہت اچھا ہونا چاہیے۔۔۔"

"یہی بات تو مجھے مارے مال رہی ہے کہ وہ بیماری بے تصور تھے بڑے

”ارے ہاں... اس کا توجہ بھی علم ہے... ہمارے مذہب میں ظلم کوئی نہیں ہے... ہاں پہلی انٹرا گھر آباد رہے گا... ہلدی تھپے چہرے پر اک دم سرخ رنگ کی جیسے بو چھاڑ ہو گئی...“

”ابھی جائی جان کو ٹیگرا م دیتے ہیں کہ پچھ ہونے والا ہے۔ اس صورت میں طلاق نہیں ہو سکتی...“

جواد نے بھی خوشی کے مارے ٹیگرا م کا اگلا فقرہ بولا... ”اور زندہ بن کر اپنی بیوی کو خط لکھیں... تاکہ وہ پچھ صحت مند زندگی کے اس دنیا میں آئے...“

دونوں کو اتنی خوشی تھی جیسے انہیں دونوں جہان کی دولتیں مل گئی تھیں... انہیں زندگی بھر کے مشکوچین کی کسی نے منہانت دے دی تھی... ایک دوسرے سے بی بٹلگیر ہو گئے... ایک دوسرے کو ہی مبارکباد دینے لگے...

تب... اسی وقت زبیر کو ٹیگرا م دے دیا گیا... پوری تفصیل کے ساتھ... تقریباً سو روپیہ تو وہیں خرچ ہو گیا... پانچ سو کے پانچ سو بھی خرچ ہو جاتے...

”میں تو پک بھی جاؤں... پھر بھی کوئی بات نہیں... پہلی آباد ہو جائے... اسے خوشیاں مل جائیں...“

ٹیگرا م کے جواب کی واپسی کے لئے جواد کی دکان کا ایڈریس بھیجا گیا۔ کہیں غیر گھر میں نہ ہو تو اتنی اور مومنہ کے ہاتھ لگ جائے... اس خطرے کے

”خدا تمہارے ساتھ ہے... میں تمہارے ساتھ ہوں... جواد نے اس کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے جھکے جھکے کندھے سے تھپتھپائے...“

”فکر مت کرنا۔ اللہ بہتر کرے گا... شاید اس میں بھی پردہ گام کی کوئی مصیبت ہو... اور ہاں... جاگہ ذرا اپنا حلیہ درست کر دو۔ کہیں تمہاری حالت ہی گھر والوں کو مشکوک نہ کر دے یا پریشانی میں مبتلا کر دے...“

جواد کی تسلیوں نے اسے بہت سہارا دیا... پر مومنہ کا دکھ، جو دل کو چھٹ کر رہ گیا تھا وہ بڑی ٹھنسیں مار رہا تھا... زخم نامور بن رہے تھے... بڑی دیر ہاتھوں میں وہ پانچ سو روپیہ پیسے بیٹھا رہا...

اور جواد اس کی صورت دیکھتا رہا... ”ارے...؟“ پھر وہ کلکت

”جج اٹھا... غیر نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں...“

جواد کی یہ بیخ دکھ کی نہیں تھی... خوشی کی تھی... چہرے پر رنگ تھے... جیسے اچانک اسے کچھ حاصل ہو گیا تھا... یہاں بیٹھے بیٹھے ہی۔

”کی...؟“ اس کی نگاہ میں جواد سے سوال کر رہی تھیں... یکدم چہرہ بالکل اٹھنے کا جواز معلوم کرنا چاہ رہی تھیں...

”ہم خواہ مخواہ ہی گھبرا رہے ہیں... مجھے یاد آیا... اسلک لانا میں نے پڑھا تھا... خوردت کے پچھ ہونے والا ہو تو اسے طلاق نہیں ہو سکتی...“

پیش نظر ہر قسم کی احتیاطی تدابیر ذہنی میں رکھ لیں... مومنہ کے راتنے سے لڑکھ کا ہر شمار ہٹا رہے تھے... پورے خلوص کے ساتھ... پوری جانتوں اور خواہشوں کے ساتھ...

دو دن بعد ٹیلیگرام کا جواب آ گیا... "میں بچے کو اپنانے کو تیار نہیں... میرے پاس دو ہیں... بہت ہیں... کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں اور... حل اسکا طرہ دریا جائے... بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں کے لئے مشکل ہوگی... اور اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو... بچہ پیدا ہونے کے بعد والی طلاق بھی میں ابھی دے دیتا ہوں... میرے اسی فیصلے میں تبدیلی یا نرسری کی کوئی گنجائش نہیں... اور نہ ہی آئندہ مجھ سے اس بارے میں کوئی گفت و شنید کی جائے... میری گھر بونزدگی متاثر ہوتی ہے۔ اور میں خوش رہنا چاہتا ہوں... بڑے سکون زندگی گزارنا چاہتا ہوں..." یہ جو چمچ ہم کرتی، جگہ گاتی، خوشی و راحت کی کرنیں بکھیرتی امید بھری تھی... ناچنی تھی... وہ... ایک بار پھر اندھیادوں میں ڈوب کر مر گئی...

غیر اور چوڑی دونوں سر تھامے بیٹھے رہ گئے... ظلم کی انتہا تھی۔ اور کمینگی اور ذلت کی بھی انتہا تھی... ایک باپ خود ہی اپنی اولاد کو متعلق کر رہا تھا...

"مذہب خدا کے عذاب سے ڈرو... جو ادب بڑھایا... غیر بالکل چب تھا... پتھر کا بیت بنا ہوا تھا، پر آنکھوں میں آنسو

بھرے آرہے تھے... دل زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا...

"اب...؟"

"میرے تو اک امید تھی..."

"ہاں... ٹوٹ گئی..."

"اور ہم... پھر وہی کھڑے ہیں..."

"پروہر دو گار کا امتحان ہے..."

"وہی اس میں پورا اتارے..."

"آئیں..."

بڑی دیر دونوں پھر چپ بیٹھے رہے... آخر... غیر اک یاں بھری

طویل سی سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا...

"ان دواؤں سے مجاہدی کی حالت کچھ سنبھلی...؟ جو ادب نے موضوع بدلا۔

"نہیں... اتنی سے ہی معلوم ہوا ہے... میں تو اس کے سامنے گئی

ہی نہیں... سوچا تھا... خوشی لے کر جاؤں گا..."

"اب تسلی لے کر جانا... اور... آج ہی اسے زیر کی طرف سے

خط لکھ دو... جتنی جلد ہو سکے... اسے اس پریشان سے تو نجات

دلاؤں..."

"ہاں... آج ہی کمپوں گا... اتنا مالٹہ... وہ تو تندرہ رہے گی۔"

"اور... زندگی کی خوشیاں بھی ہم اس کے حواس میں ڈالیں گے۔"

آج سے وہ میری بہن ہے... جو ادب نے مومنہ کے لئے خلوص و مہربانی

”امریکن بینک... ڈاروں میں منتقل کر کے ڈرائنٹ بنوائیں...“
 ”میں سمجھا نہیں...“ کسی مداری واسے کی طرح بچانے کی ایک کر سب
 کے جادہ تھا... غیر سنے نا کبھی بھری نظروں سے جو ادکی آنکھوں میں
 دیکھا...

”اپنے خط کے ساتھ بھابھی کو ڈرائنٹ بھی بھیجنا... مجھے یقین ہے
 ایسے ظالم ارادے رکھنے والا انسان اسے کچھ بھی نہیں دے کر گئی ہوگا۔
 یوں... وہ دو خوشیوں سے ہنکنا رہو کہ بہت جلد...“

”لیکن...“ غیر سنے بچکھپاتے ہوئے جو اد کا رقم والا ہاتھ تھام لیا۔
 ”میں بہت نیچے گر جاؤں گا... تمہارا یہ فعل بہت صحیح... بہت
 مناسب ہے... وہ ضرور سنبھل جائے گی... بد میں تو پاتال سے بھی نیچے،
 کہیں گہرائیوں میں یا بیڑوں گا...“

”ارے نہیں... تمہاری خودداری مقدم... یہ صرف بھابھی کے لئے
 ہے... اس کے باقی کی طرف سے...“

”نہیں جو اد نہیں... تمہارا غلوں ہی انمول ہے... تمہارے منور ہے ہی
 بہت قیمتی ہے...“

”تو اللہ کے بندے... یہ قرض سمجھ لو... آنا دینا... میں تمہاری
 خودداری پر کبھی غریب نہیں لگاؤں گا... میں تمہارے اصولوں کا بڑا
 احترام کرتا ہوں...“

”تو بھیر... یہ ابھی رکھو...“

جذلوں میں ڈوب کر کہا...

”بچے کو غیر خیریت سے جہنم دے تو... میں خود اسے زندگی کی
 اس سچ حقیقت سے آتشکدہ کر کے ایک نئی زندگی کی نوید دوں گا۔
 اب اس کے واس میں ایک ہیرا ڈالوں گا... اس کی مانگ پھر افشاں
 سے سماؤں گا... بلند آواز میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے غیر کی طرف
 دیکھا... غیر سنے نظریں جھپکا لیں... ڈکھوں سے دل اٹنا بھرا ہوا تھا کہ
 جو اد کے اس خوشی کے اشارے کو نہ کرنے کی جگہ نہ ملی... کہیں بھی نہیں...
 آنکھوں میں اسی طرح آنسو تھے... اور چہرے پر غم کے گہرے یا دل...
 ابھی بہت طویل اور کھن راستہ تھا، طے کرنے والا... بہت سی کلاڈیں
 تھیں درمیان میں... اور اسی خود غرضانہ سوچ کے ساتھ، وہ منزل تک
 نہیں پہنچ سکتا تھا...“

کسی کام کی تکمیل چاہتے ہو تو... اس کے لئے صرف قلوب میں اندھے غرضی
 نظر میں رکھو... یہ اس کا ایمان تھا...“

اور جو اد تو جذباتی باتیں کر رہا تھا... بہر کیف... اس کے جذلوں کی
 بھی اسے تدریجی اور احترام تھا...

جو اد اٹھا... اس نے سیٹ کھولا... پانچ ہزار روپیہ نکالا... غیر
 چپ چاپ اس کی حرکات دیکھ رہا تھا...

”اؤ میرے ساتھ...“

”کہاں...؟“

”اللہ کرے زبیر تم پر بھی کوئی ایسا ظلم ڈھانے... تم بھی آباد نہ رہ سکو... تمہارا بھی گھر اڑے... اسی طرح... جس طرح آج سونہ تباہ ہوئی ہے... تم بھی ایسی ہی پریشانیوں کا سامنا کرو... تم بھی خوش نہ رہ سکو... کبھی بھی نہ... کبھی بھی نہ...“

نہ اپنے خون کی گرمی دل میں تھی اور نہ رشتے کا خلوص اور نہ پیار کا جذبہ... کچھ بھی نہ تھا...
صرف اک ظالم انسان کے مظالم کی انتہا ہی نظروں میں تھی۔ اور زبان آگ آگ رہی تھی...



مومن کے کہنے کے دروازے پر دھک دینے کے بغیر ہلکا پھٹا ہے ہرے اندر داخل ہوا...

معلوم نہیں اس نے دھک کی آواز ہی نہیں سنی تھی یا بھروسہ ہی تھی۔ دیوار کی طرف رخ کئے لیٹے ہوئی تھی...

وہ کچھ پیل سا تھلا لایا تھا... اس سے اچھا سلوک کرنے کی خاطر... وہ خود جب بیمار تھا تو ایک رات کی دہن ہوتے ہوئے بھی کس طرح اس نے عمیر کی نیند داری کی تھی... تھوڑے وقت کے لئے ہی تھی...

اس لئے اب وہ عمیر سے بھی ایسے ہی سُن سلوک کی حقدار تھی...

”میری ماں... یہ علاج کا ایک ضروری حصہ ہے... وہ خود کو لوگوں پر بوجھ سمجھ رہی ہوگی... اس طرح بھی کافی پریشان ہوگی... تمہی خود بھی کوئی اثر نہیں کر رہیں...“

”ہاں... اتنی نے بتایا تھا... ڈاکٹر کہتی تھیں شاید ہسپتال داخل کرنا پڑے...“

”تو پھر بھی تم... اپنی خود داری اور اُنا کو لینے بیٹھے ہو... اس کی زندگی کی قیمت پر بھی...“ اب جو اُد کو غصہ آگیا... ”کچھ قتل کرو...“ اور عمیر اک سراسیمگی کے عالم میں اسے کھنکھاتا... ”ہر ایک دم سے بڑھتا رہا...“

”میں اپنی اُنا اور خود داری بھی مٹا ڈالوں گا... بیٹی کی خاطر... سب کچھ ختم کر ڈالوں گا... بیشک اک مُشت خاک باقی رہ جائے... بے شک وہ بھی جو انوں میں تحلیل ہو جائے... میرا نام و نشان بھی باقی نہ رہے...“

عمیر نے جو اُد کے ہاتھ سے وہ نوٹ جھپٹ لئے... ”میری بہن بھی مٹ جائے... سب کچھ ختم ہو جائے... بس اک وہ باقی رہ جائے... مجھے سکون مل جائے گا... مجھے سب کچھ حاصل ہو جائے گا...“ عمیر جو اُد کے ساتھ چل پڑا...

سند کے لئے دل سے سزاروں دعاؤں نکل رہی تھیں اور زبیر جو اس کا سگ بھائی تھا... اس کے لئے بددعاؤں ہی بددعاؤں تھیں...

قرض تھا اس کا عیر پر... اور وہ جبکہ نے سے غافل رہا تھا اس تک... نام
تھا، میر ہوش آگیا تھا...

بیڈ کے سر ہانے کی طرف میز پر چل رکھتے ہوئے، عیر نے کمرے میں
چاروں طرف نظریں دوڑائیں... اس وقت ذہن میں کمرے کی ترتیب و
آرائش دیکھنے کا خیال قطعی نہیں تھا...

لیکن جب نظر میں ارد گرد دکھوم ہی گئیں تو... اس کے کمرے کو دیکھ کر
وہ دل ہی دل میں اس کے ذوق کی داد دینے پر تیار نہ رہا... پہلی بار
اس کے کمرے میں آیا تھا... جی چاہا باقی زندگی یہیں گزار دے...
وہاں موجود ہر چیز اک خاص قسم کی نفاس سے سی ٹپک رہی تھی...
امارت کہیں نہیں تھی... سادگی تھی اور خوش ذوقی تھی...

ہر دے، میر کور، میز پر ش، کٹن، چٹو لٹان میں بچے ہوئے بچوں
کی دگت، اتنے خوبصورت اعزاز میں سب بیچ کیا ہوا تھا کہ وہ بوجھ
سا ہو کر دیکھتا رہ گیا تھا...

جہاں آرائش سے سب تر ہیر کے لئے یہ کمرہ آراستہ کیا تھا تو تب مختلف
اعزاز کی ترتیب و آرائش تھی جو اب بالکل بدلی ہوئی تھی...
زیر نے تو اپنا لباس بھی کبھی صحیح طرح پہن کر کے نہیں پہنا تھا...
یقیناً یہ موسم ہی کا ذوق تھا...

”ایسے نفیس اور اعلیٰ ذوق کی شریک حیات تو خوش نصیبوں کے
نصیب میں ہوتی ہے... جانی جان! آپ نے اپنے نصیب کی رشتہوں پر

بدبختی کی سہاٹی کیوں پوت دی... کیوں...؟“
دونوں ہی کی بد نصیبی تھی یہ... اور... نہ پیراس کا بھائی تھا اور
یہ اس کی بیٹی... دونوں ہی کے لئے اسے رونا سنا گیا۔

یکھت ہی موسم نے کر ڈٹ بدلی... اسے آ- آپ...
عیر کو دیکھتے ہی اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

”نہیں نہیں... لیٹی رہیے...“ اس نے جلدی سے بڑھ کر موسم کو
کنڈھوں سے تھامتے ہوئے واپس لٹا دیا...
”آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہے...“

پچھلے چند دنوں میں ہی اس کی حالت کیا سے کیا ہو گئی تھی... عیر
بڑے دھک سے اسے تھکنے لگا...

روشن روشن خوبصورت آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے... جیسے
چامکے گرد لالہ... مگر وہ تو اک خوبصورتی کا تاثر پیش کرتا ہے...
اور یہ...

ویرانی... لے آبادی... اجڑی بستی...
عیر کے دل پر گھونٹہ سا لگا... کچھ دن پہلے تک یہ آنکھیں رشتہوں
کے شہر کی طرح جھلک جھلک کر رہی تھیں... اور آج... جیسے کسی
مزار پر دو دریٹے جل رہے تھے... ٹھٹھاتے ہوئے... گھنے کوتیار...
”نہیں نہیں... میں اس اجڑی بستی کو پھر سے آباد کروں گا...“
اس تباہ شدہ کھیتی کو اپنے خون سے بچوں کا انتہاء اللہ...

سے تو عیر ہی رات بھر تھا... جو اس نے سب سے چھپالی تھی...
 لیکن باتوں کے لئے تو ابھی تک پریشانی ہی پریشانی تھی... اور...
 اوپر سے مومنہ کی بیماری... جس کے خطرے سے بار بار ڈاکٹر صاحبہ آگاہ
 کرتی گئی تھیں... اور اسے خوش رکھنے اور پوری توجہ سے علاج کرنے
 کی تاکید کرتی تھیں...

"میں آپ کے لئے کچھ چیل لایا تھا..." اپنے حسن سلوک کی خاطر ہر
 روتے دل پر عیر نے اک خوشگوار سی مسکراہٹ کا نقاب اوڑھ لیا...
 "بڑی تکلیف دے رہی ہوں آپ سب کو..."

نقاہت کے بارے اس کی آواز میں بڑی بدل گئی تھی۔ نہ وہ گھٹنیوں
 کی کھٹک باقی رہی تھی نہ وہ پہلا سا ترنم...

"ارے ارے تکلیف کیسی... آپ کے لئے کچھ کرنا تو میرے لئے حین
 سعادت اور عین راحت ہے... تکلیف کیوں کہتی ہیں..."

بظاہر عیر مسکرا رہا تھا لیکن اس عالیشان علمات کو گھنڈر میں تبدیل
 ہوتے دیکھنے والی اس کی نظر آنسو بہا رہی تھی... من ہی من میں...
 ماتم کر رہی تھی... اندر ہی اندر...!

"اتنی کمزور ہو رہی ہیں... چیل دیکھ کھایا کریں نا..."
 کوئی بات ہی نہیں سوجھ رہی تھی... جو چیل لایا تھا... وہ اٹھ کر
 پلیٹ میں نکلا...

"پھیل کر دوں... بڑے بیٹھے کیوں ہیں...؟"

وہ بے اختیار اس کے لئے دعا کرنے لگا... اپنے آپ سے اس
 کے ساتھ غبار و پریشان باندھنے لگا...

"میں تمہارے سارے دکھ... سارے دوگ برقیات پر اپنی خوشیوں
 کی قیمت پر بھی دودھ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کروں گا... وعدہ کرتا
 ہوں... مزار پر جلتے یہ دو درختے، دیکھنا اک دن کھٹکنا کا درد
 دھا لیں گے... ضرور... دیکھ لینا ضرور... انشاء اللہ..."

تھوکھے سوکھے بے رنگ ہونٹوں پر زبان پھرتے ہوئے مومنہ
 نے عیر سے بیٹھنے کے لئے بیڈ کے پاس بڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
 "جلی پتلی اور زانہ کرسی تو پہلے ہی تھی۔ پر اب تو بیڈ پر بیٹھا
 ہوا اس کا جسم دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا... یوں لگ رہا تھا
 جیسے وہاں اک خالی کبل پڑا تھا اور... دیکھتے پیراک غزدہ اور
 خزاں رسیدہ سا چہرہ دھرا تھا۔"

جس کی ساری رونقیں اور بہاریں کسی غالم نے لوٹ لی تھیں۔
 عیر کو ماں سے معلوم ہوا تھا کہ مومنہ نے تین چار خط لیر کر کھینچے
 تھے مگر کسی کا بھی جواب نہیں آیا تھا۔ نہ اس کے خط کا جواب
 اور نہ لیر کی طرف سے کوئی اس کے لئے یاد آوری کا ثبوت...
 حد سے زیادہ پریشانی کی بات تھی... سب کے لئے... اور
 مومنہ کے لئے سب سے زیادہ... تبھی اس کا یہ حال تھا... کیوں
 نہیں جواب آیا تھا...؟ کیوں نہیں کوئی خط آیا تھا...؟ اس کی وجہ

غیر نے بچیں، تلوں میں پیار بڑے ہوئے پوچھا... یوں تو اس کے لئے دل میں ہمیشہ پیار ہی پیار ہوتا تھا... پردہ چھپا ہوا بھرا کرتا تھا... مگر اس وقت، اس کی حالت سے پیش نظر، وہ ہر انداز میں اظہار کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا...

”کیا کروں... کچھ کھا یا پیا ہی نہیں جاتا... بخار بھی رہتا ہے... گلا بھی خراب ہے... بہت درد کرتا ہے... اندر کچھ اترتا ہی نہیں... اور جو اتر جائے تو...“

مزید کچھ بتانے کی بجائے چپ سی ہو کر، تھوڑا سا شرم کر اس نے نظریں جھکا لیں...

”ہاں... تو کیا...؟“ غیر نے اس کی بات میں دلچسپی لیتے ہوئے ایک گہری میسکراہٹ اس کی تھلک کی... بے حد اپنائیت بھری...

مومن کی نظریں اس کی طرف اٹھیں... پچھلے ہوئے اس نے ٹیبر کی اپنائیت کا جواب اپنائیت سے ہی دیا... ”پانی کا ایک گھونٹ اندر اترے تو قے ہو جاتی ہے... پھر خوف کے مارے کچھ بھی کھا پی نہیں سکتی...“

”اور اس طرح مجھ کے رہ رہ کر اپنا یہ حال بنا ڈال ہے...؟“ غیر کیوں پھینے لگا...

”دیکھو بیٹی...! وہ اک دم جذباتی ہوئے ہوئے بے اختیار کہہ اٹھا تھا... مگر پھر فوراً ہوش آگیا... اس نے جلدی سے دونوں ہونٹ

بیسجھ لپٹے... یہ اس نے کیا کیا تھا...

”بیٹی...؟“ مومن نے حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا... ”تو ابھی تک آپ کو میرا نام بھی معلوم نہیں ہوا...؟“ مومن نے... ”وہ... وہ...“ غیر بچہ دے جانے پر بری طرح گڑبڑا گیا تھا... انتہائی مشکل سے خود کو اس نے سنبھالا...

”دراصل یہ میرا کچھ کلام سا ہے اک قسم کا... جس طرح کسی کو یار کہنے کی عادت پڑ جاتی ہے نا، اسی طرح میں یہ لفظ اکثر استعمال کر جاتا ہوں...“

اس نے بہت سوچ سوچ کر اپنی صفائی پیش کی... تفصیل سے مومن کو کھایا...

”یہ عجیب زبان میں دوست کو بیٹی کہتے نا... یوں آپ کے لئے بھی یہ لفظ زبان سے جھل گیا...“

”اور اب پچھتا نے سکے ہیں...؟“ اس نے ایک لگاتار بھری مسکراہٹ سے پوچھا...

”واہ... پچھتاؤں کا کیوں...؟“

”پھر اتنی صفائی کیوں پیش کی...؟“

”میں ڈر گیا تھا کہیں آپ کو میرا نہ لگ گیا ہو...“

”کسی کو دوست کہا جائے اتنا اونچا مقام دیا جائے... وہ پاگل ہی ہوگا جس کو برا لگے...“

جو میرے اور آپ کے درمیان ہے، یہ ٹوٹنے والا تو نہیں... نبھانے والا ہے... اور رشتے بھنٹوں سے نبھائے جاتے ہیں... چلیں مجھے معاف کر دیں۔"

بات طویل ہو گئی تھی... کرتے کرتے ٹھک کر ڈھنسا سی ہوتے ہوئے اس نے بیک کے ساتھ ٹیک لگا لی... اور بسے بسے سانس لینے لگی...

"اور بسلی... اب میرا ایسا بے اختیار اور بے قابو ہوا کہ سنبھلے سنبھالنے والا معاملہ نہ ہی نہ گیا۔"

مومنہ نے سمانی مانگتے مانگتے ہاتھ بھی جوڑ دیئے تھے... زیرک بے پرواہی نے اسے اتنا حسان اور مجبور کر دیا تھا... وہ بہت نچلے مقام پر آکر پہنچی تھی... بالکل بے وزن اور بے قیمت ہو گئی تھی...

غیر سے کھٹنے ہوئے دل کے کڑے سے جی سینٹے جہیں جا رہے تھے... اس کے پاس بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے...

"میں تو نہیں اپنی دوست بگھتا ہوں... پہلے دن سے ہی... جب تم اس گھر میں آئی ہو... میں بیمار تھا... جیسا ملوکہ تم نے مجھ سے کیا، میں نے تو خہر کے شہر ستاروں سے سجا لئے تھے..."

وہ اس کے ہاتھوں کو قہقہہ رہا تھا... ہلچے پر رقت طاری تھی... اکاذیب جن جنوں کی تھوہرا ہٹ تھی...

"میں گفتگو کو ہیشہ بہن سے زیادہ دوست سمجھا کرتا تھا... اسی طرح میں نے تمہیں دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ ایک دوست جدا ہوا تو مجھے درد سرا، تمہارے روپ میں مل گیا..."

بات کرتے کرتے مومنہ کا ہجر بدل گیا... چہرے پر پچھلی مسکراہٹ معدوم ہو گئی... اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی... بڑی اچھی طرح اس سے گفتگو کر رہی تھی... اب یہ ایک افسوس ہو گئی... بچھڑ سی گئی...

"پتہ نہیں میں کونسی غلطی کر بیٹھی ہوں... کونسا تصور مجھ سے سرزد ہو گیا ہے کہ آپ مجھ سے بات کرنا تو گوارا نہ کیا۔ جہاں میں موجود ہوتی ہوں وہاں آنے سے بھی گریز کرتے ہیں... نبھانے کیوں..."

"دارے نہیں... یہ بات نہیں... غیر پر سکیم ہی گھڑوں پانی پڑ گیا... بہت سادی عداوتوں میں شوب گیا... ڈیویر ساری گھبراہٹیں اس پر طاری ہو گئیں..."

کہا تو اس نے ٹھیک تھا... وہ ایسا ہی کرتا رہا تھا... پرو... یہ اسے کیسے بتائے کہ اس میں اس پجاری کا کوئی تصور نہ تھا، کوئی غلطی نہ تھی... وہ تو اپنے آپ سے خوفزدہ تھا... اپنے دل کے ہاتھوں... اپنے جذبوں کے ہاتھوں... اور... یہ جواب اس کے ساتھ رشتہ داری ہو گئی تھی، اس کے تقدس اور احترام کے ہاتھوں...!

"نامدائش میں مجھ سے جو غلطی ہو گئی ہے، کیا وہ مجھے آپ معاف نہیں کر سکتے..." مومنہ اٹھ کر بیٹھ گئی... چاند اچھی طرح پہنچی... چہرے کی زد دی پر جذبوں کی سرفی نالبا آ رہی تھی...

"ہم اس گھر کے سب افراد کے ساتھ محبت کرنا چاہتی ہوں... پیار، بے تکلفی، اور اپنا شینہ سے سب میں رہنا چاہتی ہوں... یہ رشتہ"

”تو بھر... اس کے بعد کیا ہو گی...؟ آپ نے مجھ سے کبھی بات نہیں کی... اتنے دنوں سے میں حیار ہوں... مجھ کو سے بھی نہیں پوچھا... مر گئی یا زندہ ہوں...“

مومنہ کی زندگی سے مومن، بے چک، آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک بھرا آئی...

”وہ مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں... خط بھی نہیں لکھا... ویزا وغیرہ بھی نہیں بھیجا... یوں میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں... میں بہت شرمندہ ہوں... پر... کچھ کر بھی نہیں سکتی...“

اسنے دونوں کا خیال چھایا تھا... وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔ بے خطا ہوتے ہوئے بھی خطا کاروں کی طرح ساری خطائیں قبول کئے جا رہی تھی...

”یہ بات نہیں... ایسا مت سوچو... تم بوجھ نہیں ہو ہم پر... صبر و صبر... ہو... خوشی ہو ہماری... رونے ہو اس گھر کی... ہمارے دلوں کی... میرے دل...“

وہ گڑ بڑا گڑ بڑا کر کے کہنے کی کوشش کر رہا تھا... مگر... نہ الفاظ ساتھ دے رہے تھے اور نہ احساسات...

”میں... میں کہہ رہا تھا کہ صرف اس لئے تمہارے سامنے آنے سے گریزاں تھا کہ... تم ہی جڑا نہ مان جاؤ... بے تکلف ہو رہا ہوں لوگوں نہ گز رہے...“

مجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیلکھے...؟ پر اسے پہلا نا بھی ضرور تھا... دلاسہ بھی دینا تھا... بیماری نے اور ناروا سلوک نے اس کی جو حالت بنا دی ہوئی تھی، اس ظلم کے حصار سے اسے نکال بھی لازم تھا...

دل خون ہو رہا تھا اسے دیکھ دیکھ کر... اسے اس کے دکھوں اور غموں سے بچانے کی خاطر اندر کہیں چھپا لینے کو جی چاہ رہا تھا... لیکن کچھ بھی پس میں نہ تھا... کچھ بھی اختیار میں نہ تھا...

بڑا ترس آ رہا تھا اس مظلوم پر... اور اپنے آپ پر بھی... زندگی میں ایسا مجبور و لاچار وقت خود اس پر بھی کبھی نہیں آیا تھا...

”دیکھو...“ رقت بھرے، منت بھرے لہجے میں التجا سی کرنے لگا۔ ”میں نہیں بچ پڑ اپنی دوست سمجھا ہوں... یقین کر دو گی اس بات کا...؟“ اب شاید اس میں بولنے کی بھی سکت نہ رہی تھی... جسکی جیگی پلکیں بھیگے رشادیں پر جھکانے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا...

”تم خدا کی تم ہم پر بالکل بوجھ نہیں ہو۔ تمہارا مقام میرے دل میں جو ہے، جو احترام اور تقدس نظر میں ہے، کاش تمہیں دیکھا سکتا... بتا سکتا... بس۔ خدا پر یقین رکھتی ہو تو اس پر بھی یقین کر لو۔ اور آئندہ ایسی بات کبھی مجھ سے بھی دل میں نہ لانا...“

پھر میر نے اس کے آنسو اپنے دماغ سے پونچھے... اک اک قطرہ چٹ لیا۔ کچھ عورتوں کی طرح... قیمتی ہیروں کی مانند...

”معاصل میں پچھلے دنوں بہت مصروف رہا ہوں... گھر میں ہی کم آتا تھا۔“

دیکھتے آئندہ وعدہ کرتا ہوں، ایسا نہیں ہو گا... میں تمہاری خاطر اپنی ساری مصروفیتیں چھوڑ دوں گا... بہت سارا وقت تمہارے ساتھ گزاراؤں گا... بالکل بھروسے اور ناگہان بچوں کی طرح وہ اسے تکیوں پر لا کر دے رہا تھا... اور وہ بچوں ہی کے سے مصروف انداز میں پوری تو جھستے سن رہی تھی...

”تم اس گھر کی عزت ہو... مان ہو... گھر والی ہو... تمہیں تندرست رہنا ہے... صحت مند رہنا ہے... اپنے گھر کو سنبھالنے کے لئے...“ اس نے گھر کی عزت اور مان کو قائم رکھنے کے لئے سوچ بچ کر سارے کام کرنا ہیں...

عمر نے بڑے علوم، بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ بھرے... تسلی، ہمدردی اور مخلص جذبوں واسطے بول مومنہ کے کانوں میں پڑے تو اس کی آنکھوں میں اک چمک سی آگئی... جو بڑی تیر تہم کھل اٹھا... چہرے پر شگفتگی پھیل گئی...

”غلاب... کیوں کی وہ پار پھینک کر کھاؤ... دیکھو تو کن خوب صورت رنگ ہے اس کا... اسے کھا کر تو خوب صورت لوکیاں اور خوب صورت ہو جائیں... اور ہماری جیلتی تو... ماشا اللہ پیچھے ہی...“

قرینہ از عورتی ہی تھی... عمر مزید کچھ کہہ نہ سکا... پر تو مزہ اتنے سے ہی شرانگین... پھر تھوڑا سا ہیکہ پائی... ”یہ بھی کھا لو گی... لیکن...“ لیکن دیکھ کچھ نہیں... بس... کھانا بڑی گی...“ عمر نے اصرار کیا...

ساتھ ہی چیل کر، صاف کر کے، نمک لگا کر اس کے ہاتھ میں تھادی... ”ارے نہیں... لیکن ٹھہرو... پہنے میں چمکے لوں...“ کہیں کھانا تو نہ تھا... اس کا گلہ پہنے ہی خراب تھا... غیر سنے ڈالنے چمکنے کے لئے اپنے منہ میں ترال لی...

”ارے واہ! بالکل ٹھیک... شہد جیسی میٹھی پکانک... کھاؤ... سارا ہی کیوں کھاؤ... پر...“ وہ شرارت سے بولا... ”کیا پتر دوسری پکانک کھٹی ہوں... ہر اک کھینکا پڑے گی...“

”ماں...“ مومنہ کھل کھل کر کے ہنس دی... ”یہ سارا آپ کھالیں... میں دوسرا چیل کر کھا لوں گی...“ غیر سنی سننے لگا... ”اور وہ بے لک کھانا نکل آئے... جلو کوئی بات نہیں... وہ بھی سارا کھکھ دوں گا...“

دونوں ہنستے رہے... پھر عمر نے زبردستی اسے چند پکانک کھا دیں... ”اب کچھ تھابت کم ہوئی؟“

”ہاں... اب تو میں کشتی نولٹنے کے قابل ہو گئی ہوں...“ وہ بھی خوشی میں آگئی...

”طنز کرتی ہو...“

”صرف مذاق... بہت دنوں بعد آج کسی سے اتنی دیر باتیں کی ہیں...“

اندھر کے ڈکھ جیسے سارے کے سارے ہانٹے گئے... پھر خود ہی متحیر سی ہو کر کہنے لگی... ”ارے! باتوں باتوں میں تقریباً پورا کھنک کھا گئی... ورنہ پہلے تو کچھ بھی نہیں کھا سکتی تھی...“

"دوست ہوں جناب... بڑا غلط دوست... بڑی محبتوں سے کھلائی
ہیں اور بے شمار دعاؤں کے ساتھ... انشاء اللہ سب مضم ہو جائے گا،
ٹھیک ٹھاک... دوست کے ہاتھ میں شفا ہوتی ہے..."
"میرے ساتھ دوستی لگائی ہے نا... دیکھ لیجئے لگا... میں رشتے بھی بنایا
کرتی ہوں اور دوستی بھی..."

پورے واقف کے ساتھ اس نے کہا... وہ بہت خوش تھی... بہت مسرور
تھی... اس سے باتیں کر کے... اور غیر کہ محسوس ہو رہا تھا... وہ مزید گفتگو کرنے
کے موڑ میں تھی... اپنی بیماری، اپنی پریشانیوں، جیسے سب کچھ بتائی ہوئی
تھی... غیر نے اس کی خواہش کا احترام کیا...

"میں اگر تمہیں بھابھی کہہ کر نہ فرما سکتا تو... بڑا تو نہیں مٹاؤ گی؟"
"مٹانا ہوتا تو اب تک بہت کچھ مٹا چکی ہوتی... وہ دوسرے شمس بڑی -
پر سوال کرتا ہوا غیر بڑا معلوم اور بے حد اچھا لگا... شرمی کے بعد
وہ بچیدہ ہو گئی..."

"میرا آپ کے ساتھ جو رشتہ ہے، جو تعلق ہے... اسے کوئی سامان نہیں
دے لیں میرے خلوص اور چاہت میں کوئی فرق نہیں آئے گا... رشتے
اور تعلق ناموں کے محتاج نہیں ہوتے، محبتوں کے محتاج ہوتے ہیں... اور
میرا دل اس انمول خزانے سے بہا بہا ہوا ہے..."

"ہوں... تو پھر آزمائیں..." غیر نے جیب میں ہاتھ ڈالا...
"مومنہ کے نام زہیر کا خط تھا... زندگی میں پہلی بار وہ کسی کو دھوکا

دینے جا رہا تھا... (مومنہ ہنس اند خدا کا خوف بھی تھا... لڑہ سا بھی طانی
تھا... بہت ہی نہیں پڑ رہی تھی یہ کام کرنے کی... پہلی پہلی دھوکہ دہی
کی واردات اور وہ بھی مومنہ کے ساتھ... دل دنگی بھی ہو رہا تھا...
"کیسے آزمائیں گے...؟" مومنہ سہم کر اسے پچھنے لگی...

"بس... دیکھ لیں...؟" غیر نے جیب سے لفافہ نکالا تو مومنہ کی
نظریں اس کے ہاتھ پر جم گئیں...

"کیا ہے...؟" ابھی ابھی جو انہیں جذباتوں سے چمک رہی تھیں
ان میں اضطراب کی دھند پھیل گئی... وہ متوجہ شمس نظروں سے اس کو
پچھنے لگی...

"آ رہا تھا تو باہر ڈاکیر مل گیا... میں نے وہ خط ہاتھوں میں کھایا...
پتہ نہیں کس کا ہے..."

"یہ... یہ..." ایک دم مومنہ کا رنگ اڑ گیا... "کہیں میرا تو نہیں...؟"
غیر نے ایڈریس والی سمت اس کی آنکھوں کے سامنے نہائی...

"میرا ہی ہے عمو...! اسے میں یلینرا... وہ یکا یک پہنچے بڑی...
"اتنی دیر سے لئے بیٹھے ہیں کچھ بتایا ہی نہیں... شکوہ بھر کا نظروں
سے غیر کو دیکھتے ہوئے خط کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا..."

"لو جی... آزمائش تو ہو گئی..."
"کیا مطلب..."

"شوہر کا خط دیکھتے ہی ہم پر اٹھنے والی نظریں بدلی گئیں..."

جذبات نے اسے بے اختیار کر دیا تھا۔

”رشتے کے حساب سے میں آپ کو تم کہہ سکتی ہوں۔۔۔؟“

”کیوں نہیں؟“

”اور میرے دوست بھی ہونا۔۔۔؟“

”بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔“ غیر کھڑکی میں سے ہنٹ کر اس کے بیٹھ کے پاس

آکھڑا ہوا۔۔۔

”میرا جی چاہتا ہے اس خط کی ساری باتیں تمہیں سنا دوں۔۔۔ دوستی

کا لاطہ ہم میں ہے نا۔۔۔؟“ وہ اسے خط سنانے کے لئے برسی طرح بیتاب

تھی۔۔۔

”پکا۔۔۔ بھٹی پکا۔۔۔“

”ابنوں نے خط دیر سے کھنے کی سعادت کی ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ تمہارا

ایسا خط کھا ہے کہ۔۔۔“

اس نے شراب کو باقیوں میں چہرہ چھپا لیا۔۔۔ ”خرم بھی آ رہی ہے۔۔۔“

دوست سے خرم۔۔۔ غلط بات جی۔۔۔ ”غیر محفوظ بھی ہو رہا تھا۔۔۔“

”وہ۔۔۔؟ اس نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے۔۔۔ وہ بہت خوش

ہی۔۔۔ اور یہ رقم میرے علاج وغیرہ کے لئے بھیجی ہے۔۔۔“

”کسی بات سے خوش ہیں۔۔۔؟“ غیر نے اسے پھیرنے کی خاطر لوہا۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔“ اور وہ پھر شرابی۔۔۔

”اچھا۔۔۔ کو بھائی جان تمہاری بیماری کی وجہ سے خوش ہیں۔۔۔ کہ

”نہیں نہیں۔۔۔“ وہ بھی سی ہو کر مسکرا دی۔۔۔ ”ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

نہ دین شیک۔۔۔ ہنسنے، ہمیشہ، سال۔۔۔ کبھی جو دوبارہ مانگ جاؤں۔۔۔“

”ایسا سنگدل نہیں ہوں۔۔۔“ غیر نے خط اس کے ہاتھ میں دے دیا۔۔۔

”بس۔۔۔ اس کے بدلے میں اک عدد ٹریٹ لوں گا۔۔۔ اتنے دلی بھر

آیا ہے۔۔۔ ٹریٹ توین گئی نا۔۔۔؟“

”پکی۔۔۔ بالکل پکی۔۔۔ خط کھاتے ہوئے وہ مسکرائی۔۔۔ شرابی۔۔۔

غیر اسے نگھیوں سے دیکھتے ہوئے خط پڑھنے کا موقع دینے کی

خاطر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔۔۔

”عمو! عمو! دیکھیے۔۔۔ وہ یکدم جھلائی۔۔۔ ہجر بڑا مسرور تھا۔۔۔

”ڈرافٹ بھی ہے ساتھ۔۔۔ پانچ ہزار کا۔۔۔“

غیر کھڑکی میں ہی کھڑا رہا۔۔۔ البتہ پھر آنکھوں سے کبھی کبھی اسے دیکھ

لیتا تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔۔۔ اس کے چہرے پر کبھی کوئی رنگ

وڈر اٹھتا اور کبھی کوئی۔۔۔

غیر نے ایسا ہی محنتوں پھر اخطا کھا تھا۔۔۔ دل کے سارے جذبے اس

کاغذ پر منتقل کر دیئے تھے۔۔۔ جو کچھ اس کے لئے من میں تھا۔۔۔ موقع ملا

تو کچھ بھی نہ چھپا سکا۔۔۔

”بائے عمو۔۔۔ ان کا خط تو۔۔۔ اہ! توبہ۔۔۔! جذباتوں سے مرشار

ہوئے ہوئے اس نے ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا۔۔۔

”وہ ایسی باتیں تو نہیں کہتے تھے جیسے خط کھا ہے۔۔۔ عمو۔۔۔! تم۔۔۔“

”تو یہ بات ہے... اس لئے مجھے دیا جا رہا ہے۔“

”نہیں ایسی بات نہیں... مجھرا غمو... یا نہیں دل سے کہہ رہی ہوں...“
پھر اس نے بڑی محبت سے پاس کھڑے عمیر کا ہاتھ پکڑ لیا...
”تھابہت کی وجہ سے یا پھر خوشی کی زیادتی سے اس کا ہاتھ ٹھنڈا
سج ہو رہا تھا...“

”یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ...“

اس کے پاس... اس کے اتنا قریب... عمیر کا دل بڑی طرح دھڑکنے
لگا... پر جس انداز میں اس نے کہا تھا، اس سے بیٹھنا پڑا... اس کی
خوشی کو ملحوظ رکھنا پڑا... اپنی حالت جو ہو رہی تھی، اس کو بڑی مشکل
سے سلجھا لاء...

”اتنی جی اور اتنا جی بیڑے ہیں... بزرگ ہیں... ماں باپ ہیں۔
ان سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں کہہ سکتی... تم بڑے ہو پر بڑتر
تھوڑا ہے... یوں... بلیسی ہو جاتا ہے... ہم عمر بن جاتے ہیں
ہم... میں نا...“

وہ مسکرائی... اتنی دلفریب مسکراہٹ تھی کہ چاروں اطراف جیسے
گزار کھل اُٹھے۔

”دیئے بھی تم نے میرے ساتھ دوستی کا ناظر پوڑا ہے... میری
ہسیں بھی کوئی نہیں... بس تم ہی تم ہو... اور میرا جی چارہ رہا ہے
تم سے بہت ڈھیر ساری باتیں کروں...“

اس بیوی سے جان بچوٹے تو جلدی سے دوسری کریں...“
”عمو!...“ مومنہ نے تیکہ عمیر پر دے مارا... خوشی بے لگفت
کئے دے رہی تھی...

”تمہاری آئے گی نا تو... سارے بدلے ہوں گی...“

”فی الحال تو مجھ سے لے رہی ہو... عمیر نے تیکہ کھینچ کر واپس
مومنہ کی طرف پھینک دیا... جانے کس جنم کے ہیں...؟ دل ہلکا م تھا...
”اس پانچ ہزار میں سے ہمیں کیا ملے گا... بس یہ تیکے کی ماری...“
”سب تمہارا ہے عمو...؟ اس نے ڈرامٹ جلدی سے عمیر کی طرف
بڑھا دیا...“

”سارا علاج سوا لگے ہی تو کر رہے ہو... میں بڑی پریشان تھی۔
اسنے اخراجات... ڈاکٹروں کی فیس... نرس کی فیس جو انجیکشن لگانے
آتی ہے... اد...“ کافر جیہ... مجھے سارا اندازہ ہے... بہت بوجھ
تھا دہیں پر...“

وہ بڑی رکیں ہو گئی تھی... بے حد خوش نظر آ رہی تھی... واقعی
دواؤں سے زیادہ یہ علاج بہتر تھا... اچھا کیا... شروع کر دیا...
عمیر کا اندرا طینان سا اتر گیا... دل ہی دل میں وہ جوا کو بے شمار
دعائیں دے اٹھا...

”لے لو نا...“ مومنہ نے کھلے ہرے چہرے سے پھر اصرار کیا...
”دلیسے جی بک وغیرہ میں تم ہی مجھ کراؤ گے۔ میں تو نہیں جا سکوں گی۔“

غیر کے اور بھی قریب ہو گئی...

"ہم وہ سب ترغیے بھی آمناہ لیں گے... سارے کے سارے..."

"کوئی...؟" غیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا...

"مسلک بڑی... مجھے سب معلوم ہے... اتنی جی نے بتایا تھا..."

تہااری نوکری نہیں ہے نا... اور آتا جی کی تنخواہ سے گھر کا خرچ تنگی

سے جلتا ہے... کوئی بات نہیں... اب سب ٹھیک ہو جائے گا...

تم بھی ٹکرو... جتنی ضرورت ہوگی اس میں سے لینا... گھر کے

خرچ کے لئے کھاتی کو بھی دے دیں گے... پھر وہ اور بھیج دیں گے...

بہت ڈھیر سارے... انہوں نے وعدہ کیا ہے..."

"اورہ...!" "غیر کے اندر عجیب سی چلن پڑ رہی تھی... مون

پر بھی ترس آ رہا تھا... اپنے آپ پر بھی..."

"ابھی تو دوا علاج کا خرچ بہت ہے... پھر جب میرا دوا

دفعہ آگیا... میں چلی گئی تو پھر اخراجات میں کچھ کمی ہو جائے گی..."

تب میں تجھے بہت سارے پیسے بھیجا کروں گی... ان سے اپنی بری بنانا...

اپنا کمر ٹھیک کرنا... ایسا ہی اسیا یہ ہمارا ہے... باقہ دم دفعہ ایسا

بنو لینا... تمہاری شادی بڑی دھوم دھڑکے سے کریں گے..."

میں آ جاؤں گی..."

"بس کرو بلی! خدا کے لئے بس کرو..." غیر کا دل چیخ پڑا... لیکن

زبان کو ایوں کو اس نے بڑی مشکل سے روکا، بھڑکیا...

"کرو..." غیر نے دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ دھرا... پر اس کا

کیا کروں... پروردگار! مجھے بہت دے..."

پھر وہ اس سے زبیر کی باتیں کرنے لگی... میں ایسے ان کی طرف

سے بدگمان ہو رہی تھی... وہ تو عمو! بڑے اچھے ہیں... بڑے

اداس ہیں میرے بغیر... گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے... ایکلے

بڑے رہتے ہیں... اور میں یہاں... سب میں ہوں..."

غیر سر جھکا کر اپنے ہی ٹکے ہوئے اک۔ اک لفظ کو اس

کے چہرے پر نہ گوں کی طرح اور بھولوں کی طرح کھینچتے بکھرتے دیکھ

رہا تھا... لیکن دوسرے کے نام سے... بد نصیبی سی بد نصیبی تھی...

"انہوں نے کھا ہے اب بہت جلد کاغذات مکمل ہو جائیں گے..."

ہڑتال کی دھڑکنے سے دماغ بند تھنے نا... تبھی اتنا وقت لگ گیا..."

"او بھئی! تیرے لئے تو مکمل ہڑتال ہو گئی... اب تو تیری زندگی

کا یہ آفس ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا... کبھی نہیں کھلے گا... کبھی نہیں...

ہوش میں آ... انسانوں کو پہچان..."

بہت کچھ غیر کی زبان پر آ کر ٹوٹتا رہا... کچھ تار رہا... مگر پوتا رہا...

"وہ میرے لئے گھر بنا رہے ہیں... بہت پیسہ خرچ ہو رہا ہے..."

ورنہ وہ اس سے زیادہ بڑی رقم بھیجتے... کھا ہے جلد ہی اور بھیجیں

گے... اور عمو...!"

سرور میں، جذبات میں، اپنائیت اور دوستی میں وہ کھسک کر

”اور ہاں آئندہ سے ڈرامہ کے لئے بھی لکھ دوں گی... تمہارے نام کا بیج دیا کریں... کوئی بے اعتباری ہے... تم کوئی غیر ہو... سب سے زیادہ اپنے ہو... عمو!“

سرگوشی کرنے کے انداز میں وہ اس کے اور قریب ہو گئی...
”خدا یا رحم کر...“ خیر کا سارا وجود کاپنے لگا... پوری ہستی میں اک چھو پھال سا آگیا...

”انہوں نے اتنا بیار ا خط لکھا ہے کہ میں... کچھ بوجھ نہیں... اور مجھے بتاؤ تم... میں کیا لکھوں... ان کا خط پڑھ کر تو مجھے لگتا ہے جیسے مجھے کچھ آنا ہی نہیں... تم اتنی اچھی کہاں لکھتے ہو... مجھے کوئی اتھوڑا سا ہی لکھنا کر دنا... اچھا ہوا پہلے خط نہیں ملے...“

”اپنے جذلوں کے ساتھ تم جو کچھ لکھو گی میں! وہی شاہکار ہوگا...“
”نہیں عمو! کاش تمہیں میں ان کا خط دکھا سکتی...“
”دکھا دو... کیا عروج ہے...“ موضوع بدلنے کے لئے عیر نے شرارت کی...

”دوست ہوں تمہارا... سہیلی ہوتا تو دکھا دیتی نا...“
”شرم آتی ہے...“ وہ بھید بیار سے انداز میں شرمادی...
”ارے! اپنے دوست سے شرم...“

”اچھا... اگلے جو آئے گا وہ دکھاؤں گی...“ اس کا دل بھی چاہ رہا تھا... شرم بھی آ رہی تھی... جذبے بھی چھٹک رہے تھے...

”تھک گئی ہو گی تم... آرام کر دو تھوڑی دیر... غیر نے بڑی نرمی اور پیار سے اسے ٹانے کی کھ کشش کی... اس سے مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا... یہ سب...“

”میں شام کو پھر آؤں گا... باقی باتیں اس وقت کریں گے...“
”اس وقت؟... میں نے تو سوچا تھا اس وقت خط لکھوں گی...“
چلو اچھا، رات کہ لکھ لوں گی... اور ہاں عمو! میرا پہلا کوئی خط انہیں نہیں ملا...“

”دکسی سے پوسٹ کراتی تھیں...؟“
”یہ جو ساتھ والوں کا ردی ہے نا... اس سے...“
”اب مجھے دینا... میں لپسٹ کر دوں گا... اور دیکھوں گا کیسے نہیں ملتا...“

”انہوں نے جس بھی لکھا ہے... کہ آئندہ عمو سے پوسٹ کرنا...“
وہ زور سے ہنس دی... بے محاشا اچھی لگتی تھی ہنسی ہوئی... اس حالت میں بھی...

”آنکھوں کے گرد حلقے... سوکھے مونکے ہونٹ... بے رنگ رخسار...“
سنہری رنگت زرد اپیلی سی ہو رہی تھی... پر پھر بھی اس میں اک کشش تھی...

عیر کے چارہ تھا... لکھو یا ہوا تھا اس میں... سوچ رہا تھا اس کے متعلق... دل داغ دونوں اسی میں مصروف تھے...

”کچھ انتہا کی زحمت کٹی تھی... شکر اے کے بھی تھے... بے شمار جذباتوں میں
ڈوبی ہوئی تھیں...“

”کئی بار چڑھا... آنکھوں سے لگا یا...“ ”عمو! دیکھ... سبق سے اس سے...
کچھ سیکھ بڑے بھائی سے... یوں فرائض ادا کیا کرتے ہیں...“

”آپ کو بہت سلام کھا ہے... اور یہ رقم بھی صرف میرے لئے نہیں
ہے... آپ کے لئے ہے... گھر کے لئے ہے...“ ”مومن جوش جذبات میں
بتائے جا رہی تھی...“

”سنا عمو... سن رہے ہو...؟“

”وہ چپ چاپ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا... ماں اور مومن کی حالت
پر بے حد کڑھ رہا تھا... دونوں بیچاری عورتیں، جذباتوں کی مار کھائی
ہوئیں... کیسے بکھر سمٹ رہی تھیں... خوشیوں میں سرشار تھیں...“

”عمر کا دل سائیں سائیں کرنے لگا... یہ دھوکا اس نے دیا تھا...
ماں کو بھی اور... مومن کو بھی...“ ”پروردگار! تجھے معاف کرنا...“

”پر خوشی بھی دونوں کو بے پایاں ملی تھی... بے حال ہو رہی تھیں...
نہال ہو رہی تھیں...“

”ادھر آؤ نا... دیکھا ہے خط اور ڈرافٹ... تم بھی آؤ لگی جھوٹو...
اور بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو...“

”نہیں امی جی! عمو بھی بڑا اچھا ہے... بڑا مہذب ہے...
”دیکھی ہوئی ہیں اس کی ہمدردیاں... تمہیں ابھی اس کی خوشبو کا

”اگلا کیوں... یہ کیوں نہیں...؟“

”ان سے پوچھ لوں گی نا... مجھے یقین ہے وہ...“
”اور سنا عمو! جہاں آرا اندر آگئیں تو ان کا سلسلہ گفتگو منقطع

ہو گیا...“

”تم یہاں ہو... میں تمہارا انتظار کر رہی تھی...“

”امی جی! آپ کے بیٹے کا خط آیا ہے... مومن بے صبری سے بولا

”زبیر کا خط آیا ہے...؟“ خوشی اور حیرت کے لئے تجھے جذباتوں

میں وہ جلا آگئیں...“

”میں قربان... میں صدمے... خیریت سے تو ہے نا... میں تو نازل

اداکروں کی... کہاں ہے خط...؟“

”اور امی جی! پانچ ہزار کا ڈرافٹ بھی آیا ہے... یہ ہیں...“

”دیکھیں...“

”مومن مستوں میں ڈوبی جلدی جلدی تانے لگی...“

”اور کھا ہے... جلد ہی اور بھی بھیجیں گے...“

”میں نہ کہتی تھی... وہ میرا لالچ بیٹا ہے... بڑا زوردار ہے...“

”اس سے بڑے سکھ ملیں گے... بس اس عمو ہی کو کھانا نہ آیا... کچھ

کمرے کے قابل نہ ہوا...“

”زبیر کے خط اور ڈرافٹ کو جہاں آرا چومنے لگیں... آنکھوں میں

”بہت سارے آنسو آج جمع ہوئے... کچھ خوشی کے تھے، کچھ جدائی کے...“

جان اس میں ہے... دونوں سلامت رہیں...

”ہاں... ہاں... بھائی جان کی خاطر ہی اپنی صحت کی حفاظت کرو... اور زندگی سے پیار... اب تو انہوں نے اتنی بڑی رقم بھی بھیج دی... مومنہ نے شرم کر لیا، لجا کر سر ہٹا لیا... بس اتنی جی! حبیب آپ کام کرتے ہیں تو پھر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا... وہ برے سے بڑ بڑائی... جہاں آرام دہ دھلنے لگیں تو عیسر موقع مناسب جانتے ہوئے گویا ہوا...“

”اگر اتنی کام کرنا تھیں اچھا نہیں لگتا تو کوئی ملازمہ وغیرہ کا انتظام کر دیا جائے... یا پھر تم اگر چاہو تو اپنے یکے کچھ دلوں کے لئے چلی جاؤ...“

”یکے... ہاں...“ چلتی مہکتی مومنہ یکدم بیل پڑ گئی... ”اے... کیوں...؟“ بدمعرا نہیں مٹائیں گے اور نہ ہی بھائی جان کچھ کہیں گے... تم پریشان کیوں ہو گئی ہو...؟“

”پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا...“ میں اجازت لے دوں گا سب سے...“ اجازت...“

”اے... ہم تمہاری خوشی چاہتے ہیں بھئی...! ایسے دنوں میں...“

”مٹا ہے لو کی یا اپنے شوہر کے پاس خوش رہتی ہے یا یکے... اپنی ماں بہنوں کے پاس... جیسے تک تمہارا باہر جانے کا انتظام نہیں ہوتا نہ اپنے یکے جاسکتی ہو...“

ابھی طرح پتہ نہیں...“

اور... جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی کسی کو علم نہ تھا... کس کی صراط سے گزر رہا تھا... مومنہ کے چہرے پر خوب خوشیوں کا دھن تھا... اس نے اس کو کس طرح کچلا مسلاتھا... وہ خط اور وہ ڈرافٹ... کس طرح اس تک پہنچا تھا...

اس نے اپنی آنا اور نمود داری مٹا ڈالی تھی... ختم کر دی تھی بالکل... اس نے خط کے الفاظ کو اپنے جذبات کے خون سے نغمہ کیا تھا... اپنی ہستی کو نیست و نابود کر دیا تھا... زیر کے وجود میں مدغم کر ڈالا تھا...

”ارے... جہاں آ رہا ہوتا ہوتا جی... میں تو مہکھنے آئی تھی تم جاگ رہی ہو یا سوئی ہوئی ہو...“

”کیوں...؟“

”صبح کا کچھ کھایا یا پیا نہیں... دو دو گرم کیا تھا تمہارے لئے...“

”نہیں اتنی جی! پلیز... کھانے پینے کا نام نہ لیں...“

”کیوں...؟“ عیسر نے ایک دم بڑی اپنائیت سے اٹھیں نکال کر اسے دیکھا...

”کیوں نہ نام لیں... اتنی جی آپ نے کہا... دیکھتا ہوں یکے نہیں چیتی... یوں ہی فالتے کرتے رہیں تو مر جاؤ گی بہت جلد...“

”اٹھ نہ کرے... جہاں آ رہا ہے چینی سے کہا... میرے بیٹے کی

”بس صرت آپ سب لوگ ہی میری خوش قسمتی ہیں... باقی تو...“
”باقی تو کیا...“

”دیکھ کے معاملے میں... بہت بد قسمت...“

”ان سے کوئی ٹھیکڑا اور کوئی اچھا ہوا ہے...؟ کہیں ہمارے گھر والوں
میں سے کسی نے...“

”نہیں نہیں...“ اس نے جلدی سے ٹیبر کی بات قطع کر دی... اور
پھر... خود پھر رونے لگی...

اتنا روئی... اتنا روئی... کہ روتے روتے ٹر حال سی ہو گئی... غیر کے
من میں بہت سارے بچھاوے اتر گئے... کیوں اس نے یہ ذکر پھیرا

تھا... وہ اس قدر دکھی ہو گئی تھی... پھر ویسی کی ویسی... خفیت و نزار
ابھی... اس کے آنے سے، زبیر کے خط اور ڈنڈا انڈل سے خاصی

بہل گئی تھی... ساری تکلیفیں بھولی بیٹھی کتنے دلچسپ انداز میں اس سے
گفتگو کر رہی تھی... ہنس بول رہی تھی...

اور اب... آنکھیں بند کر کے ٹیکے پر سر دھر لیا تھا... اسی لمحے جہاں کہ
دودھ کا گلاس لئے اندر آ گئیں...

”ارے! ابھی تو یہ تہقہ لگا نہ ہی تھی... اور اب! آنکھیں بند کر کے
پڑی ہے... عمو! کیا بات ہو گئی...؟ خرد تم نے کچھ کہا ہوگا...“

”نہیں اتنی جی! غیر کے بولنے سے پہلے ہی مومن نے آنکھیں
کھول دیں...

”کیا میرا پہاں رہنا آپ کو پسند نہیں...؟“ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا
یو کھلائی سی بولی...

”ہیں تو پسند ہے۔ خوشی ہے ہماری... پر تمہاری خوشی کے لئے کہ
وہا ہوں... میں تمہارے خط بھی پہنچا آیا کروں گا... تمہیں سننے میں...“

”لکھو بیڑا! اس موضوع کو ہمیں ختم کر دو...“ مومن نے اپنا کانپنا
ہاتھ غیر کے کندھے پر دھر دیا...

”میرا میکہ بھی ہی ہے اور سسل بھی ہی...“ اور اتنا کہتے کہتے
وہ روئے لگی...

”ارے ارے... کیا ہوا...؟“

غیر کے کندھے پر رکھا مومن کا سر ہاتھ بڑی طرح کانپ رہا تھا...
اس نے تسلی دینے کی خاطر اس کے ہاتھ پر اپنا بھاری مضبوط ہاتھ دھرایا۔

”میں نے تمہیں کوئی تکلیف دینے کی خاطر ایسا نہیں کہا تھا...“
غیر نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر تھپتھپایا... دھارس

بند جانے کی کوشش کی... لیکن... وہ روتی ہی رہی... اور غیر کے دل
کی دنیا زبرد زبرد ہوتی رہی...

”میں بہت بد قسمت ہوں... بہت بد قسمت...“ وہ مسکین لیتے
ہوئے بولی...

”میرے بجائے جان جیسا شوہر پا کر بھی...“ اسے کمال کرنے کے لئے
غیر نے بجائی کا نام لیا...

”موسے تو ایسے کچھ نہیں کہا... ویسے ہی بس ذرا طبیعت بگڑ گئی تھی۔“

آپ کو پتہ ہی ہے پل میں کچھ ہوتی ہے پل میں کچھ...“

”میں تو کبھی تخی خط آگیا ہے تو کالانی بہتر ہو جاؤ گی...“

”بہتر ہونے میں بھی آخر کچھ دقت گئے گا ہی نا... خط میں کوئی جادو

تو نہیں کہ دیکھتے ہی اثر ہو جائے...“ غیر جلدی سے بولا...

”شوہر کی محبت میں بڑا اثر ہوتا ہے بیوی کے لئے... تمہیں کیا پتہ۔“

اور خیر شوہر بھی زبیر جیسا... قدر کرنے والا... جان دینے والا...“

جان میری بیٹی! دودھ پلے، اور خیر دو چار بار اور خط پڑھ لے۔“

بڑا سکون ملے گا...“

پھر وہ عیر کی طرف گھومیں... ”بھابی کا خیال رکھنا... اور یہ دودھ

اسے پلاؤ... میں نے بانٹری دھری ہوئی ہے... اور ہاں... اب یہ ذرا

بھی اداس یا پریشان ہوئی تو تمہارے کان کیخونگی... کچھ اور کرنے کے

قابل نہیں تو بھابی کی بیوی کی ہی خدمت کر ڈال...“

جہاں آدا“ عیر کو کہتے کہتے، کبھا تہہ کبھا تہہ باہر نکل گئیں اور عیر زبیر

سرا بیٹھا مومنہ کو دیکھتا رہ گیا... رونے سے اس کی آنکھیں لکڑی لکڑی سی

ہو گئی تھیں...“

”دیکھو بیٹی!“ عیر نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے... ”بھئی جان کو دو۔“

”اُمید میں یہ ذکر کبھی نہیں چھڑوں گا...“

”بہر آخر کو رتہیں اپنے نیکے ہی جانا ہے... وہ دل میں سوچ رہا تھا۔“

بہاں کشا عرصہ اور رہ سکتی ہو... یہ گھر اب تمہارے لئے پرانا ہو چکا ہے

منظوم لڑکی...! ہم سب کے ساتھ تمہارا رشتہ ٹوٹ چکا ہے... تمہاں

اپنوں میں نہیں غیروں میں رہ رہی ہو...“

مومنہ نے عیر کے دلوں بندھے ہاتھ قحطام لئے... ”موہا امانی مت

مانگو... ہماری دوستی ذلیل ہو جائے گی... میں تمہاری کسی بات سے

نہیں روئی...“

”پھر...؟“ عیر نے عیرس سے اس کی آنکھوں میں جھانکا...

”مجھے اپنے بچھڑے ہوئے یاد آ گئے تھے...“ عجیب کو ناک ساٹم

اس کی آنکھوں میں جھلک آیا...

”بچھڑے ہوئے...؟“ عیر نے اک بیتقداری سے پوچھا... ”کون

بچھڑ گیا...؟“

”سارے کے سارے... ماں - باپ - بہن - بھائی - سب - ہمیشہ

کے لئے...“ ”مم کے مادے اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا...

”ہمیشہ کے لئے کا کیا مطلب...“ عیر کا لہجہ جاتے جاتے ہی مرتعش سا

ہو گیا... وہ کیسے ہاتھوں میں چہرہ لئے بیٹھی تھی... اور اس کا سارا وجود

قرقرہ کانپ رہا تھا...

”بس کے ایک حادثہ میں... میں اکیلے ہی تھی...“

”اکیل...؟ بالکل اکیل...؟“ عیر کو اپنی نبضیں ڈوبتی ہوئی غوی ہوئی۔

”ہاں... دنیا کے اس سمندر میں تھا... اک بے وزن... بے قیمت نیکے

کچھ خود مدد کرتی تھی... یوں میں دوسروں کو بھی تعلیم دیتی رہی اور خود بھی حاصل کرتی رہی... بس... اس دنیا کے سمندر سے صرف تعلیم کا موتی ہی حاصل کر پائی ہوں... باقی تو... ساری زندگی، ہر لذت کو ترس رہی ہوں... ہر عروسی کا شکار ہوئی ہوں... ہر ارمان دل کے اندر گھٹ کر رہا ہے... حسرتوں کا مزار تھی... پھر...

مومنہ تھک سی گئی تھی... غموں اور دکھوں کی یاد بھی انسان کو تھکا دیتی ہے... وہ سانس لینے کو لکھ بھر کے نئے خاموش ہوئی تو غیر نئے نہلتا ہی سے بوجھا... پھر...

”دارون کی بیٹی کی دوست تھی ہماری گلشن... اسے میں پسند آگئی... دارون نے بھی مجھ پر یہ ترس کھایا کہ مجھے یتیم خانے کی اک بے سبب رائی کی بجائے اپنی خود کی رشتہ دار بنا کر اپنے گھر سے عزت کے ساتھ رخصت کر دیا... خالی ہاتھ ہی رہی... اک گھر سے انحراف ہونے والی عزت تو مل گئی... یہ میری کہانی ہے...“

مومنہ نے آٹھیں پھر جھپک رہی تھیں... ”اگر اپنے دکھوں کی نہرت تیار کروں تو... تو...“

”بس... بس! بس... خدا کے لئے بس کر دو...“ غیر جھج سا پڑا۔
”ہاں! دکھوں کی خاردار دھنگڑاؤں سے تو وہ صحیح سلامت نکال آئی تھی...“ علی کہ اس کے مستقبل کا خیال آگیا... یہ راستے تو اس سے بھی زیادہ پرخطر اور دکھدار کانٹوں اور جھاڑو جھنکار سے اسے پیسے

کی طرح...

”اوہ...“ علی کہ ابھی نہ کہہ سکا... نہ کوئی ہمدردی کا لفظ... نہ کوئی تسلی کا... اس کا ماضی تو اس کے مستقبل سے بھی زیادہ صدموں، غموں اور تانہ بیکوں میں گزرا تھا... وہ تو اک مکمل ٹکھوں کی داستان تھی... آغاز سے انتہا تک... کیا کہنا اسے... کیا تسلی دیتا...؟

”اور کئی سال پہنچ رہی... بڑے طوفان آئے... موصی لہر لہرائے پھرتی رہی... کئی رات ملا... اپنا کوئی نہ تھا... ڈور کا اگر کوئی رشتہ دار تھا تو ہر کسی نے اک بڑا کی ذات کو کندھوں کا بوجھ کہتے ہوئے مرنہ لگوا۔“
”نب مجھے اک یتیم خانے میں پھینک دیا گیا...“

مومنہ نے جہر سے پرے ہاتھ بٹائے... دنیا جہان کی بربادیاں سمٹ کر وہاں آن جمے ہوئی تھیں... علی کی نظرس جھک گئیں... نہ دیکھ سکا اس عروم اور کٹھنٹے جہر سے کو...

”اوہ خدا یا... وہ بے اختیار اس کے در سے کراہ اٹھا...“
”کچھ وقت تو یتیم خانے میں بھی... آہ... نہ پوچھو! نہ پوچھو...“
مومنہ نے آٹھیں پھینک کر خاموشی اختیار کر لی... چند لمحے اسی طرح گزریں... پھر شاید کوکھ اور اذیت کے وہ لمحات گزر گئے تھے، جوں کی یاد سے بھی وہ بے کل ہوا بھٹی تھی... تب دوبارہ گویا ہوئی...

”اک نئی دارون آگئی... وہ اک ہمدرد سہتی تھی... میں تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی... اس نے اس کا انتظام کر دیا... کچھ خوشیوں دلا دیں...

کوئی تسلی نہیں دے پایا تھا... نہ الفاظ... اپنا بھی جیسے سب کچھ کٹ پٹ گیا تھا...

اور اب... رات بھر میں کچھ درد میں افتادہ ہوا تھا... سوچا چل کر اس دکھیا سے کوئی تسلی، دلمہ ہی کی بات کرے... اسی وقت آنکھ کر بس کے کمرے کی طرف چل دیا...

دربارہ... اسے کمرے میں جہاں آوا نماز کے بعد بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں... وہ سیدھا گڑھا ہوا مومنہ کے کمرے کے اندر جا گھسنا...

وہ اپنے بیڈ پر موجود نہیں تھی... البتہ اس پر بہت سارے کاغذ بکھرے ہوئے تھے... پاس ہی ایک بند لفافہ پڑا تھا... غیرت جلدی سے بڑھ کر وہ لفافہ اٹھا لیا... اور اسے آنکھ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

وہ نہیر کے نام مومنہ کا خط تھا، جو اس نے شاید ساری رات میں مکمل کیا تھا... بہت بھاری تھا... محبتوں سے بھاری تھا یا... اس کے ماضی کے دکھوں کی داستان نے اسے اتنا بھاری کر دیا تھا۔ یا بھران بیٹے ہوئے جدائی کے فلوں کی اذیت اتنی شدید تھی کہ اس بیان سے خط بھاری ہو گیا تھا...

”اے کاغذ... محبتوں سے بھاری نہ ہو... نہیر کی محبتوں سے... بس... ورنہ... ییل! تیرے دکھوں کی انتہا نہیر سے انجام تک پہنچے گی... خدا نہ کرے... خدا نہ کرے... میرے بھائی سے محبت نہ کرنا... نہ کرنا ییل!

تھے... یہاں تو خندم رکھنے کو بھی خالی جگہ نہ تھی...

”بیراب میں خوش ہوں عمو! بہت خوش... ماضی کے دکھوں کی تلخی خدا نے بڑے خوب صورت انداز میں کر دی۔ یہ گھر، نہیر، تم اور آنے والی خوشیاں... بھول جاؤں گی سب کچھ... سب کچھ۔“

اس کے آنسو بھی بہتے رہے اور وہ مسکراتی بھی رہی... اور غیر میں اب مزید حوصلہ نہ تھا... اس کی مسکراہٹیں بھی دیکھنے کا... روشن مستقبل میں وہ بے اس کے رنگ بزرگ چہرے کو دیکھنے لگا...

تب وہ ایک دم ہی افٹ کر کمرے سے نکل گیا... ”جی، آؤ اسٹے دکھوں سے گزر کر یہاں تک پہنچی... اس پناہ گاہ تک... مگر نہیر سے لئے اس پناہ گاہ میں بھی غموں کے کالے ناگ دہانے کھولے سامنے کھڑے ہیں... پھین پھیلائے... آہ تیرا مقدر... میں کیسے اس سے لڑوں...“

غیر کی آنکھوں سے دکھ کے آنسو رواں تھے اور ہونٹوں پر مومنہ کے لئے ہمدردی اور رحم کے کلمات... دل کی دیوہوں سے اس کا درد طوفانی موجوں کی طرح پھیر پھیر کر سرگھرا رہا تھا...

ایک بار وہ پھر دکھوں کی پڑخار راہ پر چل پڑی تھی... اس سوچ نے اسے ساری رات سونے نہیں دیا... جاگت رہا... آنسو بہاتا رہا اور کڑے پس بدلتا رہا...

رات اس کی بڑی بری حالت ہو رہی تھی... اور وہ اسے اس وقت

اکٹھے کئے...

”اچھے دوست ہو... اپنا کچھ بتانے نہیں اور مجھ سے کچھ پوچھتے نہیں... میں تو ساری رات انہیں خط ہی لکھتی رہی... اب یہ نہ پوچھ لینا کیا کھا... وہ نہیں بتا پاؤں گی...“

اک شرمیلی سی ادا سے اس نے سر جھکا لیا... غیر نے کانپتے ہاتھ سے نذر اٹھایا، جیب میں ڈالا... وہ اس کے ساتھ اس کے ماضی کے دکھوں کو بانٹنے کے لئے بائیں کرنے آیا تھا... اس کی داستان نے اس کی جو حالت کر دی تھی اور اس سے مومنہ کے سینہ قریب کر دیا تھا وہ اسے بتانے آیا تھا...

لیکن... لیکن وہ تو اس دقت امر کیبہ کی ٹھنڈی ٹھنڈی پیادرو محبت سے معطر معطر ہواؤں فضاؤں میں سانس لے رہی تھی... وہ بھی اس کی اپنی نہ تھیں... وہ بھی اک دھوکا تھا... پر یہ دھوکا بھی تو اس نے خود ہی دیا تھا...

مٹن... پھر اسے کیوں جھٹکے لگ رہے تھے... کیوں اس کے چہرے پر پھیلی خوشیاں اسے رنج پہنچا رہی تھیں...؟ غیر چونکا... سنبھلا... اس کی زندگی کے لئے یہ تبدیلی بڑی اچھی تھی، اہم تھی... اسے اس دقت اس کے ماضی میں سے جانا قتل کر دینے کے مترادف تھا... اس کی صحت اور حیات کے لئے زہر کی محبت کا دھوکا ہی ضروری تھا... سب کچھ ٹھیک تھا...

خدا کے لئے...

”مومنہ! آواز پر وہ چونکا... ہاتھ میں نذر تھا، ایک دم سے اسے واپس رکھ دیا...“

”یہ میں نے تمہیں ہی دینا تھا... آج ہی، صبح ہی صبح پوسٹ کر دیتا... ہاتھ روم سے نکلی تھی... نکھری نکھری، ابل ابل، مسکراتی ہوئی دلفین آنکھوں میں بے خوابی کی لالی لئے ہوئے، غیر کی طرف سے جا رہی تھی...“

”یہ تمہاری صورتہ کیسی ہو رہی ہے...؟“

”تمہارے دکھوں نے ایسی کر دی... تمہاری ہمدردی نے ایسی بنادی؟“

غیر نے کہنا چاہا... پر... وہ تو شاید ٹھیل چکی تھی۔ حال کی خوشی میں ماضی کی نامرادیاں اور دکھ... وہ تو سارے کے سارے غیر کے چہرے پر ثبت ہو گئے تھے... ساری نامرادیاں اور سارے غم...

”ہاں! مجھے دسے دو بلی! تجھے دسے دو...؟“

اس کے ہر عکس اس کے چہرے پر کل کی نسبت آج بڑی معلق اور چمک تھی... اور... آنکھوں میں زہر کی محبتوں کے شاید پسینے کے تھے۔ ڈرافٹ کی رقم نے اس میں جو خود اعتمادی پیدا کر دی تھی، اس کا عائدہ اک رنگ تھا، ادب تھا اور خوش تھی...

”مجھے لگتا ہے رات تم سو نہیں سکتے... پھولوں ایسی سکھڑ سکھڑ... اس کے ہونٹوں پر کھیلی... بستر پر بیٹھتے ہوئے اس نے سارے کاغذات

ہماری خوشیوں کے لئے بڑی ضروری ہے۔۔۔

قریب جاکر اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے اور تاکیدی کرتے ہوئے
عبر باہر نکل آیا۔۔۔ جہاں آرا باورچی خانے میں تھیں۔۔۔ انہیں اپنے
لئے ناشتہ بنانے کا کہہ کر وہ جواد کے ہاں جا پہنچا۔۔۔

”اُسے صبح صبح۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔؟“ جواد نے دروازہ کھولتے ہوئے
عزت سے اسے دیکھا۔۔۔

”تمہارا دن خراب کرنے آیا ہوں۔۔۔“

”دن خراب کرنے۔۔۔؟“ جواد نا کھی سے اسے کہنے لگا۔ ”کی مطلب؟“

”شکل دکھا کر۔۔۔ صاف ظاہر ہے صبح سویرے ڈکھوں کی باری ایسی
منوس شکل دیکھو گے تو دن کہاں اچھا گزرنا ہے۔۔۔“

عبر مذاق کا رنگ دینے کے لئے ہنسا۔ مگر اس کی ہنسی کے نیچے جو
پریشانی اور لنگھٹات کے سائے آگے بچھے بھاگ رہے تھے آکھ چلی
کھیل رہے تھے۔۔۔ وہ جواد سے نیچے نہ رہ سکے۔۔۔

”اُلٹ کہہ گئے ہو یا ر! دوستی پر اعتماد نہیں ہے نا۔۔۔ ہوتا تو کہتے
صبح سویرے یا نہ کارخ رش لے کر آگیا ہوں تاکہ جواد علی! تیرا دن
اچھا گزرے۔۔۔ ہماری مہبتوں کا بھی اعتبار نہیں ہے۔۔۔ واہ عمو!“

”اعتبار، اعتماد، بھروسہ خوب صورت الفاظ ہیں۔۔۔ معنی ہیں
اچھے ہیں۔۔۔ ہر جواد! اس دنیا میں ہر انسان کے لئے مختلف ہوتے
ہیں۔۔۔ یہ۔۔۔ معنی بھی مختلف اور۔۔۔“

یہ خط بھی۔۔۔ وہ خط بھی۔۔۔ بناوٹ بھی۔۔۔ دھوکے بھی۔۔۔ جعلی
ڈرافٹ بھی۔۔۔ تب اک طویل سانس لیتے ہوئے عبر مسکرایا۔۔۔

”میں جواد کے پاس جا رہا تھا۔۔۔ یہی پوچھنے آیا تھا کہ خط پوسٹ
کر دانا ہو تو ڈاک خانہ راستے میں ہی ہے۔۔۔“

”لیکن اس طرح اس ٹھیلے میں۔۔۔ ۱۹ اور ناشتہ بھی نہیں کیا ابھی۔۔۔
اور ناشتہ ہی کی دعوت ہے۔۔۔ اس نے مجھے پیریاں کھلانی ہیں۔۔۔
بڑی اچھی بنتی ہیں ادھر۔۔۔ اور ٹھیلے کا کیا ہے۔۔۔ یہ اور اس کا گھر۔۔۔
ایک ہی بات ہے۔۔۔“

”خوش قسمت ہو! یاد دوست ملا ہوا ہے۔۔۔ ہیں تو زندگی میں۔۔۔“
اور پھر اس نے جلد منکلی کئے بغیر ہنسا شروع کر دیا۔۔۔ ”ابھی انکری
کے کلمات بولنے لگی تھی۔۔۔ یہ اب تو خدا نے سب کچھ دے دیا۔۔۔ تم ایسا
دوست بھی۔۔۔ دیوہ کے بنائے۔۔۔ اور اتنی جی کوئی سانس لگتی ہیں۔۔۔ اور
آتا جی۔۔۔ اتو جیسے۔۔۔ البتہ جیسے۔۔۔“

پھر وہ یکنخت خاموش ہو کر کھڑکی سے باہر نکلے گی۔۔۔ انکھوں میں
کچھ ہرگز ضرور جیسے چھپا رہی تھی۔۔۔ غیر نے بھی کر دینے کی، اور اس کے
ڈکھوں کو ننگا کرنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ دوست بن کر خود ہی اس
نے اپنی آنا اور خود ابرو کا بصر مکل اس کے حوالے کر دیا تھا۔۔۔
اپنی بے قیمتی کی کہانی سنا کر۔۔۔

”دو لائی دھیان سے لینا بیل! اور انجیکشن بھی گوانا۔۔۔ تمہاری زندگی

”سنو...“ جو ادنے اس کی بابت کاٹ دی... پہلے اندر آؤ... ساتھ اتنی کے ساتھ کی مزیدار چائے پیتے ہیں... ساتھ گرامر م پراٹھوں کا ناشر کرتے ہیں اور پھر دیکھیں گے، کبھی گے کہ ان الفاظ کے معنی کیا ہیں...؟“

”چلو...“ عمیر ساتھ چلا... کمرے میں پہنچتے ہی اس کے بیڈ پر دراز ہو گیا... میرے بھائی نے ہی بدے ہیں... کسی دوسرے سے گلوبے نہ شکایت... اور نہ ہمارے ساتھ تو مشورہ کرنے آیا ہوں...“

”کل یل بجائی کو خط اور ڈرامٹ دے نہیں دیا تھا...“

”دیا تھا... بہت خوش ہوئی... بہت بہتر ہے پہلے سے... دھوکا کھا کر... واہ عمیر!“ اس نے اک طویل سا ٹنڈا سانس بھرا...“

”اور یہ دھوکا تو اب اسے دیتے ہی رہنا ہے... یہ میرے مقدر میں لکھا گیا ہے... اس نے مجھے دوست کا سائندہ مقام دیا ہے...“

اور میں...“

”پھر یہ اس کی خاطر ہی ہے نا...“ جو ادنے اسے تکی دی...“

”سوچا تھا ایک دوبار ایسا ہوگا... اور پھر... میں... یل اپنے میکے چلی جائے گی اور میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں گا... لیکن اب یہ بھی نہیں ہو سکتا...“

”اس کا میکہ کوئی ہے ہی نہیں... لاوارث لڑکی ہے... دکھوں کی ماری... لمحہ لمحہ عمو میں کا کاٹ کر ہمارے گھر میں آئی ہے...“ ٹکھو نے اپنے لیے... ایسا گھر بسانے...“

”یہ چائے بیو نا، ساتھ ساتھ...“ اپنی بیانی جو اد نے اس کے ساتھ میں تھا دی... عمیر کوٹ کوٹ پینے لگا... یہ بھی نہیں دیکھا، اس نے اپنے والی دے دی تھی... اور... موٹر کے مانی کو اس نے کھول کر جو اد کے سامنے دھر دیا...“

اس کی زندگی کا سارا راستہ، جو وہ طے کر کے آئی تھی۔ دکھوں کے خاروں سے اٹا پڑا تھا... پاؤں لہو لہان تھے... اور اب... جس پھول بھری بیچ پر اس نے منزل سمجھ کر پڑاؤ ڈالا وہ... وہ...“

”ان کانٹوں کا کیا کر دوں... جو میرے بھائی نے بچھا دیئے... ایک ہیک تو اسے مل گیا... اور اب اس نے شہر کا شہر ستاروں سے بجا لیا ہے... میں اس میں نہیں کرنا سے ہر جینے ایسا چیک ہیا کر سکتا...“

اگے؟ گے جا کر اور خرچ بڑھے گا... پنکے کی ڈیوڑی وغیرہ... میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں گا... اوہ خدا یا! میں کیا کروں...؟“

جو اد کی اتنی ناشر نے آئیں... پراٹھے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو رہے تھے اور دونوں سوچوں میں کھوئے بیٹھے تھے...“

”کچھ بولو جو اد! کچھ کہو... میرے ہر معاملے اور ہر کام میں تم ہی مشورہ دہندہ ہوتے ہو...“

”اے... جانتا ہوں... جو ادھر سوچوں سے ابھرا...“ اللہ بہتری کرے گا...
نہیں ہے اس کا میکہ تو نہ ہی... تم اس کے میکے کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟
”اس لئے کہ اس صورت میں وہ صحت اور ضرورت میری ذمہ داری بن جاتی ہے۔
بھائی جان نے جس طرح اسے بے سہارا چھوڑ دیا ہے... میں تو نہیں چھوڑ سکتا۔
”شاید اس مرد کے بچے ہو... اچھی بات سوچی ہے...“

”پر یہ مرد کا بچہ اس وقت بڑا غمگین ہو رہا ہے... بے حد لاچار...
”مرد کا بچہ، اور مجبور اور لاچار...؟ غلط ہو گئی نا بات...؟“
”آدمی کوئی نہیں ہے... جاب کوئی نہیں ہے... نہ کوئی آگے راستہ
سوچا جائے دے رہا ہے...“

”میں جو ہوں یاد! ابھر تم روز روز پیسے کے مسئلے کا سوالی کیوں اٹھاتے
ہو...؟“ جو اد نے قدر سے اُلجھ کر کہا...

”میری ذمہ داری ہے... میرے کندھوں کا بوجھ ہے... میرے
بھائی کا نظم ہے... اس لئے میں خود اٹھانا چاہتا ہوں... خود کفالتا ہوں
کرنا چاہتا ہوں...“

”تو اسے کون تم سے چھین رہا ہے... تمہارے پاس ہی رہے گی...“
جو اد نے اس کی پریشانی کو مذاق سے دفع کرنا چاہا، مگر میر نے بڑا
منایا...

”تم غلط انداز میں سوچ رہے ہو... میں تم سے کہے دیتا ہوں...
”اچھا بابا! جو اد نے ہاتھ جوڑ دیئے...“ میں مذاق بھی نہیں کرتا...

بتاؤ تم کین چاہتے ہو...؟

”میں چاہتا ہوں میری کسی مستقل آمدنی کا بندوبست ہو جائے...
”ماں! میں ہر مہینے، ہفتہ وار سے اس کے وظائف کا بندوبست کر سکتی...
”اے! تو کئی... تو کئی... تو کئی...“ غیر نے بڑے اضطراب سے آٹے
دالی میز پر دو تین گئے دے مارے... اس کی بے بسی دل میں زخم ڈال
رہی تھی...

”میں نہیں کہاں سے تو کڑی لا دوں... کاغذ! میرے اختیار میں یہ
ہوتا... تم اشتباہ سے لکھے ہو... دیکھو! جسے بھی ایک شینڈل ڈر رکھتے ہو... روز
میرے بس میں تو صرف یہ ہے کہ اپنی کسی دکان پر سیلے میں رکھ لوں...
اور یہ تمہارا شیش نہیں... میں کیا کروں...؟“

”کیا...؟“ غیر چونکا... جو اد پلار میں کسی سیلے میں کی ضرورت ہے...؟
”ماں! کل ہی منور کیا ہے... دو بجی... اور میں نے آج کے اخبار میں
ضرورت مند کے لئے اشتہار دیا ہوا ہے... یہ دیکھو... تمہارے آنے سے
پہلے ہی تو دیکھ رہا تھا...“

”تو بس پھر... وہ ضرورت مند میں آگیا ہوں... تمہاری سداش لے کر...
”کیا...؟“ دماغ تو درست ہے تمہارا...؟ تم...؟ سیلے میں کر دو گے...
اور نہ ہی اتنی چھوٹی دکان پر...“

”ارے یہ تو بھر بڑا باعزت کام ہے... میں تو انٹیمسٹ ڈھونڈ کر تیار
ہوں... سب کچھ کر سکتی ہیں... کسی ہوش میں میرا گیری لگی... کچھ بھی...

”میں تمہارے اور اپنے درمیان مالک اور ملازم والا ناظمہ قائم نہیں کر سکتا... کچرہ لونا چاہی... پلیز یا یہ اب تمہاری ملکیت ہے...“

”لیکن...“ مثبت بنا اسے دیکھ جا رہا تھا...

”لیکن دیکھ کچرہ نہیں... دوست ہونے کے ناطے تمہارے مصائب میں کچرہ میرا بھی حصہ ہے... وہ مجھے اٹھائے دو...“

”تمہارا حصہ ضرور ہے... میں مانتا ہوں... لیکن...“ عیبر نے جواد کے دونوں ہاتھ تھام لئے... بچوں کی طرح ہونے ہوئے انہیں تھپتھپایا...

”ہنرنا نہ مٹنا میری اس بات کا... یہ جذبیوں کا مسئلہ ہے... میرا جی چاہتا ہے کہ مومنہ کی ذمہ داری میں اٹھاؤں... تنہا... اس میں کسی کی حوصلہ داری نہ ہو... نہ کسی سے اعادے کمزور... اپنے زور بازو سے... اپنی ہمتوں سے... ایک بہادر مرد بن کر، پوری دیر کے ساتھ اس کی مشکلات، اس کی پریشانیوں، اس کے تنکوتا، اپنے اوپر اٹھاؤں... میری محبت یہ تھا خدا کر رہی ہے... بہ میرے دل کا ارمان ہے...“

”ٹھیک ہے... میں سمجھ گیا ہوں... مختصر یہ کہ تم کسی کی اعاد کے بغیر اپنی بیٹی کی ذمہ داری خود اٹھانا چاہتے ہو...“

”ہاں... تم ٹھیک سمجھے ہو...“

”تو میں پھر... جو تمہارا دل چاہے گا... وہی ہو گا... بولو... کیا چاہتے ہو...؟“

”مستردانی چاہ مجھے دے دو... اسی تنخواہ میں اور انہیں مراعات

کچرہ بھی... سچی کہ سرکوں پر بھاؤ بھی لگا دےں... مجھے اس وقت کام چاہیئے... نہیں نہیں... یہ سچے گوارا نہیں... جواد اٹھ کر کمرے میں ٹھپنے لگا...

”کیسے ہو سکتا ہے... میں ذلیل ہو جاؤں گا...“

”ذلیل کا کچرہ لگا... لا اصرع یا بی دے، میں جا کر دکان کھولوں...“

”کمال کرتے ہو یا ر! ایسی بھی کیا جلدی ہوئی کچرہ اور سوچتے ہیں...“

”جواد پس درپیش کر رہا تھا... یہ ممکن بھی کیسے تھا... وہ مالک اور غیر ذکر... وہ نوا پنا سب کچرہ ہاتھ باندھ کر اس کے آگے ڈھیر کر سکتا تھا... ایسی دوستی تھی دونوں میں...“

”اب سوچنے کا وقت نہیں... لاؤ چاہی دو...“

”پر یہ کیسے ہو سکتا ہے... میرے اور تمہارے درمیان دوستی ہے... اور یہ مالک...“ پھر جواد اک دم کچرہ سوچ کر ٹھٹھکا... ”نکا... ہنریر سے چابیاں اٹھاؤں اور لا کر عیبر کی طرف بڑھا دیں...“

”میں تمہارا دوست ہوں نا... اور دوست وہ ہوتا ہے جو وقت پر کام آئے... یہ ہو، آج سے جواد بلانا تمہارا... جب تک کہ تمہیں کوئی اور ملازمت نہیں مل جاتی، یہ تمہارا ذریعہ معاش بنے گا... سلیمن کی حیثیت سے نہیں... مالک کی حیثیت سے... پھر مجھے بے شک چاہیں کر دینا... اتنے ہی مال کے ساتھ...“

”عیبر سوچنے لگا... جواد نے تو دوستی کی سب سے بڑی مثال قائم کر دی تھی...“

البتہ۔ بیل کے علاج کا خرچہ تو نکلتا ہی رہے گا... علاج کا اور غور رکھنا۔
 دیکھ اس کے علاوہ بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں ماروں گا ضرور... بیل
 کے دھکوں نے مجھے بیزار کر دیا ہے... کھندھوں پر جو ذمہ داریاں
 محسوس کر رہا ہوں، ان سے سرخرو ہونے کی کوشش کریں گا...
 انشا اللہ... دیکھ لینا..."

عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے چابیاں جیب میں ڈال لیں... میں چل کر
 دکان کھولتا ہوں، غم ناشتے سے فارغ ہو کر آ جاؤ..."



عمر سیلا پور بن گیا... تنخواہ پندرہ سو روپے تھی، جو کہ کافی نامکافی
 تھی... بہر کیف کچھ ستر ہونے سے یہ پندرہ سو روپے بہت بہتر تھے...
 موٹر کا علاج اور دوا دارو تو چل سکتا تھا...

اس کے علاوہ اب اس کی کہانیاں بھی درجین ڈرائیو میں مستقل
 چھپنے لگی تھیں... گاؤں کے خارجہ ہو تا تو ادھر ادھر گپ شپ لگاتے
 کی بجائے جیٹھ لکھا رہتا... اسی لگن کی تھی کہ بازار یا سڑک کا شور
 بھی اسے ڈسٹرب نہ کرتا... وہ تو اپنے اندر کی دنیا میں لگن تھا۔ باہر
 کا اس سے ہوش کب تھا... اور باہر آ کر اس نے کرنا بھی کیا تھا...

اندر تو مومز بھی... اس کی بیل... اس کے دھکوں کی سوسیاں نکلتا

کے ساتھ۔ جو اسے تھیں...
 "اور جناب اسی طرح... ٹکڑے کر دو دستی علیحدہ ہی رہے گی... دیے
 رہے گی تو نا..."

جو ادکی بات سنتے ہی غیر جلدی سے اس سے ہلگیر ہو گیا...
 "دستی تو آخری سانس تک رہے گی..."

"ہیں... تو پھر جیسا تم کہو گے، دلیا ہی کروں گا... یہ سمجھتے، مانتے
 ہوئے بھی کہ یہ جاب تمہارے قابل نہیں ہے... پھر بھی انکار نہیں کروں گا"
 "نہ نہ، کسی بھی کام کو چھوڑنا نہیں کہتے... تم جب گاؤں کے ساتھ
 مول تول، سودے بازی کر رہے ہوتے ہو تو کتنوں کو علم ہوتا ہے کہ تم
 مالک ہو، اور کتنے یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ایک سیلڑ میں... اسی طرح مجھے بھی
 کوئی جوجی میں آٹے سمجھتا رہے... مالک یا سیلڑ میں..."

عمر ہلکا سا... سمجھنے دو، کیا فرق پڑتا ہے... پر میرے جذبات کو تو
 تسک رہے گی... دل کو اطمینان ہو گا کہ اپنی بیل کے دھکوں کے کاٹنے میں
 اپنی پکوں سے سمیت رہا ہوں... سکون ملے گا..."

"تمہاری انا اور خود داری سے واقف نہیں... کبھی اس کو تجربہ
 نہیں ہونے دو گے... اور میں یہ پسند بھی نہیں کروں گا... لیکن عمو..."
 جو ادنے سوچوں میں گھوٹے کھوٹے پوچھا...

"پندرہ سو روپوں سے تمہارا بنے گا کیا..."

عمر ندر سے ہنسا... "جاں عزیز! میں نے اپنا تو کچھ بھی نہیں بنانا"

وہ زیر کے خفوں سے مل خوشیوں سے ہی نہال ہوئی رہتی... سڑنا رہتی رہتی... دہلی، بھوئی رہتی...

غیر گھر میں جیسا بھی تھا... پتھر تھا... بد اخلاق، بد مزاج تھا... چڑچڑا تھا... گھر میں دلت، نہیں دیتا تھا، گھر والوں کے کام نہیں آتا تھا، پر جو ذمہ داری اس نے اٹھائی تھی... اسے پوری تندرستی سے پوری کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا...

بندہ سوردیوں کے علاوہ کہانیوں کے بھی آجاتے تھے... لیکن ابھی بھی ہر بیٹے اس پر ترخہ چڑھتا تھا... تب وہیں دکان پر جب خارخ وقت ہوتا، ایک گھڑ دو پہر کا اور رات آٹھ بجے کے بعد اس نے جواد سے اجازت لے کر کچھ بچوں کو پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا... یوں اس کا ایک اک لمحہ اس مشن کو پورا کرنے میں صرف ہو رہا تھا...

وہ پھر انسانی دکان میں اپنے گاہکوں کے ساتھ بڑی زندہ دلی اور خوش مزاجی سے پیشی آتا... جواد کے اس پر بڑے احسانات تھے، اور اس کی دکان کو بہت اونچا اٹھا کر ان احسانات کا کچھ بدلہ بھی چکانا چاہتا تھا... پوری دانتداری اور خلوص سے کام کر رہا تھا...

تھا بھی دوتن والا، اک ادیب، اک تھکار... جتن اچھا لگتا تھا... اتنا اچھا بولی بھی سکتا تھا... اس کے پیارے پیارے بھلوں اور خوبصورت فطرتوں سے اس کے گاہک بہت خوش رہتے، بے حد غلطوٹ ہونے... کبھی جی اچھا نہ بھی ہوتا، بندہ بشر ہی تھا نا، برصہ بھی اپنے گاہکوں کو بہت

تھیں... وہ اپنا آپ... دنیا... دنیا کے لوگ (عزیز، رشتہ دار، دوست) سب کو بھلا بیٹھا تھا...

مومن کی صحت بہتر ہوتے ہوتے کافی اچھی ہو گئی تھی... دوا خوراک کے علاوہ زیر کے محبت بھرے خطوط لکھتے... بڑی باتا حدکی سے وہ اس کے علاج کے لئے رقم بھی بھیج رہا تھا... جہاں آرا اور کمالی صاحب بھی اس کا بہت خیال رکھتے...

پس اک ٹیکر کی طرف سے تھوڑی سی شکایت تھی اسے... دکھائی ہی کم دیتا تھا... سارا سارا دن یا ہر بجائے کہاں گزار دیتا تھا... رات کو بھی کبھی کبھی بہت دیر سے آتا... مومن کا جی پاتا... وہ بھی اس کی اسی طرح دلداری کرتے، جس طرح ساسی اور کسمیرہ کرتے تھے... اور زیر دیر دیر بیٹھا بھی اس کی ٹیکروں میں گھل رہا تھا...

رشتے اور تعلق کا خرق تو تھا... پر غور سے خود ہی حدیث کی اپیل کی تھی... اور اب ایسی ہی وہ اس سے توقع کرنے لگی تھی... لیکن وہ پورا نہیں اتر رہا تھا... ایک دوبارہ لگ رہی کیا، پر اس پر کوئی اثر نہ ہوا...

”اتنی سچ کہتی ہیں... تم ہو ہی پتھر کے انسان... کچھ بھی تم پر اثر نہیں کرتا... نہ کسی کی محبت اور نہ کسی کا ہلکا یا سنگھ...؟“ اس کے منہ پر کچھ نہیں کہا البتہ دل میں سوچ کر کبھی کبھی گڑھن ضرور تھی... لیکن... زندگی بڑی مطمئن اور آسودہ گزر رہی تھی...

خوش رکھنا۔ دکان میں بڑا اگڑ بھڑ اور کسی خوشی کی تقریب کا سماں رہتا...
 ”میرا آپ ہر وقت کھینچے کیا۔ ہتے ہیں...“ عیمر کے اک بے تکلف
 اور مستلک جاکب نے اک دن کاؤنٹر پر اس کے پیچھے بکھرے کاغذ دیکھ کر
 بوجھ ہی لیا...

”جب بھی میں آتا ہوں آپ معروف ہوتے ہیں...“
 ”بس جی ایسے ہی، زندگی کے زخم اندر رکھنے کی بجائے کاغذوں پر
 بکھیر دیتا ہوں... کیونکہ اندر رہیں تو ناموسور بن جاتے ہیں، کاغذ پر آ
 جائیں تو کہانی بن جاتی ہے...“

”داد... کسی خوب صورت بات کی...“ دکان کے اندر داخل ہوتے
 ہوئے لطیفی صاحب داد کے طور پر بے ساختہ بول اٹھے...
 ”شکر...“ نوازش...“ عیمر نے خریدنے سے انداز میں آداب بجالاتے
 جوئے بوجھا... ”فرمائیے...“ آپ کو کیا چیز چاہیے...؟“

”جو چیز چاہیے تھی وہ تو بازار کھلا ہے، ہر جگہ مل جائے گی مگر میں
 جس کی تلاش میں تھا بہت دنوں سے، اچانک وہ گھر پہلے دکھائی دے
 گیا...“ وہ بزرگ عیمر کو سر سے پاؤں سے دیکھتے ہوئے اک گہری سی
 مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے...

”آپ فارغ ہو جائیں، پھر میں بات کرنا ہوں...“
 عیمر چونکے، اٹھ کھڑے اور گڑبڑاتے ہوئے دوسرے گاہک کو بلوا کر جلد
 فارغ کرنے لگے...

”جی۔ فرمائیے مجھ سے...“ ہاتھوں کو دگر دیتے ہوئے ان کے پاس آن
 کھڑا ہوا... جیسے ایسی کیا بات تھی جو وہ اس قدر گہری اور پچھلا سرا سی
 مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے...
 ”بہت دنوں سے میری اک پراہٹم تھی... امید ہے وہ آپ حل کر
 دیں گے...“

”حکم کیجیے...“ عیمر نے سعادت مندی سے کہا...
 ”میں ملک سے باہر رہتا ہوں... کما تو بہت لیتا ہوں... بہت دولت
 پیسہ ہے، ہر آسائش ہو سی بچوں کو میسر ہے لیکن میرے لڑکوں کی تعلیم
 اور تربیت میری مرضی کے مطابق نہیں ہو رہی...“
 ”تو جناب اس مسئلے میں میں کیا کر سکتا ہوں...؟“
 ”ان کی سرپرستی قبول کر لو بیٹے...! لطیفی صاحب اک دم میکی سی
 صورت بناتے ہوئے بولے...

”میرے بچوں کا ماں چاچا کوئی نہیں... ماں کم پڑھی لکھی عورت ہے۔
 وہ ہائی کلاس کے بچوں کے مسائل کو سمجھتی ہے، نہ تعلیمی ضروریات کو...“
 ”پہر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں مر...؟“

”بچوں کو نہ صرف ٹیوشن بلکہ کئی طور پر ان کے سارے مسائل، سکول
 کے اچھے امتحانات کے بعد کالج میں داخلہ لینے کے لئے انہیں گائیڈ کرنا
 ہے... کوئی مفاد میں اند کو کسی لائن بہتر ہے گی... ایک کے لئے اور دوسرے
 کے لئے۔ ساری ذمہ داری اٹھا لو بیٹے...!“

اپنا نہیں... میں یہاں ملازم ہوں اور آپ جو کچھ چاہتے ہیں، اس طرح مالک کے ساتھ ایسے ایمانی ہوگی...

آفر ابھی خاصی تھی... مزید تین چار ہزار روپیہ ماہوار سے غیر کے سارے مسائل حل ہو سکتے تھے... لیکن... یہ اس کے دل کو گوارا نہ ہوا۔ دکان جواری ہو... اتنے پٹر عموماً دوست کی، اور وہاں دکانداری وہ علیحدہ قسم کی شروعات کر دے... دکان کے مالی کے علاوہ دوسری سود سے باندی اور دوسرا کام...

"دکان بند کرنے کے بعد بھی... آٹھ بجے سے دس بجے تک کا وقت میرے بچوں کو دے دیں... پلیز..."

لطیفی صاحب کی یہ التجا وہ شاید مان لیتا... یکایک نو منہ کا خیال آگیا... ہر وقت اندر ہی تو کہیں بسی رہتی تھی... دل میں ہی نہیں صرف۔ داغ میں بھی، خیال میں بھی، وہی وہ ہوتی تھی ہر وقت...

معمولاً یہ آجکل تم سارا سارا وقت کہاں غائب رہتے ہو... ہم اداس ہو جاتے ہیں... اسی میں اور میں بھی..."

سنا نہیں! یہ تو ابھی نو بجے رات کو آ جاتا ہے آجکل، بڑی کم نوازی ہوتی ہے ہم پر، در شریعہ تو بارہ ایک بھی بجا دیا کرتا تھا... جہاں آرا نے دل کے چھوٹے چھوٹے... بڑی تنگ قفس غیر کی حرکات سے... دہڑھائی مکمل کرنے کے بعد اس نے صرف ایک کام کیا ہے۔ آواز گونجی اور بس... آواز گونجی...

سنوئی پر بیٹھے تھے، انگلی سے کاڈنٹر کے کونے کو کریڈتے ہوئے کھوٹے کھوٹے سے، ڈوبے ڈوبے سے، دبی دبی آواز میں کہتے رہے...

"میں زندگی میں خود وہ نہیں بن سکا، جو دنیا چاہتا تھا... لہذا اپنے نوابوں کی تعمیر بھی بچوں کے مستقبل میں دیکھنا چاہتا ہوں... رات دن محنت کرتا ہوں... انہیں کی خاطر... اپنی تحلیل کے لئے..."

پھر وہ یقیناً چونکے... جذبات میں پتہ نہیں میں کیا کیا کہہ گیا... مختصر یہ کہ میں بچوں کے لئے کسی پورا اعتمادی ڈیوٹر کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔ اور بیٹے! آپ کی گفتگو سن کر مجھے آپ پر اک اعتماد سا ہو گیا ہے۔ میرا دل کہتا ہے آپ کی صحبت میں وہ کر میرے بچے..."

لیکن محترم! میرے پاس وقت نہیں ہے... صبح سے شام ہو جاتی ہے یہیں دکان پر..."

"تو بچے یہاں آ جایا کریں گے... کوئی مضائقہ نہیں... بہت ذہین بچے ہیں... شریعہ بھی نہیں ہیں..."

"لیکن... سر..."

"لیکن دیکھ کچھ نہیں... آپ میری درخواست پر غور کریں... میں دو تین سال بعد اپنے وطن آتا ہوں... اب لگایا اس وقت آؤں گا، جب یہ کالج کے بھی دوا دو سال گزار چکے ہوں گے... مجھے بڑا دکھ رہتا ہے۔ پلیز! انکار نہ کریں... میں تین چار ہزار تک ماہوار دینے کو تیار ہوں..."

"لیکن جناب! میری بھی بات آپ تو جس سے نہیں... میرا یہ وقت

”یوہو اس سے... اس نے کبھی سوچا... باپ بھائی کے کڑوں پر ہی نہ بڑا رہے... خود بھی کچھ کرے... کبھی دل میں کوئی خیال آیا...؟ یوہو اس سے...“

”عمو! کہاں نہتے ہو سارا سارا دن... جہاں آسا کے بار بار کہنے پر آخر مومن نے پوچھ ہی لیا...“

”ماں کہتی رہی تھیں... وہ مشا رہا تھا... خاموشی کے ساتھ... کوئی جواب نہیں دیا تھا... وہ تو کوئی ساتویں سے تقریباً روزانہ ایسے ایسے سوالات کرتی آ رہی تھیں... وہ کوئی جواب دیتا بھی تو انہیں یقین نہیں آتا تھا...“

”غیر پرک دتی پھر یقین دہر دے نہ تھا...“

”مومن نے پہلی بار سوال کیا تھا... عمیر نے جواب دے دیا...“ جواد کے پاس...“

”ایک نورہ جواد اسے بگاڑ رہا ہے... خود تین تین دکان میں چلا رہا ہے اور دوست کو تنہا ہی نہیں کہتا کہ وہ بھی گھر کی کوئی ذمہ داری سنبھالے۔ وہ تو بس گپ شپ کے لئے اسے پاس بٹھا چھوڑتا ہے... خود غرض کہیں کا... اپنی رزق اور دل کی کے لئے... اور یہ الحق... بیانیڈ... اس کو تماشا دکھانا رہتا ہے...“

”میں اپنی مرضی سے وہاں جاتا ہوں اتنی... جواد پر دکانے لگنے پر الزامات، یقیناً زیادتی تھی... وہ اب مزید خاموش نہ رہ سکا...“

”اس نے مجھے کبھی مجبور نہیں کیا... ویسے بھی وہ اک در اندازانی ہے۔“

”لیکن اتنی جی! میں نے تو عمر میں بظاہر کوئی عیب نہیں دیکھا...“

”تھیں اس گھر میں آئی کوا بھی وقت کتنا ہوا ہے... جو بکھیں گے آہستہ آہستہ...“

”کسی دوست وغیرہ کے پاس جاتا ہوگا... مومن نے متبص سے لکھے میں تیس آرائی کی...“ کیکل عمو! ہم نا... سگریٹ تک تو بتا نہیں۔ یقیناً کوئی اور بھی لت نہیں ہوگی... مجھے پورا یقین ہے...“

”دونوں ساس بہو اسے ڈسکس کر رہی تھیں اور وہ چپ چاپ بیٹھا سن رہا تھا...“

”ضروری نہیں شراب پونے والا ہی عیب ہوا انسان میں، وہ تو عیب دار کہلائے... بعض اوقات کچھ ایسی بھی عادات ہوتی ہیں جو عیب سمجھی جاتی ہیں... شراب پونے کے علاوہ...“

”جہاں آدے اپنی مستحق مومن کو کھائی... بڑی جھولی تھی لو کی۔ جراتا بھی نہیں جانتی تھی... انہوں نے سوچا...“

”اب یہی دیکھ لو... پڑھ کچھ کر گنوا دیا... کچھ کھاتا نہیں... پوڑھا باپ اس عمر میں بھی نوکری کر رہا ہے... بجائی وہاں سے بھیجتا ہے ہر مہینے اس پر بھی کچھ فرائض ہیں نا گھر کے... اس نے کبھی سوچا...“

”جہاں آزمائش کرتے کرتے ایک دم ڈھکی بڑھیں اور پھر جوش میں آ گئیں... کچھ پیش تھا... کچھ جذبات... کچھ بہو کے سامنے شرمندگی کو اس کے شوہر کی کمائی کے ہی سبب محتاج ہو گئے تھے...“

”دیکھی ہوئی ہے اس کی یہی انسانیت... اتنے اتنے وقت تم پر بڑے... وہ کبھی تمہارے کام آیا... اچھا بھلا کما رہا ہے... ارے... وہ تو دوستی کا بھرم رکھتا بھی نہیں جانتا...“

مال کی اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا... کیسے بتاتا کہ وہ کس کس طرح اس کا ساتھ دے رہا تھا... بتانے والی زبان تو کٹی ہوئی تھی...

زیر کے ظلم نے کاٹ ڈالی تھی... موند کی گرتی ہوئی صحت نے کاٹ ڈالی تھی... مصلحتوں نے کاٹ ڈالی تھی...

”بھیر... سوچا یا آپ نے...“ عبرا اپنے خیالات سے چونکا۔ وہ بزرگوار کاٹک اس کے چہرے کو کمرے تھے... امید و بیم بھری نگاہوں سے...

”جائے کیوں آپ کے چہرے پر کچھ ایسے اعتماد دہرے کے رنگ لگے دکھائی دے رہے ہیں کہیں آپ کو بھور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ حاضری نہیں... انکار ہوا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا...“

اسی لمحے جواد دکان کے اندر آ گیا...

”نہیں جی... اس دکان سے کبھی کوئی مالک نہیں لوٹا... آپ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا... میرے ضرور اس فہم داری کو نبھائے گا...“ جواد نے سب کچھ سن لیا تھا... عبرا کے لئے اس سے ابھی آخر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی... اس سے معلوم تھا کہ اخرا جانتے کتنے تھے اور

آدمی کتنی... اس کے علاوہ کچھلا قرضہ بھی تھا... باپ بوڑھا تھا... بھائی کینہ... سب کچھ خیر نے ہی کمر لیا تھا... تب اس نے خود ہی فیصلہ کر کے حکمرانہ جباری کر دیا...

”آپ آج سے اپنے بچوں کی طرف سے بے فکر ہو جائیں... قوم و ملک کے ایک ہی بچے کا اس کے ہاتھوں مستقبل سنو رہا ہے تو کچھ آنے والی اک پوری نسل ستور گئی... اس سے بڑی نیکی اور کیا ہوگی...“

”بہت مہربانی... بہت شکریہ...“ یعنی صاحب نے کھڑے ہو کر جواد سے ہاتھ ملایا... ”آپ نے میری مشکل حل کر دی... میں بہت دلی سے پریشان تھا...“

”لیکن جواد! میرے پاس وقت نہیں ہے... پہلے ہی جلی لگ کر رہی تھی اور آئی آندہ گردی کے طعنے دیتی ہیں... اور پھر کچھ اس دکان کے لئے بھی تو... میری دیانت...“

”او! پر عقل کے اندھے یہ ساری لگ و دو بھی تو اسی کے منہ ہے۔ اور خالہ جان آدمی گردی کے طعنے دیتی ہیں تو سنتے رہو... مال ہیں نا... دس باتیں اور بھی کہیں... رہ گئی دکان کی اور دیانت کی بات... تو تم صرف دو گھنٹے بھی یہاں وقت دے دو گے تو پھر بھی بہت ہے... اتنے غریبوں تم نے تو میرے جی سارے کا کھک توڑ لئے ہیں...“

جواد نے اسے پرے لے جا کر کہا یا...

”اس آنر کو شکراؤ نہیں... اللہ کا شکر ادا کر کے قبول کرو...“

میدھا میرے پاس دکان پر پہنچ جاتے... بڑے پیارے بچے تھے... کھجور
بھی تھے... میں اپنی سرپرستی کی ضرورت تھی...

عمر انہیں اٹھنے بیٹھنے، گنگو و غیرہ کرنے، لوگوں سے ملنے ملانے کے
طریقوں سے لے کر کھانے پینے، سینے شک کے طو و اطوار کھا رہا تھا...
آگے بڑھنے کی، تعلیم میں، عقل میں، ہنرمیں، زندگی کی ہر دھڑیر
انگ پیدا کر رہا تھا...

ان کے باپ کی خواہشات اور ارمان کیا تھے، وقتاً فوقتاً ان کے کانون
میں ڈالتا رہتا... جنہیں پورا کرنا ان کا فرض بنتا تھا... کیونکہ ان کا باپ
اک اسی مقصد کی خاطر اپنا وطن، اپنے عزیز و اقارب اور دوست
احباب سب چھوڑے بیٹھا تھا...

انہیں آسانئیں دینے کے لئے، ان کا مستقبل سنوارنے کے لئے،
ان کی زندگیوں کو اونچا، بہت اونچا اٹھانے کے لئے...

ساتھ ساتھ بچوں کو باپ کا خوف بھی تھا... ذرا گڑبڑ کی تو اس
مک خیر پہنچ جائے گی... پہلے تو صرف ان کی اپنی ہی خط و کتابت
باپ کے ساتھ تھی... جو چاہتے مکھ دیا کرتے تھے... جو چاہتے چھپا لیتے
تھے... مگر اب...

ان کے سامنے باپ عید کو کہہ کر گئی تھا کہ ذرا بھی کسی نے کوئی غلط
حرکت یا اس کی حکم عدولی وغیرہ کی تو فوراً اسے مطلع کر دے... وہ
ان کی زندگیوں سنوارنے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے... اسے انتہایت

فرضوں کی بھی ادائیگی ہو جائے گی اور پھر پانچ چھ مہینے بعد ڈھیر کیس
کے لئے اک بڑی رقم کی ضرورت ہوگی... عیدہ کیس ہے... شامہ آپریشن
درمیرہ ہو... اسے جانتے تو ہوتے سب کچھ... پھر میں کچھ کرنے لگا ہوں
تو تمہاری آنا اور خودداری آڑ سے آتی ہے... لہذا... گھر آئی رحمت
کو فورا قبول کرو... میرا عقائدانہ مشورہ یہی ہے... جس طرح کا سکتے ہو گا...
ضرورت ہے اس وقت...

جو اد کہہ تو ٹھیک رہا تھا... سولہ آنے درست... عمر کو احساس ہوا
اندازہ ہوا... یہ پیشکش ہر لحاظ سے اچھی تھی... پیسے کے لحاظ سے بھی
اور انسانیت کی خدمت کے لحاظ سے... بچے دونوں اس عمر میں تھے
کہ بری صحبت مل جاتی تو بگڑ سکتے تھے... باپ کی کمائی کافی تھی... اور ان
گھاؤں کی اک کہ تعلیم یافتہ عورت...

لطیف صاحب سے ضرورت کے علاوہ اپنی بے چارگی بھی کھول کر
سامنے رکھ دی تھی... سکول سے آنے ہی بچے باہر نکل جاتے تھے...
دوست بہت سارے بنائے تھے... ابھی تو آئیں کریم اور دیگر بچوں اور
برگر اور چرخوں ہی کی عادت پڑی تھی... ان سے پیسے لے کر کھاتے
کھاتے رہتے تھے... آگے بہت کچھ ہو سکتا تھا...

اپنی محبوبیاں... جو اد کا اصرار، لطیف صاحب کی پریشانی، لا چاری
اور بے کسی... اور منتیں سماجیت... عمر بھر گیا...
بچے سکول سے گھر آتے، یونیفارم بدل لیتے، کھانا دینہ کھاتے اور

”یہ ایسے ہی کو اس کر رہا ہے... تم اس کی بات چھوڑو...“ میرے لئے جو اد کو اوپر تلے کئی آنکھیں مار ڈالیں... پر جو اد اس وقت شرارت پر اتر ا ہوا تھا... ہنستا ہی رہا...

”کوئی کمزن ہو گی... میں نا...“ مجھے معلوم ہو گیا ہے... ”تو جوان کی عمر میں قدم رکھ رہا تھا... بہت شرما شرما کر اور نظریں جھکا کر بولا۔“ کمزن نہیں...“ جو اد کی آنکھوں میں شرارت کی پریاں ناچتی رہیں۔ میرے کنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا... ”یہ تم بچوں کے ساتھ کیسی باتیں لے بیٹھے ہو...“

”تو اب بکرتو تھیں...“

”جو اد باز آ جاؤ...“ میرے منگنا تا نا تو اس نے جلدی سے پٹری بدل لی...

”ماں ہے بچے... اس کی ماں ہے... آپ کی اتی کیا آپ کے بغیر کبھی ادا س نہیں ہوتیں...؟“

”دو تو ہم یہاں سے جاتے ہیں تو ادا س یوٹی ہوتی ہیں...“

”تو بس... تمہارے بھائی جان کی ماں کا بھی یہی حال ہے...“

”بانت بن گئی تھی، میرے اطمینان کا سانس یا... بڑی بوڑھیاں سنایا کرتی تھیں کہ پیلے زمانے میں جو بچا پھا گئیاں ہوتی تھیں، وہ آسمان کا ایک ٹکڑا اتار بھی لیا کرتی تھیں اور پھر لگا بھی...“

”اچھا اچھا...“ جو اد نے خفیت سا ہوتے ہوئے میری بات

تھے اسے...

شرع شرع میں تو بچوں نے باپ کے خوف سے بھی میری باتیں منیں، احکامات مانے، مگر پھر ہوئے ہوئے خود بھی اس سے مانوس ہوتے گئے...

اچھا کام، اچھا مال، اچھا خیال اور اچھا ارادہ ہو تو انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے... ”اُنس اور لگاؤ کی حدوں سے نکل کر وہ - میرے محبت کرنے لگے... اور میری مرض کی حدوں سے نکل گیا...“

اب تو چھٹی کا دن بھی بچوں کا گھر میں گوارنا مشکل ہوتا... ”بھائی جان جمعہ کو جس دکان کو مل لیا کریں...“ چھوٹے بھائی نے اک دن پیرے لاد پیار سے کہا... ”میں آپ کے بغیر ادا س ہو جاتا ہوں...“

جو اد پاس تھا... مسکرایا... آنکھوں میں شوخی ناچی...

”اے اے اے اے! اپنی ادا س کا خیال ہے تمہیں... اور جو لوگ

بھائی جان کے بغیر ادا س ہو جاتے ہیں، ان کا کوئی خیال نہیں۔ جو کا دن بہت نہیں کتنی مشکل سے آتا ہو گا... اور کیسا عذاب دے کر نکل جاتا ہو گا...“

”کیا جو اد بھائی بکین مطلب...؟ کون بھائی جان کے بغیر ادا س ہو جاتا ہے...؟“

مدھی کی بجا تھے اس سے بڑا، تو پھر پچھے گم پڑا، تو جو اد بڑے معنی خیز انداز میں میرے کو تکنے لگا...

حقیقتوں کو... اصلیتوں کو...

اپنے خونِ جگر سے وہ جو محبتوں اور امیدوں کی شمع جلا رہا تھا... ساری ساری رات جاگ کر مومن کے لئے خط لکھتا تھا... سارا سارا دن محنت کر کے، تن کا سپرہ بگھلا کر سیکے ڈھالتا تھا... کہ جس سے مومن کے لئے ڈرافٹ بن سکے..

تو... اسے کیا حاصل و مول ہوتا تھا... اس کے حصے میں تو پھر بھی بدبختیاں ہی آتی تھیں... البتہ زہیر کی محبت روزِ آخر دلِ مومن کے دل میں زیادہ سے زیادہ ہو رہی تھی... وہ اس کے لئے دیوانی ہو رہ جاتی....

یوں عمر کی جلائی ہوئی روشنیاں زہیر کی زندگی منور کرتی رہیں اور اس کا بخت تاریکیوں میں سرسبز ہوتا رہا... مومن کو زہیر کا خط ملتا تو اس کی حالت قابلِ دید ہوتی...

چہرہ انار کی کچی کھیلوں کی طرح سرخ ہو جاتا... "ہائے عمو! تم میری سہیلی کیوں نہ ہو گئے...؟ کاش میں تمہیں ان کا یہ خط بیٹھا سکتی..." وہ شرما کر، جذلوں میں جذلوں میں ڈوب کر کہتی... ہونٹوں پر تھیں تھی شرمیلی شرمیلی، دلائلِ نرسہ سی مسکراہٹیں تھرتھرتی رہتیں...

"مومن! اور سہیلی میں کیا فرق ہے بیٹی...؟" غیر حسرت سے اس کے شرم اور جذلوں میں ڈوبے چہرے کو دیکھتا... کاش! یہ سب میرے لئے ہوتا...

کاٹ دی...

"پہچان لگنی کا کچھ لگتا..."

"پہچان لگنی کیا ہوتی ہے بھائی جان...؟ روحی کے سوال پر غیر جوابی طرف دیکھ کر مسکرایا... چہرہ اک زور سے تہمت لگا اٹھا..."

"بتاؤ اس سے پہچان لگنی کیا ہوتی ہے...؟"

ہواد بڑا سامنے بنا کر سر کو کھجائے لگا... غیر کچھ دیر سے اس عالم میں کھڑا دیکھ کر ہستار ہا... پھر اک دم کچھ یاد آ جانے پر چونکا۔

"ارے...؟ پھر اٹھا... حواد کا کان پکڑا اور اسے کھینچنے ہوئے بے جا کر اس کی دکان میں بیٹھ دیا..."

"کل ان مدلوں کا امتحان ہے۔ اور تم نے انہیں باتوں میں لگایا ہوا ہے..."

"او... یاد نہیں رہا تھا..."

ہواد سنجیدہ ہو گیا... سوری یار! تمہارے دورِ حکومت میں ان بچوں کا پہلا امتحان ہے... نتیجہ اچھا آنا چاہیے... بلو کو ادھر میرے پاس بھج دو... وہ ڈسٹریبٹ ہو... اور... ڈسٹریبٹ تو خود اسے ہواد کر گیا تھا... اور میرے بھتیجے لگتا رہا تھا، ہفت رہا تھا، پر اندر جو دھڑک نہ رہا آ کر گیا تھا اس کا اثر ابھی تک باقی تھا...

ہواد کہتا تھا... "اس کے بیزر لوگ اور اس ہو جاتے ہیں..." اس کا بیل کی طرف اشارہ تھا... اسے کاش! ایسا ہوتا...

زبان سے وہ کہتی ضرور تھی... پر... غیر کا دل تو جانتا تھا ساری

تب وہ چپکے سے نامراد یوں کو جھولی میں لٹالی کر، حسرت بھری نظروں سے اس صحن و خیال کے مجسمے کو دیکھتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔۔۔
 ”یہ مومنہ، اپنی بیٹی تو تمہارے لئے مکی خمیر بن گئی۔“ لطیفی صاحب سے ملاقات کے بعد جواد نے غیر سے کہا تھا۔۔۔

”بڑے نصیبیوں والی ہے جا بھی۔۔۔ اس کے لئے کمانے لگے ہو تو چاروں طرف سے ہی ریتنے لگا ہے۔۔۔ سالوں کی مودِ سلا دھار بارش کی طرح۔۔۔ کئی فیوٹنیں مل گئی ہیں۔۔۔ چار ہزار ماہوار لطیفی صاحب کی طرف سے ہو گیا۔۔۔ تنخواہ کے علاوہ کہانیاں بھی شہرت پار ہی ہیں۔ بیٹے میں کم از کم وعدہ چھپ جاتی ہیں۔۔۔ ایک اور عجیبہ عریضہ ہونے والا ہے۔۔۔ اس کی راضی علیحدہ مل جائے گی۔۔۔“ جواد بڑے جوش سے کہتا رہا۔۔۔

”ابھی صرف محبت کی ڈور بندھی ہے۔۔۔ میں تو کہتا ہوں کہیں اس کا نام تمہارے نام کے ساتھ جڑا جائے تو یہ نہیں کیا حشر ہو۔۔۔ تم چند سالوں میں گاڑیوں، گوتھنوں کے مالک بن جاؤ۔۔۔“

”کاش جواد۔۔۔! تم نے دولت کی بات نہ کی ہوتی۔۔۔ محبت کی بات کی ہوتی۔۔۔ مجھے اس کی صرف محبت کی اک نظر چاہیئے۔۔۔ مجھے دولتوں کی نہیں ضرورت۔۔۔ کوئی ایسا یا دلوٹا نہ بتاؤ کہ اس کی محبت بٹھے مل جائے۔۔۔ ایسی محبت، جو وہ نہ میرے کرتی ہے۔۔۔ پر۔۔۔ ایسے نصیب کہاں۔۔۔ کہاں سے لاؤں۔۔۔ وہ بازار، وہ انواز، وہ ادا تادو۔۔۔

مشرق تو کوئی نہیں۔۔۔ پر یہ بوزم آ جاتی ہے نہ۔۔۔ کیا بتاؤں، وہ کس کی طرح اظہارِ محبت کرتے ہیں۔۔۔ کیسے کیسے خوب صورت الفاظ ہیں ان کے پاس۔۔۔ ہائے! میں تو اس معاملے میں بڑی نا اہل ہوں۔۔۔ ان کو صحیح طرح جواب بھی نہیں دے سکتی۔۔۔“ پھر ایک دن اس نے نظریں نہ بچی کر کے ہونٹوں سے کہا۔۔۔

”متم ہی کچھ میری مدد کرو نا۔۔۔ اتنی اچھی اچھی کہانیاں لکھتے ہو۔۔۔“ تم انہیں لکھنا کیا چاہتی ہو بہی۔۔۔“ میرے اپنے دھڑکتے دل کی دھڑکیوں کو چپانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اندر سے یوں دل اچھل اچھل کر ملحق میں آ رہا تھا، جیسے اس خط کا جواب وہ دینا چاہتی تھی جو زبیر نے نہیں میرے دل کی دھڑکیوں سے لکھا تھا۔۔۔ اس کی چاہتوں نے تحریر کیا تھا۔۔۔ اس کی جہنم کی اس سے پانے کی خواہش اظہار ہی کر صفات پر بکھری تھی۔۔۔

”میں۔۔۔ میں۔۔۔ کیا نکھانا چاہتی ہوں۔۔۔ وہی عمو! جو اک محبت کرنے والی عورت اپنے محبوب کو لکھے۔۔۔ الفاظ کا چناؤ۔۔۔ چلا اچھا۔۔۔ میں خود ہی۔۔۔“ مجرورہ خاموش ہو گئی۔۔۔

”مارے کچھ کہہ دو۔۔۔ کچھ کہہ دو۔۔۔ میں سننا چاہتا ہوں، بیٹی! تمہاری زبان سے۔۔۔ لیکن۔۔۔“ اس کی حسرت کو احساس ہوا۔۔۔ وہ جو کچھ کہے گی۔۔۔ اس کی زبان سے جو نکلے گا۔۔۔ وہ اس کے لئے تو نہیں ہوگا۔۔۔ وہ تو زبیر کے لئے ہوگا۔۔۔

اک ماں کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی دوسری کی اور کیا بات ہو سکتی ہے...

اس کے علاوہ اس کی خاطر وہ اب رقم بھی زیادہ بھیجنے لگا تھا...
”آئے والے وقت کا ابھی سے تندرست کرنا چاہیے نا... تاکہ ہمارا
نمنا دنیا میں آتے ہی معاشی طور پر بہت مضبوط ہو... کسی کے لئے
بوجھ نہ بنے... سب دل اس بھول کی جگہ سے جگہ اٹھیں... کسی
قسم کے بھی کاٹنے کی چٹھیں کوئی محسوس نہ کرے...“

عمو! دیکھو تمہارے بھائی جان نے کیا کچھ کھا ہے...؟ وہ بڑھ
کر سناتے لگی... مسکے سے، خوشی سے، خود اعتمادی سے، اس کا
رنگ روپ ہی بدل گیا تھا... غیر نظریں پھرتا ہی رہتا... ٹھیک ہاتھ
تھیں تو پھر ہٹا نہیں سکتا تھا... ایسی متناسیبی تو تیں اس میں پیدا ہوئی
جا رہی تھیں...

اور وہ بے چارہ مجبور و نامراد انسان، ایسے رشتے کی دوریں
اس کے ساتھ بندھا تھا، بظاہر سب کی نظروں میں، مگر صلاح ان
نظروں کی اجازت نہیں دیتی تھی...

پر جب چہلی آرا یا کاظمی صاحب میں سے کوئی پاس نہ ہوتا تو
وہ جی بھر کر اسے دیکھتا... خوشی کی خود حالی کے علاوہ مومنہ کے
چہرے پر مامتا کا جو اک نور آجکل پھیل بکھر رہا تھا، وہ بڑا دلآویز،
بڑا پُرکشش تھا... جسم میں پہلے جیسی نزاکت نہیں رہی تھی، پھر بھی...

جس سے اس کا دل جیت سکوں... اس کا من مون سکوں...
لیکن... وہ تو اک وفا شعار عورت تھی... شوہر کے ہوتے ہوئے کسی
اور کے لئے دل میں کیوں کوئی جذبہ پالتی... کیسی اٹھتا نہ سمجھیں وہ
رکھتا تھا...

یاس بھرے دل کو لئے، وہ اپنی وفا کے راستے پر چل پڑتا... اسے
تو اپنی محبت اور اپنے جذبات کو پورا کرنا تھا...



مومنہ کی صحت بہت اچھی ہو گئی تھی... لیکن علاج ابھی ختم نہیں
ہوا تھا... وہ اس دن تک جاری رہنا تھا، جب تک بچے کی پیدائش نہ
ہو جاتی... خوشی، دوا اور خواب نے اسے وہ خوبصورتیاں بھی دے
دی تھیں، جو اس کے پاس پہلے نہیں تھیں...

اور یہ نہ میر کی محبت کا اعجاز تھا... اس کے خطوط بڑی باتحادگی
سے اسے ملتے تھے... بڑے خوبصورت خطوط... لمبیتوں سے چھلکتے جھکتے
اور دغاؤں سے لبریز...

اُنے والے بچے کے متعلق بہت باتیں کہی جاتیں... مومنہ کی خوشیوں
کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا... وہ ابھی دنیا میں آیا ہی نہیں تھا تو اس کی اس
قدر قیمت تھی، اتنی محبت تھی کہ ہر خط میں زیادہ اس کا ذکر ہوتا...

”یہ کس اتنی جی! اس یار اچھوں نے پہلے سے بھی زیادہ پیسے
بھیجے ہیں۔“

جب بھی ڈرائٹ آتا وہ کچھ اور حسین، کچھ اور پُر اعتماد ہو جاتی...
کچھ اور خوشیوں کے رنگ چہرے پر لپکتے لگتے...

”دیکھو اپنے پاس... وقت آنے والا ہے... بہت خرچ ہونگے۔“
”اس وقت تمہارے لئے وہ اور بھیج دیں گے... فی الحال آپ رکھیں۔“
گھر کے اخراجات کے علاوہ کوئی اور خرچ ہو تو... کہہ لیں... عمو
ایک دن کس فرض وغیرہ کی بات کر رہا تھا... آبا جی نے لیا ہوا ہے۔“
”اللہ تمہیں سدا شاد اور آباد رکھے... کتنے احساس والی ہے
میری بیٹی... دیکھا آپ نے...؟“

انہوں نے وہیں سے کافی صاحب کو بلند آواز میں بتا کر پاس
بکولایا... ”مومنہ کہتی ہے یہ رقم لے لیں اور فرض وغیرہ اٹار لیں۔“
”جیسے رہو نہ میرے...! تم تو رحمتوں، برکتوں کا فرشتہ ثابت
ہو رہے ہو... کل ہی اک قرضدار مطالبہ کر رہا تھا...“

”تو پھر لے بیجئے نا... اس کے بیٹے کا مال ہے... سب سے
زیادہ آپ مقدار میں... مجھ سے بھی زیادہ...“

کسی نہ کسی بہانے سارے سارے سسٹر کے آگے ڈال دیتی...
کبھی حق کہہ کر... کبھی بیٹے کا فرض بتا کر... کبھی ان کی شہسوہ اور
صہبوں کی تلافی ہوتی... کبھی پرورش کرنے والے مرن بنا دیتی...

عمر کو اپنی نظروں پر قابو نہ رہتا...

محبت اور وفا کی مار کھا یا ہوا انسان تلپتا ہی رہتا... مضطرب
اور بے قرار ہی رہتا...

”عمو! اس کو ذرا سیر کرا لایا کرو... ڈاکٹر صاحبہ نے ہدایت کی ہے؟
مُرسے پر سو ڈرتے... آگ دن ماں نے حکم لگایا...“ سدا سانا
دن اکیلے ہی آوارہ گردی کرتے ہو...

اندھ کی خوشیوں نے اسے خاصا بوجھال بھی کر دیا تھا... سانس
کی بات سن کر دور سے ہنسی... ”عمو! ان کا مطلب ہے کہ اکیلے
آوارہ گردی نہ کی کرو... ساتھ مجھے بھی کرا لایا کرو...“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا...“ جہاں آرا خوشگواہی سے مسکرا
پڑیں... پھر بڑے پیار سے مومنہ کے چہرے پر نظریں جمادیں...

”بڑی شریر ہوئی جاہ ہی ہے... سخن دے ہو نا عمو...!“
دھولن سلوک اور روایت سے سانس بہو تو لگتی ہی نہ تھیں...
ماں بیٹی جیسی محبت تھی دونوں میں... مومنہ تو مڑا جاتا ہی ایسی تھی...

محبتوں کی محبت نے اسے ٹوٹ کر محبت کرنا سکھا دیا ہوا تھا...
البتہ جہاں اس کی محبت میں کچھ غرض بھی شامل تھی... اس بیٹے کی

کماٹی گھریں آمد ہی تھی، جس کی مومنہ بوی تھی... جب سے نہ بھرے
مومنہ کی خاطر ہی سہی، ہر بیٹے باٹا عدالتی سے نفیس عیجانا شروع کی
تھیں۔ اس وقت سے، بڑی لہر بھر تھی گھریں...

ہر انسان کی میرے پاس موجود ہے...
”اچھا... کبھی دکھائی تو نہیں...“

”دیکھ لو ابھی...“ مومنہ نے مسکرا کر اپنی پوری آنکھیں کھول دیں۔
”غور سے دیکھو، کسے طعراق سے تشریف فرما ہیں... بہت چمپا
کر دکھا رہا ہے انہیں...“

”مارے!“ غیر نے اس کی آنکھوں میں پڑے غور سے دیکھتے
اکڑے اک زور کا تہمتہ لگایا۔

”وہاں تو میں موجود ہوں یہی...!“

”ارے چور...! کیوں میرے میاں کی جگہ لے لی ہے... نکل
باہر...“

مومنہ زور زور سے آنکھیں جھپکنے لگی... اور... غیر نے زور سے
اپنی آنکھیں پمپ لیں... مومنہ کا یہ ٹوٹ لینے والا لب و لہجہ، یہ
شرارتیں، یہ شہنشاہی... کبھی نظر نہ لگ جائے...

جون جون صحت ٹھیک ہو رہی تھی، اس کے مزاج پر بھی نکھار
آ رہا تھا... چمکتی رہتی ہر وقت... اس کی خوش مزاجی کی ہلکے سے
گھر بھر مہکتا رہتا...

غیر کے دل کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا لیکن مومنہ کی
موجودگی جیسے اس گھر میں چراغاں کھٹے رکھتی ہر وقت... ہر لمحہ...
ہر بل...

غیر کو علیحدہ خوشخبریاں سناتی رہتی... نہ میرے خطوط کے اقتباسات
پہنیں پہنیں کر پیش کرتے ہوئے...

”یہ اقتباسات کیوں بھیجی...“ غیر بھی شرمیلی میں آ جاتا...

”بلی کبھی اپنے میاں کا خط بھلا پورا پڑھنے کو درتب مزہ ہے...
حلیوں... تم نے طریقہ سیکھا ہے... محبتوں اور دعاؤں کا...“

”ارے طریقہ وہ مجھ سے سیکھیں... محبت بھی کرنے کا، اور دعا بھی کرنے
کا... بے اختیار غیر کے منہ سے نکل گیا... پر دوسرے لمحے یکایک بھل
کر بولا...

”یہ محبت اور دعا کیا ہوئی... خود وہاں بیٹھے ہیں اور نہیں یہاں
بھینک پھر رہا ہے...“

”مر نہ... جان بوجھ کر نہیں... ویزے نے گفتی کی... اور اب...“
پھر اک شرمیلی سی ادا کے ساتھ گردن جھکا کر بولی...
”میں نے ہی کہا ہے، اس حالت میں میں نہیں جاؤں گی... اتنی جی
کا بھی یہی مشورہ ہے...“

”اور تمہارے میاں حضور...“

”سو تو میری جدائی میں قبیلے ہو رہے ہیں...“

”یہ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ قبیلے ہو رہے ہیں، جدائی میں... کیا
انہوں نے کوئی تصویر بھیجی ہے...“

”جیسے کی کیا ضرورت ہے، ان کی تصویر پہنے سے ہی ہر رنگ، ہر روپ

میں طرح پیسہ نکلتا، وہ کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا...

ایک دو بج جانے بستر پر بیٹھنے بیٹھنے... اس لئے صبح ذرا دیر سے اٹھ کھلتی... اکثر نماز بھی قضا ہو جاتی... کئی بار تو نماز پڑھ کر پھر قیامی دیر کے لئے سو جاتا... نماز اور دعائوں کی بھی آجکل بڑی ضرورت تھی...

کچھ بی بی کے کام آجائے... کوئی دوا یا دعا ہی اپنا اثر دکھانے آئے والا وقت اس پر سہل ہو کر گزر جائے... ہر لایح اس کے لئے تھا... ورنہ اپنے لئے تو زندگی جیسے علی ہی نہ تھی... کبھی بھی اور جو تھی... وہ بی بی کے نام کر چکا تھا... بہت عرصے سے پہلے بار اسے دیکھا تھا...

”لو متے کچھ نہیں...“ جہاں آ رہے اس کا کندھا جھنجھڑا... ”بھائی انا کچھ کر رہا ہے نا... بیوی کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے بھی... تم بھی اس گھر کا ایک فرد ہو... کھانا پینا اچھا ہے... قرضے اتر رہے ہیں... تمہیں بھی تو فائدہ ہے... پیراک یہ ذرا سا... اس کی بیوی کے لئے اتنا دقت نہیں نکال سکتے کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسے میر کر لایا کرو... بچہ کی پیدائش کے وقت آسانی رہے گی...“

”صبح پانچ بجے مجھے جگا دیا کریں...“ کھانے کے ہاتھ کھینچتے ہوئے غیر نے نیپکن سے منہ پوچھا...



مومنہ کے لئے چل چلا بہت ضروری تھا... ڈاکٹر صاحبہ کی ہدایت تھی... اور غیر سارا دن دکان میں بیٹھا رہتا... اپنے شاگردوں میں مصروف رہتا... رونی وغیرہ کی سرپرستی بھی نبھاتا تھی... چھوٹے بچے اسکول اور بڑے کے کالج کی تیر غبر رکھتا... بہت ساری مصنوعات تھیں... ایک منٹ کا دقت نہ تھا... رات کو نو بجے سے پہلے گھر کی دہلیز نہ پار کر سکتا... جہاں آ رہا دقت ناراض ہوتی رہتیں...

”آخر کس کام کے ہو تم... اناج کے دشمن کب تک اس طرح آوازیں میں زندگی گزارتے رہو گے... ایک کام تم پر ڈالا تھا...“

سر جھکاٹے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور چپ چاپ سن رہا تھا... ”گھر میں کتنا چل پھر سکتی ہے... ڈاکٹر نے ایسی دوا کے لئے کہا ہے اور تم ہو کہ دقت ہی نہیں نکالنے... صبح نو بجے تک ٹانگیں پیسے پڑے رہتے ہو...“

رات کو نو بجے دکان سے نکلا لوٹا آتا تھا تو پھر دوسرے تبصرے روزانہ طویل ساخط بھی لکھتا ہوتا تھا... کوئی نہ کوئی کہانی شروع کی ہوتی، اسے بھی مکمل کرنے کا لالچ ہوتا... جہاں سے

”اوو اچھا اچھا...“ وہ اک دم اٹھ کر بیٹھ گیا...

”بڑی گہری نیند میں تھے... دل تو نہیں چاہ رہا تھا... پراقتی جی نے کہا تھا... رات کو اگر دیر سے سوئے ہو تو اتنی صبح سویرے جگلنے کو کیوں کہا تھا... کوئی ضروری کام تھا...؟“

”ہاں...“ غیر مسکرا پڑا...

”کیا...؟ مجھے بتانے والا نہیں...؟“

غیر نور سے ہنس پڑا... ”نہیں... پر تم دس منٹ بعد چادر وغیرہ لے کر تیار رہنا... میں اتنے میں نماز پڑھاؤں... جلدی جلدی التھمیں کو ٹوٹاؤں... بندے نہیں ٹر جائے جاتے...“

اور پھر اس نے اپنی بیلی کی خاطر رات کی نیند بھی کم کر دی... جسم ہر وقت تھکا تھکا سا رہتا... طمٹا ہوا سامعوس ہوتا... آنکھیں میں میں تو جیسے مستقل اکہ جلیں سی بس گئی تھی...

لیکن... صبح کی دہریں میل کی سیر نے مو منر کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا... تازہ ہوا جو ملتی تھی اس کے علاوہ، سارا دن گھر میں اکہسی ہوتی تھی... اکہ بوڑھے ساتھ کے ساتھ... کوئی اپنا ہم عمرات کرنے والا نہ ملتا تھا...

اور اب... یہ ایک ڈیرا گھنٹا، جو عید کے ساتھ گزرتا۔ وہ جی بھر کر باتیں کرتی۔ اسی طرح جیسے اپنی کسی سہیلی سے... دلی کی برسات... گھر کی، محلے کی اور ادھر ادھر کی باتوں کے علاوہ ذہیر کی اور

”نماز سے نارغ ہو کر ملے جایا کروں گا... پھر واپس آکر ناشتے

وغیرہ کے بعد مجھے دکان پر بھی...“

”ہی...؟ جہاں آ کرانے تلنی سے اس کی بات کاٹ دی... میری دکان تمہیں ملے ڈوبے گی... بد معاشی کا اڈہ بنایا ہوا ہے... ہی ہی ہا ہا کے لئے وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں... چلتی سڑک ہے... دوسری طرف بازار ہے... آتی جاتی عورتوں پر...“

”اقتی جی پلیز...“

”پلیز پلیز... کئی سالوں سے سن رہی ہوں تمہاری بہانے بازیاں۔ دل چاہتا ہے کسی دن جو اد کو بلا کر پوچھوں... بالکل نکما کر کے رکھ دیا ہے تمہیں... وہ یہ اڈہ...“

اور ماں کی بات لوری سننے بنا وہ اٹھ کر سے میں چلا گیا... میل کے لئے تو وہ اپنا کنگھ، آرام، چیمیں سب کچھ ہی رچ سکتا تھا... یہ رات کی نیند کی ہوتی...

صبح پانچ بجے مو منر نے ہی آکر اسے جگایا... اتنی گہری نیند میں ڈوبا تھا کہ کتنی ہی دیر اسے پتہ ہی نہیں چلا، وہ کہاں تھا اور یہ زور لے سا کیا آکر ملا تھا...

ہوش میں آیا تو مو منر کھڑی اس کا کندھا ہلا رہی تھی... ”کیا بات ہے...؟ خیریت ہے...؟“

”اقتی جی نے کہا تھا جگلنے کو...“

یہ اس وقت رات کے ساڑھے نو دس بجے ہی اس نے ساس کو یہ خبر سنا تھی... خط تو یقیناً صبح کے وقت آیا ہو گا... پھر سارا دن ان کے درمیان اس مسئلے پر بات کیوں نہ ہوئی تھی...؟

عمیر سوچا رہا اور کھانا کھاتا رہا... مگر کوئی ایسا مسئلہ تھا جس کی سنوتی اسے دینا چاہتی تھی... وہ مسکراتے لگا...

”تم ہی بتا دو... اب کہاں پڑھنے والا چشمہ ڈھونڈتی پھر دو گی؟“

”وہ...“ مومنہ نے کنکلیوں سے پیر کی جانب دیکھا... ”وہاں ان کے کوئی ملنے والوں کی اک ٹوکی ہے... وہ پاکستان آرہی ہے...“

”پھر...؟“ جہاں آرا کے چہرے پر لاعلمی کی معصومیت تھی...

عمیر سوچا گیا... مومنہ نے ہی خط کی بات سنانے کا یہ وقت رکھا تھا۔ تاکہ وہ بھی سن لے...

”وہ ہمارے ہاں بھی آئے گی... عمو کے لئے دیکھنی ہے... انہیں تو بڑی لینڈ ہے...“

”کیوں گفتن پھر کسی کی دشمن ہونے لگی ہے...“ جہاں آرا کڑوے کیلے سے ہلجے میں بولیں... سارا دن آوارہ گردی کر کے اس وقت جوان بیٹا گھر میں آیا تھا... خوش ہوتیں کیا...؟ بڑی جلی بیٹھی تھیں...

”ہمیں ہے اتنی جی...! وہ تو کوئی نہ کوئی لڑکی دیکھتی رہے گی۔“

مومنہ عمیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی... ”ویسے بھی انہوں نے کہا ہے کہ وہ اگلے سال آئیں گی... سسرال میں کوئی شادی وغیرہ ہے... اور

اس کے خطوں کی... بہت ڈھیر ساری باتیں کر چھوڑتی...

خوشی میں ان کے گمب میں بولنی نہ تھی... چپکیتی رہتی... ”عمو! ایسی زندگی کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا... جتنی محبت کرنے والے تمہارے بھائی ہیں اور...“

جانے کیا کیا کہتی رہتی... غیر تو بس... نہ سن سکتی اور نہ جواب دے سکتا... نہ میرے لئے اتنے جذبات کا اظہار کرتی تو تب بھی من جل جل اٹھتا... اس کے نیچھے ہوتے پیوں سے آنے والے وقت اور مستقبل کا کوئی دُکھ سا خاکہ مینتی تو...

تب بھی وہ ان سببوں میں نہ ہونا... یہ بے دخلی بھی اسے بے چین کر ڈالتی... اس کا تو کچھ بھی نہ تھا... نہ حال، نہ مستقبل... ہاں البتہ مومنہ خوش تھی... اور اس کی خوشی اسے درکار تھی۔ اور وہ کوہلو کے پیل کی طرح مسلسل چلے جا رہا تھا... گھٹیاں کچ رہی تھیں... زندگی کی علامت... ترابیانی اور جان شکاری کا اعلان۔ پھر... دوسرے کسی کو احساس نہ تھا...

اور... وہ دوسروں کی فطرتیں پتھر کا پتھر تھا... کما، آوارہ، خود غرض، بے حس...

”اتنی جی... گفتن جی کا خط آیا ہے... پڑھا آپ نے...؟“

عمیر تھکا ہوا آیا تھا... بیٹھا کھانا کھا رہا تھا... جب مومنہ نے جہاں آرا سے بات شروع کی... وہ چونکا... کان کھڑے ہو گئے۔

”عمو سے تو گھر میں بڑی رفتی ہوتی ہے۔۔۔“

”گھر میں ہی تو موجود رہتا ہے ہر وقت۔۔۔ جہاں آرائے طنز کھڑا۔
”نہ سہی ہر وقت۔۔۔ صبح تو ہوتا ہے۔۔۔ پھر رات کو آجاتا ہے۔“

اس کے علاوہ اک احساس سا تو رہتا ہی ہے ناکہ عمو نہیں کہیں ہے۔
ابھی آجائے گا۔۔۔ ابھی آجائے گا۔۔۔“

مومنہ جذباتی سی ہو کر بولے گئی۔۔۔ ”بھاڑ میں جائے تو کوری۔
ہم تو عمو کو باہر نہیں جاتے دیں گے۔۔۔“

”اور پڑا رہے بڑے کے کھوکھوں پر۔۔۔“

مومنہ لا جواب سی ہو کر رہ گئی۔۔۔ کچھ نہ کہہ سکی۔۔۔ جہاں آرائے
لفظہ طنز کو بھی سمجھتی تھی۔۔۔ عمو نے سر اٹھایا۔۔۔ ڈالو شکل۔۔۔

”وہ وہاں اپنے کتوں پر ہزاروں خرچ کرتے ہیں تا تو ہم پر
کردیں گے تو کیا فرق پڑ جاتے گا۔۔۔ چلیں اک منٹ کے لئے بیٹھے
ان کا کتا ہی کھڑا۔۔۔ اس نے ڈالو لنگھنے کے بعد چند آٹو پیٹے۔۔۔

”پھر کیا ہو جائے گا۔۔۔ بھوٹا بھائی ہوں۔۔۔ بڑے تو چھوٹوں کے
لئے قربانیاں کیا کرتے ہیں۔۔۔ آپ بھیکوں ہر وقت طے دیا کرتی ہیں۔“

”پھر اور کیا کروں۔۔۔ بہت دکھی ہوں۔۔۔ گھنٹی نے کسی بوکی کا کھا
ہے، ان لوگوں کو تباہی سے متعلق کیا بتاؤں گی۔۔۔؟“

”کہہ دیجئے گا۔۔۔ بھائی کے در کا کتا ہے۔۔۔ بڑا انداز ہے۔۔۔
اس کے بال بچے کی حفاظت کرتا ہے۔۔۔ اپنی تم آلود آنکھوں کو عمو

وہ چاہتی ہیں عمو کی شادی بھی انہیں دنوں میں ہو جائے۔۔۔ نہیں یہ
بوکی اگر ہی ہے۔۔۔ عمو دیکھ لے۔۔۔ پھر نسبت طے کر پھینکیں ان کے
آٹے تک۔۔۔“

خط کا اقتباس تفصیل سے مومنہ نے سنایا۔۔۔

”لو کیوں کا پتہ دیتی رہتی ہے۔۔۔ اس کی نوکری کا جملہ دست نہیں
کرتی۔۔۔ اسے کھو۔۔۔ ضیا سے کہہ کر عمو کو وہیں کہیں نوکری دلا دے۔
یہاں وہ صرف آوارہ گردی کرتا ہے۔۔۔“

جہاں آرا دکھی ہو کر محلے دل کے بچھڑے پھوٹنے لگیں۔۔۔

”نوکی پسند بھی ہو گئی تو کون ایسے والدین ہوں گے جو ہمارے
نکٹھو، نالائق کو اپنی بیٹی دے دیں گے۔۔۔ گلشن بڑی بے وقوف ہے۔
کہو اسے بیٹے نوکری دلائے۔۔۔“

”وہ بھی کھم دہل گی۔۔۔ مومنہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔۔۔ وہ تو
شرارت سے تیر کے سامنے یہ ذکر لے بیٹھی تھی۔۔۔ ذرا اندازہ نہیں تھا
کہ بات اس طرح سُرخ بدل لے گی۔۔۔

”لیکن کیا آپ خوش رہیں گی، دونوں بیٹے ہی جب دم و گھر
سے بلکہ ملک سے بھی باہر ہوں گے۔۔۔؟“

”بڑے کے لئے ممبر کی سیل رکھیں۔۔۔ یہ تو تنگ ہی بہت
کرتا ہے۔۔۔ اس کے جانے سے تو سکون آجائے گا۔۔۔؟“

”ہائے۔۔۔ تمہیں اتنی جی۔۔۔؟“ مومنہ اک دم بے چین سی ہو کر پوئی۔

محلات سے پریشان ہو جاتا ہے۔ آپ اتنی جی کچھ نہ کہا کریں... بعض اوقات انسان کے بس میں کچھ نہیں ہوتا... پھر وہ غیر سے غائب ہو جاتا... ”م کو کشش کروانا... جلد کوئی ذکر ہی مل جائے... چھوٹے دو جوار کی دکان پر رات گئے تنگ جگہ لگا کر بیٹھا... اپنے لئے عمو...! جو بڑی آنے والی ہے اس کے گھر والوں کے لئے... آخر کمی نے اپنی بیٹی...“ غیر نے مزید کچھ نہیں سنا... اسی طرح ہنستا ہوا کھانا اسی طرح چھوڑ اپنے کمرے میں چلا گیا... اور... وہاں پہنچتے ہی اس کی ہنسی ٹھم گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...

وہ کن عذابوں سے گزر رہا تھا... ”بیلی! تیری خاطر... تیری خاطر...“ کاش اسے موت ہی آ جاتی... ان عذابوں سے جان چھوٹتی... پر اس وقت وہ مر بھی نہیں سکتا تھا... جب تک مومنہ کا بچہ نہ ہو جاتا وہ خدا سے اپنی اس مصیبتوں بھری زندگی کو الوالت بخشنے کی دعا مانگنے پر مجبور تھا...

ایسی بھوری بھی کسی کو نہ ملی ہوگی... ”پروردگار! رحم کر...“ سامنے گھڑی پر نظر پڑی... گیارہ بج رہے تھے... اسے ابس مومنہ کو خدا کھنا تھا۔ اور پھر... جمع سویرے اسے ہوا خوری کے لئے بھی لے کر جانا تھا... یہ خط بھی کھنا اک عذاب تھا اور اس کے ساتھ جانا بھی اک عذاب خوشی بھرا عذاب... ہر لمحہ اتنا بھاری ہو جاتا کہ گتھا صدیقی سے بھی طویل ہو کر گزرا تھا... اور کبھی گھنٹے نہ گزرا کرتے بلکہ گھنٹے سے بھی چھوٹے، استے

کبھی سے صاف کرنے لگا...

کبھی بے بس اور لاچار رہتی... بے قصہ... بے گناہ ہوتے ہوئے بھی ہر وقت شباب میں آیا رہتا تھا... پر زبان نہیں کھول سکتا تھا... واہ... کیسے نصیب پائے تھے...

دم ہلا کر پاؤں میں لوٹنا اور چارٹا بھی جانتا ہے... ”نصیب کا مارا بڑا بڑا ستے گیا...

”عمو کی باتیں کر رہے ہو... مومنہ کے دل میں اس کے لئے بے تحاشا عداوت اتر آئی...“ سب کچھ بتا رہا ہے۔ بار بار ایسے صحت پر موزن میں تہارے بھائی جان کو کھدکھلائی...

”نرنہ... انہیں کچھ نہ کھنا... وطن سے دور رہی تو کبھی ہو جائیں گے... بہت پیار کرتے ہیں ہم سب سے...“ مجھ سے بھی... ہیں نا...؟

پھر وہ اک دم ہی گتھے لگنے لگ پڑا... ”ہم خواہ مخواہ ہی ایک دوسرے سے اُلجھے رہتے ہیں... طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں... اور...

بھائی جان بے چارے چپ چاپ قربانیوں پر قربانیاں دیتے چلے جاتے ہیں۔ سب کے لئے دن رات محنت کرتے ہیں... کما تے ہیں...“

”میرا ان کا مرض ہے عمو...! احسان نہیں... قربانی نہیں... مومنہ نے جیسے پھر اس کی دلداری کی...

لیکن... غیر ہنستا رہا... اپنے آپ پر... ”حقے لگتا رہا...“ پاکی ہو گیا ہے... جہاں آسا بڑا بڑا کریں...

خاک ہوئی جا رہی تھی...

اس کے لئے چائے بناتی... وقت بے وقت کھانا گرم گرم پیش کرتی... اس کے ساتھ بڑے بڑے الفاظ والی اُردو بولتی... مات کو گرم دودھ کا گلاس اس کے سر ہانے رکھنے جاتی تو بڑے خوبصورت خوبصورت اشعار اسے سناتی...

یوں ایک ہفتے میں اس نے سب کی ذاتی خدمتیں کر ڈالیں کر اس کے رخصت ہوتے ہی جہاں آرا مومنہ کے کمرے میں داخل ہوئیں... "گھنٹن کو کچھ دو... ایچی... کہ ہمیں یہ لو کی پسند ہے... ہر طرح میں ایک احسان اور کر دے کہ عم کو وہاں نوکری لگوا دے... شازبہ کے گھر والے انکار نہیں کر سکیں گے..."

"پر اتنی جی! عمو سے تو پوچھ لیں پہلے... وہ راضی ہو گا تو گھنٹن جی کو خط لکھوں گی نا..."

"ہائے ہائے تو عم کو اور کیا چاہیئے... صورت دیکھو تو لاکھوں میں ایک اور گن دیکھو تو کروڑوں میں ایسی کوئی نہ ہو گی... وہ بھلا راضی کیوں نہ ہو گا..."

"پدھر بھی اتنی جی! یہ اس کا حق ہے... اور پوچھنا ہمارا فرض۔ نوکری تو مجھے بھی بڑی پسند آتی ہے..."

مومنہ نے چادر اچھی طرح اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور عمیر کو آواز دی...

جھوسے ہو جاتے... کہ جیسے پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ ملتی، اور وہ گزر جلتے۔ ایسے پل مراط پر اس کا روز کا آنا جانا تھا... جس پر سے نہ گزرے بنے اور نہ گزرے بنا... ہر قدم اکھڑتا... ہر قدم مستحکم ہو جاتا... جتنا مڑتا... مڑتا جتنا... یہ کیسا کھیل رہا تھا تقدیر نے...

اور... وقت گزرے جا رہا تھا... گھنٹن نے جس دن کھا تھا... عین اسی دن شازبہ آگئی... وہی لو کی... جو عمیر کے لئے اس نے فتنہ کی تھی...

بڑی پیاری تھی... بڑی سکھ اور سلیقہ شعار تھی... جانے گھنٹن نے اسے کیا سکھا کر بھیجا تھا... ایک ہفتہ وہ انہیں کے ہاں رہی... اور جتنا وقت عمیر گھر میں گزارتا تھا، وہ اس وقت کا اک اک کو گن لیتی، اور پھر ہر لمحہ کیٹ کرتی...

مومنہ کا وقت ایسا تھا کہ اب اس سے گھر کے کام نہیں ہو سکتے تھے شازبہ نے سارا چارج نبھال لیا... اس کے کام... جہاں آرا کے کام... کاغذی صاحب کو وقت بے وقت چائے کی پیالی پیش کرنا نہ بیونتی... کسی کا کام نہ بیونتی... کچھ نہ بیونتی...

اور عمیر کے لئے تو جیسے وہ گوشت پوست کی بنی ہوئی تھی ہی نہیں، بس اک پدہ کے پورا کیوٹر تھی... تھکتی ہی نہ تھی اس کے کام کرتی...

اس کے کمرے کا، اس کے باس کا، اس کی چیزوں کا خیال رکھتی ہی تھی۔ ہر طرح کی، صفائی، استراحتی اور ترتیب سے، خود اس کے لئے تو بالکل

”ہاں... جہاں آ رہا ہے جلد ہی سے عیبر کی بات پکڑنی... اور یہ بھی کچھ دو کہ اس پتھر سے کیوں ماننا پھوٹتی ہو... زخم ہی میں گے اور کچھ حاصل وصول نہیں ہوگا...“
”کیوں عمو! کوئی اور پسند کر لی ہوئی ہے کیا...؟“
”بیل! یہ سوالیہ پھر نہ کرنا...“

”ہیں نے نہیں کہا ہے نا اس پتھر سے مت کوئی امید رکھو...“
”فائدہ ہی کوئی نہیں... جذلوں سے بھرا دل ہوتا پیسے میں، تو کب کا بیل اٹھتا... پتھر نے کیا چلنا، دھڑکنا ہے...“
”عمیر مومنہ ہی کے مسکراتے ہوئے پُرکشش چہرے کو دیکھتے تھے چپ چاپ کمرے سے نکل گیا... مزید کوئی بات ہی نہیں کی...“
”اور جہاں آ رہا اور مومنہ جتنی بھری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں...“

”معاذ تو وہیں کا وہیں تھا... کیوں...؟ کیوں...؟ دونوں کی نظریں ایک دوسری سے سوالیہ کر رہی تھیں...“



”کیا ہے بی...؟“
”ادھر آؤ نا... اک بات پوچھنی ہے...“
”اتنی دیر ہو گئی... عیندا آئی ہے کل پوچھ لینا...“
”ارے نہیں... میں نے کہا نا ابھی آؤ...“
”ایک تو تم جو حکم دے دیجی ہو نا، پھر میں اس کی عدولی نہیں کر سکتا...“

”وہ بڑ بڑاتا ہوا اندر گھٹکا...“ پتہ نہیں تم کی ہو اور میں کیا ہوں...
”ہم دونوں دوست ہیں ایک دوسرے کے... بس... فرق کوئی نہیں؟“
”مومنہ ہنسی اور پھر جس نے بلایا تھا وہ سوال کر دیا...“
”شاز یہ کیسی لگی...؟“
”اچھی ہے...“

”کلکتی...؟“ مومنہ کی آنکھوں میں بے چینی بھرا تجسس سا تھا...
”بہت...“ پھر عیبر کی طرف دیکھ کر مسکرایا... ”اچھا جواب ہے نا اعلیٰ...؟“

”تو پھر گلشن جی کو کچھ دوں...؟“
”ارے! نہ... میں نے شادی کے لئے اچھی تو نہیں کہی تھی...؟“
”پھر...؟“ مومنہ اور جہاں آرا ایک زبان پوچھ اٹھیں...
”پھر بس... گلشن کو کچھ دو... شاز یہ اچھی لڑکی ہے اسے اچھا بڑھانا چاہیئے...“

پرائیویٹ ہسپتال تھا... صاف ستھرا، ہر چیز ہر دوا فوراً، وقت پر مہیا ہو جاتی تھی... چار جز زیادہ تھے تو کیا ہوا، مومنہ کی جان لاکھوں

میں نہیں، ماں کی صورت میں...

مومنہ تو جانے اتنی تکلیف میں مبتلا تھی یا نہیں، عبیر کا حال برا تھا... اس کی ساری تکلیفیں اسے خود ہی تھیں... دکان بغیر نانہ سے اس نے کبھی بند نہیں کی تھی، آج وہ بھی بند تھی... صبح کا نانہ بند نہیں کیا تھا...

آدھی رات کو مومنہ یہاں آئی تھی... وہ اسی وقت کا اس لیے برآمدے کے اس سرے سے اٹھ کر بے قرار دے چیں چکر کاٹ رہا تھا... پنج پر جہاں آ رہا تھیں دعائیں مانگ رہی تھیں... ہوا دھرماس میں چائے اور کچھ بسکٹ اور سینڈویچ وغیرہ لے گیا تھا... جہاں آ رہا تھا چائے بھی پی لی تھی... کچھ بسکٹ وغیرہ بھی کھا لئے تھے... مگر وہ... بس بے برآمدے کے چکر کاٹے جا رہا تھا... ایک یا ٹرنس باہر نکلی... "کیس پیچیدہ ہے... اماں جی دُعا مانگیں... اللہ زچہ بچہ دونوں کو زندگی دے..."

وہ تو اتنا کھڑا پس انداز چلی گئی تھی... پر عبیر پر نزع کا سما عالم طاری ہو گیا... بھی برآمدے کے آخر میں جالیوں کے ساتھ پیشانی ٹیک کر کھڑا ہو جاتا... اور کبھی تیز تیز قدموں سے پھر چکر کاٹنے لگ جاتا... ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر...

"چائے کے ہی دو گھونٹ پی لو عمو!"

"نہیں اتنی جی! نہیں... میں اس وقت کچھ کھا پی نہیں سکتا..."

کردہوں سے زیادہ قیمتی تھی...

یوں بھی اس کے نصیب کا پروردگار نے سب کچھ دیا تھا... اسکی صحت کے لئے، اس کی زندگی کے لئے... مومنہ انکار بھی کر تھی مگر عبیر نے اسی کیلک مانا چوتھے سے ہسپتال میں اسے رجسٹر کرایا تھا...

"گھر کے اور بھی اخراجات ہیں عمو..."

"پر بھائی جان نے یہ پندرہ ہزار والا ڈرائٹ صرف تمہاری خاطر اور اسی وقت کے لئے بھیجا تھا... تم نے خود ہی تو بتایا تھا..."

"وہ تو ٹھیک ہے... ان کی ہمتوں اور وفاؤں کی میرے دل میں بڑی قدر ہے... بڑی خوشی ہے، بڑا مان ہے... پر آگے بڑھ تو مجھے کرنا ہے نا... عقل سے، سمجھ سے..."

"یہاں کی ڈاکٹر بڑی اچھی ہے... تمہاری معالجہ نے بھی یہیں داخلے کے لئے کہا تھا..."

"مجھے کچھ نہیں ہوتا... اب میں ٹھیک رہوں گی..."

"بحشت بالکل نہیں... اور کچھ جی بھی نہیں... کل کو بھائی جان کے سامنے جواب دہ تو مجھے ہی ہونا ہے..."

تب مومنہ مسکرا کر خاموش ہو رہی اور... آج اسی ہسپتال کے لیبر روم کے باہر وہ ایسا بے قرار دے چیں پھر رہا تھا جیسے ابھی ابھی جو بچہ پیدا ہونے والا تھا، وہ اس کا اپنا ہی تھا... باب کی صورت

رہتی... مگر میں اس کے تہمتے گونجے تو گنتا غنٹیں بھی ہیں... رونقیں
ہی رونقیں رہتیں...

یہی سب سوچ کر جذبوں میں ڈوبے ٹوبے اس نے لوکی کی
خواہش کر ڈالی... مگر اس لمحے، جبکہ وہ دقت آن پہنچی تھا تو اس کی
عقل دشواری کا ایک بیدار ہوا اُٹھے... جذبات کو عقل نے کچاڑ دیا...
”اللہ میاں بیٹی کو بیٹا دینا... اللہ میاں بیٹی کو بیٹا دینا...“

اس کا ہر سانس، ہر موڑنے تن اب بھی دعا کر رہا تھا...
جانے زندگی نے مومنہ کو کہاں لے جانا تھا... زبیر کے بعد...
اور پھر اک طلاق شدہ عورت کے لئے بیٹی کا ساتھ، بے مدد پر، بھڑ بھڑا
ہو جانا تھیں... مومنہ کی ساری زندگی دکھوں کے کانٹوں میں الجھ کر
رہ جاتا تھی...

بیٹی کی شادی کے وقت، جینز کی مشکل بیڑا تھی... رشتہ ہونے کے
دقت، طلاق شدہ عورت کی بیٹی کے ساتھ کوئی رشتہ کرنا گوارا نہیں کرتا۔
چند نہیں کرتا، اچھا نہیں سمجھتا... بیٹی کیا کرے گی؟ زندگی بھر کے
دکھ کس طرح بھیسے گی... اتنے کانٹوں کی... جینز کیسے برداشت کرے گی۔
مر جائے گی وہ... مر جائے گی وہ... آج بچ گئی تو کل مر جائے گی۔
اور لڑکے کی تو ایسی کوئی پرلم نہیں ہوتی... جس طرح بھی مومنہ کی
دستے دے دیتی ہے... ”پروردگار! لڑکا... لڑکا... بیٹی کے لڑکا ہو...“
جوں جوں سوچ نکھید، ہوئی اس کا ہر سانس لڑکا لڑکا بکھارنے لگا۔

آپ بھی اس وقت کوئی اور بات نہ کیجئے... صرف دعا مانگیئے...
چہرہ ہلکی کی طرح پھیلا ہوا تھا... ٹانگیں چل چل کر، ہنس ہنس کر
انتہا تک چکی غنٹیں کو اب جیسے ان میں جان بھی نہیں رہی تھی... مگر بھر
بھی وہ انہیں گھیسے جا رہا تھا... قرار ہی نہیں تھا تو لڑکے بھر کے لئے بھی
کھتا کیسے...

”میرا جی چاہتا ہے ہمارے گھر آگن میں بیٹی کے تہمتے کو نہیں...
تھارے جیسی بیڑی اور معلوم بیٹی کے...“
ایک بار مومنہ کو خط لکھتے ہوئے اس نے لکھا تھا... اسے لوکیاں باجی
لگا کرتی تھیں... زبیر کا کردار دیکھ کر اسے لوگوں سے نفرت سی
ہو گئی ہوتی تھی...

زبیر کے علاوہ، وہ خود بھی تو اک بیٹا تھا والدین کا... کب اس
نے انہیں کبھی کوئی خوشی دی... وہ ہر وقت اس سے نالائقی ہی تو رہتے
تھے... نقد سیر ہی بڑی سہی... بڑی دیر نہیں تو کمری ملی... تکلیف تو
ماں باپ کو ملنا... ڈھیروں ڈھیروں بھی پہنچا تھا... ہر روز اس کے لئے
دکھی، ہوتے تھے... خوشی نہیں بھرا آتی تھی...

لوں اپنی ساری اولاد میں سے وہ اگر خوش اور سکھی رہے تو گلشن
کی طرف سے... زبیر امریکہ گیا تو وہیں کا ہو کر رہ گیا... وہ خود سارا دن
گھر سے باہر رہتا تھا... اک طرف گلشن ہی تھی نا... آنکھوں کی ٹھنڈک
دل کا سرور... سارا دن ماں باپ کی خدمت کرتی... پہنچ کھکھلاتی

”میں تو جا سکتی ہوں نا بیٹی...؟“ جہاں آرا نے بیٹابی سے پوچھا۔
 ”ہاں، اماں جی! آپ جائیں... ان کے شوہر ہوتے تو وہ بھی آ سکتے تھے۔ کسی غیر مرد، میرا مطلب ہے نا محرم...“
 یکلخت میر کی گردن جھک گئی... چور سا بن کر رہ گیا... اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ غیر بھی تھا، وہ نا محرم بھی تھا... وہ وہیں کھڑا سوچا جا رہا تھا...

جہاں آرا اندر چلی گئیں... وہ کئی لمحے وہیں پتھر کا بت بنا کھڑا۔
 لبر دوم کے بند دروازے کو کھتا رہا... پھر یکایک اسے خیال آیا...
 دنیا کچھ کہتی رہے... بلی اس کے لئے جو کچھ تھی وہ تو وہی جانتا تھا... اس کے کٹن قریب، اس کی کتنی اپنی، اس کی کسی محرم۔
 محبتیں بڑا حق رکھتی ہیں... سارے حق اس کے پاس تھے...
 ایک خوشی کی لہر اس کے چہرے پر دوڑی اور آنکھوں میں روشنی سی چمک اٹھیں... اس نے بلی کی زندگی مانگی تھی... وہ پردہ لگانے دے دی تھی... اس سے بڑھ کر اور خوش کیا ہو سکتی تھی... اس کے من میں پھیلی خوشی و مسرت کی روشنی کو اکوئی بھی تو بجا نہیں سکتا تھا...
 وہ ایک دم بھاگ اٹھا... یہ خوشی کی خبر سب سے پہلے کسی کو سنائے! وہ سوچ رہا تھا... جو پردے خلوص کے ساتھ اس کی خوشی میں شریک ہو۔
 اس کا حق سمجھ کر... مومن کو اس کا اپنا سمجھ کر... سب سے زیادہ اپنا سمجھ کر...

جائے کثافت ایسے ہی گزر گیا۔ کوئی ہوش نہ تھا اسے... اسی طرح بے حس ناگوں سے پتھر کا بتے جا رہا تھا...
 ”سبارک ہو... لڑکا ہوا ہے... بہت دُور سے کہیں سے یہ آواز اس کے کانوں میں اترئی... برا آدمے کے دوسرے سر سے پرتھا... مگر ایک دم بھاگا... مگر... اتنی اسی طرح دعائیں مانگ رہی تھیں...“
 ”اوہ...!“ اس نے دلیار کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں میچ لیں...
 ”سبارک ہو... لڑکا ہوا ہے... اور ماں اور بچہ دونوں ٹھیک ٹھاک ہیں... بہت سیدھی سیدھی کس تھا... بس آپ کی دعاؤں نے ہی...“
 غیرتے جلدی سے آنکھیں کھول دیں... نرس جہاں آرا کے پاس کھڑی کھڑی تھی... کس کی دعاؤں نے...؟ کس کی دعاؤں نے...؟
 وہ جانتا تھا... پورا اعتماد تھا... اس کی اپنی دعائیں مستجاب ہوتی تھیں...
 سچی... پہلے ہی اسے لہر مل گئی تھی... اس کی ترانیاں... اس کی چان شاہل رائیگاں نہیں گئی تھیں... پاک برہندہ گارنے اس پر دم کر دیا تھا... لئے دونوں جہاں کی دو لیتی بخشن دی تھیں...
 ”بلی... بلی...“ وہ کمرے کی طرف بھاگا...
 ”ٹھہرے... لبر دوم ہے... زہ کو اس کے کمر میں پہناتے ہیں تو پھر مل لیجئے گا...“ نرس نے اسے اندر جانے سے روک دیا...
 وہ وہیں ٹھہک گیا... حیرت بھری نظروں سے کبھی ماں کا رنگت اور کبھی نرس کا... اس کی دعاؤں سے ہی تو یہ سب، یہ خوشی ملی تھی۔

”ہسپتال سے گھر تو آئے ہیں بیابھی۔“

پھر یکھت وہ چونکا۔۔۔ اسے ایسے نے تو نہ کراہنے کے نواہل ادا کرنا تھے۔۔۔ جو آدمی ہسپتال کا انتظام کرو۔۔۔ یہاں تقیم کر کے باقی رونی کے ہاتھ گھر بھیج دینا۔۔۔ وہاں جھٹے ہیں۔۔۔

”میں خود لے کر آؤں گا۔۔۔ خود۔۔۔ ہسپتال میں جاؤں گا۔۔۔ میں تم چلو۔۔۔ میں بھی پیچھے پیچھے آیا۔۔۔“

ایک دم بھاگ دوڑ سی برج گئی۔۔۔ خوفناک سب محبت کرنے والوں کے چہروں پر ہنسنے لگے۔۔۔



عیر نے بچے کو اٹھایا۔۔۔ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔ دیکھتا دیکھتا ہی مد گیا۔۔۔ گول مٹول سا۔۔۔ پتھر لے پتھر لے گاؤں والا۔۔۔ گلابی گلابی اور سفید سفید سی رنگت والا۔۔۔

”ہیلو۔۔۔“ ٹیکر کی آواز پر بچے نے روشن روشن آنکھیں کھول دیں۔ جانے عیر کے لمس اور اس کی آواز سے بچے کے اندر کیا احساس جاگا تھا۔۔۔ یا پھر اس کی نظرت تھی۔۔۔ وہ اک پیار کی سی ہلکی سی مسکراہٹ مسکرایا۔ پھر غودگی میں عیومق اس نے اپنی آنکھیں عیر کے چہرے پر جما دیں۔۔۔ بڑی کشش تھی اس بچے میں۔۔۔ ویسی ہی جیسے مومن میں تھی۔۔۔

جواد۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ جواد ہی تھا۔۔۔ وہ اس کی خوشی کو، اور اس کے حق کو سمجھتا تھا۔۔۔

”جواد! یہی ایل کے بیٹا ہوا ہے۔۔۔ ماں اب بچہ دونوں ٹھیک ٹھاک ہیں۔۔۔“ مارے خوشی کے تیر جواد سے لپٹ گیا۔۔۔ وہ تین لاکھ کھڑے تھے، ان کی بھی پرواہ نہیں کی۔۔۔ ہاتھوں میں جواد کو بھرا اور اسے کٹی چکر دے ڈالے۔۔۔

”میاں یک ہو۔۔۔ بہت بہت مبارک ہو۔۔۔ اسے رونی، بوجھاگ کر جاؤ میں اپنے یاد کا مسہ میٹھا کراؤں۔۔۔ دو کلو مٹائی لے آؤ۔۔۔“

”بس دو کلو۔۔۔“ عیر نے حیرت سے پوچھا۔۔۔

”جتنی کہو۔۔۔ آج جیسا خوشی کا دن کوئی اور ہو سکتا ہے۔“ میرے یاد کو اس کی زندگی ملی ہے۔۔۔“

جواد کی مسکراہٹ کا ساتھ عیر نے پوری طرح دیا۔۔۔ ”ہاں۔۔۔“ پھر کہہ رہے ہو۔۔۔ ایک من دو من منگوا لو۔۔۔“

جیب میں ہاتھ ڈال کر سٹی بھر، نوٹوں کی گھٹی نکالی لی۔۔۔ ملے جاؤ سب۔۔۔ کچھ خیرات کر دو۔۔۔ مٹائی اتنی منگوانا کہ یہاں سارے بازار میں تقیم ہو جائے۔۔۔ آج سب خوب ہی بھر کر، سیر کو کرکھائیں۔۔۔“

عیر نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالی کہ کچھ سرخ سرخ نوٹ ہون نکالے۔۔۔ ”اچھے حلوان کی مٹائی بڑی اچھی ہوتی ہے۔۔۔ زیادہ کا آرڈر دے دینا۔۔۔ گھر لے جا کر مارے جھٹے میں بھی تقیم کروں گا۔۔۔“

”ارے ایہ تم رو رہے ہو غمو...؟“

غیر سسٹنٹا سا گیا... پچھ کے لاوارش بین کا درد کب آنکھوں سے بہہ نکلتا تھا۔ خود اسے بھی معلوم نہیں ہوا۔۔۔ ”نہیں... نہیں...“ میرے مسکراتے کی کوشش کی...

”آنسو تو نہیں... یہ تو خوشی ٹپک رہی ہے... ہمارے سونے گھر میں پروردگار نے بڑی رونقیں... بڑی برکتیں اتا رہیں... اور... اقی دیکھا آپ نے کتنا بیدار ہے...“

”ہاں... بالکل زیر صیبا...“ جہاں آما خوشی کی زیادتی سے بوکھلائی ہوئی سی ہوئیں...

”وہ بھی بچپن میں بالکل ایسا ہی تھا...“

”مجھے تو اپنی ماں جیسا لگ رہا ہے...“ غیر نے مومنہ کے مسکراتے چہرے پر نظروں کا گردیں... ”وہی ہی خوب صورت آنکھیں... دلیا ہی بالوں کا رنگ... وہی ہی پاری سی لک اور مسکراتے ہوئے ہونٹ... ہر چیز خوب صورت اور پرکشش...“

وہ دل کی صداقتوں بھرے جذلوں اور اپنائیتوں کے ساتھ بولے جا رہا تھا... اور مومنہ شرابی جا رہی تھی...

”پر مجھے تو زیر صیبا لگتا ہے...“ جہاں آرا نے پھر اس کے وجود میں اپنے بیٹے کو یاد کیا...

”چلو جی... ماں جیسا ہو یا باپ جیسا... اس موضوع کو چھوڑتے

۱۔ اسے شکے جا رہا تھا، وہ غیر کو... انتہائی سنجیدگی سے...

”پہچان رہے ہو مجھے...؟ میں... میں تمہارا...“ اس سے بات کرتے کرتے غیر چپک سا ہو گیا...

اپنا کیا رشتہ بنا گئے... باپ نے تو اسے پیدا ہونے سے پہلے لاوارش کر دیا تھا... ایک دم سے ہی اس کے لئے بہت سارے جذبے می میں بھر گئے... دکھ... درد... اپنائیت... شفقت... اور جب یہ سارے جذبے اپنی انتہاؤں کے ساتھ اکٹھے ہوئے تو غیر کی آنکھوں میں بہت سے آنسو آ گئے...

اس نے بے اختیار ہونے کے سر، منہ، پیشانی کو چومتے ہوئے سینے سے لگایا...

”تو لاوارش نہیں ہے... روزِ اقل سے تو میرا ہے... میں تجھے پناؤں گا... میں... کیونکہ تو میری بیٹی کا ہے... اور... تیرے ساتھ میرا پہلا سہریہ ہے کہ میں تمہارے لئے اپنی زندگی وقف کر رہا ہوں۔ تمہارا سر پرستہ ہوں گا... یہ ہے میری پہچان... ہم دونوں ایک دوسرے کی پہچان نہیں گئے...“

پھر اس کی آنکھوں میں پختے پختے مسکراتے لگ پڑا... غیر بھرے قابل ہوتے ہوئے اسے چومنے لگا...

”بڑا بیدار کر رہا ہے جینے پر...“ جہاں آرا کی خوشیوں سے کلکتی آواز غیر کے کانوں سے گزرائی... بلدی سے مڑا...

ہوتا تھا نہ ہیر کی ملکیت کو نہ اپنے دالا... زیر سر موجود نہیں تھا تو اس کا یہ مطلب تو جہیں تھا کہ اس کی اولاد کو کوئی اور اپنا لے۔

”بتاؤ ناہیل! وعدہ کرتی ہو...؟“ ماں کی طرف تو جبر دیتے بنا وہ مومنہ سے پوچھ جاتا تھا...

”ہاں...“ مومنہ کہیں کبھی پنچے جا رہی تھی... محبتوں اور چاہنوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا اظہار ہوگا... عمیر اچھا لگ رہا تھا... اسی کی یہ خواہش ابھی لگ رہی تھی... بڑی خوش قسمت تھی وہ... اسے اپنی خوش قسمتی پر نازناں سا ہونے لگا...

”مے لو... اور پھر اب سنبھالنا بھی تم خود ہی...“

”سنبھال لوں گا...“ عمیر نے پھر اسے سینے کے ساتھ لگایا...

”کیسے سنبھالو گے...؟“ جہاں آسانیکھے سے لہجے میں بولیں...

پنچے کا خربچہ بہت ہوتا ہے... پہلے اس کے سنے کمانا تو سیکھو... اسے دودھ کی ضرورت ہوگی... کپڑے لٹنے کی... پھر کونوں جھونوں کی... اور یہ سب کچھ بیسوں سے آتا ہے...

”آپ تو اتنی جی! بس ہر معاملے میں مجھ پر طعنہ دیتی ہی...“

”پر تجھ پر کوئی اثر بھی ہو... جہاں آسانے اس کی بات قطع کرتے ہوئے تاک سکھائی۔“

”اتنی جی! عمو! اپنے انھوں سے اس کی پرورش کرنے کو کہہ رہا ہے۔ بیسوں کی تو نیچ میں بات ہی نہیں...؟“

ہوئے میرا سہلک دالہانہ سی محبت سے نکتے نکتے مومنہ کے بید کے پاس آن کھڑا ہوا۔

”بی بی! یہ میں لے لوں... اسے مجھے دے دو...“

سکھاتی ہوئی مومنہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جہاں آسانا پیسے ہی بول پڑیں... ملا سنت پیسے اسکا باپ... اس کو پالنے والا... اتنی کمائی کرنے والا... کہار سے پاس کیا ہے... کیا دو گے اسے...؟

”اتنی جی!“ مومنہ اک دم تڑپ کر بول اٹھی... ”عمو کا مطلب یہ نہ تھا... چچا بھی باپ ہی ہوتا ہے...“

ماں کے جواب سے عمیر کے چہرے پر جو اندرونی کتے تار یک سے سلے پھیل گئے تھے وہ پل بھر میں مومنہ نے محسوس کر لئے...

”ماں عمو! یہ تمہارا ہی ہے... بالکل تمہارا... کبھی جو حق جتا جاؤں تو نام بدل دینا میرا...“

مومنہ کی بات سن کر ماں کی بات کا اثر چہرے پر سے خائب ہو گیا۔ وہ ماں تھیں نہ ہیر کی... اور اس کی حمایت، اس کی غیر موجودگی میں تھرتی امر تھا۔ اور... جو کچھ عمیر جانتا تھا، اس سے وہ لاعلم تھیں... تبھی اس نے

ماں کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی...

”تو پھر کی بات ہے نا... یہ ہو گیا نا میرا...؟“ وہ اسے باہر بار بار

لکھنے جا رہا تھا...

”کیا کچی بات...؟“ جہاں آسانے پھر اسے گھور کر دیکھا... وہ کون

مومن نے جلدی سے بات بدلی، بٹائی، اور ہنس کر بولی۔

”ٹھیک ہے عمو! اوچر اس کو پہلے اس کو پہنچ کر دو... اس نے اپنے پرے جگہ لئے ہیں...“

”دیکھو، جی! پہنچ نہ سکے... میں یہ بھی کرو گاؤں گا...“

”ہاں کر دکھائے گا... ارے پیسے وقت تو نکالو... تمہیں اپنی آوارہ گویوں سے فرصت ملے گی، تو نا... چلا ہے اس کا باب بند... نہ کماؤ نہ وقت... اور نہ عقل...“

”ارے بھئی کس کی کماؤ اور عقل اور وقت کو کو سا جا رہا ہے...“ کاظمی صاحب اندر داخل ہوئے۔

”ایک ہی تو ہے اس گھر میں آبا جی...“ عید بچے کو مومن کے پاس لٹا کر بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

”نکلا، نالائق، بے عقل، آوارہ، لنگھ... دنیا بھر کی خصوصیات اپنے ایک اکیلے دھند میں سمیٹے ہوئے...“

”بچ کو جانتا مانتا بھی ہے، پر غصہ بھی کر لیتا ہے...“ جہاں آغا اس کی بڑبڑاہٹ پر بڑبڑا نہیں...

”ہائے آتی جی! وہ اتنے چاڑ کر رہا ہے اور آپ نے اس کا دل ہی توڑ دیا...“

”کوئی بات اثر کرے گی اس پر... اور یہ بندہ بن جائے...“

”ارے یہ موضوع کو کسی وقت بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ بلکہ

بہار کے گھر میں تو ہر وقت ہی رہتا ہے... میرا مطلب تھا، خوشی کا موقع ہے، کوئی خوشی کی بات کرو... آؤ میں میرے پاس...“ کاظمی صاحب نے بڑھ کر بچے کو مومن کے پہلو سے اٹھایا۔

”واہ، بھئی واہ بڑا پیارا ہے میرا بچہ... بالکل اپنی دادی پر گیا ہے...“ بچہ نے کہیں کچھ لبوں نے لگا... متی سی پیشانی پر ننھے ننھے بلی پر گئے۔

”پیشانی تو بالکل ہی دادی جیسی پائی ہے...“

”ہاں ہاں... میں بڑی بد مزاج ہوں نا... کبھی اپنا غصہ بھی دیکھا ہے انہوں نے...“ پلہ چھو دادا سے میرے چاند...۔

ان کی آپس میں لوک جھڑک ہوئے گی اور... مومن کی خوشیاں، مومن کے سکھ قبضے لگانے لگے۔



میرا سے اپنی زندگی کے ٹک کا چاند بگھٹا تھا... مومن کا بیٹا، اور مومن، ان دونوں سے تو اس کی حیات روشنی پاتی تھی، تبھی وہ اسے چاند کہہ کر پکارتا تھا۔

نذیر کا اشتہار تھا... وہ آتا یا خط میں ہی اس کا کوئی نام نہ نہ کرنا تو باقی عرصہ بچے کا نام رکھا جاتا... مٹھائی تقسیم ہوتی... کوئی ٹکسٹن وغیرہ کیا جاتا... اور وہ ابھی تک آپس نہیں رہا تھا... کوئی نہ کوئی

دور ہی جاتی... کبھی دفتر میں کام نکل آتا، کبھی چھٹی نہ ملتی اور کبھی
پاسپورٹ یا ویزا وغیرہ میں گڑبڑ ہو جاتی...
اتنی دیر میں کبھی غیر جو کہتا تھا، دہی نام کے لڑکے سے پکارنے لگے۔
”مجھے تو چاند کہہ کر پکارنا بڑا اچھا لگتا ہے... میں تو کہتی ہوں آئی جی!
میں نے کاہلی نام نہ رکھ دیا جانتے...؟“
”نہ... جہاں آسا اک دم بولیں...“ اپنے پیٹے کا نام نہ پیر خود
رکھے گا...“

ادھر زیر کے نام رکھنے کا انتظار کرتے کرتے خود وہ بھی اسے
چاند ہی کہہ کر پکارنے لگیں...
”عمو! چاند کے لئے کچھ کھانے تو لے آنا... اب وہ لوگوں کو ادھر
چیزوں کو بچانے لگا ہے... کچھ جین بھی بکنا ہوا لانا... آوازوں کی طرف
بھی دیکھتا ہے...“

اور... چاند کی کوئی چیز لانا وہ کبھی نہ بھولتا... چوسنی، دودھ والی
بوتل، گرائپ والٹر، ربڑی میٹھ پڑے، جھولا، جھولنے والا گھوڑا...
جین میں بچنے والے کھولتے... روزانہ کوئی نہ کوئی چیز اٹھاتے لانا...
خرچ بہت بڑھ گیا تھا... موسم بیا رہی تھی... دوبارہ زندگی ملی
تھی، بچہ ہاں کا دودھ نہیں پیتا تھا... دودھ کا بھی کافی خرچ تھا... کچھ
موسم کی اپنی دوا بٹیاں، ابھی تک ڈاکٹر استعمال کر رہی تھی... دوبارہ
زندگی ملی تھی... خوراک میں بھی اشتیاد برتی جا رہی تھی... پھل وغیرہ

خوب نہ ہرے دیتا...

”سانس ان دونوں ہی کی تو برکت ہے...“ غیر سوچتا اور... ان کی
برکت اسے اور اور محنت کرنے پر مجبور کر دیتی... ”کوئی کمی، کوئی
محدود نہ ملے دونوں کو...“ وہ اسی نگ دودھ کو شش میں لگا رہا۔
”اتنی محنت... سارا دن مصروف رہنا... ٹیوٹینس بھی تم نے بڑھالی ہیں؟
جوانے غیر کی آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقوں کو دیکھا... پچاس
کے وجود پر اک نگاہ ڈالی... دن بدن ڈبلا ہوا تھا...“

”پھر اوپر سے رات کی سیلے آراہی... ٹیندر بھی پوری نہیں کرتے۔
کچھ اپنے آپ پر رحم کر دو...“
”اس کے بنا چارہ نہیں...“
”تو خدا کے بندے کب تک یوں پسے رہو گے...؟“
”ابا جی کی لڑکھی چھوڑا دی ہے... بلڈ پریشر بہت زیادہ ہے
لگا تھا...“

”وہ تو باپ ہیں... اچھا کیا... میں تو سوچتا ہوں محنت انسان جتنی
مرضی کر لے... پر ذہن کو سکون تو ملے... تمہاری تو محنت بھی رائیگاں
جاتی ہے...“
”رائیگاں کیوں...؟ سارے گھر کا خرچ پورا ہوتا ہے... چاند اور
بیلی کے اخراجات...“
”وہی تو کہہ رہا ہوں، سب کچھ کر کے بھی بدلے میں نہیں ملے،

نام کسی دوسرے کا ہو۔۔۔ ذہن کو سکون کہاں جبراً آسکتا ہے۔۔۔ منتشر ہی رہتا ہوگا۔۔۔

”اے۔۔۔ انسان ہوں آخر۔۔۔ غیر مکر اور دیا۔۔۔ لاکھ لوگ پتھر کہتے رہیں۔۔۔ پر تم تو جانتے ہی ہو۔۔۔ یہ پتھر کیا موم کا بنا ہے۔۔۔“

”اسی لئے تو کہتا ہوں۔۔۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔۔۔ کسی کی قربانیوں کا بدلہ نہیں دیا کرتی۔۔۔“

”میں نے کسی بد سے کئے کچھ نہیں کیا جو اد! اپنے جذبوں کے لئے کیا ہے۔۔۔ انسانیت کی خاطر کیا ہے۔۔۔ یہ جو تمہارا دوست ہے ناچنگل سار اس کے اندر نرم گرم جذبوں سے بھرا دل رکھنے والا اک انسان چھپا ہے۔۔۔ یہ۔۔۔“

”پیڑ! اب پھر کوئی انسان اور انسانیت پر لکچر نہ جھاڑ دینا۔“

جواد نے اس کی بات قلعے کرتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ بڑھائی۔۔۔

”میری تو بس اتنی درخواست ہے کہ اب اس ڈرامے کو ختم کر دو۔ اب تو چاند بھی سات آتھ بیسوں کا ہو گیا ہے۔۔۔“

”کیا کروں۔۔۔ بڑی مشکل میں ہوں۔۔۔ یہ ڈرامہ ختم کرنا بھی آسان نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔“

”نٹھوں کے رومانس کے ماوی ہر گئے ہو۔۔۔ جواد نے مذاق کیا۔۔۔“

”تو یہ تو یہ۔۔۔ تم کیا جانو۔۔۔ میرے لئے وہ وقت کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔۔۔“

جواد ہنس پڑا۔۔۔ ”اب خواہ مخواہ ہی بننے کی کوشش کر رہے ہو۔۔۔“

”جس آگ میں میں جل رہا ہوں نا، اس میں اک پل کے لئے تمہیں رہنا پڑے تو یہ ہنسی، یہ مذاق! جتنے سب نکل جائیں۔۔۔“ غیر نے بڑے کرب سے اسے دیکھا۔۔۔

”جب اسے خط لکھ رہا ہوتا ہوں، تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ جلدی اپنے بیان کر رہا ہوں۔۔۔ اور وہ ہوں گے کسی اور کے نام کے۔۔۔ وہ پڑھے گی تو دوسرے کو دہن میں، خیالوں میں رکھ کر۔۔۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ لمحات شاید ہی کوئی اور ہوں۔۔۔ اور مجھے ہر دوسرے چوتھے دن اس جلیج آگ سے گزند ا پڑتا ہے۔۔۔“

غیر نے اک درد بھری آہ بھری۔۔۔ ”پھر اس کے خطوط۔۔۔ مبعوث اور رنڈوں کا جھنڈ۔۔۔ انگلیوں اور آرزوؤں کا بیٹام دیتے ہوئے۔“

جس شادیں کے لئے ہر وقت تیار۔۔۔ میرے لئے نہیں کسی دوسرے کے لئے جوں کی بولہ بیچ میں۔۔۔ یہ احساس بہت اذیت ناک ہے۔۔۔ بہت کرناک ہے۔۔۔ اک دیکھتے جہنم میں پڑا ہوا ہوں جواد! خدانہ کرے کسی کے قدر میں ایسا سب ہو۔۔۔“

”تجی تو کہہ رہا ہوں۔۔۔ اب بس کرو۔۔۔ پیچھے ہٹ چکے ہو۔۔۔ تمہاری بیٹی میں راضی خوش ہے۔۔۔ اب اس کی زندگی کو کھٹی خطرہ نہیں۔۔۔“

اب برافراشت کر لے گی۔۔۔

”پر مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ کہ کہیں وہ ساری حقیقتیں جان کر یہاں سے

پل نہ جانے... جب مارے ناٹے ختم ہو جائیں تو... تو... چھوڑ نہ دے ہیں۔“

”کہاں جانے گی...؟ پاگلن۔“

”کہیں بھی... بہت خود دار ہے۔“

”لاکھ خود دار سہی... پر یہ بھی حقیقت ہے کہ تم لوگوں میں کافی گتھی مل

گتی ہوئی ہے۔ نہیں چھوڑ سکے گی اس گھر کو... اور تم لوگوں کو...“

”جب اسے معلوم ہوا کہ یہ کچھ ہر چکا ہے تو... وہ نفرت کرنے لگے

گی مجھ سے... اتنا عرصہ میں نے اسے دھوکے میں رکھا ہے... اس کا

شوہر بن کر اس سے خدو کتا بتہ کی ہے... مجھے تو لگتا ہے وہ شوٹ

کر دے گی مجھے...“

میر کی بات سن کر جواد سوچوں میں کھو گیا۔ وہ شاید عجیب ہیں کہ

رہا تھا انسانی فطرت بڑی عجیب ہوتی ہے...

میر سے بھاٹی نے اس کے ساتھ جو غلم کیا ہے، اس کے بٹے کو بیدا

ہوتے ہی لادارٹ کر دیا... اسے بے سہارا چھوڑ دیا... اس غلم کے وقت

بھی کب رہے گی اس کے دل میں ہم لوگوں کی ذرا سی بھی پابست، عزت

یا تندر... شادی شدہ عورت اگر سسرال والوں سے کوئی تعلق، کوئی انس

یا لگاؤ رکھتی ہے تو شوہر کی وجہ سے... ہماری تو ساری ڈوریں، تعلق

کی، محبت کی، اپنائیت کی، ابھی، ہمارے بھائی نے کاٹ ڈالیں...

ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں رہ گیا تقریباً نیاں دے کر بھی ہم خطا دار و قصور دار

اور سزا دار ہیں...

”اوہ...!“ جواد نے بڑی ہمدردی سے میر کے منہ پر چہرے کی طرف

دیکھا...

میں اسی وجہ سے میں اب تک اس کو جانے سے احتراز کر رہا

ہوں... اس وقت جیسی بھی زندگی ہے... بے شک کرب و اذیت

کے جہنم سے گزر رہا ہوں، پر کچھ غمات خوشی کے بھی آ جاتے ہیں۔ وہ

جب دکھائی دے جاتی ہے، میری محبت کو تسکین مٹی ہے... اس نے

کہا تھا ہوں، وہ ڈرافٹ دیکھ کر خوش ہوتی ہے تو کچھ لکھے مٹا ہے...

وہ جذبات میں ڈوبا ہے جا رہا تھا اور جواد اس کے چہرے پر پہلے

سکون اور ملانیت میں ڈوبا ہوا تھا...

”دکھائی دیتی ہے، وہ پہنچتی اور بھتی ہے تو مجھے عجیب سی آسائش

کا احساس ہوتا ہے... ایسا، جو کبھی کسی کو نہ ملا ہو... لاکھوں کروڑوں دے

کر بھی... پھر چاند ہے... وہ تو گھر بھر کی رونق ہے... آج بھی اتنا بیمار

تھے پر ڈکری نہیں چھوڑتے تھے اور روز بروز ان کی حالت بگڑ رہی تھی۔

اب چھوڑ دی ہے تو صرف چاند کی وجہ سے... سارا دن اس سے کھینٹ

ہیں... ان کی بیماری دگر ہو گئی ہے... دوا شیاں وغیرہ سب ختم...

”پھر کوئی تو حل سوچنا چاہیے... آخر کب تک اس طرح چلے گا...

یہ کاٹھ کی ہنڈیا ہے میر صاحب! ایک دن بن جائے گی...“

”جانتا ہوں...“ مایوسی میر کے چہرے پر پھیل گئی... جواد نے

ہمدردی سے اسے دیکھا...

”میں کہتا ہوں تم بات تو کرو... ہو سکتا ہے یہ سارے محض تمہارے
تدشیات ہی ثابت ہوں... بیچکے میں ان کا کوئی ہے نہیں... طلاق کا
سُن کر اُسے مالی زندگی کی کٹھن تیاں اسے، اس گھر کی دہلیز نہ پا کر گرنے
ویں... وہ یہاں بہنے میں ہی اپنی عاقبت پا لے... ساتھ ہی تم
اسے پزندہ کر دینا... طلاق والی بات سنا کے ہی... فوراً... دکھاتے
تو ساتھ ساتھ کے اُبلنے کی کرن بھی...“
”کیا کیا خواہاں دیکھ رہے ہو... عمیر اک افسوس سے تیرے کمرے کے ساتھ
کہنے لگا...

”جہاں جان کے نام اس کے جو خطوط ہوتے ہیں، وہ... وہ...
یار! وہ بڑی بادشاہ عورت ہے... بہت محبت کرنے والی... خود پر
کے لئے جان تک قربان کر دینے والی... میں تمہیں بتا نہیں سکتا...
مجھے تو لگتا ہے جب حقیقت ملتی تو... وہ کہیں اپنا ذہنی توازن ہی
نہ کھو بیٹھے... یا کہیں اس کی زندگی ہی نہ... میرے مرنے میں خاک...؟
عمیر نے ہاتھوں میں سر تھام لیا...

عجیب حالت میں بیٹھا تھا مضطرب سا، ٹوٹا پھوٹا سا مفلس
سا، زندگی سے بھی، جذباتوں سے بھی اور... مستقبل سے بھی... اس
کے لئے تو کچھ نہیں تھا سوائے ٹوٹ پھوٹ اور خاندان خرابی کے... اور
دل کی بربادی کے...

”آخر ایک نہ ایک دن تو یہ دن آنا ہی ہے... میں تو کہتا ہوں

جتنی جلد اس پھیلاط سے گزر سکتے ہو، گزر جاؤ... اپنی حالت دیکھی
ہے... یونہی گل گل کر مر جاؤ گے...”

”کاش! میری زندگی ہی ختم ہو جاتی...”

”نہ... ایسی مایوسی کے الفاظ مرنے سے نہ نکالو... گناہ ہے یہ...
جو اُن نے اسے تسلی دینے کے لئے اس کے کندھے پر ہاتھ دھر دیا...

”مجھے یقین ہے... تم اک بہادر انسان ہو...”

”تھا... کبھی تھا جو او...! پر پیل کے ٹکسے نے مجھے بڑا کڑور کر دیا

ہے... اس محبت نے جو میرے اندر مسلسل اک آگ کی طرح بیل ہی
ہے، اس نے مجھے ماکھ بنا ڈالا ہے... لیکن نہیں... اس نے مجھے سن
کی ٹھنڈک اور سکھ بھی دیا ہے... گھر جاتا ہوں تو گھر کا ماحول مجھے
ایسی ہی اک طویل زندگی کی تمنا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے... چاند مجھے
اپنی اولاد لگتا ہے...”

عمیر نے ہاتھوں میں سے سر نکالا... جو اُن کی آنکھوں میں دیکھا...

اک عجیب ماورائی سی چمک اس کی آنکھوں میں اُترتی ہوئی تھی...

”ایسا خوب صورت پھول پوسی دینا کے کسی اور آئینہ میں د

کھلا ہو گا... جیسا... جیسا... وہ ہے... میرا چاند...”

”وہ چچا آگئے... چاند کے چچا آگئے...”

”چچا کیا ہوا... تم نے وعدہ کیا تھا بیل! کہ یہ میرا ہے... اسے کہو۔
ابو آگئے... کہو نا...”

”خواہ مخواہ ہی... پاس سے جہاں آرائنگ کر پولیس...
 ”باب کے ہوتے ہوئے تمہیں کہیں آلو کہے... اس لڑکے کی تو
 عقل اری غمی ہے... کبھی تک کی بات نہیں کرتا...“
 ”وہ آپ کا بیٹا امریکی باؤ اس سے اپنے آپ کو ڈیڑی ٹیڈی
 کہلو اسے گا یقیناً... یوں آلو فارغ ہو جاتا ہے... وہ میرے لئے
 رہنے دیں... میرا بھی شوق پورا ہو جائے گا... ویسے بھی...“
 ”عمر نے بے حد خوشگوار سے اور مذاق سے پہلے میں کہا... مجھ
 پتھر نے نہ کائی وغیرہ کرتی ہے... اور نہ ہی پھر شادی شادی کا مسئلہ
 ہوگا... چاند کو ہی گو دے لوں... اولاد کی حسرت تو پوری ہو
 جاسے گی...“

”مومنہ ہنسے گی... مگر جہاں آرائے اس کی بات سن کر بیزار سا
 منہ بنایا...“

”یاں اتنی جی...! عمو کی بھی بات ٹھیک ہے... اس کو چاند آلو
 ہی کہا کرے گا... اور... وہ خطوں میں ڈیڑی ہی کہتے ہیں...“

”مومنہ ہمیشہ عمر کا دل رکھ لیا کرتی تھی... بڑی عقلمند تھی...
 خط میں ایسا کوئی اشارہ تک نہ تھا مگر اس نے عمر کی خاطر بات
 بنا دی... اور عمر انتہائی مشکوہ نظروں سے اسے دیکھ رہ گیا...“

”اس کے بعد وہ جب بھی گھر جاتا، مومنہ اسے دیکھتے ہی چاند
 کو اسی طرح... عین اس کی خواہش کے مطابق... اس کی طرف

”متوجہ کراتی...“ وہ دیکھ کر چندا...! آپکے آلو آگئے...“

”وہ لمحہ اتنا خوب صورت ہوتا... اس لمحے کا احساس اتنا تسکین
 بخش ہوتا کہ عمر بے پناہ لذتوں میں ڈوب ڈوب جاتا... بچہ مانگیں
 بازو مار مار کر عمر کی طرف جھکنے لگتا... تب عمر جذبول میں مرشار
 اسے بازوؤں میں بھر کر سینے کے ساتھ لٹا لیتا...“

”نظر میں مومنہ پر جم جاتیں... دن بدن نکھر رہی تھی... زیادہ
 حسین ہو رہی تھی... صحت کی سرخیاں گلوں میں انگاروں کی طرح
 دھکنے لگی تھیں... کچھ مانتا کے جذبے، خوشیوں کی دمک، صبا کی
 محبتوں اور چاہتوں کا اعتماد اس کے چہرے پر توس و قزح کی
 طرح بکھرا رہتا اور بکشتا کی طرح جھومتا رہتا...“

”بڑی بڑی دیر تک عمر کی نظریں اس نشانہ سے میں غور رہیں
 اور سینے میں بچے کے لمس اور حدت سے ایک انتہائی لذت کشش
 سی ٹھنڈک اترتی رہتی...“ تو میرا بیٹا ہے نا... میرا اپنا...
 بالکل میرا...“

”روزی ایسا ہوتا... وہ گھڑاتا... اسی طرح اس کا استقبال ہوتا۔
 نظروں میں اپنی تمام تر خوشبودیوں اور دل کشیوں کے ساتھ مومنہ
 ہوتی اور سینے کے ساتھ چاند... اس نے تو زندگی کی معراج پالی تھی۔
 اس کی ساری تر بنائیاں کام آگئی تھیں...
 لگتا... گھر میں نہیں، وہ اک چھوٹی سی جنت میں رہ رہا تھا...“

جس گھر، آنگن، اجت کے وہ خواب دیکھنے لگ جاتا تھا، وہ تو بھائی کا تھا سب کچھ... پر... بھائی کا بخت بھی نامراد رہ گیا، اس نے اتنی خوب صورت حشرت کو خود ہی ٹھکرا دیا... ابلیس بن گیا... خوشیوں سے جھکتے، دیکھتے بیٹے میں، دکھ کی برکھا شروع ہو جاتی... لیکن... چاند کی مسکراہٹیں، اس کا وجود، غیر کے سینے میں روشن و تابندہ ہی رہتا...

”میں تو کہتا ہوں آج بہت کمرے دیکھ ہی لو... کیا ہوتا ہے؟“
عمر نے چونک کر جواب کی طرف دیکھا... دل کی دھڑکنیں جیسے ایک دم تھم سی گئیں... ”کیس سب کچھ نہ ختم ہو جائے...“ اس نے ویسا الفاظ میں اپنے خدشے کا اظہار کر ڈالا...
”ختم سے کیا مطلب؟“

”میرا دل سونا ہو جائے... میرا گھر سونا ہو جائے... میری زندگی سونی ہو جائے...“ عمر بے کلی سا ہو کر رہ گیا...

”یہی اتنی بے وقوف تو نہیں ہو سکتی کہ کوئی ایسا فیصلہ کر ڈالے۔ اور اگر اس نے تمہارا گھر چھوڑ دینے کی شان ہی لی تو بار! یہ اس کا حق ہوگا... کوئی کسی سے زبردستی محبت نہیں کر سکتا...“
جو ادا کا اشارہ عمر کی خاموش محبت کی طرف تھا... ”تم کب تک ایک سو سو سو امید میں ڈوبے رہو گے... اس کے خوابوں میں گم رہو گے... اس کی محبت کو پانے کے لئے خاکہ ہوتے رہو گے...“

اور مومنہ جیسی خود اپنی مسکراہٹوں اور خندمتوں سے اس کی رونقیں آباد رکھتی تھی... جہاں آرا اور کاظمی صاحب بھی بہت خوش تھے... مومنہ کی خندمتوں سے اور چاند کی روشنی سے... گھر میں اچالا سا بھر گیا تھا، اس کے وجود سے... فوکری پھوڑ دی تھی، سارا دن چاند کے ساتھ کھیلتے... کبھی اسے تجولا بھلاتے... کبھی چابی والے کھلونوں میں چابی بھر کر اس کے سامنے بچاتے، بھگاتے، رقص کراتے رہتے... گھنٹوں محو رہتے... بچہ ٹھکرا ریاں مارتا... ہنستا، منہ نہ تھے قہقہے لگاتا... تو... سب کی زندگی کلکاریاں ماریں لگتی... ہنسنے قہقہے لگنے لگتی... دلوں میں خوشیوں کے چراغ جل اُٹھتے...
جب عمر نے پتی کو دل میں بسایا تھا تو دل کی اس لمبی کا کچھ ایسا ہی نقشہ بنا تھا... اس نے جو خواب دیکھے تھے، ان میں اک ایسے بن گھر کا عکس ملتا تھا... دادا، دادی، ماما، بچہ... اور... وہ... وہ خود... وہ خود...

جیسے وہی مامک تھا... وہی سر پر سنہ تھا... اسی کی ساری ذمہ داریاں تھیں... اسی کی دنیا تھی...
”لو جی... میرے چاند کے ابو تو آگئے...“

ناراض ڈیڑی کے تدموں کی آہٹ بھی اسی طرح اتارے...
جہاں آرا ایسا کوئی نہ کوئی فقرہ بول دیتیں تو عمر کی مہر زینٹ ٹوٹ جاتیں... پنے کچھ جاتے... بس بھائی بھتی اجڑ جاتی...

یہیڑ...! بہادر خیر... حقیقتوں کا سامنا کرو... مقدر میں جو کچھ ہو گا مل جائے گا... بس تم بسم اللہ کر کے بات تو کرو...
 ”ٹھیک ہے... آج ہی ہسی...“ عیبر کی آواز میں ارتعاش تھا...
 ”تم پیالہ ہونٹوں سے لگاؤ تو سہی... کیا پتہ نہ ہر کا نہ ہو، امرت کا ہو...“

جواد کے ہونٹوں پر اک معنی خیز سی مسکراہٹ پھیل گئی...
 ”کل آتے ہوئے مٹھا لانا نہ بھولنا...“

”کیسی مٹھائی...؟“

”مگنی کی... یا نکاح کی...“

”ہو قوت... عقل کے دشمن... میں کہتا ہوں، وہ مجھے چننی پھرتی ہو کر لٹیں
 بکیر تو نظر آتی رہے... بس... اس سے زیادہ کی تو میں نے کبھی تو فتح ہی نہیں کی... دھما گنا... وہ بس اس گھر سے چلے جانے کا فیصلہ نہ سنا...
 باقی سب کچھ میں برداشت کر سکتا ہوں... میرے ماں باپ کی بیٹی بن کر اس گھر میں میٹھی رہے... میں ساری زندگی اس کے لئے کماؤں گا... ساری زندگی اس کے لئے محنت کروں گا... ساری زندگی... اس سے مجھ سے زیادہ محنت...“

”اور پھر چند سالوں میں اس کا یہ آسرا بھی انشا اللہ اس سے چھین لوں گا...“

جواد نے دانت کچلی تے ہوئے غصہ کیا... ”اوسے اتو کے پٹھے آئی

محنت کرو گے تو جلد مر جاؤ گے...“

”اس کے لئے جینا بھی خوش قسمتی اور مرنا بھی اعلیٰ نجاتی...“ وہ

جذبول میں ڈوبا بڑبڑایا...
 ”اچھا مجنوں میاں! اب تم گھر مدھار ہی جاؤ تو بہتر ہے... شام

ہونے میں کوئی زیادہ وقت نہیں رہ گیا... اٹھو جاؤ... دکان دھیرہ

میں بند کروں گا... پر... کل میں آخری بات سنوں...“

جواد نے اس کا کندھا زور سے ہلایا... ”کچھ... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”مجھے... آخری بات...“

”بات تمہاری بھی درست ہے... پھر اور کہاں دیر ہو سکتی ہے... میں نے سوچا چور چوری سے جائے لگ میرا پھیری سے نہیں جاسکتا... یقیناً کہیں بات کی نظر اگئی ہوگی... اور...“

ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ساتھی صاحب کے قدموں کی آواز اُبھری۔ دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا...

”لو... وہ آگئے...“

”ماشاء اللہ بڑی عمر ہے اما جی! آپ کی...“ مومنہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آگئی... ”بھئی لے آئے ہیں...؟ بڑی دیر ہو گئی آج تو...“

”وہ... وہ...“ بچانے کیوں مومنہ سے نظر میں چراستہ ہونے اور ہلکانے ہوئے مومنہ کے پاس سے ہٹ کر جلدی سے جہاں آرا کے پاس جا کھڑے ہوئے...

”ذرا ادھر آنا، اک بات کرنا تھی...“

ان کے چہرے کی رنگت عجیب بے رنگ سی ہو رہی تھی... ہونٹ نمک پیلے پڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ بھی ہلکے ہلکے کپکپا رہے تھے...

”کیا بات ہے؟ کہیں پیسے تو نہیں گر گئے...؟ ان کی کیفیت دیکھ کر جہاں آرا نے تیز سی نظروں سے انہیں دیکھا... جب ان سے کوئی نقصان ہو جایا کرتا تھا تو ایسی ہی کچھ حالت، کچھ علیہ بن جایا کرتا تھا...“

”کب کھانا پکے گا اور کب... ارے! ساڑھے بارہ بجے تو میسرے مولوی صاحب کھانا لینے آ جاتے ہیں... اور آج تو کل کا بھی کوئی بچا ہوا سالن فرنج میں نہیں پڑا ہوا... کیا کریں گے...؟“ چہ نہیں آماجی کہاں رہ گئے...“

”کہیں شطرنج کا بازی لگی ہوگی... اور دیکھنے کھڑے ہو گئے ہوں گے... جہاں آرا کی پیشانی تنکن اُلو ہو گئی... ”یہ تمہارے آماجی بھی نہیں عجیب انسان ہیں...“

”پر آماجی شطرنج تو کبھی نہیں کھیتے...“

”ساری جوانی کھیتے رہے... بہت کھیلی... پھر نان نفٹے کے ہی لانے پڑے رہے... بچوں کو پڑھایا کھلایا... ایک کو امریکہ میں تعلیم دلوائی... وہ وہیں جا بسا... دوسرے نے کمار دینے کی قسم کھائی... اور اب فارغ ہوئے ہیں، انہیں کس دیر کے وسیلے سے تو...“

وہ مسکراتے لگیں... ایک دم ہی ان کے چہرے پر بہاروں کے کارواں اتر آئے... ”اب خیر سے چاند ہے... اس کے ہوتے ہوئے شطرنج کا کسے ہوش رہ سکتا ہے...“

”تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا ہے کہ شطرنج میں لگ سکتے ہوں گے۔ وہ تو جانا ہی نہیں چاہتے تھے... چاند کا گھوٹا بن کر اسے کھلا ہے تھے... بڑھڑاتے ہوئے گئے تھے... جب بھی اپنے بچے سے کھیتے لگتا ہوں کوئی نہ کوئی کام کہہ دیتے ہیں...“

بڑھ گئیں...

”ہونا کیا ہے... کوئی ذرا سی بات ہوگی جس کا تینگز بنا کر لکھے
نا دیں گے...“

پھر جانے کیا سوچ ڈا ہی میں آئی... ایک دم بخود ہو کر مدھم
سی آواز میں بولیں... کیا عمو نے کوئی گل کھلایا ہے...؟ بہت دنوں
سے انتظار میں تھی... یہ ہر وقت کا باہر دہنا اور وہ بھی میکانا اور
آوارہ...“

”کبھی دوسرے کو بھی بات کرنے کا موقع دیا کرو... سارے
قیانے اپنے آپ ہی لگا کر دھڑکتی ہو...“

”پھر بتا بھی چکے نا... کیا گل کھلایا ہے ہمارے پتوت نے...“
”آج تک تو بڑے کے کھلائے ہوئے گلوں کے بار ہی لگے ہیں
سجائے پھر رہے ہیں... ابھی چھوٹے کی یادی نہیں آئی...“

”کیا...؟ کیا کیا میرے زیر سر نے... کوئی خواہ خواہ کی تہمت نہ
لگا دینا... ایسی اولاد تو خدا ہر کسی کو دے...“

”خدا نہ کرے... کاغذی جانب بے ساختہ کہہ اُٹھے...
”پیر ہوا کیا...؟“

”کچھ معلوم بھی ہے جسے ہمارے لاڈلے نے ہماری عزت کی
کسی طرح دھجیاں اڑائی ہیں...“

”نہاں اتنی دُور بیٹھے بیٹھے نے آپ کی عزت کی دھجیاں کس طرح

”کوئی بات نہیں اباجی! اگر گئے ہیں تو آپ کے سر کا صدقہ اتر
گیا... میں اندر سے اور لادیتی ہوں... آپ پریشان نہ ہوں...“

ان کا کوئی جواب مٹے بنا ہی مومنہ اندر سے پیسے لینے کے نئے
چل دی... وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو کاغذی صاحب لڑکھڑائی

ہوئی آواز میں جہاں آرا سے غا طیب ہوئے...
”کبھی سوچنے کی نزاکت کا بھی احساس کر لیا کرو... فوراً طعنے زنی
برائے آئی ہو...“

”پیر ہوا کیا ہے...؟“
”کہہ رہا ہوں نا... اندر چل کر میری بات سنو... یہاں نہانے
والی نہیں...“

”خواہ خواہ ہی پیر اسرار بننے کی کوشش کر رہے ہیں...“
جہاں آرا اُٹھتے ہوئے بڑبڑائیں... ”اندر جا کر کھڑے ہوئے
پاؤں میں نے چومیا ہی نکلے گی... مجھے یقین ہے... یہی بتا دیتے...“

پتہ بھی ہے گفتوں کے درد کی وجہ سے مجھ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل
ہوتا ہے...“

وہ بڑی مشکل سے گھٹنے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اٹھیں اور ہولے
ہولے چلتے ہوئے کاغذی صاحب کے نیچے نیچے دھیر میں جا قدم رکھا۔

”دردناز، بند کر کے آتا...“
”اب رہتے بھی دیں...“ وہ دردناز سے کو کھلا ہی چھوڑا گئے

مناق اڑا دیا۔۔

”وہ آیا ہوا ہے۔۔ یہاں۔۔ پاکستان میں۔۔“ کاظمی صاحب نے حانت یہ سمیٹے ہوئے قدرے گرم نگاہوں سے بیگم کو دیکھا۔۔ ”یعنی ہی نہیں کر رہی میری بات کا۔۔ جانتا رہا ہوں کہ اس نے خود سب کچھ بتایا ہے۔۔“

”خود۔۔ خود۔۔؟“ جہاں آ کر نے پھیلی پھیلی نگاہوں سے کاظمی صاحب کے چہرے سے مترشح صداقت کو سمجھتے ہوئے سرکری کی کشت کے ساتھ ٹکنا دیا۔۔

”نہیں یقینی آ رہا۔۔ پردہ بھی دھڑکے جا رہا ہے۔۔ یا اللہ۔۔ کیا ہو رہا ہے۔۔“

”میں ہنری لینے نکلا ہوں تاکہ مجھے باہر ہی مل گیا۔۔ تجھی تو بغیر اطلاع کے آیا ہے۔۔ وہیں برا درے میں ہی میرے پاؤں پر گر کر مچھانیاں مانگنے لگا۔۔“

”جہاں آ کر کے کاڑھ تو عین میں لہو نہ تھا۔۔ کتے کے عالم میں پڑیں کاظمی صاحب کو تیکے جا رہی تھیں۔۔“

”اپنی زبان سے اس نے اعتراف کیا ہے کہ مومنہ کے ساتھ اس کے ہاتھوں ایسا ظلم ہو گیا ہے۔۔ جس کی سزا بھی پوری نہ ہو سکے گی۔۔ ساری زندگی وہ ضمیر کے ہاتھوں مرتا رہے گا۔۔ پر مرنے کا بھی نہیں۔۔ چیں بھی کبھی نہیں پائے گا۔۔“

اڑا دیں۔۔

”جہاں آ کر بڑے طنز سے مسکرائیں۔۔ ہم سب کا خرچ پورا کر کے۔۔ آپ کا سارا قرض اتار کر۔۔“

”وہ تو جانے کس نے کیا۔۔ فی الحال تو تمہیں یہ بتانا پڑا رہا ہوں کہ صاحبزادے نے مومنہ کو طلاق دے دی ہوئی ہیں۔۔“

”کیا۔۔؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔؟ ہوش حواس میں تو ہیں؟ ہر دوسرے دن اس کا خط آتا ہے۔۔ مہینے بعد ڈرافٹ آتا ہے۔۔ جہاں آ کر نے مستحکم اڑانے والا لنگ قبضہ لگایا۔۔“

”ہوش و حواس میں تمہیں ہو بیگم! اتنی دیر ہو گئی، کیوں نہیں اس نے مومنہ کو اپنے پاس بلایا۔۔ اسے وہاں اس کی پہلے سے شادی ہو چکی تھی اور دوپٹے تھے۔۔ عیانی حوریت سے ہوئی تھی۔۔ اور وہاں کے تانوں کے مطابق وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا تھا۔۔ تجھی والیں جاتے ہی ہمارے ہو کر طلاق بھیج دی۔۔“

”نہیں نہیں۔۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے۔۔ ہمیں تو کوئی ایسی خبر نہیں ملی۔۔ بس خط آتے بہتے ہیں۔۔ اللہ کرے آپ کے سامان بھرنے والا بھی۔۔“

”میرے سامان کسی دوسرے نے نہیں بھرے خود اس نے مجھے بتایا ہے۔۔“

”خود بتایا ہے۔۔ کیا خواب میں۔۔؟ جہاں آ کر اسے پھر ان کا

سامنے اس کا آنا مناسب نہیں...؟
 کپکپاتے ہوٹ، لرزستے ہاتھ، اہلکاتی زبان، آنکھوں میں نمی، یہ سب
 علامتیں ان کے بیان کو سچ ثابت کر رہی تھیں...
 ”اللہ! یہ کیا ہو گیا...“ جہاں آرا کو یقین آیا تو وہ نہ صرف یہ کہ ہوش
 حواس ہی کھو بیٹھیں بلکہ... جنونی انداز میں جیسے نلک پڑیں...
 ”زیر، تو نے ہمیں کہیں کا نہ رہنے دیا... تو نے ہمیں ذلیل و خوار
 کر دیا... ہائے ہائے! اس مظلوم کی آہ کہاں جاتے گی... عرش ڈھا
 دے گی... یہ کیا کیا زیر تو نے...“
 وہ بے اختیار وہلے قابو ہو کر زور زور سے رونے پھٹنے لگیں...
 ”خدا کے لئے آہستہ بولو...“ چپ کر جاؤ... صبر کرو... صبر کرو...
 اور کوئی بہتری کا راستہ سوچو...“
 ”مجھے اس کی بہتری نہیں چاہیے جس نے ایسی معصوم اور بچوں سی
 بچی پر یہ ظلم ڈھایا... اللہ کرے زیر اچھے بھی کبھی کون نہ ملے...“
 وہ بلند آواز میں بین ڈالنے لگیں...
 کوئی ہوش نہ تھا... رازداری کے لئے کاظمی صاحب اندر بلا کر لائے
 تھے۔ گود لگی رازداریاں اور کس کی رازداری... وہ اس قابل کب تھا۔
 کہ اس کی عزت کو سنبھالا جاتا... سب کچھ راز میں رکھ کر...
 وہ تو اس قابل تھا کہ سارے جہان کی ذلتیں اور برکتیں اس کے چہرے
 پر تھوپ دی جاتیں۔ جہاں آرا کوئی مصلحت سوچے بنا بولے جارہی تھیں۔

”لیکن... اس کے تو خط اور ڈرامٹ آتے رہے ہیں... جہاں آرا
 کی آنکھوں میں کاظمی صاحب کا خالی دیکھ کر سچائی اتر گئی تھی... پر
 پھر جس یقین کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا...
 ”بڑی باقاعادتگی سے... اور ڈرامٹ... بڑی بڑی رقوم دلے۔
 بھلا طلاق دینے کے بعد اس نے کیوں بھینا تھے...“
 ”اُس نے کب بھیجے ہیں...؟ میں نے پوچھا تھا... اس نے تو نہ
 کبھی ایک سطر خط کی لکھی ہے اور نہ اک پیسہ اپنی کٹی کا بھیجا ہے...“
 ”تو پھر... یہ... یہ کون بھیجا رہا ہے...؟“ انہوں نے پھر لے لیتی
 کا اظہار کیا...
 ”مگر ہی کے نام طلاق نامے والی رہ بڑی بھیجی تھی... وہی پھر
 سب کرتا رہا ہوگا...“
 ”ہوشیار! عمو اتنی بڑی بڑی رقمیں بھیجنے والا... کما یا کبھی ہے
 نہیں اور...“
 ”وہ ہمدردی بات ہے پہلے اس مسئلے کو تو سلجھاؤ...“
 ”تم تو ٹھیکہ گئے ہو... سچ بتاؤ سبزی لانے میں اتنی دیر کیوں ہو...
 شطرنج کھیلنے لگ گئے تھے نا... اور اب یہاں نے بنا رہے ہو...“
 ”جہاں آرا بلکہ یہ سب سچ ہے... میں سبزی دیکر نہیں لایا...
 باہر نکلا تو زیر مل گیا... اس نے واقعی یہ چاند چڑھایا ہے... اور
 اب میں... سے فی الحال قریشی صاحب کے ہاں چھوڑ آیا ہوں... موز کے

”اس کیفیت، انا مراد نے تمہیں طلاق دے دی... میں تو اسے دودھ نہیں بخشوں گی... میں تو اسے...“

”بیٹی! اتم جا کر چاند کو دیکھو...“ کاظمی صاحب نے جلدی جلدی ہون کی ٹوجہ یہاں آرا کی بڑ بڑاہٹ کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کی... لیکن... مومنہ کچھ گئی تھی کہ کچھ ہو گیا تھا... بہت کچھ بُرا... اور اس سے چپانے کی کوشش کی جا رہی تھی... ”ابا جی! بات کیا ہے... لکھتا دیکھو...“

”دیکھو بیٹی! بعض مسئلے...“

”ابا جی! میں نے زندگی میں دکھ ہی دکھ بھیسے ہیں... بہت مانوس ہوں مگر اس سے اور اب وہ چٹان بن چکی ہوں جس پر نہ ٹوٹوں گا اثر ہوتا ہے، نہ ٹوٹاؤں گا... آپ مجھ سے کچھ نہ چھپا پٹے پٹیز! پٹیز آتا جی...!“

اس نے لڑتے لڑتے پوچھے کاظمی صاحب سے موت کی... اندر سے دل دھڑک دھڑک کر حلق میں آ رہا تھا... جسم سے جان نکلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی... ”خدا کے لئے ابا جی! میرے صبر کا اور امتحان نہ لیں...“ وہ بے کل، مضطرب، گڑبڑاتی، اور آخر میں کاظمی صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ دیتے... ”زیر آگیا ہے بیٹی... اور اس نے بتایا ہے کہ... کہ... کاظمی صاحب“

لوٹے جا رہی تھیں... ”اتی جی! کیا ہوا... کیا ہوا اتنی جی...“ ساس کی آواز منستے ہی مومنہ تڑپ کر اندر چلی آئی... ”کچھ مجھے بھی تو بتائیے کیا ہوا...“

”کھن جی تو ٹھیک ہیں...“

”ماں! بیٹی! وہ ٹھیک ہے...“ کاظمی صاحب عجلت سے بولے۔

”تم جاؤ دیکھو چاند کہاں ہے...“

”وہ سو رہا ہوا ہے ابا جی...“

”اسے جگاؤ... کہیں سوتے سوتے اس کے نصیب بھی نہ سو جائیں... جیسے مومنہ کے سو گئے...“ وہ عجیب بہکی بہکی سی باتیں کرنے لگیں...

”بھوشن کر دجیاں آرا بیگم...“ کاظمی صاحب نے جہاں آرا کو نظروں ہی نظروں میں گھوڑا... تنبیہ کی... مومنہ کے سامنے کیا کہو کہ جا رہی تھیں... اور وہ نہیں چاہتے تھے، ابھی اسے کچھ معلوم ہو۔ مگر نظروں کی فہمائش کا، تنبیہ کا، جہاں آرا پر کوئی بھی اثر نہیں ہوا... اتنا بڑا حد مرگ کا تھا کہ برداشت کا حوصلہ کھو بیٹھی تھیں... ”اس سے چھپاتے ہو، جس کی دنیا آجڑ گئی... اور پھر کب تک چھپاؤ گے...“

”کیا اتنی جی... کیا ہو گیا ہے...“ مومنہ پریشان، سرسبز، لڑہ بر اندام پوچھ رہی تھی...

اتنی اہم خبر...

”اس پتھر کو تو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا... کوئی اُجڑے یا بے...
اب جہاں آراغیر کو کون سے لگیں... بے سن... بے شرم...“
موتھ کے دیر دیوار کا سہارا لئے کھڑی کھینچ رہی... چہرے کا
زنگ لہر لہر بدل رہا تھا... جب سارے صبر، حوصلے جواب دے گئے،
اعصاب میں مزید برداشت کی قوت نہ رہی تو... چہرے پر دونوں
ہاتھ رکھے جھنجھٹا رہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی...
”مومنہ... بیٹی... بہو... سنو...“ کاغذی صاحب آوازیں بیٹھتے
ہوئے اس کے پیچھے گئے... مگر اس نے کمرے میں پہنچ کر اندر سے
اسے لاک کر لیا...

کاغذی صاحب پہلے تو کچھ دیر دروازہ کھٹکھٹاتے رہے... نہیں
کھٹکھٹا کر بے بسی کے مارے جہاں آرا سے جھگڑنے لگے...
”کہنا تھا نا حوصلے سے کام لو...“

”تم مرد ہی سخت دلی ہوتے ہو... اک وہ تمہارا چھوٹا بیٹا اور
اک تم... کتنے مہینے بلکہ سوا ڈیڑھ سال اس نے بات چھپائی...
ہائے ہائے! اس عمو کے بچے نے بھی مجھے بڑے دکھ دیئے ہیں...
پتھر کا بنا انسان...

”خدا یا! یہ کیا ہو گیا... اب کیا بنے گا...؟“

جہاں آرا کچھ رو رو کر اور کچھ پریشانی اور صدمے سے ایسی

کی قوت گویا بی مغلوب ہو رہی تھی... مومنہ سے بڑا ایسا تھا... گلشن کی
طرح... بولا نہیں جا رہا تھا تو مومنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے...
”پر تم ہماری بیٹی ہو... ہمیشہ ہمارے پاس رہو گی... ہم اسے
گھر سے نکالی دیں گے... تمہیں اپنے سینے سے لگا کر رکھیں گے...
کیا ہوا اگر اس نے تمہیں طلاق دے دی...؟“

”طلاق... ہجے... کب...؟“ اتنے بڑے صدمے کی خبر ہوگی۔
یہ اندازہ مومنہ کو بھی نہ تھا... کتنی ہی دیر وہ سکتے کسے سے عالم میں
کھڑی انہیں سمجھتی رہ گئی...

”جب یہاں سے گیا تھا، اُسی وقت... وہاں اس نے خا دی
کی ہوئی تھی... دوپٹے بھی تھے...“

”اسی چٹھی چھڑی والی نے یہ سب کرایا ہو گا...؟ جہاں آرا ڈوٹی
ڈوبی ابھر دیں...“ اللہ کرے کسی کی موت تبھی آجائے... میری بیٹی کے
سر سے نایاب چھیننے والی تو خود بے سہارا ہو جائے...

وہ پھر دو رو کر بدھائیں دینے لگیں... کبھی زبیر کی پہلی یوٹی کو
اور کبھی زبیر ہی کو کوسنے لگیں...

”اور وہ خراب... وہ ڈرائفٹ آتا ہی...؟“ مومنہ نے گرتے گرتے
دیوار کا سہارا لیا... ابھی کس لہجے میں کہا تھا...

”معو ہی کو سب پتہ ہے... طلاق نامے والی رجسٹری اسی کے نام
زبیر نے بھیغی... دو بار... پتہ نہیں اس نے کیوں چھپایا ہم سے...“

”کیا ایسا ہو سکتا ہے...؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے...؟“
جہاں آرا آنکھوں میں امید کے ہزاروں دیپ جلا کر کاظمی صاحب
کی صورت کھنے لگیں...



ارکبہ میں قانونی طور پر عورت کو بڑی مراعات حاصل ہیں رساوات
سے بھی کچھ بڑھ کر... خصوصاً غیر ملکی مردوں کے مقابلے میں... اور
زیر نہ صرف غیر ملکی تھا، بلکہ اک ہیں ماندہ ملک کا باشندہ تھا...
وہاں عورت کی آزادی کو کھلی آنکھوں اور بڑے ظرف سے
دیکھا جاتا ہے... ہر قسم کی آزادی کو... اور تسلیم بھی کیا جاتا ہے...
لیکن... جن معاشرے میں زیر نے جنم لیا تھا... پلا بڑھا تھا... وہاں
عورت کی ایسی آزادی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا...
لکھ زیر بہت ماڈرن ہو گیا تھا... وہاں کے کلچر کے رنگوں میں
رنگا گیا تھا... جن من سے... مگر... بنیادی طور پر وہ اپنی معاشرت
اور اپنے مذہب کو دل اور دماغ کے کوڑوں کھنڈوں میں جو کر چسکا
رہ گیا تھا، اسے کھرچ نہیں سکتا تھا... نہ لگ آوہ ضرور ہو گیا تھا لیکن
دوسرا رنگ نہیں چڑھ سکا تھا...
مذہب اور معاشرت تو انسان کے غیر میں پرچ یس جاتی ہے...

”مصلحت ہو گئی تھی کہ غرض سا آگیا... کاظمی صاحب جلدی جلدی پانی لے
آئے... کچھ ملن میں ٹپکایا... کچھ چہرے پر چھینٹے دیتے...
”خدا کے لئے تم تو کچھ موصلاً کرو... جیسی پرہیز ہے... جس کو
سادی زندگی کی برہادی ملے ہے اس کو کون سمجھا لے گا...؟“
جہاں آرا ہوش میں آئیں تو پھر بولنے لگیں... ”اس سے تو
اچھا تھا زبیر! رنجے موت آ جاتی... وہ بیوہ ہو جاتی... ہم میرک لیتے...
مگر یہ ذلت تو ہمیں نہ ملتی... اب تو ہم اسے بھی منہ دکھانے کے قابل
نہیں رہے...“
وہ رونے جا رہی تھیں... بولنے جا رہی تھیں... کچھ پتہ نہ تھا زبان سے
کیا کیا نکل رہا تھا...
”خاندان کے نام کو کیسا بڑھ لگا دیا... کیا کہیں گے دنیا والے...
ہمارے بیٹے نے یہ کتوت کی... اک معصوم کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کر
ڈالا... ہائے زیر! تو نے ہمیں جینے کے قابل نہیں چھوڑا... اللہ کچھ
موت دے دے...“
”سنو... خور نہ کرو... اس معاملے کو زیادہ ہوا نہ دو... نہ اٹھاؤ...
زیر اپنے کٹے پریشیاں ہے... بہت مافیان مانگ رہا ہے... اگر
دوبارہ ان کا بندھن بندھ جائے... کھارہ دے کر ہی... یا کسی اور
طرح... ہمارے چاند کا باپ ہے... وہ لاوارث ہوئے سے پرچ
جائے گا...“

اچھا...

عورتوں کے علاوہ وہاں کے دوسرے لوگ مرد، بوڑھے، بچے... سب میں اک انفرادیت تھی۔ وہاں کی بوہو باغی صاف سٹھری اور خوشحالوں سے پر... وہاں کے رسم و رواج، سادہ اور آسان... کوئی تلکی نہیں... کوئی دشواری نہیں...

تب زیر ویاں کی ہر چیز اور ہر ذی شعور کا غلام ہو گیا... تعلیم حاصل کرنے کے بعد اچھے عہدے پر لگ گیا تو اپنے ملک سے زیادہ معاشی طور پر مضبوط ہو گیا تھا... مستقبل روشن تر نظر آنے لگا... یوں...

ادھر سے وفا کشتی گئی... ہوئے ہوئے... اور ادھر کے ساتھ ناطے بندھے گئے... چار چھ مہینے نوکری کی... پیسہ ہاتھ میں ڈراواں سے آنے لگا... تو آنکھیں مزید پھیلیں... کچھ اور ہوا لگی...

یہاں کی دنیا میں تو بہت کچھ تھا... اوپر سے چڑھتی جوانی... کسی طوفان خیز سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی جوانی اس کے اندر باہر پھیل چائے لگی...

جوان نظروں کے سامنے نظارے بے تحاشہ تھے... دفتر میں، سڑکوں پر، دکانوں پر، تفریح گاہوں میں، ہونٹوں میں... ہر جگہ سخی سنوری ہوئی عورت ہی نظر آتی...

اپنے ملک میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا تھا... اس کی آنکھیں ان

کچھ اس طرح، مگر جذبات اور جوانی کی طرا اگر اس پر وصول ہی کی کوئی تہر چڑھا بھی دے تو... وقت کی آندھی کسی حادثے کی برکھا اسے صاف کر ڈالتی ہے...

امرین عورت، جس کا مذہب عیسائیت ہو... وہ شراب بھی پیتی ہے... وہ شور کا گوشت بھی کھاتی ہے... وہ عریاں لباس بھی پہنتی ہے... وہ غیر مردوں سے آزادانہ ملتی جلتی ہے... ناخوشوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی بھی ہے... یہ سب کچھ دیکھ کر بھی زیر کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی...

سب سے پہلے اسے ملک کی دنیا نوں عورت کی نسبت وہاں کی عورت ہی بہت پسند آئی... ویسے آزاد... تعلیم یافتہ... بڑا سچا... بلا تھک گفتگو کرنے والی... بے تکلفی اور اپنائیت بھرا رویہ رکھنے والی...

جتنی لڑکیاں ساتھ پڑھتی تھیں، سبھی ایسے اوصاف کی مالک تھیں اور نہ اپنے ملک میں تو شرم و حیا میں ڈوبی عورت، ان پر صاف جاہل کسی سے باہر کرنے کا طریقہ سیکھ نہیں، کسی محفل میں اٹھنے بیٹھنے کی تیز نہیں... کچھ بھی نہیں تھا، یہاں کی عورت میں...

اس کے بعد اس نے اس ملک کو دیکھا... بہت بڑا ملک تھا... بہت خوب صورت... بہت امیر... پہلے پیسے کی دلیل یہاں... ہر آسائش وہاں موجود... خوراک اچھی... آب و ہوا اچھی... رہن سہن

اور اچھے عہد سے پر غافل نہ تھا، اور آمدنی بھی خاصی تھی... اور مستقبل میں مزید ترقیوں کے امکانات بھی تھے...

یہ دو ہوا تھیں، جن کی خاطر وہ زیریں کو جلد از جلد شادی کرنے پر مجبور کر رہے تھے... اس کے بچوں کو دراخت اور حق تو مل جائے گا... آسائش اور دولت تو مل جائے گی... ولایت اتنی ضروری نہ تھی...

”آخر کیوں... اتنی جلدی بھی کیا ہے... اچھے بھلے رہ رہے ہیں...“

”بچے کسے لئے، بہت ضروری ہے...“

”بچے کسے لئے...؟“ زیریں چونکا... گڑبڑایا... سرسبز سا ہوا اٹھا...

”ہاں... ہمارے بچے کسے لئے...“

”اوہ...“ وہ سنجیدہ ہو گیا... اپنے ماحول اور معاشرت کی خاطر... اور مذہب کو تو بھولی ہی چکا تھا... اس میں کیا جائز تھا اور کیا ناجائز...

الزبتھ کے ساتھ مل کر شراب بھی پی لیتا تھا... کبھی کبھار...

ابھی کچھ اپنی روایات اور سماجی و اخلاقی پابندیاں زندہ تھیں اندر... جو کبھی کبھی سر اٹھا رہی تھیں...

”پر میری ماں اور باپ اور باقی خاندان کے لوگ... ان کی

نظارت کی عادی نہیں تھیں... وہ بے اختیار دے تلو ہو گیا... اس عمر میں یو نہی ہر عورت خوب صورت دکھائی دیتی ہے... ہو یا نہ ہو... اور زیریں کی آنکھوں کی جھپک اسے کسی لالچی بچے کی طرح ہر ایک کی طرف بازو پھیلا کر چمکنے پر مجبور کر دیتی...

الزبتھ اتنی خوب صورت نہیں تھی جتنی حسین اور دل موہ لینے والی اور انہیں اس کے پاس تھیں... زیریں تعلیم یافتہ تھا... اچھے عہد سے پر غافل تھا... غور و خفا تھا... وہ پہلے تعداد میں ہی اتنی اپنائیت سے اس سے ملے کہ... ہاؤ سوئیٹ اینڈ سمارٹ میو، کہہ کر اس کے گلے میں بائیں ڈال دیں... اور اس کے رخسار کا دوسرے لیا...

تب... زیریں پہلی ہی ملاقات میں اس سے اتنا متاثر ہو گیا کہ چند دنوں میں ہی وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے... اتنا قریب... کہ... دونوں نے اکٹھا رہنے کا فیصلہ کر لیا...

پھر وہ ایک ہی کمرے میں رہنے لگے... اکٹھے آفس جلتے... اکٹھے میسر کرنے جاتے... اکٹھے کھانا کھاتے... لکھتے تھیں دیکھتے... پھر رات گئے تب اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی دیکھ کر کانی پیتے بستے... یہ ان کا روزانہ کا معمول بن گیا...

الزبتھ کے معاشرے میں بغیر شادی کے بچے پیدا کرنا اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، جتنا زیریں کے معاشرے میں تھا... لیکن اس نے زیریں کی معاشرت کے احکام کی خاطر نہیں بلکہ... زیریں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا...

اجازت لینے بیٹا ہے۔۔۔

زیر کی لپٹی بات سنے بغیر ہی الزبتھ اس کا مذاق اڑانے لگی۔۔۔
شادی زیر کی اور مرضی والدین اور خاندان والوں کی۔۔۔ کیا
ملک تھا۔۔۔ کیا رواج۔۔۔ وہ کتنی ہی دیر مضحکہ اڑاتی رہی۔۔۔

اور کیسے لوگ تھے جو شادی کرنے والے کو یہ حق بھی نہ دیتے تھے
کہ وہ جہاں چاہے شادی کر لے۔۔۔ شادی اس نے کرنا تھی، والدین
نے یا خاندان والوں نے نہیں۔۔۔

وہ ہنستی رہی۔۔۔ قہقہے لگاتی رہی۔۔۔ نہ برشر مندہ ہوتا رہا۔۔۔
اپنا ملک، اپنے لوگ، اپنی معاشرت۔۔۔ سب کچھ کم تر نظر آنے لگا۔
ان میں بُرائیاں ہی بُرائیاں دکھائی دینے لگیں۔۔۔

تب اس نے گھر اطلاع دیسے بغیر، ماں باپ کی اجازت لے
بغیر، زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ خود ہی کر لیا۔۔۔

الزبتھ کی اور زیر کی شادی ہو گئی۔۔۔ نہ صہب جدا ہوا تھے
اس لئے نہ چرچ میں گئے، نہ بنگلور خوں کی خدمات حاصل کیں۔۔۔
کورٹ میں جا کر دونوں نے سولی سرنج کر لی۔۔۔

”بھائی جان! یلزدیاں شادی نہ کریں۔۔۔ اک دن گلشن کا خط
اسے موصول ہوا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔۔۔

”کبھی عیدائی عورت کے ساتھ تو بالکل نہیں۔۔۔ ہم اس کے ساتھ ایڈجسٹ
نہیں کر سکیں گے۔۔۔“

ایڈجسٹ تو زیر کو کرنا تھا۔۔۔ کیونکہ اس نے ہر اس ملک کی نیشٹنلٹی
لی تھی۔۔۔ البتہ گلشن کی اس انتخاب کا اتنا احترام اس نے ضرور کیا کہ
شادی کی اطلاع نہ دے کہ ان اپنوں کو دکھی ہوئے سے بچا لیا۔۔۔
یوں زیر نے اپنی مرضی بھی کر لی اور گھر والوں کی خوشی بھی
رہ گئی۔۔۔

تین سال گزر گئے۔۔۔ دو بچے بھی ہو گئے۔۔۔ اس نے گھر میں
بتایا ہی نہیں۔۔۔ نہ بیوی کے متعلق کچھ، نہ بچوں کے متعلق۔۔۔

وہ اسے پاکستان میں بلا کر شادی کرنے کے لئے کھٹے تو وہ
ٹال دیتا۔۔۔ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ پیش کر دیتا۔۔۔ پر یہ کبھی ان
پر غلاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ شادی کر چکا تھا۔۔۔

”آپ کو بھائی جان! میری قسم اگر آپ میری شادی پر پاکستان
نہیں آئے تو۔۔۔ میں خود کشی کر لوں گی ورنہ۔۔۔ چپکے سے۔۔۔ سب
سے دھوڑ جاؤں گی۔۔۔“

گلشن نے اتنی بڑی قسم کھالی تھی۔۔۔ اسے پاکستان آنا پڑا۔۔۔
پھر وہاں اس کی شادی کا قصہ چھڑا۔۔۔ وہ پوری دیانتداری سے
نہ نہ کوتاہ رہا۔۔۔ ہر انداز میں اس نے انکار کیا۔۔۔ پیر۔۔۔ مومنہ کو
دیکھ کر وہ سب کچھ بھلا بیٹھا۔۔۔

اس نے آج تک جتنی لڑکیاں دیکھی تھیں، جتنی گرل فرینڈز
بنائی تھیں، مومنہ ان سب میں منفرد تھی۔۔۔ کچھ عجیب سی اور لوکھی سی

یوں ہی اس کا سب کچھ وہاں تھا... اس کی ڈگریاں... اس کی ملازمت... اس کا بکس بلیس... اس کا گھر... اس کی آسائشیں... اسے آخر کار ان سب کے لئے دریاں جانا تھا... ”وہاں جاتے ہی تمہیں بلواؤں لگا...“ مومنہ کو یہی دلا سہ دیا، یقین دلایا... ”

مومنہ جاکر معلوم ہوا کہ وہاں کے قانون کے مطابق وہ دوسری بیوی رکھ ہی نہیں سکتا تھا... کئی دن سوچتا رہا... اتنے دن الزبتھ پاس تھی... اس کی محبت اور بچوں کی تربیت نے، ان کے لئے دل کے درپے مومنہ کی مصروفیتوں اور کششوں نے بند کر دیئے تھے، دوبارہ کھول دیئے... ”

”کسی ایک کو چھوڑنا، ہو گا...“ الزبتھ سے چوری چوری جس دیکل سے مشورہ کیا تھا، اس نے یہی مشورہ دیا... وہ صرف ایک بیوی رکھ سکتا تھا... وہ کس کو سکھے، کس کو چھوڑے... بہت سوچنے کے بعد اس نے دونوں کو ترازو کے ایک ایک کونے میں ڈالا... الزبتھ والے پلوے میں دو پیارے پیارے بچے بھی آن سکے... یوں وہ عیاضی ہو گیا... تب اس نے مومنہ کو طلاق دے ڈالی... ”

لیکن... مومنہ کا تاثر، مومنہ کا عکس، جو دل اور دماغ پر مثبت ہو چکا تھا وہ کسی صورت نہ مٹ سکا... ”

مصروفیت اور کشش تھی اس میں... مومنہ کو دیکھنے کے بعد وہ سب کچھ بھول گیا... اس کی ایک بیوی پہلے ہی تھی... اس کے دو بچے تھے... اس کا گھر باری تھا... اس کے کچھ اصول تھے... کچھ قانون... کچھ مذہبی پابندیاں... اُدھر نہ سہی... اُدھر تو تھیں... ”

جہاں کا اب باشندہ بن چکا تھا، وہاں دوسری شادی کرنا جائز فعل نہیں تھا... اس نے الزبتھ سے سکتے ہوئے سارے عہد بچے توڑ ڈالے... اور اپنے سماجی اصولوں کو بھی جذبات کے تھمبول تے روند ڈالا... ”

مومنہ کے ساتھ اس نے شادی کر لی... اس کے ساتھ رہا... بڑے خوب صورت شب و روز تھے... بڑے عظیم لمحات تھے... بڑی رنگینیاں تھیں ان ساتھیوں میں، ان گھڑلوں اور ان دونوں میں... مومنہ اتنی دلربا، اتنی پرکشش اور ایسی سحر انگیز شخصیت کی مالک تھی کہ اسے دنیا کا کچھ اور، نہ والدین اور بہن بھائی، اور نہ بیوی اور بچے... کچھ بھی زیاد رہا... ”

چھٹی ختم ہو گئی... مومنہ کی تربیتوں کا جادو ابھی سر پر چڑھا تھا۔ اور چھٹی سے... وہ ختم ہوئی تو چند دنوں کی اور بے لی... واپس امریکہ جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا، پر اب تو وہ وہاں کا باشندہ تھا... ”

کا ہوش نہ رہتا تو پھر شرم و حیا اور عزت و ناموس بھی لئے گئی...
اب ضمیر اسے قدم قدم پر ٹوکنے لگا تھا... ضمیر اسے روکتا،
وہ الزبحہ کو روکتا، سمجھاتا... زندگی کی خوبصورتیوں کی نشان دہی کرتا...
اپنے لوگوں کی مثالیں دے دے کر ان کی تصویریں دکھاتا...
زیرِ ندرت سب کے آشنا قریب کبھی نہیں رہا تھا جتنا اک مسلمان کو
ہونا چاہیے... لیکن مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والے نے بیس
سال تک اپنی ماں اور باپ کو جس طرح زندگی گزارتے دیکھا تھا
وہ بھی ذہن میں محفوظ تھا... وہ یادیں، وہ سن اب اجاگر ہونے
لگا... بد صورتی دیکھ کر خوبصورتی کا احساس باشعور کرنے لگا...
”یہ کرو، وہ نہ کرو... یہ کھاؤ، وہ نہ کھاؤ... شراب مت
پیو... لباس ایسا پہنو... دستوں کو اس انداز سے ملو...“
زیرِ سر کی یہ روک ٹوک الزبحہ کو پسند نہ آئی... نہ اس نے کبھی
ایسی طرزِ معاشرت دیکھی تھی اور نہ ہی ایسی طرزِ زندگی اختیار
کرنے کے متعلق سمجھی سوچا ہی تھا... جو کچھ اپنے بڑوں اور بزرگوں
کو کرتے دیکھتی آئی تھی، وہی اس کا منہ بلکہ حیات بن چکا تھا...
وہی اس کے خیال میں زندگی کا حسن اور خوبصورتی تھی... اور
وہی بچے کھڑے اصول...

یہ زیرِ سر کس دلدل میں اسے لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔
یہ اسے کیا ہو گیا تھا... اس کے دماغ کے کل پرزے اپنی صحیح جگہ

مورن کے ساتھ رہنے کے بعد اسے معلوم ہوا تھا کہ با حیا عورت
کیسی خوبصورتیاں اپنے اندر میٹھی ہوتی ہے... عورت کی خرم اور
عورت کا حجاب اسے کیسے کیسے خوش دیتا ہے... شراب پی کر
پینے والی عورت کی نسبت، محبت سے جذباتوں سے، وفاؤں سے،
بہکی ہوئی عورت کہیں زیادہ... پھر کشش اور چاؤ دگر ہوتی ہے کہ
ہوش و حواس ختم ہو جاتے ہیں... مرو کا اپنا آپ گم ہو جاتا ہے...
مٹ جاتا ہے...

الزبحہ آزاد ماحول کی تھی... وہ اپنے معمول اور پچھلے مطابق رہتی
تھی... ہر کسی سے آزادانہ ملنا... اپنے دوستوں سے... زیرِ سر کے دوستوں
سے... اجنبیوں سے... بیگانوں سے... بیگانوں سے...

پہلے تو زیرِ سر کو موس نہیں ہوتا تھا... اپنی احساسِ کتریوں میں
ڈوبا ہی سوچتا تھا، کہ کچھ الزبحہ کرتی تھی، وہی درست تھا...
اور وہی زندگی کی معراج تھی... میرنگ اور آزاد ملک کے لوگوں کی
ہی شانِ زندگی تھی... اسی قابلِ تھے یہ لوگ...

پیرا ب... مومنہ سے ملنے کے بعد، اندر سے آواز اٹھتی... یہ
مزا سب نہیں تھا... اسی میں خوبصورتی نہیں تھی... یہ بد صورتی تھی۔
کراہت سی محسوس ہوتی جب الزبحہ بے تکلفی کے ساتھ ہر کسی کے
گلے بن جائیں، کسی دن، کسی پارٹی میں، کسی نکلیں میں شراب
اتنی پی لیتی کہ اسے اپنا ہوش نہ رہتا... اور پھر... جب من بھر

بر تو تھے...؟

ذیر کی لڑکا لٹا کی پر ہر وقت گھر میں جھگڑا رہنے لگا... جھگڑا بھی رہتا... پر پھر بھی الزبتھ وہی کرتی جو اس کی پیدائش سے لے کر گلی میں پڑا تھا... اس کے خون میں رچا لیا تھا... اس کے تمام آبِ اُجا جلاو نے کیا تھا... اور اس کی قوم اور ملک کا رواج تھا دستور تھا اور معاشرت تھی... اس کے لئے یہ سب ثواب تھا...

پھر ایک دن اسی بحث مباحثے میں، لڑائی بھگڑے میں، بات اتنی بڑھی کہ ذیر نے الزبتھ پر ہاتھ اُٹھایا... اس کی بیٹی بڑی ہموار ہی تھی... چھ سال کی ہو گئی تھی... ماں کو جو کچھ کرسے دیکھتی، اس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتی... اپنے ننھے ننھے دوستوں سے اسی انداز میں ملتی... وہی کھیل کھیلتی... لگتوں میں پئے ہوئے شراب کے قطرے تک بھی اجنبی حلق میں ٹپکا لیتی...

یہ دیکھ کر ذیر نے ہر ممنوع چیز گھر میں آنے کی پابندی لگا دی۔ شراب، سونے کا گوشت... الزبتھ کے دوست... لیکن... وہ کوئی ہوتا تھا... اسی کے ملک میں بیٹھ کر، اسی کے پھر سے اسے دُور کرنے والا۔ الزبتھ کی زبان گایاں بکنے لگی...

مومنہ ذیر کی اتنی عزت کرتی تھی... اتنا احترام ملحوظ رکھتی تھی۔ کہ... اس کے سامنے بدزبانی کرنا تو کج رہا کبھی اونچی آواز میں بولی تک نہ تھی... عبادت کی طرح اس کی خدمت کرتی تھی...

نبی... وہ آپے سے باہر ہو گیا... اور اس نے الزبتھ کو پیٹ ڈالا... آواز ملک کی آواز بادشاہ، الزبتھ سے یہ پابندیاں برواشت نہ ہو سکیں، اور یہ مار کٹائی... یہ تو زندگی کی انتہا تھی...

اس نے عیلمدگی کے لئے ذیر پر مقدمہ کر ڈالا... ذیر کو پاگل قرار دے کر اس کو طلاق دینے کے لئے کیس کر دیا...

ذیر اکیلا تھا اور الزبتھ کا سب کچھ وہاں تھا... ماں... ملک... قوم... اپنے لوگ... جو کوئی سنتا، ذیر کو غلط کہتا، سچ بچ پاگل قرار دیتا... الزبتھ کو درست کہتا... الزبتھ کے ساتھ ہر کوئی ہمدردی کرتا...

اور تو اور... نچے ملک ماں کے طرہ دار تھے... باپ ان کے لئے بھی فارغ تھا... اور یوں وہ ماں کے مقابلے میں اک تار بند کے ساتھ نہ محبت کر سکتے تھے اور نہ وہ ناجائز کہتے تھے... یہاں تک کہ باپ کے لئے ان کے دلوں میں ذرہ بھر رحم یا ہمدردی بھی نہ تھی... اس نے ان کی ماں کو پٹا تھا... ان کے سامنے... بدزبان ہو گیا اور اتھا۔ ناجائز قسم کی پابندیاں لگاتا تھا...

مقدمہ جیتنے کے لئے ذیر نے جان تو بڑی لڑائی... پر اکیل جان تھی... اور ادھر پوری قوم اور ملک تھا... مذہب تھا... کچھ تھا... شکست کھا گیا... ایسی مار ہوئی کہ... سب کچھ ہی مار گیا... بیوی بھی... بچے بھی...



عمریاں تھیں میں سر تھا سے بیٹھا تھا اور ماں کی زبانی زیر کی
واپس کی داستان سن رہا تھا... سارا سامنے وہ کیا کچھ نہ سوچتا آیا
تھا...

یوں بیل سے بات کرے گا... یوں صافی مانگے گا... اور پھر آخر
میں یوں اسے پردہ پونڈ کرے گا...

وہ سارے الفاظ جو اس نے ادا کرنا تھے، وہ ابھر، جس کا اس پر
خاطر خواہ اثر ہو سکے، اور وہ انداز جس سے وہ اسے معاف کرنے
کے بعد اپنی زندگی اس کے حوالے کر دے... پوری خوشی اور مرضی
کے ساتھ...

بیدل گھرا یا تھا... تاکہ زیادہ وقت گئے اور اسے اپنی سرچیں،
خیالات، جذبات اور الفاظ، ایک جگہ پر پُر اثر طریقے سے مرتب
کرنے کا اتنا ہی وقت مل جائے...

ہم... زیر سٹے شکست نہیں کھائی تھی... یہ شکست بھی اسے ہی
ملی تھی... جہاں آسانے زیر کے آنے کی داستان دم اور ہمدردیوں
بھرے پچھے میں سنا ڈالی... تو... اس نے بھی غموس کیا...
اس کے سن کی باتیں من میں ہی رہ گئیں... معافیاں... ہمتائیں۔

گھر بھی... رو پیہ پیسہ بھی... اور آدھی سے زیادہ تنخواہ بھی...
اک پاگل کے پاس بچوں کو نہیں چھوڑا جاسکتا تھا... وہ ماں
کی کٹھڑی میں دسے ویٹھے گئے... ان کے رہنے کے لئے گھر دینا
بھی نہ بیر کی ذمہ داری تھی... اور ان کا خرچہ بھی... سب کچھ
زیر کے ذمہ تھا... کما تا پہلے جتنا ہی تھا مگر اب اس کے ہاتھ
میں سوائے اس کے اپنے اخراجات کے اور کچھ بھی نہیں آتا تھا۔
قانونی طور پر بالابالا ہی سب کچھ اس کے بچوں اور بیوی کو
دے دیا جاتا تھا...

بنامی اور رسوائی کے علاوہ پہلے بھی کچھ نہ رہا تو زندگی اتنی
تنگ ہوئی کہ اس کا اک اک لمحہ گزارنا مشکل ہو گیا... وہ بے سبب
پاگل ہوا تھا...

اب پاکستان میں ہی اسے پناہ مل سکتی تھی... وہاں اپنے
لوگ تھے... ماں تھی... باپ تھا... چھوٹا بھائی تھا... بے شک اس
نے ساری زندگی کبھی کسی کے اپنے اوپر واجب حقوق ادا نہیں کئے
تھے... نہ اپنے فرائض، جو والدین کی طرف سے اس پر عاید ہوتے
تھے...

پر... پھر بھی اسے یقین تھا کہ ان کے پاس اسے پناہ ملے
گی... وہ اسے خوشی گئے سے لگائیں گے...

”ہاں... دکھ تو موتا... پر... جو کچھ ہو گیا اچھا ہو گیا... مومنہ یہیں رہ تو گئی... ورنہ... جانے کہاں چلی جاتی... اس کے علاوہ چاند بہار کے پاس ہے... باپ مل جائے گا اسے...“

”میں نے بھی تو اسٹہ باپ کے پیار کی کوئی ٹکس نہیں آنے دی۔“
”پھر باپ باپ ہی ہوتا ہے...“ جہاں آرا اپنی رو میں سیدھی بچی بات کہہ گئیں... یہ سوچا ہی نہیں اس طرب پر کیا گزری ہوگی۔
”جس نے اپنے تون سے اس پودے کو مینجا تھا...“

”ارے ہاں... وہ رقم کہاں سے لاتے رہے ہو... جو ہونہ کو ڈرائنٹ بھیجتے تھے...“

”بہت سرمری سا انداز تھا پوچھنے کا کرغیر کے سارے گراگرم ہڈی سرد پڑ گئے... بے پرواہی کی ٹھنڈی سچ برف تلے دب گئے...“
”اُدھار لیتا تھا...“ وہ سچے دل سے بولا...

”اتنا اُدھار چڑھا لیا... کیسے اترے گا...؟“ جہاں آرا لمحہ پیر کے لئے متردّد ہوئیں... تشویش بھری پرچھائیاں ان کے چہرے کو تاریک سا کر گئیں... لیکن دوسرے سگے... اک رنگ سا اس تاریکی پر چمک بکھر گیا... روشن ہو گئیں ایک دم...“

”کوئی بات نہیں... تمہارے آبا جی کہتے ہیں زہیر کو یہاں بڑی اچھی دیکری مل جائے گی... سارے دلدادہ دور ہو جائیں گے... سارے ترصے بھی اتر جائیں گے...“

اور جذبے... سب کچھ اندر ہی گھٹ کر... دب کر فنا ہو گیا...
زہیر کی کہانی پھر کل گئی... ”بیچارہ میرا کچھ... کثرت غیروں نے کس طرح اسے ٹوٹا...“ جہاں آرا اولاد کی محبت میں دہاں کے لوگوں کو گویا رہی تھیں...

”مکان... پیسہ... سامان... پنکھے... پردرغ کرو... بچوں کو... مال جیسے ہی بے وفائے... سلامت رہے اس کا اپنا چاند... وفاؤں والی کاٹیا...“

پھر نکلیک جہاں آرا چوئیں... غور سے غیر کی طرف دیکھا...
چپ چاپ ماتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا...

”ارے ہاں... مجھے یاد آیا... وہ ڈرائنٹ وغیرہ... اور خط...“
”میں اپنے پاس سے بیعتا رہا تھا... بہت بیمار تھی نا... اس لئے طلاق نامہ بھی چھپا لیا... ڈاکٹر صاحبہ نے کہا تھا... اسے خوش رکھنا ہے...“

غیر نے جلدی جلدی اپنا کارنامہ جیسے بیان کیا... زہیر کے لئے اتنی ہمدردی ان کے من میں بک رہی تھی... شاید کچھ... تعریف و توصیف اس کے حصے میں بھی آجائے...

”دیے نہیں لیا کرنا نہیں چاہیئے تھا... مجھے ہی بتا دیتے... کم از کم...“
”آپ کو بھی تو دکھ ہوتا...“

”تم ذرا جا کر اسے سمجھاؤ... کچھ کھاپی ہی لے...“

”ابا جی نے بھائی جان سے پوچھا نہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں

کیا...؟“

”پھر چھپے پر ہی تو اس نے یہ دیکھ بھری داستان سنا ڈالی... پھر پاپ

کے قدموں پر گر پڑا... وہ تپتا ہے تھے بہت کمزور ہو گیا ہے... بہت

خستہ حالت میں آیا ہے... پھر کیا کہتے اسے...“

زیر کی حالت بیان کرتے ہوئے جہاں آرا کی آنکھوں میں نمی

سی اگتی...“

”یوں بھی کیئے کی سزا پالی... بہت جگت لینا اس نے... اب

انہوں کے پاس آیا ہے تو زخموں پر مرہم دیکھیں گے... مر جیں تو

نہیں...“

ماں کی بات سن کر وہ چیپ سا ہو گیا... دل کی لپٹی کیسی عجیب

لپٹی ہے... اک پل نہیں لگتا اجڑنے میں... چند گھنٹے پہلے خیالوں

میں کیسے آباد کی تھی، اور اب...“

زیر کی آمد اک طوفان کی صورت میں ہوئی اور سب کچھ تاراج

کر گئی... اس کا سب کچھ... موقع ہی نہ ملا کہ بتانے کا... اپنے جذبے

بیان کرنے کا...“

”تم سنے بھی اچھی کھانا کھانا ہو گا... جاؤ نا... مومنہ کو دیکھو...“

تھمارے کہنے سے شاید دروازہ کھول دے... پھر کھٹے کھانا کھانا...“

وہ دلی سوس کر رہ گیا... اس کی قربانیاں، رات دن تن من

جلا کر خود کو بھجھ کر لینے والے جذبے، اتنے ارزاں، اتنے کم قیمت

تھے کہ جہاں آرا یوں سرسری سا ذکر کر کے پھر زیر کا لاک الاپنے

لگی تھیں... اس کی قابلیت کا... اس کی اعلیٰ نوکری کا...“

”ابا جی کہاں ہیں...؟“ اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”وہ زیر کے پاس... اسے یہاں رکھنا مناسب نہیں سمجھا...“

اس لئے اکیلے کو بچھڑنا بھی مناسب نہ معلوم ہوا... جانے کیا کیا

سوچے گا... پہلے ہی بہت ڈکھی ہے... پریشان ہے بہت...“

باپ کی موجودگی سے کچھ تو سہارا ملے گا...“

”اور باقی لوگ...؟“ اس کا اشارہ مومنہ کی طرف تھا...“

”چاند کو ابھی ابھی سلا یا ہے اور... ارے ہاں مومنہ صبح کی

کمرہ بند کر کے اندر پڑی ہے... کچھ کھایا یا نہیں نہیں... سارا دن

چاند کو میں ہی سنبھالتی رہی ہوں... اس نے تو اپنی اولاد کی بھی پرواہ

نہیں کی...“

”ابا بڑا غم... پہاڑ کا پہاڑ اس پر گر رہا ہے... سنبھلتے سنبھلتے ہی

سنبھلتے گی...“

”فاقہ اور غم دونوں مل گئے تو... میرا چاند خدا نخواستہ کہیں

ماں سے ہی محروم نہ ہو جائے...“

”خدا نہ کرے...“ غیر بے اختیار ہو کر بولی پڑا...“

میسب کی ہنسی میں اس نے دیکھا مومنہ اوندھے منہ پڑی تھی...
عمر نے بڑا ابلب آن کر دیا... تدموں کی چاپ کے بعد تیز روشنی ہوئی...
تو...

"اتی جی! میں نے کہا تھا نا بلیرا مجھے اکیلا... اوہ... عمر کو
سامنے کھڑا دیکھ کر وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھی...

عمر کی نظر میں اس کے وجود پر جی تھیں... دور دورہ اس کی آنکھیں
متوڑم ہو چکی تھیں... ایک دن میں ہی کیسے اس کی ساری خوبصورتیاں
ماند پر ہو گئی تھیں... نہ گالوں میں وہ شعلوں کی پیک تھی اور نہ آنکھوں
میں زندگی کی چمک... اور نہ ہونٹوں پر سہمہ وقت کھینچے رہنے والی
معصوم سی مسکراہٹ...

اس کی حالت دیکھ کر عمر کی نظر میں تھک گئیں... اور عمر کو دیکھتے
ہی مومنہ چہرے پر پاتھ دھ کر، پلک پلک کر رونے لگی...

"اب کوشا نامک کھینچے آئے ہو... جتاؤ کوئی کسریا تیری رہ گئی تھی؟
وہ دوتے سے کہہ سکتے ہوئے ہوئی... "تمہارے بھائی نے جو کچھ پر نظر کیا،
کیا وہ کم تھا جو ادھر سے تم نے... تم نے... مجھے ایسا دھوکا دیا..."

"وہ دھوکا نہیں تھا بھئی! تمہاری زندگی بچانے کی اک ضرورت تھی؟
"تم نے میری انا اور خودداری کے اس طرح ٹکڑے کسے کہ ماری
عمر بھی لگی رہوں گی تو جڑ نہیں سکیں گے... تم نے کیوں مجھ پر ترس
کھایا... کیوں...؟" اس نے عمر کی سُنی اُن سُنی کر دی...

جہاں آرا سمجھاتی رہیں اور وہ سوچتا رہا... "اس سے تو اچھا تھا بھئی!
تمہیں اسی وقت مر جانے دیا ہوتا... آج میں بھی تو نہ مرنا... اتنی
امیدوں کے ساتھ جینے کے بعد مرنا... بہت مشکل ہے... بہت
تکلیف دہ ہے..."

"اٹھو، جاؤ نا... ماں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش
کی تو وہ خود ہی اُٹھ کھڑا ہوا..."

مومنہ کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا... عمر نے دھک
دی... نہیں کھلا... دوبارہ دھک دی... پہلے سے زیادہ زور سے۔
تنب بھی نہیں کھلا... سوئے کہ تو جگایا جا سکتا ہے، مگر ہلگئے کو جگانا
بہت مشکل ہوتا ہے... اس نے سوچا تھا مومنہ سو گئی ہوگی... پر نہیں۔
آج ہی تو اسے بیداری ملی تھی... اب نیند کیسے آسکتی تھی... ایسی
بیداری کے بعد...

جب دو تین بار دروازہ کھٹکھٹانے پر نہیں کھلا تو عمر باہر نکل کر
برآمدے کی طرف والی کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا... دُرا سانس دھکیلا
وہ کھل گئی...

یوں رات کے وقت کسی جوان عورت کے کمرے میں کھڑکی کے راستے
جانا، فحش تو میسب بات... مگر جیسے کیوں اس نے دل میں سوچ یا
کر وہ یہ حق رکھتا تھا... اس حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کھڑکی میں
سے اندر کود گیا...

کر دو... تمہاری آتما... خود داری، تمہاری عزت، شرم و حیا، تمہاری ناموس۔
مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو...
میری وہ خطا بھی، جو میں نے تمہاری بھلائی کی خاطر کی ہے۔ ۱۰۰
مومنہ رحمتے جا رہی تھی، اور میرے اس کے دونوں پاؤں پکڑے
ہوئے تھے...

”آج میں تمہیں خود ہی بتانے والا تھا... بد میری تقدیر... ہمیشہ
مجھے دغا دے جاتی ہے... آج تک نہیں بتایا تھا کہ تمہیں دیکھ میں
نہیں دیکھ سکتا تھا اور پھر... خود بھی نامزدہ گناہ کا گناہگار اپنے آپ
کو متصور کرتا تھا... کچھ اس لئے خاموش رہا... اور اب اعتراف کر
رہا ہوں ہر خطا کا، ہر زیادتی کا... لہذا معاف کر دو...“

اس کے بعد مومنہ کچھ نہیں بولی... بس روتی ہی رہی... مسلسل
گرہ و زاری کرتی رہی... اور عیر سوچتا رہا... اس نے بھی اس
کے دھوکے ہی کی شکایت کی تھی... زہیر کے اس طلاق والے مذہم فعل
کا ذکر تک نہیں کیا تھا... شکوہ کرتی... لگ کر کرتی... اسے کونسی، بولتی
کچھ اندر کا غبار نکلتا...

پھر عیر اسے کھانا... بھلاتا... آنے والی زندگی کے لئے نئی راہیں
متعین کرتا... پتہ تو بس روتی ہی رہی...
کیا اب بھی اسے زہیر سے محبت تھی... اس کی بیوفائی کے باوجود
اس کے دل میں اس کی وفات تھی...

روئے گئی... بوئے گئی... سسکیاں بھرے گئی... عیر کا دل کڑا
تھا... بیٹی کی تھی... اس کی بھلائی سوچی تھی... اسے اپنا سمجھا تھا... پتہ...
گناہگار بن گیا... بھلائی نے بڑائی کا روپ دھار لیا...
”میں نے تمہیں اپنا دوست جانا تھا... بتاؤ کیوں تم نے اتنا بڑا
دھوکا دیا مجھے... اوہ خدا یا... وہ خطو... میری شرم و حیا...
میرا ناموس... میرا حجاب... سب کچھ تم نے ٹوٹ لیا...“
”کچھ تو کھانا نہیں... زندگی کی تنگ و دو کی... مت سوچو ایسے...“
”کیوں نہ سوچوں... کس کو اپنا کہوں... ایک نے دنیا کا سب سے
بڑا ظلم مجھ بے گناہ پر کر ڈالا اور دوسرے نے... اسے مر جانے
دیا ہو تا مجھے... مر جانے دیتے... وہ مرنا اس جینے سے ہزار گنا
اچھا تھا...“

”نہیں بلی...“
”مت کہو مجھے بلی...؟ وہ چلائی...“ جن پر ظلم کیا جائے،
جسے دھوکا دیا جائے، وہ دوست نہیں ہوتا...
عیر بڑھ کر اس کے پاس نیچے فرش پر بیٹھ گیا... لاپتے ہاتھ دونوں
اٹھائے اور اس کے ننھے ننھے سرو قدوں پر دھر بیٹھے...

”اپنے خیال میں میں نے تمہاری زندگی بچانے کے لئے یہی راستہ
بہتر سمجھا تھا... تمہیں خوش رکھنا مقصود تھا... فاکٹر کا حکم تھا... اور
اب تم اسے دھوکا فریب کہتی ہو تو... تمہارا گناہگار ہوں مجھے معاف

آئے۔ زندہ رہ کر اس کا چہرہ دیکھنے کا اشتہار کرو... ہو سکتا ہے کہیں
پلندہ آجائے..."

اور غیر نے گولیاں اس کے منہ میں رکھنے کے بعد دودھ کا گلاس
اس کے ہونٹوں سے لگا دیا... وہ چپ چاپ گولیاں نگلی گئی... دودھ
پلی گئی... بڑا حیل و حجت...

"شباباش... غیر نے اس کا کندھا چھینچھپاتے ہوئے خالی گلاس میز پر
رکھ دیا..."

"مجھے خوش کیا ہے... مان دیا ہے... تمہیں بھی خوش ملے گی... انشاء اللہ...
اس نے بڑے خلوص سے دعا دیتے ہوئے اسے شانوں سے تمام
بیٹھ پرٹا دیا... پھر اسے کہیں اوڑھ لیا..."

"بس اب خاموشی سے سو جاؤ... کچھ سوچنا مت..."

ابھی طرح کہیں اوڑھانے کے بعد کسی چمکے کی طرح وہ اس کا سر
سہلے سے لگا... مومنہ پچھلی پٹری رہی... کتنی ہی دیر گھڑا اس کے بالوں
میں ہاتھ پھیرتا رہا اور تسلی کی، خوشگوار مستقبل کی، اس کے چاند کی اور
مستقبل میں کھن آئے والی خوشیوں کی باتیں کرتا رہا...

سکون آدرا دھکا کھائی تھی... سکون ملا... کچھ غیر کی دلی خوش کن
باتوں نے دھارس بندھائی... مومنہ سو گئی...

غیر بہی گئی مگر کہے ہوئے ہوئے دیے دیے دم اٹھاتا اس کے کمرے
سے نکل آیا... گھرا یا تھا تو بڑی بھوک لگ رہی تھی مگر اب... دم توڑ

یقیناً تھی... تبھی تو... اس کی زبان پر اس کا گلہ نہیں آیا تھا اور وہ
غیر کہہ ہی مورد الزام ٹھہراتی رہی تھی... مگر اسی نے دوست بن کر
دھوکا دیا تھا...

"ایک بار... پہلی ایک بار کہہ دے کہ نہ میرے تمہارے ساتھ
بے دفاعی کی ہے... غیر کا دل چل چل کر یہ مانگ کرتا رہا... مگر وہ
پوری نہیں ہوئی..."

اس نے مومنہ کے قدموں پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے...
"میں نے کھانا نہیں کھایا... تم نے بھی نہیں کھایا ہوگا..."
"مجھے کھانا بھی نہیں..."

"دودھ ہی پی لو... درد امتی پر نشان بیٹھی ہیں اور اس وقت
تک رہیں گی جب تک تم کچھ کھاؤ بیروگی نہیں..."

مومنہ نے غیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا... بس روتی رہی۔
"میں بھی بھوکا رہوں گا... اگر تم نے کچھ کھانے پینے کی حاجی نہیں
بھیری..."

وہ تب بھی نہیں بولی... بس روتی رہی... غیر اٹھا... بلکہ کہنے سے
دودھ کا گلاس بھر لایا... ساتھ سکون دینے والی گولیاں...

"لو شباباش! انکار نہ کرنا..." غیر اس کے پاس بیٹھ گیا... ایک
ہاتھ میں گلاس تھامے تھا۔ دوسرے سے اس کے آنسو صاف کئے...
"برخیزاں کے بعد بہا کو آنا ہوتا ہے... پتہ نہیں کس صورت میں

پسپ چاپ گھٹنوں پر گر گئی نکاسے اور تھکلی پر قہقہہ لڑی جاسے۔ ٹھیکر کچھ سوچ رہی تھیں... کالنی صاحب بھی تھے... بٹھے کی سنے ہونو میں دہلی تھی... کو کو کو نہیں رہے تھے۔ ٹیکر بھی جا کر بیٹھ گیا...
”سب نے ناشتر کر لیا...؟“ اس کی نظریں مومنہ کے کمرے کی طرف اٹھیں...

”ہیں... کسی نے بھی نہیں کیا...“ جہاں آرا نے اپنی سوچوں سے نکل کر گہری سانس بھری... ”دلک ہی نہیں چاہ رہا...“
”کیوں...؟“ کالنا بیٹا کیوں چھوڑ دیا...؟
”وہ... مومنہ کے کمرے سے ہی...“

اور... ان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی مومنہ اک اٹھی کس اٹھنے اندر داخل ہوئی... چہرہ کھلایا ہوا تھا... برسوں کی مریض لگ رہی تھی...

”اتنی جی! میں جا رہی ہوں...“ چاند کے جھوٹے کپاس پٹی کیس رکھ کر اس نے چاند کو گود میں اٹھالیا...

”کیا...؟“ جہاں آرا اور کالنی صاحب جھنجکتے ہوئے بیک زبان ہوئے... ”کہاں...؟“

”اس شہر میں بہت قیم غاسے ہیں... دادا لامان ہیں... کہیں تو پناہ ملے گی...“

جہاں آرا جینین مار مار کر روئے لگیں... ”نہ جاؤ مومنہ! یہیں چھوڑ کر

چکی تھی... جہاں آرا کے امرا کرنے کے باوجود اس نے کچھ نہیں کھایا... مزید کوئی بات بھی نہیں کی...

نہ بولنے کو ہی چاہ رہا تھا... ”کچھ سننے کو...“ اور نہ دیکھے کو...
لگ رہا تھا جیسے اب اس کی دنیا میں کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا... بنانے کیوں... زیر کی آمد میں اسے اپنی بریادی دکھائی دے رہی تھی...
آباد تو وہ پہلے بھی نہیں تھا... پراک اسید قائم تھی... ساری رات کوڑیاں ہی بدل کر اور اپنے بختوں کی کم نصیبی پر آنسو ہی بہاتے گزار دی...

طبیعت بڑی کسند تھی... دکان سے ناخدا کر لیا... اب تو جیسے کوئی مقصد ہی نہیں رہ گیا تھا وہاں جانے کا... ہسٹر پر ہی لیٹ کر سارا دن گزار دیتا اگر مومنہ کا خیال نہ آ جاتا...

کل بھی سارا دن بھوکی رہی تھی... صرف رات کو دودھ پیتا تھا... آج بھی یونہی فالتے سے رہے گی تو دو چار دن میں ہی ختم ہو جائے گی...

”خدا نہ کرے... خدا نہ کرے... پروردگار! میری عمر بھی اسے لگا دے...“

وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکلا... ہر طرف خاموشی تھی... پریشان سا ہو کر دریاں واسے کمرے میں گھس گیا... جہاں آرا وہیں موجود تھیں...

پھر بہ نکلیں...

”آبا جی! میں نے اپنی خوشی سے یہ فیصلہ نہیں کیا... بہت عرصہ پہلے میری تقدیر نے ہی کر دیا تھا... مگر میں نادان کچھ نہ سکی...“

”تم یہ فیصلہ بدل بھی سکتی ہو...“

”میں...؟ تقدیر کا فیصلہ...؟“ مومنہ کی آنسو بھری آنکھوں میں حیرت اُمڈ آئی...

”انسان چاہے تو اپنی تقدیر خود کھ سکتا ہے... خدا نے اسے دماغ دیا ہے... عقل دی ہے... اشرف المخلوقات ہے انسان...“

”انہوں نے اس کے ہاتھ سے اٹیچ کیس لے کر پرے رکھ دیا...“

”زیر بہت خرم سا رہے... پکھتا دوں میں ڈوبنا ہوا ہے... جو کچھ اس نے کیا تھا، غلط کیا تھا... خدا اس کا بدلہ لے لیا...“

”اس نے تمہیں طلاق دی تھی، اسے اس کی بیوی نے دے دی... قانونی طور پر دوسری بھی ہر چیز ہتھیالی... اب کچھ بھی نہیں ہو گیا اس کے پاس...“

”میں بھی خالی ہاتھ ہوں...؟ وہ سسکی...

”نہیں... تمہارے پاس یہ دولت ہے... کاظمی صاحب نے چاند کی طرف اشارہ کیا...

”تو... کیا مطلب ہے...؟ وہ کاہنی...“ آپ مجھ سے یہ بھی

نہ جاؤ...“

”کسی رشتے سے یہاں رہوں اب...؟“ سسکی روکنے کے لئے اس نے نچلا ہونٹ دائیں میں دبا دیا...

”ہماری بیٹی بن کر...“

”صاحب نہیں بن سکتی... بچے اجازت دیجئے...“

”ہم کیا کریں گے... تمہارے لیزر بھی اور چاند کے لیزر بھی... نہیں رہ سکیں گے...“

”پند میں نے برداشت اور صبر کیا ہے اتنی جی! کچھ آپ دیجئے... اور بچے دینا دیجئے کہ خدا بچے برابر رکھوں دے...“ اس نے جھک کر لپٹی کس اٹھایا...

”مائے! اے کیسے چھر کے بنے بیٹھے ہیں دونوں باپ بیٹا... کوئی اسے روکے...“

”جہاں آرائے چلائے پر ایک دم کاظمی صاحب چونکے... پھر جلدی سے اٹھ کر مومنہ کے پاس جا کھڑے ہوئے...“

”بچہ نہ بنو بیٹی! اپنے بچے کے مستقبل کا خیال کرو...“

”میں سمجھا لوں گی... سنو! لوں گی...“ مومنہ نے پُر اعتماد لہجے میں کہا...

”باپ! لیزر مشکل پڑے گی...“

”تو کہاں سے لاؤں اس کا باپ... بتائیے...“ اس کی آنکھیں

خونگوار سی ڈھرنکیں بیدار ہوا تھیں... اب تو مومٹر کا بہو کا ناٹھ اسی کے ساتھ بنتا تھا... آس کی پیری نظروں میں، حیا لیل میں ٹھکر ٹھکر کرنا پڑنے لگی... چھم چھم کر کے... وہ سکر اویا...



کاٹھی صاحب نے ملک کے بڑے سے بڑے اور عالم و فاضل علمائے دین سے مشورہ کر ڈالا... سب نے یہی تنہی دیا... علامہ کے بغیر شادی جائز نہ ہوگی... خیال تھا کفار سے کی ہی کوئی صورت نکل آتی... دوسرا ہر قسم کا کفارہ ادا کرنے کو کاٹھی صاحب تیار تھے... خود کب جاتے... جائیداد بیچ دیتے... ایک بار زہیر کی آخری زندگی میں پھر سے بہار آ جاتی...

وہ بہت ٹوٹا پھوٹا ہوا تھا... تباہ حال تھا... ویران تھا... گھر سے نکلا ہوا تھا... مومٹر کے ہوتے ہوئے اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی... ماں باپ یا یہیں کھولے بیٹھے تھے... پر مومٹر نے یہی کہہ دیا تھا کہ پھر وہ اس گھر سے نکل جائے گی... مومٹر کا بھی جائیداد کسی کو منظور نہ تھا... مومٹر کے ساتھ چاند تھا... سب ایک دوسرے سے لازم و ملزوم... عجیب سے حالات تھے۔

تھیں لیتا چاہتے ہیں...
”باپ کا سنی ہوتا ہے اولاد سزا... نہ پرے بھی سکتا ہے اسے۔
لیکن... سو نہیں چاہتے تم پر مزید کوئی ظلم ہو...“ کاٹھی صاحب کا بہو شخصوں بھرا تھا...

”آپ کیا کہیں گے آبا جی...؟ کس طرح ان مظالم کے اثرات مجھے بچائیں گے...؟“
”بچائیں گے... ضرور بچائیں گے... ذرا اچھی طرح سوچنے کا موقع تو دو... چلو میری بیٹی...“
کاٹھی صاحب نے چاند کو اس کی گود سے لیا اور جہاں آرا کی گود میں ڈال دیا... اور مومٹر کو بازوؤں کے حلقے میں لے کر صوفے پر لا بٹھایا...
”آؤ بھئی سب ناشتہ کریں... عمو! جاؤ بازار سے کچھ لے آؤ... جو میری بیٹی کو پسند ہو...“

”تہیں آتا جی! نہیں... میں کچھ نہیں کھا سکوں گی...؟“
”اسے کیوں نہیں... خود بخود ہی بھوک لگ جائے گی جب تمہیں پتہ چلے گا کہ تم ہمیشہ اسی گھر میں رہو گی، اسی ناٹھ کے ساتھ۔ جس سے بندھ کر اس گھر میں آئی تھیں... یعنی کہ... بہو کے ناٹھ کے ساتھ...“
”بہو کے ناٹھ سے...؟“ غیر بڑبڑایا... سینے میں اک دم سے

وہ اونٹوں کی خاطر بھی زیادہ پریشان تھا... اس کے لئے بھی ہر سزا
تجارت کو تیار تھا...

”میں ہر قدر بانی دینے کو تیار ہوں... حلالہ تک...“ آخر میں
اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا... ”اگر ایسا نہ ہوا تو میں یہ ملک بھی
خیر چھوڑ جاؤں گا... شاید دنیا بھی چھوڑ دوں...“ پہلے میں کچھ دھکی
بھی تھی...

”نہیں بیٹا ایسے نہ کہو... برسوں بعد میں ملے ہو... اب جہاں میں
ہوں گے... میں کوشش کرتا ہوں... سب ٹھیک ہو جائے...“
کاظمی صاحب نے شفقت پوری سے مجھ پر ہر وعدہ بھی کر لیا
اور اس کی دھارس بھی بندھا لی...

اب معاملہ تھا مومنہ کو منانے کا اور ایسا شخص ڈھونڈنے کا جو
شادی کر کے اسے طلاق دے دے... ایسا شخص تو کاظمی صاحب
کی نظروں میں اک تھا بھی... پر پہلے مومنہ کو راضی کرنا ضروری تھا۔
”تم مای کی طرح اسے کہنا ڈ... محبت سے... پیار سے... ابھی
تو زبیر کے خلاف اسے خستہ ہو گا... بہت ہو گا... اس کی انا اور
خود داری بھی تو بڑی طرح مجروح ہوئی ہے...“ انہوں نے
جہاں آرا سے کہا...

”ہاں... مشکل تو ہو گا... پر شاہ اس کی محبت کا نصب آ
جائے... اسے شوہر سے محبت میں بہت تھی... جب زبیر کے

بے حد پریشان کنی...

جب زبیر کو معلوم ہوا کہ مومنہ سے اس کا ملن تمبی ہو سکتا تھا
پہلے اس کی کہیں اور شادی ہو... پھر وہاں سے طلاق ملے اور پھر...
زبیر کے ساتھ اس کا عقد ممکن تھا... دوسری اور کوئی صورت، اسے
شریک زندگی بنانے کی نہ تھی...

اور... زبیر مومنہ کی خوبصورتیوں کا گھائل تھا... اس کے وجود
کا کششوں کا امیر تھا... وہ تو امریکہ کی نیشنلٹی، الزبتھ اور بچوں
کی دہ سے اس وقت ایسا ہوا تھا... یہ اب ایسی کوئی مجبوری نہ
تھی... مومنہ سے بہتر تو کیا مومنہ جیسی بھی اسے کوئی دوسری عورت
نہ مل سکتی تھی...

باقی سب چائمر کی دیر سے ایسا چاہتے تھے... مگر زبیر تو
مومنہ کے لئے مرا جا رہا تھا... ہرے کھرنے کے بعد وہ اس کے عشق
میں مبتلا ہوا تھا... اور اب پاگل ہو رہا تھا...

”کچھ بھی ہو جائے... میں مومنہ کو اپنا نا چاہتا ہوں... اس کے
بیزہ میں ہی نہیں سکوں گا... جذلوں کی مار بھی مار ڈالے گی اور ضمیر کی
مار بھی...“ اس نے کھم کھلا اور صاف صاف الفاظ میں باپ
سے کہہ دیا...

”اس جیسی باتوں اور باجیا عورت مجھے اور کوئی نہیں مل سکتی...
چاند کا اس نے نام ہی نہیں لیا... لیکن سب یہی کہتے ہیں کہ

کالھی صاحب نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ میسرے ہوئے جیسے تمہید باندھی...

"اور پانچ اس گھر سے وابستہ رہے گا تو اسی میں اس کی بقیت۔ اس کی مقبولی ہے... ورنہ یہ ٹوٹ بھوٹ جائے گا... باپ کی خاندان کی محرومی اسے کھا جائے گی... اس کو مستقبل پر یاد ہو جائے گا... مومنہ کچھ گئی تھی کہ یہ تمہید کس سلسلے میں تھی... چپ چاپ سر ہٹائے موڈ بانڈی میٹھی سنتی رہی... غیر بھی اک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا..."

"ہمارے مذہب میں ہر رعایت موجود ہے... میں نے کہا تھا، نا کہ وٹھے ہوئے رشتے ٹرنا سکتے ہیں..."

"پر وٹھے ہوئے دل..." غیر نے نہ جانے کیا کہنا چاہا تھا... کالھی صاحب نے جلدی سے اس کی بات میں کاٹ دی...

"مذہب اور شرع و سنت کے احکامات بغیر جذباتیت کے ملنے ملتے ہیں..."

"تم چپ رہو نا... باپ بیٹی سے بات کر رہا ہے... کرنے دو..." جہاں آواز نے غیر کو ٹوک دیا...

"ہاں تو بیٹی! زبیر نے جو کچھ کیا، وہ اس پر پختہ رہا ہے... تا شب ہے... اور ازالہ کرنا چاہتا ہے... اور بیٹی! میرا بھی تم سے یہی غلامانہ مشورہ ہے کہ اب چاند کی زندگی اور اس کے مستقبل کو

اس سے خط آتا تھا تو اس کی حالت دہشتہ والی ہوتی تھی..."

"بچہ سمجھاؤ نا..."

"بہنیں... مجھے سمجھانے کا طریقہ نہیں آتا..."

"اچھا اسے بلاؤ... میں تھوڑی سی بات تو شروع کروں..."

پھر ایک دو دن سوچے گی... ساتھ ساتھ ہم اس کے کانوں میں اس فیصلے کی منظوری سے جو بہتری ہوگی وہ ڈالتے جائیں گے... امید تو ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا... غفلت نہ کر رہے..."

جہاں آواز نے اسی دقت کو مزہ کو آواز دے ڈالی... وہ پانچ کو تھلا رہی تھی...

"ابھی آئی امی جی... جلدی جلدی پانی اس پر ڈالو اور تویئے میں لپیٹے اسی طرح چلی آئی..."

"یہاں میرے پاس بیٹھو..." کالھی صاحب نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا...

"چاند کو لے کر دے دو... میں اسے کپڑے پہنا دیتی ہوں..."

جہاں آواز نے چاند کو اس سے لے لیا...

اسی لمحے غیر بھی کسی کام سے اندر آگیا... آجکل دکان پر نہیں جا رہا تھا... جی ہی نہیں چاہتا تھا کوئی کام کرنے کو...

"سنو بیٹی! تمہاری زندگی اس دن ختم ہو گئی تھی جس دن تم اس بچے کی ماں بنی تھیں... اب تمہیں صرف اولاد کی زندگی جینا ہے..."

سزا دجزا کا سلیس برقرار رہے تو کوئی بھی خرابی نہیں ہوتی...
کاتھی صاحب نے غیر کو سمجھایا...

"سب جلا میاں ہی جلا میاں ہیں اس میں... بظاہر نظر
آنے والے ظلم میں بھی کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے... یہ حلال
والا عمل ظلم نہیں ہے... ایک شوہر کے لئے سزا ہے... بہت بڑی
سزا... تم ابھی یہ جان نہیں سکو گے... اور یہی کفارہ زہیر ہے
گکا... یہی سزا جگنے کا... بہت بڑی ہے... بہت بڑی..."

مومنہ کوئی بھی جواب دینے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
غیر اسی کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا... کیسا چھیکا اور بے رنگ
سا ایک دم ہو گیا تھا... کچھ مکند کے آئینہ بھی تھے... شاید یہ صرف
اس کا اپنا ہی احساس تھا...

"میرا آبا جی...؟ اس نے مومنہ کی بے زبانی کو اپنی زبان دینا
چاہی... مگر جہاں آراستے اسے پھر ٹوک دیا..."

"عمو! تم چپ رہو... تمہارے آبا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔
سب سے بڑا مسئلہ چاند کا ہے... اسے باپ کی محبت نہ ملی تو وہ
بہت ساری غریموں کا شکار ہو جائے گا..." جہاں آرانے کی کاتھی
صاحب کی بات کی تائید کی...

"لیوں بھی، جب زہیر معافیاں مانگ رہا ہے تو... خدا نے
انتقام سے زیادہ احسن فعل کو قرار دیا ہے... غفور و درگزر کو"

نظر رکھتے ہوئے تم کوئی فیصلہ کرنا... پانڈزیر کی اولاد ہے..."

جانتے کیا ہوا... مومنہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو پکے گئے... پرانی کا
سر جھکا ہوا تھا... کاتھی صاحب دیکھ نہ سکے...

"وہ اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کو تیار ہے... وہ ہر صورت تمہیں پانا
چاہتا ہے... اسے بے پناہ محبت ہے تم سے... معاف کرو اسے..."

"اس کی گواہی تو میں بھی دیتی ہوں... ایک جان دعا لب تھے مومن۔
میں امریکہ میں قدم..."

"فصول باتوں کو چھوڑو اس وقت... جہاں آرا کو خاموشی کو ایک
وہ پھر مومنہ کی طرف متوجہ ہوئے... "میں نے پاکستان کے ہر بڑے عالم
دین سے پوچھا ہے... سب نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ ملانے کے بعد تم
دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے..." کاتھی صاحب نے جلدی سے
مدعا بیان کر دیا...

"حلالہ... دوبارہ نکاح... میرا کیا قصور...؟ میرا کیا قصور...؟"
مومنہ کے پہلے صرف آنسو ٹپک رہے تھے اب وہ چیخیں مار مار کر
رودنے لگی...

"یہ تو پھر عورت کے ساتھ ظلم ہوا نا..." مومنہ نے مومنہ کی حالت دیکھتے
ہوئے بے چین سا ہو کر کہا... کچھ اپنے دل کے بھی مٹا بیٹھے... کاتھی
ایسا نہ ہو... مومنہ اندر زہر کا رشتہ ڈھانسا ہی رہے...

"ہمارے مذہب میں ظلم کوئی نہیں ہے بیٹے...! یہ دین غلط ہے۔"

وہ سراسر تلبہ ہے...

میر جیپ سا ہو گیا... اندر جو امید کی کرنیں پھولتی تھیں... وہ تارکیوں میں ڈوب رہی تھیں... جیم جیم کر کے ناچتی پردیاں تھیں سی گئی تھیں... اس طلاق کے پُر زورے نے جو اس کے پسے سجاویں بنائے تھے... وہ پھر دیریاں ہونے لگے تھے... جس بچے کی خاطر ماں اور باپ اس کا دوبارہ رشتہ جوڑنے پر تھے، ہوشے تھے وہ اسے بھی تو بہت عزیز تھا... نہ میر سے زیادہ وہ اسے اپنا سمجھتا تھا... اپنی ملکیت نہ میر نے کب ایک دن بھی بچے کو اس نظر سے دیکھا تھا... یا... طلاق دینے والا ایسا مذہوم فعل کرتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا... بلکہ اس کے خیال دلانے پر اس نے اسے ختم کر دینے کا آرڈر جاری کر دیا تھا...

ایک بار جی چا... ماں سے کہہ دے... چاند کی ٹکر نہ کریں اس کا باپ... میں نہ میر سے زیادہ اس سے محبت کروں گا... مجھے بھی تو آزاد کر دیکھیں... قربانیاں کرنے کی عادت سی بڑی بونی ہے... مجھے بھی تو کسی خانے میں فٹ کر دیں... کبھی میرے ہی دل کے اندر کوئی جھانک کر دیکھے... اتنے عرصہ سے اس گھر کی ذمہ داریاں اٹھا رہا ہوں... اب بھی اٹھاؤں گا... بھڑو بھی... نہ میر کا اعتبار مت کریں... اس کا بچھلا دیکھا رکھو... اس سے زیادہ قابل اعتبار انسان میں ہوں... چاند کا باپ ہیں

اس سے بہتر ثابت ہوں گا... میر نے سوچا سب کچھ... کہنے بھی لگا... پر زبان کی نوک مسائی بات ترک سی گئی... اب کیا بہتر مومنہ کو منظور نہ ہو... وہ مجھے اس روپ میں تھیں... کرے... ہاٹے...!

دل میں پھر اک ٹیس سی اٹھتی... مقدر نے اسے کس گرداب میں پھنسا دیا تھا... پر... ہر حال مومنہ کی خوشی اسے منظور تھی... اپنا کیا تھا... زندگی نے سدا دکھوں اور حسرتوں کے دشت کی پیمانی کی تھی...

"اتنی جی!" وہ دلیار سے ہٹ کر ماں کے پاس آن کھڑا ہوا... "آپ مومنہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہ کیجئے گا... پہلے ہی اس سے بچاؤ کے ساتھ ہمیشہ پابندیاں رہی ہیں... حالات کی بھی اور سختیوں کی بھی... اب اسے آزادی سے اپنے متعلق فیصلہ کرنے دیں... شاید اس کے بہت ساتھ دے جائیں..."

"وہ ابھی بچی ہے عمو! اور ہم اس کے بزدل... جو کچھ ہم سوچیں گے، اپنے لئے وہ تو سوچ سکے گی... ہمارے پاس زندگی کا تجربہ ہے..."

"جانتا ہوں... پر انسان کی آزادی اور خوشی دوسروں کو مشہم سمجھتی پائیے..."

کون مرد ہے جو جھکتا نہیں... اپنی اور چاند کی زندگی اور مستقبل کے لئے اسے صاف کر دے... جاؤ... تم اسے سمجھاؤ... پھر ارد گرد دیکھا... کاغذی صاحب بھی کبھی کام سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے...

"میں؟ میں اتنی جی...؟" عیدر اسیر ماہو کر ماں کو سنبھلے لگا... یہ فرض بھی اسے ہی سونپا جا رہا تھا... یا اللہ کوئی زخم رہ گیا ہے جو مجھ پر غصہ کے بیٹے پر نہیں لگا...

"اس وقت لوہا گرم ہے... کچھ تمہارے باپ نے قائل کیا ہے۔ کچھ دلیلیں وغیرہ تم دو... مان جائے گی..."

"پر امی جی! میں کیسے...؟" وہ پھر ہلکایا... اس کی تو ماسی زندگی ہی ہلکلا ہٹ بن کر رہ گئی تھی...

"تمہاری بہت مانتی ہے... دوستی ہے اس کی تمہارے ساتھ۔ اس دن کھاتی بیٹی کچھ نہیں تھی تو تمہارے ہاتھ سے دودھ پلایا تھا۔

پلو جاؤ... ابھی... زیر بھی گھر سے بے گھر ہوا پڑا ہے... ادھر سے اتنا بڑا عدد میرے سینے پر دھر کر لایا ہے... یہیں کچھ مرہم لگ جائے... ہائے! کیسے نصیب میرے بچے کو ملے ہیں..."

"کیا میں آپ کا بچہ نہیں...؟ کبھی میرے اندر بھی جھانک لیا کریں۔ کبھی میرے بھی دکھوں کو محسوس کر لیا کریں..." اس کا دل گھر گزار

تھا مگر زبان پر تاملے...

"نہ رازی اور خوشی کی بات چھوڑو... بعض وقت بچہ انگہ... بچہ ناچا بتا ہے، کیا ماں باپ اسے کچھ لینے دیتے ہیں...؟" ٹوٹی بنگا ہے... بچہ ہے...

وہ مسکرائیں... اس کی تاملانی بہ... اس کی ناخبرہ کاری پر... "مجھے پتہ ہے اس وقت اس کے دل میں نہ میرے خلاف بہت

غصہ ہو گا... پر بہتری اسی میں ہے کہ وہ اسی گھر کی ہو کر رہے۔ ان کی اولاد بھی اسی کے پاس رہے گی... ہم بھی پاس ہوں گے...

تم بھی... میں اور تمہارے ابا جی... ہم سب بھی اسے نہیں چھوڑ سکتے... وہ یہ گھر چھوڑ گئی تو کہاں درد کی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی... اس کا بھی دکھ نہیں ہی ہو گا..."

وہ بھی ٹھیک کہہ رہی تھیں... غیر نے تسلیم کیا... اس کے من میں جو کچھ تھا اس سے تو وہ بے خبر اور انجان تھیں... لہذا... اس

صبرت میں بھی درست تھا...

لیکن... عیدر کے جذبے... ایسے شدید جذبے... کبھی امید بندھتی۔ کبھی ٹوٹتی... زخم گتتا... ابھی اس پر انگوڑ نہ آیا تاکہ وہ بارہ لگ جاتا۔

یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا... کھنے والے نے اس کی تقدیر کبھی ٹکڑی نہ تھی۔ "بلکہ عمو! میں تو چاہتی ہوں تم اسے سمجھاؤ..." ادھر ادھر کہتے پرے

جہاں آسانے راز دارانہ اسے کہا... "وہ اگر فی الحال اس بات کو اپن نہیں بھی کرتی تو اسے کر لینا چاہیے... ذمیرے اسے محبت تو تھی ہا۔

عمر کی اس یاد دہانی پر مومنہ نے ایک دم بھیگی بھیگی پیکوں والی چہرہ اٹھایا۔۔۔ عمر کی آنکھوں میں دیکھا۔۔۔ کیا۔۔۔ ۹۰۰

”ہاں تجھے یاد ہے سب کچھ۔۔۔“ عمر نے ہونے سے کہا۔۔۔ ”تھارے کچھ ہونے خطوط کا اک اک لفظ نہ حرف حافط میں، بلکہ دل میں ہے۔

تم بھائی جان کہ معاف کر دو۔۔۔ اپنی ان محبتوں اور وفاؤں کے نام پر جس کا اظہار خطوط میں کیا کرتی تھیں۔۔۔ اور۔۔۔ چاند کی خاطر۔۔۔ وہ چاند کا باپ ہے۔۔۔“

”تم نے تو کہا تھا۔۔۔ چاند میرا ہے۔۔۔ تم اس کے سر پرست بنا چاہتے تھے۔۔۔ وہ وعدے۔۔۔ وہ چماں۔۔۔ کیا یہی تھارے چاند کے لئے محبت تھی۔۔۔“

”اسی محبت کی خاطر تو تھارے منت کر رہا ہوں۔۔۔ اس طرح تم ہمارے پاس رہ جاؤ گی تو چاند بھی ہم سے جدا نہ ہوگا۔۔۔ ہیں اور کیا چاہیے۔۔۔“

”اس کے علاوہ۔۔۔“ مومنہ نے بھیگی بھیگی نظروں اس کی آنکھوں میں جمادیں۔۔۔

”کیا اور کوئی صورت نہیں۔۔۔“ اس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے اس نے اک سسکی کے ساتھ پوچھا۔۔۔ سوالیہ نظریں۔۔۔ آنسوؤں کے ٹپکے موتی لٹا تی نظریں، عمر کی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔۔۔

”اور صورت۔۔۔ ۹۰۰ اور صورت ۹۰۰“ عمر سوچنے لگا۔۔۔ اک لمحہ کو

”بامیرا بیٹا! ابھی جا۔۔۔ میں چاہتی ہوں چند دنوں کے اندر اندر یہ کام ہو جائے۔۔۔ سب کو ہی سکون مل جائے گا۔۔۔ تم بھی ان دونوں کی وجہ سے اپنا کہیں بھی آنا جانا چھوڑے بیٹھے ہو۔۔۔ جاؤ شاہا بش۔۔۔“

جہاں آرا منت کرنے لگیں۔۔۔ زیر کی خاطر ہو رہا تھا یہ سب۔۔۔ اسے اندازہ تھا۔۔۔ اس کے دل کی بستی، جو دوبارہ بسی تھی، پھر تاراج ہو رہی تھی۔۔۔ زیر ہی کی خاطر۔۔۔ اور وہ۔۔۔ خود ہی تاراج کرنے جا رہا تھا۔۔۔ یہی اس کے مفقود میں تھا۔۔۔ روزِ ازل سے کھا گیا تھا۔۔۔ پر وہ ماں کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ مومنہ کے کمرے میں جا داخل ہوا۔۔۔

”بیلی! مان جاؤ۔۔۔ سب کی اسی میں بھلائی ہے۔۔۔ تمہاری سب سے زیادہ۔۔۔“

وہی سب دلائل، جو جہاں آرا نے دیئے تھے، وہ عمر نے دے ڈالے۔۔۔

”اور پھر۔۔۔ نہیں بھائی جان سے محبت تو ہے ہی۔۔۔“ مومنہ رو رہی تھی بہت۔۔۔ اس کا دکھ کم کرنے کے لئے۔۔۔ اسے نشانِ کوسنے کے لئے عمر نے ان خطوط کا حوالہ بھی دے ڈالا۔۔۔ ”مجھے تو سب پتہ ہے کہ تم کیسی دغا دار ہو۔۔۔ کس قدر محبت کرنے والی بیوی ہو۔۔۔ اب بھی تمہارا اک اک لفظ میرے حافطے میں محفوظ ہے۔۔۔“

”تم مجھے مجھے ہی مشورے دیتے ہو...“ بچے مومنہ نے یہ کیوں پوچھا۔
 غیر تندرست لڑکا بڑا ہوا... پھر لڑکھرائی سی آواز میں بولا... ”ماں کب رست
 لئے ہی بہتر ہے... سب کے لئے ہی بہتر ہے...“
 مومنہ پھر رونے لگی... غیر اس کا جواب سننے کا مستند چٹھا تھا اور وہ
 رو رہی تھی... روئے جا رہی تھی...

”پھر ایک شرط ہے مومنہ...“ اس نے اپنا کانپٹا ہوا ہاتھ غیر کے ہاتھ
 پر دھر دیا...

”مجھے کسی اور انسان پر اعتبار نہیں... زہیر کے حلاق دینے کے بعد
 میری زندگی پچھلے کے لئے تم سے ہو کر واراد کیا تھا وہی اب، تم
 مجھے دوبارہ ان سے ملانے کے لئے کر دو گے...“

”کیا مطلب...؟“ غیر کچھ بھی گیا تھا... پر کہنا چاہتا تھا نہیں تھا...
 ایک دم زبرد پڑ گیا تھا... روح ملک جسم سے بھگتی چلی گئی تھی...

”علامہ کے لئے میرا ہونکا ہونکا، وہ تم سے ہو گا...“ مومنہ نے
 اپنی بات کی وضاحت کی... صاف صاف، کھلے کھلے الفاظ میں... میں
 اس گھر سے باہر نہیں جانا چاہتی...“

اب وہ انجان بننے کی ایکٹنگ نہیں کر سکتا تھا... اس کی نہ صرف
 رہی سہی جان نکل گئی تھی بلکہ... وہ ہوش و حواس بھی گم کر بیٹھا تھا۔
 اس نے کرسی کی پشت سے سرٹکا کر آنکھیں میچ لیں...

”اسی قرابانیاں تم نے زندگی میں دی ہیں... یہ آخری...“

دل میں... نہ صورت اسے تھا دوسے... اس کی بن جاسے...
 مگر... ہاں... پاپ... چاند... اور خود وہ... مومنہ کو بھی
 تو زہیر شہت تھی... اس وقت تو صرف اس حلاق... نئے ظلم کے
 خدایاں کے طور پر وہ انکار کر رہی تھی... شاید کچھ اپنی
 عیب نفس اور اپنی خود داری کے لئے بھی... اور یا پھر کسی اور شخص
 سے نکاح کے لئے... جو اسے منظور نہ تھا شاید...

خورت کے لئے یہ بھی تو مشکل ہے... وہ محبت کسی اور سے
 کرے اور چند دہائی کے لئے ہی سہی... کسی دوسرے کی بوی بن
 کر رہے... پتہ نہیں اس پر کیا بیت جاسے... وہ شخص کیا ہو...
 جسے کاظمی صاحب نے علاقے کے لئے تیار کیا تھا... وہ اسے اکٹڑ
 کے لئے بھی برداشت کر سکے یا نہیں...

اوہ بیچاری... برصیت، ہر شکل اس کے لئے تھی... غیر نے
 کوئی جواب دیئے بنا سر جھکا لیا...

”بتاؤ نا... بتاؤ کوئی صورت...؟“ اس کی نظریں بھی اور زبان بھی
 اپنا سوال دہرا رہی تھیں...

”اس کے علاوہ کوئی نہیں ملی! اور کوئی نہیں...“ غیر نے نگاہیں
 جھپکاتے ہوئے دل کے تقاضوں کے خلاف جواب دے دیا... پر
 اس کے لئے یہی درست تھا... ماں نے اسی لئے اسے اس کے
 پاس بھیجا تھا...

مل گئی تھی... مومنہ نے اپنی شرط بتائی... صرف اک لمحہ کے لئے جہانِ آرا
نے سوچا تھا...

”ہمیں منظور ہے...“ وہ مسکرا پڑی تھیں... دلِ دریاں سے
منظور ہے... عمو تو پتھر کا پتھر ہے... بے جذبہ دل لئے پھرتا ہے...
کہیں گے نکاح کر لے... کر لے گا... کہیں گے طلاق دے دے... دے...

دے دے گا... میرا اور اپنے باپ کا ہر حکم بلا چون و چرا
مان لیا کرتا ہے... اچھا ہے گھر میں ہی سب فٹ پٹا جائے گا...
باہر کئی کئی مہینے نہیں گزرا پڑیں گی... اور پھر... یہ بھی خدشہ
ہے... باہر والا نہیں دیکھے اور پھسل ہی پڑے... طلاق دینے
سے انکار کر دے... یہ تو تم نے بڑی سمجھ بوجھ والی بات کی...“

جہاں آرا خوش خوش غبر کے پاس آئیں... یہ تو بہت اچھا
ہو گیا عمو! مومنہ نے بڑی عقل کی بات کی ہے... مجھے بہت
پسند آئی ہے... اور یقین ہے تمہارے آبا جی کو بھی پسند آئے گی۔
اور زہرا تو بہت خوش ہو گا... تم آخر اس کے جانی ہو...
خیال رکھو گے... اسے کیا بات ہے... سو رہے ہو...“

وہ تو نہیں سویا، سو تو اس کے بخت گئے تھے... اس نے تو
جلو نہی آنکھیں میچ رکھی تھیں... اب زندگی سے نظروں دوچار نہیں
کرنا چاہتا تھا...

”جلو اچھا پھر... تم آرام کرو... میں کہتی ہوں جب میرے

”بس... خدا کے لئے بس کرو...“ عمیر اک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا...
”یعنی یہ شرط اتنی سبک پہنچا دو... میں نہیں کہہ سکوں گا...“ اور وہ
لو کھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر نکل گیا...
جہاں آرا براہِ دم سے یہی مل گئیں... ”عمو! مومنہ مانی ہے
یا نہیں...؟“

”اس کی ایک شرط ہے، وہ آپ جا کر خود سن لیں...“ اتنا کہا
اور تیز نیز قدموں سے براہِ دم پار ہو گیا...
اس نے کمرے میں جا کر لیٹر پر وہ اس طرح گرا بیٹھے جیسے طے کا ڈھیر...
تقدیر کے ترکش کا آخری زہر... یہ تو زہر میں نہجھا ہوا تھا...
کیا یہ آزمائش بھی اسی کے لئے رکھی تھی... اس سے تو اچھا تھا
اسے وار پر لٹکا دیا جاتا... اسے کالے پانی کی سزا دے دی جاتی...
اس کے سارے جسم کی کھال کھنچوا دی جاتی... سب کچھ آسان تھا...
بہ نسبت اس کے... مومنہ کا شوہر نہتا اور اسے طلاق دینا... تاکہ
وہ اپنی گھر جتنی میں پھر فیٹ ہو جائے اور ہنسی خوشی زندگی گواہ...
”اد بردر دگا ر! دم کرو... اب مجھے آزاد کر دے... نہیں چاہیے
مجھے ایسی زندگی... مر مر کر جینے والی... خدایا... خدایا... میں اس
عذاب سے کیسے گزراؤں گا... مجھے موت دے دے باری تعالیٰ...
مجھے موت دے دے...“

وہ موت کی دھانی مانگ رہا تھا اور جہاں آرا کو جیسے زندگی

کیا کرنی ہے...؟
 ”آپ نے تو کرنی ہے نا... آپ کے بیٹے کی شادی ہے... بری
 وغیرہ بنے گی اور پھر عروسی جوڑا... اور دولہا کا لباس وغیرہ بھی...
 وقت تو چاہیئے ان سب کاموں کے لئے... اور جمعہ صرف تین دن
 بعد ہے...“

جہاں آرا ہیکا لیکا سی اس کی صورت نکلتی رہ گئیں... چہرے
 پر طائیت بھری ہلکی سی مسکراہٹ تھی... اور نرم نرم سی لہریں
 شرم و حیا کی پھیلی تھیں... کچھ عجیب سی، رنگ ترنگ سی ہو رہی تھی۔
 ”ڈکھوں کی یادش میں تھانے کے بعد کیا ایسا رنگ روپ نکل آیا کرتا
 ہے...؟“ وہ سوچ رہی تھیں...

”میراجی چاہتا ہے عروسی جوڑا بڑے خوب صورت رنگ کا ہو۔
 اور اس پر کام بھی بہت بھاری سا ہو... جگمگ جگمگ کرے...
 کسی کی نظر نہ ٹکے...“

”بیٹی! یہ تمہاری دوسری شادی ہے...“ جہاں آرا نے نظریں
 جھکاتے ہوئے اسے دبے دبے سے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔
 ”پر عمو کی تو پہلی ہے نا... کیا پتہ اس کے دل میں کیا کیا ارمان
 ہوں گے...“

جہاں آرا جڑ بڑ سی ہو گئیں... ”یہ ارمانوں والی شادی نہیں ہے۔“
 ”شادی تو ہے نا...؟“ عجیب سی بحث لئے بیٹھی تھی... اور

بے خوابی کے جوہر کو ہی تھسارا اور مومنہ کا نکاح کیوں نہ ہو باتے...
 ہاں اگلے جو ٹیکس رہے گا...؟
 اور جہاں آرا کے منہ سے نکلی ہوئی بات پتھر پر لکیر بن گیا
 کرتی تھی... جمعہ کو مومنہ اور عمو کا نکاح ہونا قرار پا گیا...



جہاں آرا کا حکم پتھر پر لکیر ہو جایا کرتا تھا... جب مومنہ مسکیں گی
 معصوم سی صورت بنائے ان کے سامنے بھی کبہ رہی تھی...
 ”امی جی! کیا یہ شادی کچھ دن لیٹ نہیں ہو سکتی...؟“

جہاں آرا نے اس کے دل میں کیا تھا... کون سی مجبوری تھی... جہاں آرا
 اسی وقت ڈھلے یونے لگیں... اس کی زندگی کے راستوں میں ڈکھوں
 کے سوا اور نیا ہی کیا... اگر اتنی سی اس کی خواہش پوری کر دی
 تو کیا پتہ اسے کتنی خوشی مل جاتا تھی... یہی سوچ کر انہوں نے
 بڑی جلدی سے جواب دیا...

”بھول گئی...؟“ پھر کہیں...؟ وہ تو بتاؤ...
 ”اے...؟“ میں نہ تو کھنکھ جی پہنچ سکتی ہیں اور نہ ہی تیاری
 کر سکتی ہے۔
 مومنہ کے جواب پر جہاں آرا سٹپٹا سی گئیں... ”تم نے تیاری

روفتوں والی، شادمانیوں والی...

”نہیں اتنی جی! یہ شادی بھی انشاء اللہ ولسی ہی ہوگی... جیسی اکثر شادیاں ہوا کرتی ہیں... دھوکہ بھی نہی گئی... مہندی بھی لگے گی۔ جھلمل جھلمل کر کے کپڑے بھی پہنے جائیں گے... اور مہلاں بھی آئیں گے... سب کچھ ہوگا... خوشیاں... رونقیں... شادمانیاں...“

جہاں آرا اک اضطراب سے، اک بے چینی اور بے کلی سے لے نکلتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ گئیں... ”بچے ٹوگتا ہے عمو! مومن کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے...“ وہ آنسو بہاتے ہوئے غیر کو بتا رہی تھیں...

”عجیب بچی یہی سی باتیں کر رہی ہے...“ پھر انہوں نے اس کی زبان سے نکلا ہوا اک اک لفظ غیر کو سننا ڈالا... ساتھ روئے جا رہی تھیں...

”پروردگار! تو نے مجھے اور کیا کیا دکھائے...“

”بھائی جان کو اطلاع کرائیں...“ غیر نے مختصر سا جواب دیا...

”آج اسے ملنے جا تو رہی ہوں... تباؤں کی سب کچھ...“

”بچے لگتا ہے زیر بک علاوہ کسی دوسرے کے نکاح میں آنے والے

فیصلے سے اس کا دماغ جھٹک گیا ہے...“

”تو اتنی جی! یہ میری خواہش تو نہ تھی...“ غیر نے قابو سا ہو کر

بلند آواز میں چلا پڑا...

جہاں آرا ہریشیاں ہو رہی تھیں...

”سمجھو شادی بھی نہیں ہے...“

”پھر کیا ہے...؟“ انوکھا سا اس کا سوال تھا... اتنا انوکھا کہ اس کا

جواب جہاں آرا کے پاس بھی نہ تھا... بہت سسٹناٹیں... گھرائیں...

دل چاہ رہا تھا اسے ڈانٹ دیں... اس قسم کے سوالات کرنے سے

منع کر دیں... پہلے ہی کانٹوں میں پڑی تھیں... لپٹی کر... ہر ٹوٹے تن

پر اک کانٹے کی لوک گڑی تھی...

جواب دینے کی بجائے انہوں نے کراہ کر اسی سے سوال کر ڈالا...

”اے کن تو تم شادی کہتی ہو...؟“ آنکھوں میں پانی بھرا آرا تھا...

اسے اندر ہی اندر پہینے کی کوشش میں جلدی سے چٹہر آمار کھینچ

کرنے لگیں...

”میرا اور عمو کا نکاح ہو گا نا...؟ اسی مصروفیت اور سادگی سے

اُس نے بوجھ ڈالا...

”ہاں...“ وہ آواز دبا کر چیخ سی پڑیں... ”ہوگا...“ مختصر

میں لکھا گیا ہے...

”تو پھر شادی ہی ہوئی...“

”لیکن بیٹی! جہاں آرا تردد سے اسی کے چہرے کے اطمینان

کو دیکھتے ہوئے اسے کھانے لگیں...

”یہ ولسی شادی نہیں جیسی شادیاں اکثر ہوا کرتی ہیں... خوشیوں والی“

روقیں گیں جیسی خادیوں میں...

"تو کڑا ایسے سب کچھ... کڑا ایسے... اس کا ہر مطالعہ، ہر خواہش، ہر تمنا پسندی کر دیں... زندگی میں اس نے کدھ ہی ٹوکھ اٹھائے ہیں... محرومیاں ہی محرومیاں اس کا مقصد رہی ہیں... شاید خواہشات پوری ہونے پر اس کا دماغی توازن درست ہو جائے...

یہ اس کا علاج ہی ہو..."

"عجیب لڑکے، مومن بھی..."

"میں عجیب نہیں... انسان کی نفسیات بڑی عجیب ہوتی ہے ایسا..."
"اچھا رہنے دو یہ نفسیات وغیرہ..." وہ اُلجھی اُلجھی ہوئی سنی اٹھ پڑیں... دل میں، دماغ میں بہت کچھ تھا... پیریس میں کچھ نہ تھا جہاں آرائے جا رہا تھا... چپکے چپکے، اندرونی خانہ ہی سب کچھ ہو جائے لڑکھڑکے باہر کسی کو بتیہ ہی نہ چلے... مومن کا عیر سے نکاح بھی ہو جائے، طلاق بھی ہو جائے اور پھر آخر میں، جس ناٹے کے ساتھ وہ اس گھر میں آئی تھی، اسی طرح ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے..."

سب کی عزتیں ڈھکی چھپی رہیں... سب کے وقار قائم رہ جائیں مگر... وہ دیکھتی ہی رہ گئیں اور بات گھر سے نکل کر چاروں اطراف پھیل گئی... موائس یہ کر... جھنگر استری لینے آئی تھی... ساتھ والے غوری صاحب کی بیٹی...

"میں تو براستے کا پتھر ہوں... جس کا جھرو دل چاہتا ہے ٹھوکر مار کر لڑھکا دیتا ہے... پلیز، لکچر پر رحم کریں کچھ..."

"ارے... یہ چینی کیوں لگ پڑے... میں نے تم پر تو کوئی الزام نہیں دھرا... بیٹے! یہ صدمہ ہم سب کا مقصد تھا... اپنے اپنے حصے کا بھگت رہے ہیں..."

جہاں آرا باقہوں میں سر تھامے بیٹھے عیر کو ہمدردی بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اور اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گئیں... عیر کی پریشانی کا بھی احساس تھا... آجکل گھر کا ہر فرد کتنی تکلیف اور کتنی پریشانی میں مبتلا تھا... سب پر ہی ترس آ رہا تھا... سب کے لئے ڈھکی تھیں... ہمارے کدھ اب کاٹ دے مونی..."

اور... جب زبیر نے سنا تو... کچھ بھی ہو جائے یہ نکاح ہونا ضروری ہے... ایک بار حلالہ کا عمل پورا ہو جائے... پھر اتنی ایمن بنھال لوں گا... مومنہ کی اگر دماغی حالت درست نہیں تو میں اس کا علاج کراؤں گا... جہاں سے ہیں ہو سکا... بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے... اس کی خاطر ٹنگ سے باہر جانا پڑا تو باہر بھی لے جاؤں گا اسے... سب کچھ کروں گا اس کے لئے... تن میں ٹٹا دوں گا..."
"اور وہ جو کہتی ہے، عروسی جوڑا ایسا بنے... گلش کو بلایا جائے... ہندی باقہوں میں رہے... ڈھونڈ بنے... اسی طرح

طلاق دے دی ہے... میں تو پیسے ہی کبھی تھی یہ باہر چلے جانے والے
بڑے بے اختیار رہے ہو جاتے ہیں... کیا کمی تھی موتہ میں...
بس... چچی چھڑی والیوں کا یا دو چوڑہ گی... کھائیش ہماری سو ہزار
گنوں والی لڑکی کا سہاگ...

”ہو کو خلاق کا سن کر بہت افسوس ہوا... لیکن ہم نے سنا ہے
آپ اب اس کی شادی چھوٹے بیٹے سے کرنے لگی ہیں... واہ واہ۔
نیک ہو تو ایسی... آپ جیسی دل گرہ سے والی، کوئی کم ہی ملے گی۔
اک طلاق یافتہ اور بچے والی کے ساتھ اپنے کنوارے بیٹے کی
شادی کر رہی ہیں...“

”شایاں ہے بھی شایاں! کیا صل جنا ہے... میرنا بل صد
تقریب ہے... بچے کی ماں کے ساتھ شادی کی حاجی بھرنی... تاہم
ہو تو ایسی... قربانی دی جائے تو ایسی... ہمارے لڑکے تو کجھت
مارے کنواریوں میں سو سو عیب نکالتے ہیں...“

”بھئی ایسی مثال دینا میں اور کوئی نہ سنے گی... کمال کا انصاف
کیا... ایک سے کو تا ہی ہوئی تو دوسرے سے تلافی کرا دی... کون
کہتا ہے دنیا میں نیک بندوں کی کمی ہے...“

جتنے منہ اتنی باتیں... پر ہر ایک نے جہاں آرا اور کاظمی صاحب
کے اس فعل کو بہت سراہا... ہر زبان پر ان کی تعریفیں تھیں...
جہاں آرا بڑی طرح بوکھلائی ہوئی تھیں... نہ تردید کر سکتی تھیں!

چاند کو بڑا پیار کرتی تھی... وہ بیٹھا کھونوں سے کھیل رہا تھا...
وہ اس سے کھیلنے لگی...

”اچی اچی! یہ رنگ کیسا رہے گا...؟“ موتہ اپنے کمرے میں
سے نکلی... ہاتھ میں اک چھوٹی سی کرن تھی... ”اس پر سہری کام ہڑا
سجے گا... میں نا...؟“

”کس کے لئے بھائی...؟ کس کی شادی ہے...؟“ حفظہ چاند کو گود
میں اٹھائے اس کے چہرے پر پلے پلے پائے لگاؤں کو چہرے سے ہٹے موتہ
کے پاس آن کھڑی ہوئی...

”میری... عمو کے ساتھ... تمہیں معلوم نہیں...؟“ بچے تو کئی ماہ
پہلے طلاق ہو گئی تھی... اور اب دوبارہ شادی...“

”ہائے! پاگل لڑکی...“ جہاں آرا پیشانی پر ہاتھ مار رہے
ہوئے بڑ بڑا میں... ”آنکھوں ہی آنکھوں میں موتہ کو کئی اشارے
کر ڈالے... مگر اس نے نہ کچھ دیکھا... نہ سمجھا... حفظہ حیران ہو ہو کر
برہمچتی چلی گئی اور وہ ہر سچ بتاتی گئی...“

باشا کا کیا ہے... موتہ سے نکل... کوٹھے پر چڑھی... ادھر حفظہ
استری سے کمر واپس گئی... اُدھر جہاں آرا کے پاس ایک ایک کر کے
تخلے کی عورتیں آنا شروع ہو گئیں... پانچ دس منٹ ہی گزرے
ہوں گے... یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی...
”ہائے ہائے... یہ میں نے کیا سنا ہے... ذہیر نے بہو کو

نہ تائید... نہ ہوں سکتی تھیں، نہ کچھ کہہ سکتی تھیں...

ایک دودن تو اسی انداز کی گفتگو میں گزر رہے... پھر طلاق کا انوس ختم ہوا اور شادی کی باتیں شروع ہو گئیں... مومنہ کے ساتھ سب کو ہمدردی تھی... عیسر کی اس قربانی نے سب کے دل جیت لئے تھے...

”خالد! بڑی کے کئے جوڑے بنائے ہیں...“ عمو بھائی کی بڑی بڑی شاندار بنائے گا...

”مومنہ کا پہلے دن کا جوڑا کیسا بن رہا ہے...“ بنا بنایا نہ بچھے گا... مہنگا پڑے گا...

”نان بچی... کپڑا منگو ادیں... ہم سب مل کر بنادیں گی...“ مومنہ کے اخلاق و عادات کی غلطی بھر میں دھوم تھی... جہاں مارا

کی عمر کی ہر عورت اس جیسی پہنڈ پانے کی تمنا کرتی تھی... بیٹیوں کو اس کے حسن سلوک اور حسن اخلاق کی مثالیں دی جایا کرتی تھیں... اس جیسی سگھڑ اور سلیقہ شعار ہونے کی دعا دی جاتی تھی...

تجھی... سب اس کی خوشی میں بعد شوق حصہ لے رہی تھیں... بڑی عمر کی عورتیں بھی اندر لڑکیاں بالیاں بھی... بڑے چاؤ اور چاہتوں کے ساتھ مومنہ کا عروس جوڑا بننے لگا... سارا دن مگر

یہاں اک رونق سی لگی رہتی... اک اٹھ کر جاتی، دوسری آ جاتی...

لوں ہاتھوں ہاتھ جوڑا تیار ہو گیا... جھلن کرتا ہوا، بہت بھاری بنا... نظر نہیں نکلتی تھی...

برسی بھی بن گئی... ایسی برسی تو زبیر کی بھی نہ تھی... ساتھ ساتھ جوڑے مانگے جاتے، ساتھ لڑکیاں دھوکے لے کر بیٹھ جاتیں... جہاں آرا پریشان ہوتی رہتیں... پر سب کچھ اعتبار سے باہر تھا... ان کی تو جیسے بولنے والی زبان کٹ چکی تھی...

شادی میں پانچ چھ دن رہ گئے تو گلشن بھی آگئی... ”مجھے تو مومنہ کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں یہ کچھ ہو چکا ہے...“ ہائے! یہ کیا ہو گیا...؟“ مومنہ کو گلے سے لگا کر وہ بڑی دیر دیتی رہی لیکن... مومنہ کے چہرے پر تو کوئی ملائی، کوئی ٹوکھ نہ تھا... رتی بھر بھی...

ماں کی طرف تجسس بھری نظروں سے دیکھا... جہاں آرا نے کیٹی پیرا نگل سے دائرہ سا بنا دیا... پھر جب اکیلے میں مل بیٹھنے کا موقع ملا تو درود کر بیٹی کے آگے سارا دکھ بول بیٹھیں... ”مومنہ کا تو اس طلاق والے صدمے نے دماغی توازن ہی بگاڑ کر نیکہ دیا ہے...“

”ہائے ہائے کیسا ظلم ہو گیا...؟“ صدمے کے مارے گلشن کا بھی بُرا حال ہونے لگا...

”پر زبیر کہتا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا... وہ علاج کر

شادی کو زندگی کا پہلے کچھ رہی تھی... بنے چار سو مومن...
زندگی کے جام کا سب سے زیادہ تلخ گھونٹ بھرنے کا
رہی تھی...

"آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا..."
متم جو کہو گی... جیسا لباس کہو گی، شادی کے دن کے لئے
بنوا دیا جائے گا...

"میرا تو جی چاہتا ہے، عمو سفید شلوار قمیض پر سفید
خبر وانی پہننے... سفید اور پنچے کے خٹکے والا کلاہ... سفید
سلیم شاہی جوتا... گلے میں اک بڑا سا پٹکے والا لہار ہو...
یہ گھٹنوں تک لٹکا ہوا... مجھے تو ایسا دو لٹکا پسند ہے...
کیا عمو ہیں پسند کر لے گا..."

"اس کی بات سمجھو... تم جو چاہتی ہو وہ ہو گا...
بڑے ترس اور ہمدردی بھری نظروں سے وہ مومن کو دیکھنے
ہوئے اٹھن اور اسی وقت عمو کے پاس جا پہنچی...
"چلو میرے ساتھ... تمہارا شادی کا لباس خریدنا
ہے..."

"میرے پاس سب کچھ ہے..."

لے گا..."

ایک دو دن تو گلشن بھی افسوس کرتی رہی... دکھی ہوئی رہی...
لیکن یہ قدرت کا قانون ہے... دکھوں سے انسان جگتا ہے... خوشیوں
کی طرف لپکتا ہے... آپ ہی آپ...
یوں اگلے دن وہ بھی مومن کی خوشیوں میں خوشی خوشی شریک
ہونے لگی...

گھر کا جیتم کا ماحول بنا ہوا تھا وہ اسی طرح اس میں مدغم
ہو گئی... مومن کے لئے دل میں ترس بھی تھا... ڈھارس بھی...
کچھ اس صدمے کی تلافی مقصود تھی، جو اس کے بھائی کی طرف سے
لے ملا تھا... یوں وہ جو کچھ، گلشن کر دیتی...
"آپ میرے لئے اتنا کچھ کر رہی ہیں، میں... کچھ بھائی کی
بخش خیرتی ہے..."

"کیوں... کیا ہوا اسے..."

"میرے لئے تو پہلے بھی سب کچھ بنا تھا... میں چاہتی ہوں عمو
کو کوئی حسرت نہ رہے... اس کے لباس وغیرہ کا آپ خیال رکھیے
گا... وہ بڑا درد نیش قسم کا بندہ ہے..."

مومن کی بات سن کر گلشن کو بے اختیار رو دنا آ گیا... وہ اس

”مگر مومنہ کی جو خواہش ہے، دیا نہیں ہے... گلشن نے نصیحتیں بتا دی...“

”وہ اگر پاگل ہو گئی ہے تو کیا ضروری ہے سارا گھر اس کے ساتھ دیوانہ ہو جائے... میں ایسا سب کچھ نہیں کرنے دوں گا...“

”اس کی خوشی کے لئے تو اب کرنا ہی پڑے گا...“

”یہ سہارے گھر سے اسے صرف دکھ ہی ملنے ہیں...“

”نکل! اس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے... تم خود سوچو...“

”کیا یہ سب کچھ درست ہو رہا ہے...؟“

”عمیرہ کی آنکھوں سے غیب سی اذیت دکھانے لگا اور کرب جھانکنے لگا...“

”میں کیا کروں...؟ میں کیا کروں...؟ کچھ میرے حال

پر بھی تو رحم کرو...“

”کیوں...؟ تمہیں ہم قتل کر رہے ہیں...؟“

”تسل...؟ کاش کرو دیتے... ایک بار ہیں یہ سہیل کے اذیت...“

”ہی! اب ڈائلاگ نہ ہو لو... اٹھو... گلشن نے اس کا

بازو پکڑا اور کھینچ کر بستر سے اٹھا دیا...“

”میرا اتنی نرمی نہ کی گئی... سب کے درمیان سب کے ساتھ... لڑکائی

یہ کچھ نہیں سکا... کوئی نہیں...؟ اک انسوہ سا، اک زخم خوردہ سا اندر اک جکڑے تبسم اس کے ہونٹوں پر پھیل گیا...“

”بھئی کیوں نہیں... اس کام سے نٹ لوں... مومنہ کے نکاح اور طلاق کے بعد تمہارا مسئلہ بھی حل کر دوں گی... ابھی میں ایک مہینہ یہاں ہوں... گلشن نے بڑے پیار سے اس کی طرف دیکھا...؟ شاید جیسی لڑکی کو تمہارے ذکر دیا تھا...“

”جیسے یقین ہے اس کی وجہ وہی ہے...؟ اب اس کا اچھا لاکر دے تھے... جس کی خاطر... یہ راز بھی اب اگلے گھر ہوں گی... کچھ لینا... اور... جہاں کہیں بھی وہ ہوگی اسے وہاں سے اس گھر میں لاکر رہیں گی...؟“

”اچھا... یہ ارادہ ہے...؟ اک کھوکھی سی ہنسی میرے منہ سے نکلی...“

”تو پھر تمام نہ سنا اپنی بات پر...“



رات کو وہم جنا تھی... کوئی ارادہ کچھ بھی کرنے کا نہیں تھا... موقع ہی

ایسا تھا... پیر... محفل بھر کی خواتین نے خود ہی سارا پروگرام مرتب کر ڈالا...“

مومنہ کی طلاق اور دوسری شادی کی وجہ سے اگر گھر والے کوئی وجہ و حرام

یا خوشی دینا نہ کر سکتے تھے تو...“

عمیرہ کی تو پہلی شادی تھی... جو پوری انگلیوں نرنگی کے ساتھ منائی جا چکی تھی...“

بڑے بھائی نے ہیرے لڑی نامیادیا حرکت کی تھی، وہ اس کا گناہ... عمر کی تو کوئی خطا

نہ تھی جو اس پر خوشیوں کے دروازے بند کئے جا رہے تھے... وہ تو بیکہ اتنی بڑی

مٹھائی منگوانے کے لئے اور کوئی نہیں ملا تو گلشن نے عمیر کو ہی
جا بکھڑا۔۔۔

”اتنی ڈھیر ساری مٹھائی کیا کرنی ہے۔۔۔؟“

”آج ہندی ہے نا تمہاری۔۔۔ اور لوگوں نے یہ رسم پوری طرح
منائی ہے۔۔۔“

”ایک ہی یاد بنا دو گُل! مجھے کس کس انداز میں اور کتنی بار چاہنی
پر چڑھتا ہے۔۔۔؟“

”معو جانی۔۔۔! گلشن نے تسلی کے انداز میں اس کے بالوں میں ہاتھ
پھیرا۔۔۔“ نیکی کا کام ہنس ہنس کر کرنا چاہتے۔۔۔ رومہ کر اور لبور لبور

کر نہیں۔۔۔ یوں ضائع ہو جاتی ہے۔۔۔ ویسے ہی تم نے خود ہی حافی
بھری تھی۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ سب خطائیں میری ہیں۔۔۔ سارے قصور۔۔۔ سارے
گناہ میرے ہیں۔۔۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا مٹھائی لینے چل دیا۔۔۔

مٹھائی کے علاوہ بھی کچھ چیزیں تھیں۔۔۔ کافی لمبی چوڑی لٹ
تھی۔۔۔ سب کچھ سے کروا پس آیا۔۔۔ برا اندر سے ہی مومنہ مل

گئی۔۔۔ ”یہ لٹ اور یہ چیزیں۔۔۔ گل سے کہو اگر چیک کر لے۔۔۔“
”وہ تو کسی مزدوری خریداری کے لئے حفظہ کے ساتھ بازار

گئی ہیں۔۔۔“
”اور اتنی۔۔۔؟ انہیں بلا دو۔۔۔“ عمیر نے نظریں جھکا لئے

قرانی دسے کمزیر اور شادمانیوں والی شادی کرانے کا حقدار بن
گیا تھا۔۔۔

”آپ کی مجبوریاں مناسب اور ست۔۔۔ پر ہم بھی تو ہمسائے اور ماں جائے
ہیں۔۔۔ ہم جن بلائے ہیں آجائیں گے اور مومنہ کو اور عمو کو ہندی لگائیں گے۔۔۔؟“

سب نے یہ قصد کر لیا تھا۔ اور جن کے ارادے بجا نہ ہو کر ہی گلشن کو خیال
آیا۔۔۔ امی جی! جائے وغیرہ کا بندوبست کر ہی بیٹے ہیں۔۔۔ سب خوشیوں کے

ساتھ منگوں کے ساتھ آئیں گی تو بیٹے رستے گھر سے شہر کے منہ چلی جائیں۔۔۔
مناسب نہیں گتا۔۔۔“

”لیکن مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔۔۔؟“
”اب جو کچھ بھی ہے۔۔۔ اچھا لگے یا نہیں۔۔۔ کرنا تو پڑے گا ہی۔۔۔ کسی کو

اندروں بات کا تو پتہ نہیں نا کہ بیچا بچ کی اور ہمیشہ کے لئے شادی نہیں ہو رہی۔
یہ تو صرف حلا ہے۔۔۔؟“

”تم بھی ساتھ شامل ہو جاتی ہو۔۔۔ لیکن اس وقت پتہ چلے گا جب ہاتھوں سے
لگائی گم رہیں۔۔۔ دانتوں سے کھو نہ پڑیں گی۔۔۔ جہاں آرام کے لیے جتنی بھی غنائی

تھی اور بہت ساری پریشانی۔۔۔“
”اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔۔۔ گلشن نے نہادشا اور نہادشا

الہی کو مقدم کیجئے ہوئے بڑی ذراست سے مختصر سا جواب دیا۔۔۔
”تو پھر جو مناسب سمجھے ہو کر لو۔۔۔ جہاں آسا متفق بھی ہو گئیں۔۔۔؟ پتہ نہیں

خدا نے ابھی اور کیا دکھانا ہے۔۔۔“ اک سرد آہ بھر کر چاند کا جھولا بلاضورت ہی
جھڈا لئے گئیں۔۔۔

”میں بہت بُری ہوں مو...“ مومنہ نے بیگی بیگی آنکھوں سے طبر کے غصہ بھرے چہرے کو دیکھا...

”اوہ...“ طبر چونکا... ”نہیں نہیں...“ مومنہ کے ڈٹے پھرنے بلجے اور بیگی بیگی پنکوں نے اس کا غصہ تو کیا، سارے ہی کونوم کی طرح گھٹلا ڈالا... ”میرا مطلب یہ نہ تھا...“ اسے اس پیرتیں بھی آگیا... اس کا کیا قصور...؟

”پھر تم اسٹنہ دنوں سے میرے ساتھ سیدھے منہ بات کیوں نہیں کر رہے...؟“

”جو تو کچھ تم کہہ رہی ہو... وہ سب ہو تو رہا ہے...“ عیر نے اس سے نظریں پھراتے ہوئے جواب دیا... ”نظر ملتی تھی تو دل بے ایمان ہونے لگا تھا... پھر وہ ان معصوم چہریوں پر مجبور ہو جاتا تھا۔ جو اس کی چاہتوں کے تقاضے تھے... اور یہ بد دیا سنتی تھی جہائی کے ساتھ اور ظلم تھا اپنے جذلوں کے ساتھ...“

”تم یہاں سے جاؤ... کوئی آجائے گا...“

”ہم دونوں کٹھے ہو اُخڑی کے لئے جایا کرنے تھے... گھر میں اکٹھے بیٹھ کر گیتیں مارا کرتے تھے... اس کے علاوہ تم میں زور ٹھہریں دو مٹی ہے مو...؟“

”معدا کے لئے مومنہ! میرے ممبر کا مزید امتحان نہ لو... اور جاؤ یہاں سے... میرے پاس تمہاری کسی بات کا جواب نہیں ہے...“

جھکائے پوچھا...

”ان کے سر میں درد ہے... گولیاں کھا کر لیٹ گئی ہیں...“ مومنہ نے بڑھ کر اس کے ماتھوں سے پیکٹ، لفافے، ڈبے تھام لئے... پھر کچن میں لے جا کر ساری چیزیں کرسٹ کے ساتھ ملائیں... پوری تھیں... پیسوں کا حساب کیا... باقی عیر نے پیپ چاہ اس کی پھیل پر واپس رکھ دیئے... کوئی بھی بات نہیں کی...

”مومنہ اسے دیکھتی رہی... سر سے پاؤں تک... بڑی اُجڑی حالت میں تھا... بال بے ترتیب... شیوہ بڑھی ہوئی... لباس ننگن آلود... آنکھوں سے ذہانت اور شوخی کی وہ چمک غائب تھی، جو چھکارے مارا کرتی تھی... ہونٹ یوں دانتوں میں پیچھے ہوسکتے تھے جیسے کچھ ضبط کرنے کی کوشش میں تھا، ہو ہو نہیں پا رہا تھا...“

فادخ ہو کر اسی طرح گھبریں خاموشی ہونٹوں میں دبائے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تو مومنہ بھی پیچھے پیچھے جا پہنچی... ”مو...؟“

”تم یہاں کیوں آئی ہو...؟“

”تم سے اک بات کرنا تھی...“ وہ آگے نہیں بڑھی... پرے دروازے کے ساتھ ہی ٹک کر کھڑی ہو گئی...

”کوئی کسرا بھی باقی رہ گئی ہے...“ جو کچھ پورا تھا، اس نے عیر کو بہت پریشان کیا ہوا تھا... اور یہ سب مومنہ کا کیا دھڑکا... کتنی معصیت میں اس نے سب کو ڈال رکھا تھا...

اس اجڑی حالت سے نروہ ابکی ختم کرو اور نہ اپنا مقام گراؤ...
بس یہی تمہارے انتہائی..."

دل نے اس کے سامنے سرخم کر دیا... جذبوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔
"جو حکم میری سرکار... بیل خوش رہے... جو جو دستم دھانا چاہتی
ہے اُدھالے... دل حاضر ہے... جان حاضر ہے..."

وہ خاموش رہا تو مومنہ نے دوبارہ پوچھا... "وعدہ کرتے ہو؟"
میری عزت نفس کا معاملہ ہے..."

"ہلکی... دیوانی... غیر دل میں ہنس دیا... یہ عزت نفس کو
لے بھی ہے اور ہم نے ہر چیز قربان کر ڈالی ہے...؟ اس نے سر
اٹھایا... "ہاں وعدہ کرتا ہوں... بھیجی کی عزتیں قائم رہیں گی...
انشاء اللہ..."

"اور ہاں، اک وعدہ اور... مومنہ نے واپس جانے کے لئے
قدم اٹھایا تھا... کچھ سوچ کر ہجر ترک گئی..."

"شادی والا لباس پورے شوق اور سلیقے سے پہنو گئے... چہرے
پر سکرامیں سجا کر... حنفیہ کے بھائی نے تصویریں آمارنے کا اشتہار
کیا ہوا ہے..."

"اوہ خدایا... غیر کے سلسلے جذبے جیج اٹھے... یہ اتنے
مظالم... اتنی زیادتیاں... آخر کیوں...؟ کیا کیا ہے میں نے...
جو میرے جذبات کے ساتھ اس طرح کھیلا جا رہا ہے..."

"یہ رشتہ جو بندھنے جا رہا ہے، اس نے تمہیں مجھ سے بہت دور
کر دیا ہے... نگر نہ کرو یہ ٹوٹ بھی جائے گا... جب تم چاہو...
دور..."

غیر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا... ٹوٹے ہوئے
دل کی کڑھویں کو سیٹھنے کی کوشش میں لگا رہا...

"کیا پھر ہماری دوستی بھی ختم ہو جائے گی...؟"
وہ زخم پر زخم لگانے جا رہی تھی... غیر چیخ سا بڑا... تم کہنا کیا
چاہتی ہو...؟ جو بات کرنی ہے وہ کرو... میرے پاس فالتو باتوں
کا جواب نہیں ہے..."

"میں یہ کہنے آئی تھی...؟ وہ اس کی بے مافی کو نظر انداز کرتے
ہوئے خوشگوار سے ہلچے میں بولی... "کیا دو تین دنوں کے لئے تم
ایسا نہیں سمجھ سکتے کہ تمہاری یہ شادی تمہاری پسند کی لڑکی سے ہو
رہی ہے..."

"کیا مطلب...؟" غیر نے گہرے نظریں اٹھائیں... مومنہ نے کیسا نفرت
جلا یا تھا... پورے انداز سے... زخم کے اوپر زخم لگا...

مطلب یہ کہ ذرا اچھے طریقے سے یہ وقت نبھاؤ... خوش مزاجی
سے... حسن سلوک سے... اصل بات کا لوگوں کو علم نہیں ہے... اور
سب کے ذہنوں پر اس وقت تمہارا ایملج بڑا اچھا ہے... تم سب
کی نگاہوں میں بڑے بلند مقام پر کھڑے ہو... اپنی اس خاموشی اور

ہو گیا تھا... اس نے اندر زیر کو دیکھا... پہلے تو درگشی... پھر... خون کی
عجبت اک خلوص بھری مسکراہٹ بن کر لبوں پر پھیل گئی... ”اچھا ہوا آپ
آگئے... بڑی مدد ملی ہوئی ہے...؟“
”مجھے مومنہ کے پاس سے چلو گی...؟“

”اس وقت... ہاں نہیں نہیں... سہیلیوں میں گھری بیٹھی ہے... کل
کوئی موقع نکالوں گی...“

جلدی میں تھی... ساتھ ساتھ مدد پر تلاش کرتی رہی... ”جائے
بیٹیں گے...؟“ سٹائی وغیرہ... بہت کچھ ہے... ہم نے بھی ملگولی مار
بہت سارے لوگ بھی ملے آئے... عورت سب بڑے متاش میں...
”کیوں جلا... میں لاتی ہوں... خوشی کی بات ہے... آپ بھی منہ
میٹھا کر رہیں...“ گلشن اپنی ہی رگوں میں کہتی چلی گئی...
”خوشی کی بات...؟ منہ میٹھا...؟“ زبیر کی ہلچے کی کاٹ اور طنز
نے اسے چونکا دیا...

”اے... میرا مطلب تھا...“ وہ گڑبڑائی... ”سب مہمان تو ایسا
ہی کہہ رہے ہیں اور میری تاثر عام ہے... دراصل اصل بات کا کسی
کو علم نہیں نا...“

”تمہیں تو ہے نا...؟“ اور زبیر نے منہ بھر کر نظر سے گلشن
کے سراپا کو دیکھا... گھسے گھسائے والا چیم کمر یا لباس پہنا ہوا تھا...
چہرے پر زنگوں کی قوس و قزح بکھری ہوئی تھی...

اس کا دل چاہا زور زور سے چیخے... اتنا زور سے کہ یہ دنیا زمانہ تو
کیا، دوسرا جہان بھی اکٹھا ہو جائے... پھر وہ سب کو اپنا دکھ درد سنے...
سب کو... زمین اور آسمان کی ساری غنوں کو... ایسا کسی کے ساتھ بھی
ہوا، ہو گا، جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا...؟



نہ دعوتی کا مدد چھپے تھے اور نہ کسی کو بل واد بھیجا گیا تھا... پھر بھی...
مہندی کی رات دھوم مچاتی آئی... ایسے سن اور رنگ بکھرے کہ زندگی
ناہجہ افش... زندگی و جہیز آگئی... زندگی مستیوں میں ڈوب ڈوب گئی...
زبیر کو کافی صواب نے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی...
لیکن... اس سے اب ایک منٹ بھی اور وہاں تنہائی میں رہا نہیں جا
رہا تھا... اس کے علاوہ نور مہر کو ایک نظر دیکھنے کے لئے اس قدر تیار
ہو گیا کہ باپ کے حکم یا اجازت کی بھی پروا نہ تھی... رات کی تاریکی
کا سہارا لے، چپ چاپ چلا آیا...

گھر کے اندر اس وقت اک ہنگامہ تھا... شور تھا... ڈھونک کی
آواز تھی... غنوں کی گونج تھی... کسی کو پتہ بھی نہیں چلا... وہ پہلے
برآمدے سے گزر کر گلشن کے کمرے میں جا داخل ہوا...
گلشن اچانک ہی دوپٹہ برسنے آئی تھی... جو مہندی کرنے سے غلاب

میر... یہ... آئے حاسے لوگوں کے لئے... نہ پہنتی تو سب بُرا لگوں
کہتے... زور... اور... وہ ہکلا رہی تھی... یو کھلا گئی تھی... کوئی
بات نہیں سن رہی تھی... نہ ہر کے جذبات کا بھی خیال تھا...
"لیکن یہ سب آپ ہی نے تو کہا تھا... مومنہ جو کہے، وہی
کا حاسے..."

نہیں برکھن نظر یوں؛ در ایسے سوالات کے جوابات کے لئے اس کے پاس الفاظ تھے اور نہ جوابات و جہت ... روپڑ بن گیا تو وہ لڑکے جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی ...

مہندی کی رات بڑے بال میں منائی گئی تھی... مومنہ کو بھی وہی
 چٹایا ہوا تھا... غیر کہ بھی لڑکیاں اس کے کمرے سے کھینچے لائیں...
 اس کو مہندی لگائی... منہ میٹھا کرایا... مومنہ کو مہندی لگائی...
 منہ میٹھا کرایا... گانے گائے گئے... رخصت ہوئے... ایک دروازے
 کے نام کے ساتھ بٹے، ماسیے گائے گئے... غرض ہر قسم کا شگن کیا...
 ہر انداز میں خوش منائی گئی...

تقریب اپنے عروج پر تھی... حفظہ بڑی بیماری آواز میں غیر کا
سہرا گارہی تھی... اس میں موش کا بھی نام تھا... زبیر سے کل سا
انور کو کمرے سے باہر نکل آیا... کچھلے بسا دے میں اندھیرا تھا... وہاں
کھٹنے والی بال کی کھڑکی میں سے اندر دیکھنے لگا...
”اوہ خدایا... یہ سب تو اس کی توقع سے بہت مختلف تھا۔“

مومنہ پر نگاہ پڑی... مسکوا ہٹوں سے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا...
 رنگ ترنگ... نور پرنور، پور ہا تھا... نہ میر نے گھبرا کر پرسیدہ
 چھوڑ دیا... (اندرا لٹاؤ سے دیکھنے لگ گئے تھے... ایسا تو اس نے
 نہیں چاہا تھا... پر... اسے یاد آیا... مومنہ کی تو ذہنی حالت
 ہی شک نہ تھی...)

چلتے آلاؤ، اس خیال سے ٹھڈے پڑنے لگے... اس نے پھر غصہ سا پردہ سرکایا... اب نظر عیس پر جا پڑی... وہ بھی تو... وہ بھی تو... خرض ہی دکھائی دے رہا تھا... لو کیاں بسے مذاق کمر رہتی تھیں، وہ ہنس رہا تھا... کسی کسی کے مذاق کو خوبصورت سا، چٹپٹا سا جواب بھی دے دیتا تھا... بار بار نگاہ اٹھا کر اس کو نے میں حجب دیکھتا تھا، جہاں مومنہ سہیلیوں کے جھڑٹ میں بیٹھی تھی، تو اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے رنگ پھیل جاتے تھے... مومنہ جیسے تو نہیں... پر... کچھ الگ سے... منفرد سے... ایسے روپ میں، اس نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا... اپنی شادی کے دنوں میں بھی نہیں... کیا تھا... یہ کیا تھا...

وہ اُلجھ کر... جھنجھلا کر، وہیں برآمدے میں ہی بیٹھنے لگا۔
ادھر رقص و سرود کی غفلت جی رہی، ادھر یہ سوچتا رہا، سلگتا رہا۔
سنگریٹ پھونکتا رہا اور... موموشہ کی طلب، عیاں بہت، محبت سوا

ہوتی گئی... اس کے بغیر وہ زیادہ سے زیادہ بے قرار ہوا جا رہا تھا...
 اپنی خوشیوں، ہنگاموں والی حالت اس نے زخم دے گئی کہ وہ
 سیکہ نہیں پار رہا تھا، کسی کو سہلائے، کسی کو پیسنے سے لگاٹھے اور
 کسے رستہ چھوڑ دے...
 رات ہی کی طرح دن بھی ہنگامہ خیز تھا... کسی کو علم نہیں تھا
 کہ زہیر اس گھر میں موجود تھا... سوائے گلشن کے... اس نے
 ماں اور باپ کو بھی نہیں بتایا تھا... باپ سے ڈرتی تھی... اور
 ماں سے ڈرتا تھا وہ برداشت نہ کر سکے گی... شور مچا دے گی...
 روٹنا بیٹنا شروع کر دے گی... کہ... ابھی بھی زہیر کے لئے جہاں
 کے دل میں ساری اولاد سے زیادہ امتا تھی... اس کے دیکھے
 گئے اسنے زخم لے کر بھی وہ اسی کے لئے مرنے تھیں...
 مومنہ نے جیسی خواہش کی تھی عبیدہ ایسا ہی دھکنا تھا...
 وہی لباس، وہی اندازہ اور چہرے پر وہی مسکراہٹیں، خوش مزاجی
 اور زندہ دلی کی، جن کے لئے مومنہ نے التجا کی تھی... وہ بڑا
 دلچسپ، بے حد سمارٹ اور نبے انتہا پُرکشش لگ رہا تھا...
 نکاح خواں آیا... نکاح پر بٹھا گیا... اس کے بعد دو لھا
 اور دہن کو پاس پاس بٹھا دیا گیا... حفظہ کے بجائی نے بہت
 ساری تصویریں اتاریں... علیحدہ علیحدہ... دونوں کی اکٹھی بھی...

ہرگز اویسے سے... ہر سمت سے... مسکراہٹوں والی... بھید کی والی...
 ہنسنے چہروں کی... ایک دوسرے کو نکتے ہوئے... ایک دوسرے میں
 گم... غرض سینکڑوں تصویریں کھینچ ڈالیں...
 سب نے عبیدہ کو سلامیاں دیں... مومنہ کو بہت سارے مخالف
 پیش کئے گئے... بغیر کسی لاپرواہی کے یا بدسلوکی کے واپسی کی امید
 کے... یہ صرف غلوں و عیبت کے نذرانے تھے... مومنہ کے
 ڈنکوں کو اور عبیدہ کی عظیم قربانی کو یہ خراج عقیدت تھا...
 جہاں آرا پریشان حال پھر رہی تھیں... یہ سب تو حلالہ کے
 عمل کا حصہ نہ تھا...
 سب دیکھیں... سب تنگن ہونے کے بعد روکیاں رخصتی
 کے گیت گانے لگیں... اس وقت جہاں آرا کو بڑا رونا آیا...
 یوں تو سارا دن یہی عالم رہا تھا... اٹھتی بیٹھتی آنسو ہی پتی
 نہ رہی تھیں... دونوں بیٹوں کی قسمتوں سے دشمنی تھیں بے حد...
 بار بار صبر کا دامن چھٹ جاتا... پر... برداشت کرتی گئیں...
 کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا...
 شام ہوتے ہوتے سب ہمان رخصت ہو گئے... دو لھا بھی
 گھر میں تھا... دھن بھی گھر میں... نہ برات چڑھی تھی، نہ ڈولی
 اٹھی تھی... پھر بھی... کچھ عجیب سی کیفیت اور جذبولیں گھر سے
 ہوتے سب لوٹ گئے... غم کے بھی... خوشی کے بھی... ہنسنے

ہوئے بھی... اور غم آلود آنکھیں سٹے بھی... ملا جلا تھا سب کچھ...
گھر میں صرف گھر کے افراد ہی رہ گئے تو... جہاں آرا مضطرب و بے چین
سی ہو کر نظروں ہی نظروں میں گھٹن سے پہنچنے لگیں...
”اب کیا کیا جائے...؟“

”میں کیا بناؤں...؟“ گلشن نے کندھے اچکاٹے... اتنی دھوم دھام
سے یہ خدا ہی تو ہو گئی تھی... اس کے بعد...؟ اس کے بعد...؟ ہر دم
میں ابرو زہیں ہیں یہ سوال اٹھ رہا تھا... ساتھ ہی گلشن کی نظریں بار بار
گھوم گھوم کر اپنے کمرے کی طرف، بار بار ہی نہیں...
زیریں بھی اسی گھر میں موجود تھا... گلشن نے آتے جاتے چوری چوری
اسے کھانا وغیرہ بھی دیا... چائے... پھل... خشک میوہ... ہر چیز اندر
پہنچاتی رہی تھی... مگر بھانسنے کیوں... زیر کھانے پینے کا بڑا شوقین بھی
تھا... پھر بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا... بس سگریٹ ہی پینے لگا تھا...
”یہ ہموک ہفتال کیوں بھائی جان...؟“
”بس... دل ہی نہیں چاہ رہا...“

”ہو چار دن کی بات ہے... سب ٹھیک ہو جائے گا... گلشن نے
اسے قتل دی... پھر ساری خوشیاں آپ کی... مومنہ آپ کی... چاند آپ
کا... اتنی دد تیں آپ کے پاس ہوں گی... ماشاء اللہ...“
زیر خاموش رہ گیا تھا... لیکن کچھ بے چین سا تھا... ”آپ ایسا
کریں آرام کریں... گتہ ہے آپ کی طبیعت کچھ...“

”ہاں ہاں تم جاؤ... تمہیں بہت کام ہیں... میرا کھر کھر...“
”ارے ہاں... یا دایا... اتنا ہی قریشی صاحب کے ہاں آپ کے
پاس جانے گئے تھے...؟ وہ مسکرائی... ”میں نے کہہ دیا تھا کہ آپ دو
دن کے سٹے کسی درستہ کے پاس اسلام آباد چلے گئے ہیں...“
”بڑی غفلت ہو گئی ہو...“

”شکریہ... آپ کی بہن ہوں نا...“
اتنی مدتیوں میں اس طرح تنہا بیٹھا تھا... اسے خوش کرنے کے لئے
اس کی تعریف کر دی...
”میں نے تو زندگی میں بڑی ہیوقضائیں کیں... بہت... اور ان
ہیوقضیوں کی وجہ سے... سب کچھ ہار گیا... زیر نے کک پڑو رہا...
بھری...“

”ہار کیوں گئے... اللہ آپ کو کامیابیاں دے... یہ سب آپ ہی
کی خاطر اور آپ ہی کی کامیابیوں کے لئے تو جو رہا ہے...“
”شاید...“ اس کی آنکھوں میں مانوس کے سامنے لرزے...
”شاید کیا ہوا...؟“

”اچھا جاؤ جاؤ... دیکھو تمہیں کوئی لپکا رہا ہے...“
”اوہ... قصور میں اتر رہی ہیں نا...“ گلشن اک دم تیزی سے
باہر نکل گئی...“

پھر اس کے بعد زیر کے پاس جا ہی نہیں سکی تھی... آٹھ ماہ

”شرع شریعت کی روش سے وہ اس وقت میان پوری ہیں... دونوں کا نکاح ہوا ہے۔۔۔“

”اور نہ میرے... جہاں آ رہے ہیں...“

”اس کو اس وقت بھول جاؤ...“ اس وقت اگر کوئی ایسی بات کی تو گناہ ہوگا... ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اب اس وقت زیر کا نام آتا ہے نا جائز ہے۔۔۔“

گلشن زیادہ عذر نہیں تھی... ماں اور باپ کی باتیں کانوں میں بڑ... پریشان سی ہو گئی... وہیں پاس ہی اس کے کمرے میں زیر تھا... وہ کہیں کچھ سن نہ لے... آخر مومن اس کی بیوی تھی... کہیں بھائی بھائی کے درمیان کچھ رنجش، کوئی بدگمانی نہ جنم لے... سمجھنے تو سب کچھ اس کی خاطر کیا تھا... اس کی قربانی، اس کی قربانی اور بدنامی نہ ہونے چاہئے۔

”راقی جی... آج ہی...“ وہ انہیں پکارتی رہی تھی کہ کاظمی صاحب نے فیصلہ ہی سنا دیا۔۔۔

”میں خود جا کر عمل کو مٹا لاتا ہوں... خدا کے احکامات کے مطابق ہر کام کیا جائے تو اس میں بھلائی بھی ہوتی ہے اور خیر و برکت بھی۔۔۔“

اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اس کے پاس سے گزر گئے۔۔۔ سارے علاج مشورے انہوں نے یہیں کرنا تھے... گلشن پریشان کی

دونوں کمرے تھے... مومنہ کا اندرا میں کا... بیچ میں ایک کاریڈور... اور پیچھے برآمدہ مشترک... بڑی ناکافی جگہ تھی اس کے لئے... قید خانہ تنہائی کا ٹ رہا تھا...

”تم نے کوئی مشورہ نہیں دیا...“ جہاں آ رہے ہیں وہی تھیں... گلشن کی نظریں پھر اپنے کمرے کی طرف اٹھ گئیں... کاریڈور میں دونوں ماں بیٹی کھڑی تھیں... زیر اندر سے سب کچھ سن رہا ہوگا... اگر سونہ گیا ہوا تو... اس لئے بھی گلشن کچھ کہنے سے، کوئی مشورہ دینے سے ہچکچا رہی تھی... مگر یہ کر رہی تھی... ”کاظمی صاحب بیگم کو تلاش کرتے ہوئے ادھر بی آئے۔۔۔“

وہاں ماں بیٹی کو کچھ کھڑکھڑکتے دیکھا تو قریب آ گئے... ”یہ سرگوشیاں سنا کیوں ہو رہی ہیں...“

جہاں آ رہے جلدی سے کاظمی صاحب کا بازو پکڑا اور وہی مشورہ ہو گلشن سے مانگ رہی تھیں، ان سے کہنے کے لئے انہیں کھینچنے ہوئے پھر سے گئیں... گلشن کے کمرے کی دیوار کے پاس... ادھر اندھیرا تھا ذرا ذرا...

”کیا عمود کو مومنہ کے پاس رات گزارنا ہوگی...“ وہ انتہائی رازدارانہ کاظمی صاحب سے پوچھنے لگیں... ”ہاں ہاں... کیوں نہیں...“ انہوں نے پشیمون پر بھیجے میں جواب دیا۔

کے پاس جائے گا... اسی ٹیبلے میں... یعنی دولہا کے دلپ میں...

”میں... میں... نہیں نہیں...“ وہ گڑبڑایا... کیا نامک ابھی ختم نہیں ہوا...“

”نہیں...“ کانہی صاحبہ انتہائی سنجیدگی سے بولے... ”یہ نامک نہیں ہے... یہ زندگی کی ایک سچائی ہے... اور اس عجیب گھونٹ کو صحت سے انکارنا ہے... جنہیں اپنی دہن کے پاس جانا ہوگا...“

گھنٹ ہار اور دستار لے آئی... کانہی صاحبہ نے خود اسے پہنایا... بڑے پیار سے... بڑی شفقت سے... ”چلو جاؤ...“ پھر مومنہ کے کمرے کی طرف اشارہ کیا... ”تمہیں جانا چاہیے...“

”ہاں... پلیز نہیں...“ عیبر نے تھک کر پستے ہوتے انتہا کی...

”مجھے اس آزمائش میں مت ڈالیں؟“
”بیٹے! یہ خدا کا فرمان ہے... اور ہر کام شرع و سنت کی رُو سے کرنا چاہیے... اس کے بغیر حلالہ کا عمل پورا نہیں ہوتا...“

کانہی صاحبہ نے عیبر کا بازو پکڑ لیا... ”جاؤ... مومنہ

ہوتی ہوئی ماں کی طرف پکی...“ اتنی جی...“
”وہ بلائے گئے ہیں عمو کو... خود... بر نفس نفیس... کہتے ہیں اسے مومنہ کے ساتھ رات گزارنا ہوگی...“ دیکھی تو نے باپ کی عقل...“
”اتنی جی...“

”تم سب نے مل کر یہ جو ڈرامہ کھیلا ہے نا...“ جہاں آرا گھنٹ کی سن رہی نہیں رہی تھیں... اپنی ہی کچے جا رہی تھیں... ”جگہ صحت اعتراض ہے اس پر... جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے...“
”دیکھو... اس کی صورت دیکھو...“ کانہی صاحبہ عیبر کا بازو پکڑے اسے کینچنے لگے آگئے تھے... ”کوئی پوچھے اسے کیا ہوا ہے... کیا دکھ ملا ہے...؟ گھنٹوں میں چہرہ دیئے پڑا تھا... رورہا تھا... کیوں... کیوں...؟“

ماں اور بہن کے سامنے انہوں نے اسے لاکھڑا کیا... اسے سمجھاؤ... نیکی کا کام کرتے ہیں تو خوشی خوشی سے...“
”راہیں اچھا بھلا خوش نظر آ رہا تھا... اب کیوں بدنے دھونے لگا...“ مہبان آرنے طنز بھری نگاہ عیبر پر ڈالی...

وہ ابھی تک اسی لباس میں تھا... بس گلے سے ہاتھ اتار دیا تھا اور سر پر سے دستار... نظر جھکائے کھڑا تھا... مجرموں کی طرح... کسی سے ملا نہیں رہا تھا...

”جاؤ بیٹا... اس کا بار وغیرہ لاؤ... اس طرح یہ اپنی دھن

”پاگل نہ ہو جایا کرو... ہر کام جائز طریقے سے
کرنا چاہیئے... چلو تم آؤ اور دھر اپنے کمرے میں...
تھکی ہوئی ہو... سیمانی طور پر بھی... اعصابی طور پر بھی...
اور ذہنی طور پر بھی...“

”اٹی جی! آج میں آپ کے پاس سوؤں گی... گلشن
بھی جلدی سے ان کے ساتھ چل دی... اپنے کمرے میں
جا کر نذیر کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی... اے
یقین تھا اس نے سب کچھ سن لیا تھا...“

اور... بیوی کو یا اس عورت کو جس سے بے نیاز محبت
ہو، اسے کسی دوسرے کے ساتھ، اس طرح، یا کسی بھی
طرح دیکھنا... جائز، ناجائز طریقے سے، اک شوہر
یا محبت کرنے والے مرد کی برداشت سے باہر تو ہے۔
پر... یہ تو اس کے اپنے ہی گناہ کی سزا تھی... وہ کیا
کرتی...؟ وہ کیا کرتی...؟



غیر کتنی، ہی دیر دروازے کے ساتھ لگا کھڑا رہا...
لباس دو لٹا والا... خوشی و مسرت کی علامت، پرچہ

تمہاری دلہن ہے... تمہارے نکاح میں آئی ہے...
اس لئے وہ اس وقت تمہاری عورت ہے... تمہاری ملکیت
... جائز... جاؤ اس کے پاس...
”وہ خیال رکھنا...“ مان نے پاس سے سرگوشی کی...
”نذیر کو اس سے بہت محبت ہے... اس کی محبت...“

کاظمی صاحب نے جہاں آرا کو گھورتے ہوئے پرے
دھکیل دیا اور غیر کو مومنہ کے کمرے کی طرف لے گئے...
”سیری بات سمجھتے ہو نا... جاؤ اپنی بیوی کے پاس...“
غیران کا مطلب بھی سمجھ گیا تھا... دھڑکنے، کانپنے،
لڑنے دلی کو تمام کمر اس نے صرف سر ہلا دیا... زبان
میں بولنے کی سکت نہ تھی... اور نہ ہی تدم اٹھانے،
بڑھانے کی ہمت... کاظمی صاحب نے پکڑا نہ ہوتا تو وہ
شاید گم بڑھتا...
اور... انہوں نے سہارا دے کر اسے کمرے کے

دروازے کے اندر داخل کر دیا... ”جاؤ... اندر سے
دروازہ بند کر لو...“

وہ اسے چھوڑ کر پہلے... جہاں آرا خشونت آمیز
نظروں سے انہیں گھور رہی تھیں... ”آپ تو ایس عجیب
انسان ہیں... نہیں جانتا تھا تو رہنے دیتے...“

آخر وقت تک جو اسے سمجھاتا رہا تھا... ”مہم نے اس کے لئے جو کچھ کیا ہے... جس جس طرح تن میں گلا ہے... راکھ ہوئے ہو... سمجھو وہ تمہارا حق ہو گئی... خیردارا مطلق کا نام نہ لینا۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے... بس وہ تمہاری ہے... تمہاری۔ تمہاری...“

جو اس کے الفاظ... جو اس کی تاکیدیں... اس کے کالوں میں گونج رہی تھیں...

”بیلی میری ہے... بیلی میری ہے...“ اس کے سامنے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی... دل میں خوشگوار سی دھڑکنیں بس گئیں... مہربی کی طرف دیکھتا دیکھتا وہ اُٹھا...

علاء نہیں! اسے چھوڑنا نہیں... یہ تمہارے بچائی کی ضمانت ہے... پاس ہی سے کسی نے سرگوشی کی... وہ ریت کی دیوار کی طرح وہیں ڈھے گی... اس نے ہم کو نظر پھیرتے ہوئے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائی اور آکھیں میچ لیں...

”مومنہ! تم میری ہو کہ میری زندگی میں داخل ہو میں بھی تو... کسی طرح... کس انداز میں... اسے کاش ایام میں اس دنیا میں نہ آتا... یا تم نہ آتیں...“

قدموں کی چاپ ہوئی... پھر اک شوخیو کا بھسکا سا اس کے ننھوں میں آن گھسا... بڑی مست کر دینے والی خوشبو تھی...

پر غم و اندوہ اور اعصاب پر تھکن... قدم آگے بڑھانے کی ہمت تھی نہ طاقت...

کمرے کا سارا سماں، خوابناک سا ماحول، ہلکی ہلکی ردماں پرورد سی روشنی اور سہانی سہانی سی خوشبو...

لیکن... یہ احساس بھی مارے ڈال رہا تھا... مومنہ اس کے نکاح میں آکر کبھی اس کی نہ تھی... یوں... یہ اس کی سہاگ رات نہیں بلکہ... یہ تو ایسے کچھ کی اور نا امید کی طویل رات تھی کہ جس کا کوئی سویرا ہی نہ تھا...

کھڑا کھڑا تھک گیا... مہنگیں پاؤں نعل بوس گئے تو ہوسے ہوئے قدم اُٹھتا... بے جان سے وجود کو گھیشٹا پھیدوں کی لڑیلوں اور غلائی بارسل... رنجیروں سے بھی مہربی کے پاس سے گزرا کمر پر سے دیوار کے ساتھ والے صوفے پر جا بیٹھا...

نظر پھر مہربی کی طرف اٹھی... مومنہ عروسی جوڑے میں ملیو بس اس پر بیٹھی تھی... ”ایک بار تمہارے نکاح میں آگئی تو بس... پھر اسے چھوڑنا نہیں... وہ تمہاری ہے... ازل سے تمہاری... بس اللہ کی طرف سے ملنے کے طریقے جدا ہونے میں... وہ تمہیں اس انداز سے مل گئی...“

پراس نے پھر بھی آنکھیں نہیں کھولیں... قریب ہی، بانگلی اس کے کانوں کے پاس، چوڑیوں کی جھنگلاہ ہوئی... موت کے سوا اور کون ہو سکتا تھا...

یہ خوشبو... یہ چوڑیوں کی چھسکار... یہ سہاگ رات... یہ
 چیلوں بیٹیوں سے بھی سوٹی سیج... اور... اس کی دلہن...
 اس کی محبت... مومنہ... جس کے لئے اس نے اک اک پل
 ہزار ہزار بے قراری کے ساتھ کاٹا تھا... اسے اپنا بنانے
 کی تمنا میں بہت سارا وقت مرو کر جیتا تھا... مگر آج... یہ
 خوشی، یہ زندگی، یہ جہنم کی آرزو ہی بھی تو...
 کھٹنے کو بے قرار کھینیں، اس نے اور زور سے پیچ لیں۔
 اس نے سانس روک کر، دل کی بیتاب ہوتی دھڑکنیں کو
 دھمکنے کی کوششیں کی...

”دعویٰ...!“ بڑی مدہم سی، بڑی مسترحم سی اور بے حد
 حرجوش کن سی سرگوشی کے ساتھ اک ترم نرم، گرم گرم ہاتھ اس
 کی پیشانی پر آن ٹپکا...
 اس ہاتھ کا لمس اتنا مسکور کن... اتنا سکون بخش تھا کہ وہ
 مستیوں میں ڈوبنے لگا...
 ”درا خیال رکھنا...“ زبیر کو اس سے بڑی محبت ہے...
 اور اس کی محبت...“

عیر نے گہرا کراہ نکلیں کھول دیں... پھر اک جھٹکے کے ساتھ مومنہ کا ہاتھ پر سے جھٹک دیا... جیسے وہ کوئی سانپ پھرتا تھا... البیڑ رنگ مار دے گا... مومنہ صوفے کے پیچھے کھڑی تھی... عیر نے ہاتھ جھٹکا تو وہ ہوسے ہوسے قدم اٹھاتی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی...

چند لمے مومن چپ چاپ کھڑی اسے تسکین دے رہی... عیبر کا دم گھٹ رہا تھا... عیبر کے دل کی دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی... عیبر کے اندر جذبات کا لاوا اُبل رہا تھا... کھول رہا تھا... پر... پر... جذبول کی شدت نے اس پر بری طرح کپکپاہٹ طاری کر دی تھی... اس کے باوجود اس نے ضبط کا دامن تھامے رکھا... حالت بری تھی... میرے کھٹے نہیں دبا...

”میرا گھونگھٹ نہیں کھولوں گے...“ وہی مترنم آواز کی جیسے نغمے کی طرح اس کے کاتوں میں اُترتی... وہی آواز جسے ہر دم سنتے رہنے کی اس کا دل تمنا کی کرتا تھا... پر اس نے کاتوں پر ہاتھ دھر لئے...

”تم میرے بھائی کی امانت ہو مومنہ...“
 ”میں تمہاری دلیں ہوں عمو...! بیسیوں لوگوں کے سامنے
 میرا تم سے نکاح ہوا ہے...“
 یہ کہنے کہتے مومنہ نے خود ہی گھونگھٹ بٹا دیا... ”جئے

دیکھو... مجھے پہچانو... میں تمہاری بیوی ہوں..."

غیر نے بہت چاہا کہ وہ اس کی طرف نظر نہ اٹھائے...
لیکن... مومنہ دہن بنی، ہوئی تھی... اس کی دہن... اس کا جلو
ایک بار، آخری بار دیکھنے کو دل بڑی طرح چل گیا... اس نے
نہیں اٹھائیں...

"اوہ...! ایسا سحر زدہ کر دینے والا رنگ روپ اور
عُش و جمال تو اس دن بھی اس کے چہرے پر نہ تھا، جب وہ
کنواری زہیر کے ساتھ میا کر آئی تھی... وہ ڈوب سا گیا...
یہ اس کے چہرے پر کیسے ملکوتی اور مادرانی سے رنگ تھے...
جنہوں نے اسے ایسا حُسن بخشا تھا... ہندوؤں کے... خوشیوں
کے... چاہتوں کے... زہیر سے ملنے کا وقت قریب آ
رہا تھا... وہ منزل کے قریب پہنچ رہی تھی... شاید
تجبی...

اسے وہ تمام خطوط یاد آ گئے جو اس نے زہیر کے لئے لکھے
تھے... "اوہ...! غیر نے اک دم نظر مٹائی... اور اس کی
ہلکی ہلکی نظر مومنہ کی پیشانی پر جا ملکی...

اس کا ٹیکہ بہت چمک رہا تھا... "ارے...! یہ تو
وہی سکتہ تھا جو اس نے مومنہ کو سلائی میں دیا تھا... اور اب
اس پر زنجیر لگا کر اس نے پیشانی پر ٹیکے کی طرح سجایا ہوا

تھا... چمکتا ہوا وہ عربی حروفِ دالائیکہ، جس کے معنی خوش قسمتی
کے تھے... بڑا سچ رہا تھا اس کی صبح پیشانی پر... خوش قسمتی
ہی کی طرح...

پر... کہیں کی خوش قسمتی... غیر کا سامن تو سدا بد بختیوں
نے کیا تھا... یہ زہیر کی خوش قسمتی تھی...
"بیلی اجاڑ سو جاؤ..."

"نہیں... آج کی رات، ساری رات میں تمہارے ساتھ
جاؤں گی... اتنے افسانوں کے بعد یہ ارمانوں بھری رات
ہیری زندگی میں آئی ہے... اور میں سو جاؤں... میرے
سوئے ہوئے بخت جاگے ہیں تو میں سو جاؤں... یہ کیسے
ممکن ہے..."

اس نے غیر کے قریب کھینکے ہوئے اپنے بازو اس کے
گلے میں جانی کر دیئے... جیسے بچوں کی دو ڈالیاں... نرم نرم
ملاٹ ملاٹ، موطر موطر...!

"اس کا تو دماغی توازن ہی درست نہیں رہا... جہاں آرا
کے الفاظِ غیر کے کانوں میں گونجے... "زہیر سے ملاقات ملنے کا
اشاعتِ مدہ اسے ہوا ہے..."

غیر نے سسپٹا کر یہ خوشبوؤں اور ہندوؤں سے مہکتا...
گرمی بخشا... اس کے بازوؤں کا ہار جلدی سے گزرن میں سے

سب کو...

"یہ کیا کہہ رہی ہیں..." فرزتے کا پتے غیر نے اسے
کندھوں سے تمام کر اٹھایا... یہ کیسا اگشٹ تھا... یہ کیسی
خبر تھی... روح افزا یا روح فرسا...
وہ پھیلی پھیلی آنکھوں سے روتی ہوئی مومنہ کو تک رہا
تھا... بارش اور دھوپ کا حسین امتزاج... نگاہ اس کے
دکھش چہرے پر جمی ہوئی تھی... اور اس کے سارے
وجود کی غریبوں میں گرم گرم خون بڑی تیزی سے گردش
کر رہا تھا... عذیبوں کی آہیں اتنی تیز تھی کہ اس کا سارا بدن
جیسے جل رہا تھا...

"میں سچ کہہ رہی ہوں... آج زندگی میں پہلی بار
اپنے اس راز کو افشا کر رہی ہوں... میں نے جس کو
چاہا... جس کی ہر دم تمنا کی... وہ تمہیں ہو... تم عمو...
جو اہل بلا نہ ایں تمہیں روزانہ آتے جاتے دیکھا کرتی تھی...
تب میں نے تمہارے شک اپنی ساری حیات کے پسینے سجا
لئے... پر... مفکر کے ہاتھوں مار گئی... میں مار گئی عمو...
مار گئی... اور اب..."

روتی روتی، آنسو اور پیار چھلکتی اس کی آنکھیں غیر کی
میرتوں میں ڈوبی آنکھوں میں ٹپک سی گئیں...

مکمل دیا... پھر اسے کندھوں سے تھاما اور زور زور سے
جھنجھوڑ ڈالا...

"بیلی... خدا کے لئے ہوش میں آؤ... اپنے ذہن کو
دماغ کو درست کرو... تمہیں تمہاری محبت جلد واپس مل
جائے گی... بہت جلد... میں کل ہی تمہیں ملا...
مومنہ نے تروپ کر غیر کے ہونٹوں پر اپنا لڑکا کا پتلا
ہاتھ رکھ دیا...

"ایسے نہ کہو... پلینز! ایسے نہ کہو... وہ صوفی سے
اٹھی اور نیچے غیر کے قدموں میں بیٹھ گئی...

"میں ہوش و حواس میں ہوں... پورے ہوش و حواس
میں... لیکن سب مجھے دیوانی سمجھ رہے ہیں... ہاں میں
دیوانی ہوں... پر تمہاری محبت میں... میں دیوانی ہوں...
میں دیوانی ہوں..."

وہ چپچپے لگی... پھر ٹھک کر غیر کے قدموں سے لپٹ
گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...

"مجھے معاف کر دو عمو...! بکھے معاف کر دو... میں
بہت خود غرض ہوں... اپنی اک خواہش کی تکمیل کے
لئے... اپنے اک پسینے کی تعبیر پائے کے لئے... میں نے
اشاہد اکھیل کھیل ڈالا... سب کو دکھ پہنچایا..."

غیر کے ہوش و حواس پر سبے خودی سی طاری کئے دے رہا تھا۔۔۔

”عمو! میرے چاند کو تم اپنی سر پرستی میں رکھنا۔۔۔ تمہی اس کا باپ بننا۔۔۔ مجھے اور کسی پر اعتبار نہیں۔۔۔ خدا کے بعد میں اسے صرف تمہارے آسرے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔۔۔“
غیر دانستوں پہ دانست جھائے بیٹھا تھا۔۔۔ گم شمع۔۔۔
بجور۔۔۔ لاچار۔۔۔ بے بس۔۔۔ زبیر کو کیا جواب دے گا۔۔۔؟
ماں اور باپ سے کیا کہے گا۔۔۔؟

مومنہ کا ہر فقرہ اسے اقل جھل بھی کر رہا تھا۔۔۔ اس کا انشا ہونے والا راز عہد کو زندگی کی نوید بھی دے گیا تھا۔
اس کی منزل بے سان و گمان اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ جسے کھو جتنے ہوئے اسے کئی جنم، کئی صدیاں لگ گئی تھیں۔۔۔

اور وہ چپکے سے۔۔۔ آن کی آن میں۔۔۔ اس کے سامنے آگئی تھی۔۔۔ اس کے زیادہ خوشی کا وقت اور کون سا ہو سکتا تھا۔۔۔ پر۔۔۔ پر۔۔۔ وہ تو پابند سلاسل تھا۔۔۔ وعدے اور عہدوں کا۔۔۔

غیر نے آنکھیں نو مدلی تھیں۔۔۔ سوچوں میں کھویا ہوا تھا۔۔۔ اور۔۔۔ مومنہ اپنے دل و سانس کے تلوں میں بیٹھی آنکھیں جھپکے بنا

”میں نے اپنی تمنا پالی ہے۔۔۔ تم میرے ہو گئے ہو۔۔۔ بس آج کی رات مجھے جی بھر کر اس فتح کی خوشی منا لینے دو۔ کل میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔۔۔ طلاق لے کر نہیں۔۔۔ صرف تمہیں آزاد کرنے کے لئے۔۔۔ تاکہ تم اپنی پسند کی روک سے شادی کر سکو۔۔۔ میں جانتی ہوں محبت کیا ہوتی ہے، اور اسے پانے کی تمنا کتنی شدید۔۔۔ دعا کرتی ہوں تمہیں تمہاری وہ بچتے والی مل جائے۔۔۔ جس کے لئے تم نے مجھے رد کیا۔۔۔ شازیہ کو ٹھکرایا۔۔۔“

اس کے رخساروں پر آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔۔۔ اور وہ غیر کو تنکے جا رہی تھی۔۔۔ اک ٹمک تنکے جا رہی تھی۔۔۔

ساری زندگی محرومیوں میں گزارنے کے بعد اک ایہ آج کا دن جو پالیا ہے، میری ساری زندگی کا حاصل ہے۔۔۔ کل حفظ وہ ساری تصویریں لا دے گی۔۔۔ وہ میرے پاس محفوظ رہیں گی۔۔۔ تکمیل تمنا کی یادگار۔۔۔ میرے ایک سکھ۔۔۔ ایک خوشی، ایک واحد پسند کی یادگار۔۔۔ ہمیشہ میرے پاس۔۔۔

اس نے غیر کے دونوں ہاتھ تھامے اور بے اختیار ہو کر انہیں جو سستی چلی گئی۔۔۔ اس کے گرم گرم ہونٹوں کا لمس

اسے دیکھ کر جا رہی تھی... اس نے اپنے ننھے سے دل کی
 بیسیوں بھر سے دل کی ہر آنکھ، ہر تنہا، ہر سیاں کمر ٹٹائی
 تھی...

عمر نے سب کچھ سنا تھا... ہر نغمہ کے ساتھ اس کے
عذبات چمکنے لگتے... کیفیات بدل جاتیں... دل میں اُننگوں
کے کارواں اُترے تھے... ہر بار اس کا جی چاہا تھا اسے
باز دُور میں جکڑے اور بیٹنے کے ساتھ لیٹائے... وہ
اس کی تھی... ہر طرح اس کی... قانوناً... شرعاً... مذہباً...
محبت کے نام پر... وفا کے نام پر... ہر انداز میں
اس کی...

پیر... وہ چاند کی ماں تھی اور... تو میری بیوی رہ چکی
تھی... اور اب... اور اب...

جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھ رہے ... ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ... اور آنکھوں میں اتار تے رہے ... دروازے پر دستک ہوئی ... دروازہ مقفل نہیں تھا ... دوسری بار دستک ہوئی تو وہ کھل گیا ... لکھن اندر داخل ہوئی ... انہیں پھر بھی علم نہیں ہوا ...

دروازوں نے چپکے کر اس کی طرف دیکھا... وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی... عمو آٹھ کر کھڑا ہو گیا... گلشن نے اس کو بازو پکڑا اور عجلت میں کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر نکال لے گئی...

پریشان مومنہ بھی ہو گئی تھی ... بخانے کیا معاملہ تھا؟
دروازے کی اڑل میں جا کھڑی ہوئی ... اس گھر کے ہر
نرد کے ساتھ اس کے منہ والے تھے ...

”یہ دیکھو... یہ رُقعہ... بھائی جان امریکہ واپس
چلے گئے۔“

کارپڈ میں رک کر ادھر اڑھتکتے ہوئے گلشن نے
کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ عیر کے ہاتھ میں تھما دیا...

”مجھے اپنے بچے اور الزبتھ یاد آ رہی ہے... میں ان سے علیحدہ نہیں رہ سکتا... اسی لئے واپس امریکہ جا رہا ہوں... فدا حافظ...“

اب... گلشنِ کبریا ہوئی نگاہوں سے غیر کو کھنے
 مکی... اب کیا ہو گیا سمو؟ بھابی کو پتہ نہ چلے...

چند لمے اسی طرح سبیرہ صورت بنائے عیسائی بیگم کی پکوان
والی اپنی جلی کو تکتا رہا... پھر باروؤں میں اسے سمیٹ کر
ہوسے سے سرگوشی میں پوچھنے لگا...
”کیا تمہیں یہی نہ وہ سیکھے والی سمجھ یوں...؟ تمہاری پیشانی
پر ہی تو سمجھا ہے...“
”لیکن... لیکن...“ مومنہ نے کچھ کہنا چاہا... پر... عیسائی کے شدید
ترین جذباتوں نے مومنہ کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا...
— ❖ —

وہ تو پہلے ہی دماغی طور پر... بنائے! یہ کیا ہو گیا...؟ گلشن تو
رہنے ہی لگ پڑی...
”عمو...! تم کیا کرو گے...؟ تمہاری وہ سیکھے والی، اور
بجائ بھی کو... ایک بار پھر بھائی جان دھوکہ دے گئے...“
عیسائی مومنہ کا دکھ دل میں اتار سے وہ مدتی ہوئی جہاں
آدا کے کمرے کی طرف بھاگی... مومنہ دھناڑ سے میں کھڑی تھی...
سب کچھ سن لیا تھا... اس کے اپنے لئے یہ خبر خوشی کی تھی...
ہنسنا چاہا... خوش ہونا چاہا... پر... دل دکھ کے مارے
کراہ اٹھا...
”نفعان تو سارا عمو کا ہو گیا... اس نے تو حرف حلاوت کے
لئے یہ تمکاح کیا تھا...“
مومنہ دکھی ہو کر سوچ رہی تھی کہ عیسائی کسے میں
آیا... بڑا ہی عموش تھا...
”عمو...! تم دکھی نہ ہونا... زبیر کے پہلے جانے کے باوجود
میں اپنے وعدے پر قائم ہوں... میں تمہارے راسخے میں
کبھی حائل نہیں ہوں گی... میں آج جا رہی ہوں... تم اپنی
پسند کی لڑکی سے... اس سیکھے والی سے شادی کر لیتا...“